وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ ﷺ

جلد ۲



تالیف

الشیخ العلامۃ نور الدین علی بن أحمد السمهودی

المتوفی ۹۱۱ھ

مترجم
شاہ محمد چشتی

نظر ثانی
محمد محسن

ادارہ پیغام القرآن

۴۰۔ اردو بازار، لاہور, Ph:042-7323241

وفاء الوفا
باخبار دار المصطفی ﷺ

تالیف

الشیخ العلامة نور الدین علی بن احمد السمهودی

المتوفی ۹۱۱ھ

مترجم: شاہ محمد چشتی

نظر ثانی: محمد محسن

حصہ دوم

ادارہ پیغام القرآن

IDARA PEGHAM-UL-QURAN

۴۰۔ اُردو بازار ○ لاہور ☎ 042-7323241

نام کتاب	....	وفاء الوفاء (حصہ اوّل اور دوم)
مصنف	....	الشیخ علامہ نور الدین علی بن احمد السمهودی
مترجم	....	شاہ محمد چشتی
ترتیب ونظر ثانی	....	محمد محسن
اہتمام اشاعت	....	محسن فقری
سال اشاعت	....	اپریل 2008ء
پروف ریڈنگ	....	شاہ محمد چشتی
کمپوزنگ	....	ہجویری کمپوزرز اینڈ ڈیزائنرز (0321-4553105)
پرنٹرز	....	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز
قیمت	....	دو جلد سیٹ =/1700 روپے

...............ملنے کے پتے...............

شبیر برادرز 40۔ اُردو بازار لاہور

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-555820)

اسلامک بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی (051-5536111)

نظامی کتب خانہ درگاہ بابا صاحب پاکپتن شریف

فہرست ﴿حصہ دوم﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس اللہ کی حمد و ثناء ہمیشہ ہوتی رہتی ہے جس نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو پاکیزہ ترین لوگوں میں نمایاں ہستی بنا رکھا ہے' کائنات میں سب سے اشرف و اعلیٰ مکمل پر درود و سلام ہمیشہ سے نازل ہوتے چلے آ رہے ہیں اور جاری رہیں گے نیز آپ کے ان آل و اصحاب پر جنہوں نے اپنے مال و جان اور ماں باپ تک آپ پر قربان کر دیئے پھر ان لوگوں پر بھی جو آپ اور ان سب کی اتباع کرنے والے ہیں ان سب کی اتباع ان کی طرف سے بہترین طریقہ پر تا قیامت جاری رہے گی۔

فصل نمبر ٤

کھجور کے تنے کا رونا

اس فصل میں کھجور کے اس تنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ سہارا لے کر حضور ﷺ خطبہ دیا کرتے' آپ کے منبر بنوانے کا ذکر ہے' منبر کے بارے میں گفتگو ہو گی' اس کے جل جانے کے بعد اس کا بدل کیا چیز بنائی گئی اور اس پر کپڑے ڈالنے کا ذکر ہو گا۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ ایک تنے کے سہارے خطبہ ارشاد فرماتے اور جب منبر تیار کر دیا گیا تو آپ اس پر تشریف لے گئے جس پر وہ تنا رونے لگا' آپ اس کے پاس تشریف لائے اور اس پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ (بخاری شریف)۔

اِسی میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن ایک درخت یا (فرمایا) کھجور کے درخت کی طرف اُٹھتے' ایک دن ایک انصاری عورت نے عرض کی (یا کوئی آدمی تھا) یا رسول اللہ! ہم آپ کے لئے ایک منبر نہ بنوا دیں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری مرضی' چنانچہ انہوں نے منبر بنوا دیا' جمعہ آیا تو آپ اس پر تشریف لے چلے' کھجور کا درخت بچوں کی طرح رونے لگا' آپ منبر سے نیچے تشریف لائے' اسے گلے لگا لیا' وہ یوں رو رہا تھا جیسے بچہ رو رہا ہوتا ہے (ہچکیاں لینے لگا)۔ حضرت جابر بتاتے ہیں' وہ اس ذکر کی وجہ سے روتا تھا جو اس کے قریب ہوا کرتا تھا۔

اسی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ مسجد کی چھت کھجور کے تنوں پر ڈالی گئی تھی' حضور ﷺ خطبہ دیتے وقت ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے جاتے اور جب آپ کے لئے منبر بنا دیا گیا تو آپ اس پر تشریف لے گئے چنانچہ اس تنے سے ہم نے ایسی آواز سنی جیسے عشار (دس ماہ کی بچہ جننے والی اونٹنی) رویا کرتی ہے۔ الحدیث۔

امام نسائی کے مطابق حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ وہ ستون اس طرح بے چین ہوا جیسے بچہ چھن

جانے والی اونٹنی بے چینی میں رویا کرتی ہے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' وہ لکڑی عقل و ہوش اُڑ جانے والی کی طرح روئی اور دارمی میں ہے کہ وہ تنا رونے والے بیل کی سی آواز نکالنے لگا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ آپ جب اس سے آگے تشریف لے گئے تو وہ پھٹ پڑا۔اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابی نے وہ تنا اس وقت پکڑ لیا تھا جب مسجد گرائی گئی' وہ آپ کے پاس اس وقت تک رہا جب تک گل کر چورہ نہیں ہو گیا۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے'اس کے بارے کہا گیا کہ گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا جائے۔عنقریب اس کے بارے میں کئی احادیث آ رہی ہیں' ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے کیونکہ احتمال یہ ہے کہ یہ مسجد گرانے کے بعد اس وقت دکھائی دیا ہو جب صفائی کی جا رہی ہو اور تب حضرت ابی بن کعب نے اسے لے لیا ہو۔

ابو الیمن بن عساکر اپنی ''تحفہ'' میں لکھتے ہیں: ایک روایت میں ہے کہ جب آپ منبر پر جلوہ افروز ہو ہو گئے تو وہ لکڑی یوں روئی جیسے بچے پر اونٹنی روتی ہے' اس پر آپ منبر سے اُتر آئے اور اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا۔اگلا دن آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ لکڑی وہاں نہیں تھی' ہم نے کہا: یہ کیا ہوا؟ تو راوی نے بتایا: حضورﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آئے تو انہوں نے اسے یہاں سے اور جگہ تبدیل کر دیا۔انتہی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضورﷺ خطبہ دیتے تو دیر تک کھڑے رہتے' اتنی دیر کھڑا رہنے میں دشواری ہوا کرتی چنانچہ کھجور کا ایک تنا پیش کیا گیا' گڑھا کھود کر آپ کے پہلو میں گاڑ دیا گیا تاکہ آپ اس کے سہارے کھڑا ہو سکیں پھر جب بھی خطبہ دینا ہوتا اور دیر تک کھڑے کھڑے آپ تھک جاتے تو اس کا سہارا لیتے۔کسی باہر سے آنے والے نے دیکھ لیا کہ آپ اس کا سہارا لے رہے ہیں تو اس نے اپنے قریب بیٹھے شخص سے کہا: اگر کوئی مجھے یہ بتا دے کہ محمدﷺ کسی آرام دہ چیز لانے پر مجھ سے خوش ہوں گے تو میں آپ کے بیٹھنے کے لئے کوئی شے بنا کر لے آؤں پھر جتنی دیر چاہیں اس پر بیٹھا کریں یا کھڑے ہوا کریں۔یہ بات نبی کریمﷺ تک پہنچ گئی تو آپ نے فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ! اسے حاضر خدمت کیا گیا تو آپ نے اسے تین یا چار سیڑھیوں والی چیز بنا کر لانے کا حکم فرمایا' اب وہ چیز مسجد میں آ چکی تھی۔آپ نے اس پر سکون محسوس فرمایا اور جب آپ تنے سے الگ ہوئے اور اس بنی چیز کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو وہ اونٹنی کی طرح رونے لگا۔

حضرت ابن بریدہ نے اپنے والد سے سن کر گمان کیا کہ نبی کریمﷺ نے جب تنے کو روتے سنا تو اس کے پاس واپس تشریف لائے' اپنا دستِ اقدس اس پر رکھا اور فرمایا: دو چیزوں میں سے جو چاہو میں ویسے ہی کر دیتا ہوں' چاہو تو تجھے اسی جگہ لگا دیتا ہوں جہاں تم پہلے تھے پھر یونہی رہو گے اور اگر چاہو تو تمہیں جنت میں لگا دیتا ہوں' تمہیں وہاں کی نہروں اور چشموں کا پانی ملے گا' تم خوبصورت ہو جاؤ گے اور پھل دینے لگو گے' تمام اولیاء تمہارا پھل کھائیں گے اور پھر تو ہمیشہ وہاں رہے گا' جو چاہو میں کرتا ہوں۔ابن بریدہ کا خیال ہے کہ انہوں نے نبی کریمﷺ سے سنا' وہ اس

سے فرما رہے تھے' ہاں میں نے یوں کر دیا (دو مرتبہ) اس بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو فرمایا: اس نے چاہا ہے کہ میں اسے جنت میں گاڑ دوں۔

قاضی عیاض کے اس بارے میں یہ الفاظ ملتے ہیں: اگر تم چاہو تو تجھے اسی باغ میں لگا دوں جہاں تم تھے پھر تمہاری جڑیں پھوٹ آئیں گی اور تم پوری طرح کھجور کا درخت بن جاؤ گے' نئے سرے سے ٹہنیاں اور پھل لگ جائیں گے اور اگر چاہو تو تمہیں جنت میں لگا دیتا ہوں' اولیاء اللہ تمہارا پھل کھایا کریں گے۔

اس کے بعد آپ نے اس کی طرف کان دھرا کہ سنیں وہ کیا کہتا ہے تو اس نے عرض کی' آپ مجھے جنت ہی میں لگا دیں' اولیاء اللہ میرا پھل کھایا کریں میں ایسے مکان میں ہونگا جہاں گل نہ سکوں گا۔ایک قریبی آدمی نے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔میں نے یوں کر دیا اور پھر بتایا کہ اس نے دارِ فناء کے مقابلے میں دارِ بقاء کو پسند کیا ہے۔

حضرت حسن یہ حدیث بیان کرتے تو رونے لگتے اور فرماتے: اے اللہ کے بندو! ایک لکڑی تو حضور ﷺ کے سامنے عشق میں روتی ہے کیونکہ وہ آپ کا مقام جانتی ہے' ایسا شوقِ ملاقات تو تمہیں ہونا چاہئے تھا۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم کو اس لکڑی کے رونے پر تعجب نہیں ہوا' اس پر لوگ متوجہ ہوئے اور اس کے رونے کی آواز سنی' پھر خوب روئے۔

ابن عبد البر کے الفاظ یہ ہیں: جب آپ اس کے قریب سے آگے گذر گئے تو وہ رونے لگا اور پھٹ پڑا' حضور ﷺ واپس اس کے پاس تشریف لائے' اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ پرسکون ہو گیا' پھر منبر کی طرف تشریف لے گئے۔راوی کہتے ہیں کہ جب بھی آپ نماز پڑھتے' اسی کی طرف رُخ ہوتا اور جب مسجد گرائی گئی تو وہ تنا حضرت ابی بن کعب نے لے لیا' وہ ان کے پاس اس وقت تک رہا جب تک مٹی نے اسے کھا نہیں لیا اور وہ چور چور نہیں ہو گیا۔یہ روایت پہلے والی تاویل سے بے نیاز ہے کیونکہ بظاہر وہ دفن نہیں کیا گیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ معاملہ دفن کرنے کے بعد ہوا ہو۔آپ اس کی طرف چلے اور قریب ہی نماز پڑھی کیونکہ وہ آپ کی نماز کی جگہ کے قریب ہی تھا جیسے ہم تحقیق کریں گے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ خطبہ دیتے وقت کھجور کے تنے کا سہارا لیتے' اسی دوران ایک رومی شخص آیا اور عرض کی' میں آپ کے لئے منبر بنا دیتا ہوں' آپ اس پر خطبہ دیا کریں چنانچہ اس نے یہ منبر بنا دیا جو تمہارے سامنے ہے۔ جب آپ اس پر کھڑے ہوئے اور خطبہ شروع فرمایا تو تنا ایسے رونے لگا جیسے اونٹنی اپنے بچے کے لئے روتی ہے' آپ منبر سے نیچے اُترے اور اسے گلے لگا لیا' وہ پرسکون ہو گیا' پھر آپ نے اسے دفن کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس کے لئے گڑھا کھودا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں' رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے تو ایک تنے سے سہارا لیتے' اسی دوران ایک رومی کا وہاں سے گذر ہوا تو وہ کہنے لگا: اگر محمد مجھے بلا کر حکم فرمائیں تو میں آپ کے لئے ایسی چیز بنا دیتا ہوں اس سے بہتر رہے گی' صحابہ نے آپ نے عرض کی تو آپ نے پیغام بھیج کر اسے منگوایا چنانچہ اس نے منبر تیار کر دیا۔راوی کے

مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: فرمایا تھا: ہاں چنانچہ وہ تنا دھنس گیا اور آپ چلے گئے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تنے سے لگ کر خطبہ دیتے اور جب منبر بنوا لیا گیا اور آپ اس کی طرف مڑے تو وہ تنا رونے لگا' آپ اس کی طرف تشریف لائے' گلے لگایا تو وہ چپ ہو گیا' آپ نے اس دوران فرمایا: اگر میں یوں نہ کرتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔

علامہ اسفرائنی نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے پاس بلایا تھا' وہ زمین چیرتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ سے لپٹا اور پھر اپنی جگہ پر چلا گیا۔

منبر کس نے بنایا؟

حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضور ﷺ کو دیکھتے تو آپ کو دونوں رانوں میں تکلیف محسوس ہوتی جسے زجر کہتے تھے۔ حضرت تمیم نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لئے منبر نہ بنا دوں جس پر آپ کھڑے ہو جایا کریں کیونکہ یہ بیٹھتے اُٹھتے وقت آپ کو آرام دے گا؟ فرمایا: یہ منبر کیسے بنتا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میں آپ کو بنا دوں گا۔ وہ جنگل کی طرف گئے اور اثل کی لکڑی کاٹی اور اس سے (منبر کے) بیٹھنے کے علاوہ دو زینے بنائے چنانچہ آپ اس لکڑی سے الگ ہو گئے جس سے خطبے کے دوران سہارا لیتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ اسے منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا۔ مطلب بن حطب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تنے کے بارے میں حکم دیا چنانچہ منبر کے نیچے گڑھا کھودا گیا اور اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ مطلب کہتے ہیں کہ منبر بنانے والا نصیبہ مخزومی کا غلام تھا اور منبر اُثلہ نامی درخت سے بنایا گیا تھا جو مسجد کے قریب تھا۔

حضرت سہل بن سعد کے پاس کچھ لوگ آئے' وہ اس شک میں مبتلا تھے کہ یہ کس لکڑی سی بنایا گیا تھا ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا: بخدا میں جانتا ہوں کہ یہ کس لکڑی سے بنا تھا' میں نے اسے اس وقت دیکھا جب وہ رکھا گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ پہلے دن آپ اس پر کب بیٹھے۔ حضور ﷺ نے فلاں انصاری عورت کی طرف پیغام بھیجا (سہل نے اس کا نام بھی لیا) کہ اپنے بڑھئی غلام کو حکم دو کہ میرے لئے کچھ لکڑیاں تیار کر دے جن پر خطبہ دیتے وقت میں بیٹھا کروں' اس نے بڑھئی سے کہا تو اس نے طرفاء الغابہ سے لکڑی لا کر بنا دیا اور اس کے پاس لے آیا' اس نے رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا' آپ نے اسے حکم دیا تو وہ یہاں لا کر رکھ دیا گیا پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اس پر نماز پڑھی اور اسی پر تکبیر کہی تھی' رکوع اسی پر کیا پھر پچھلے پاؤں واپس ہوئے اور منبر کی بنیاد میں سجدہ کیا۔

یحییٰ کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ اَثل سے بنایا گیا اور میں ان میں شامل تھا جس نے اس کی یہ سیڑھی اُٹھائی تھی۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے (کتاب الھبہ) وہ منبر لے کر آئے تو نبی کریم ﷺ نے اُٹھا کر اسے اس مقام پر رکھا

جہاں تم دیکھ رہے ہو۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ایک راوی نے ان کے قول "فلاں انصاری عورت" میں غلط فہمی دکھائی اور علاثہ کا نام لیا لیکن یہ غلط ہے' اس عورت کا نام تو کسی کو بھی معلوم نہیں۔

حضرت مالک کہتے ہیں کہ وہ بڑھئی حضرت سعد بن عبادہ کا غلام تھا تو احتمال یہ ہے کہ اصل میں اس کی بیوی کا غلام ہی ہو اور سعد کی طرف نسبت مجازی ہو' ان کی بیوی کا نام فکیہہ بنت عبید بن دلیم تھا اور وہ ان کی چچا زاد تھیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ عورت یہی ہو لیکن ابن راھویہ نے اسے بنو بیاضہ کا غلام قرار دیا ہے' کرمانی کے نزدیک عورت کا نام عائشہ تھا' میرا خیال ہے کہ راوی کی جعل سازی ہے پھر اوسط میں حضرت جابر کی حدیث میں نے دیکھی کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ایک ستون کے ساتھ نماز پڑھتے اور اسی کے سہارے خطبہ دیتے' عائشہ کو حکم ملا تو اس نے آپ کا یہ منبر بنایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خطبہ دیتے تو ایک تنے کا سہارا لیتے' پھر فرمایا: میں اس سے تکلیف محسوس کرتا ہوں' اس پر تمیم داری نے عرض کی' کیا میں آپ کے لئے منبر نہ بنا دوں جیسے شام میں بنتے ہیں؟ حضور ﷺ نے اس بارے میں مسلمانوں سے مشورہ لیا تو انہوں نے بنوانے کا مشورہ دیا' حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: میرے پاس ایک غلام ہے جو کلاب نام والا ہے' وہ لوگوں کے ایسے کام کرتا ہے' فرمایا: اسے کہہ دو کہ بنا دے۔الحدیث

تنے کا مقام

ابن ابی الزناد وغیرہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن مسجد میں ایک تنے کے سہارے خطبہ دیتے تھے' اس کی جگہ اس اسطوانہ مخلقہ کے پاس تھی جو قبر انور کے قریب تھا جو اس اسطوانہ مخلقہ کے بائیں طرف تھی جس کے پاس نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے اور جو صندوق ہی تھا' نبی کریم ﷺ نے فرمایا' کھڑا ہونا میرے لئے دشوار ہو گیا ہے پھر پاؤں میں تکلیف کا ذکر کیا۔ کہتے ہیں کہ اس پر تمیم داری نے عرض کی (وہ اہل فلسطین کے لخم قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے) یا رسول اللہ! میں آپ کے لئے ویسا منبر بنا لاتا ہوں جیسے میں نے شام میں بنتے دیکھے ہیں۔ جب حضور ﷺ نے مشورہ کے لئے رائے دینے والے لوگوں کو اکٹھا کر لیا تو حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: میرے پاس ایک غلام ہے جس کا نام کلاب ہے' وہ لکڑی کا کام کرتا ہے' حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بنانے کا کہہ دو۔

انہوں نے غلام کو اثلہ درخت کی طرف بھیجا' اس نے اسے کاٹا اور دو سیڑھیاں بنا دیں اور ایک جگہ بیٹھنے کے لئے بنائی پھر وہ یہ منبر لے کر آیا اور وہاں رکھ دیا جہاں آج کل موجود ہے۔ حضور ﷺ خوش ہوئے اور جمعہ کے دن منبر تک پہنچنے کے لئے اس سے آگے گزرے تو تین مرتبہ وہ تنا رویا' لگتا تھا بیل رو رہا ہے' لوگ ڈر گئے' کئی بھاگ گئے' حضور ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے' اپنا ہاتھ لگایا تو وہ چپ ہو گیا اور اس کے بعد وہ رویا نہیں' رسول اللہ ﷺ دوبارہ منبر

کی طرف تشریف لے گئے اور اس پر کھڑے ہو گئے چنانچہ حضور ﷺ ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں یونہی ہوتا رہا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد گرانے کا حکم دیا تو تنے کے بارے اختلاف ہوا' ایک نے کہا کہ اسے ابی بن کعب نے لیا ہے' وہ انہی کے پاس رہا حتیٰ کہ مٹی اسے کھا گئی۔ ایک اور نے کہا کہ وہ اپنی ہی جگہ پر دفن کر دیا گیا۔

تنا رونے کی حدیث اور اس کی شہرت

حضرت عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ تنا رونے کی حدیث مشہور ہے اور ہر طرف بکھر چکی ہے' یہ خبر متواتر ہے اور اسے دس سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہے۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ تنے کے رونے کا قصہ اتنا ظاہر ہے کہ اسے سلف سے سن کر پچھلے لوگ بیان کر رہے ہیں۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ جمادات میں بھی اللہ تعالیٰ ایسی سوجھ بوجھ پیدا فرما دیتا ہے جیسے انسان میں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمایا ہے' وہ کسی اور نبی کو نہیں دیا' عمرو بن سواد کہتے ہیں' میں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو مردہ زندہ کرنے کی شان دی تھی' اس پر انہوں نے کہا: حضرت محمد ﷺ کو یہ کمال عطا فرمایا کہ تنا رونے لگا' لوگوں نے اس کی آواز سنی' یہ اس سے بھی بڑا کمال ہے۔

وہ مقام جہاں تنا دفن کیا گیا

ابن زبالہ نے اس کی لکڑی کے دفن کے بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے چنانچہ عثمان بن محمد کہتے ہیں کہ اسے منبر کے بالکل قریب اس کی بائیں طرف دفن کیا گیا۔ کچھ کہتے ہیں کہ منبر کی مشرقی جانب اس کے پہلو میں دفن کیا گیا' ایک نے کہا کہ منبر کے نیچے دفن کیا گیا اور پہلے روایت گذر چکی ہے کہ جہاں تھا' وہیں دفن کیا گیا اور کلامِ یحییٰ والی روایت کا حاصل یہ ہے کہ مشرق میں مصلّٰی کی بائیں طرف دفن کیا گیا۔

عبد العزیز بن محمد کہتے ہیں کہ خوشبودار اسطوانہ اس کے دو ثلث تھا یا اتنا ہی' محراب اس تنے کی جگہ تھا جس کے سہارے آپ خطبہ دیتے' اس کے اور قبلہ کے درمیان ایک ستون تھا اور پھر اس کے اور منبر کے درمیان بھی ایک ستون تھا۔

تنے کی وجہ سے لوگوں نے بدعت گھڑ لی

میں کہتا ہوں کہ یہ اسطوانہ وہی ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ مصلّٰی شریف کی علامت تھا' یہ اس کی دائیں طرف تھا اسی لئے عقبہ نے وہ روایت کی ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا یعنی حضور ﷺ کے مقام میں نماز کے اندر قیام کرنا' ذرا اس سے ہٹ کر ہونا چاہئے' یہ روایت مطری کے لئے ان کے اس قول کی سند ہے کہ: یہ تنا مصلّائے رسول ﷺ

کی دائیں طرف مسجد کی قبلہ والی دیوار کے ساتھ ملا ہوا' بائیں طرف والی شمع کی کرسی والی جگہ پر تھا جو نماز پڑھانے والے امام کی دائیں طرف نبی کریم ﷺ کے قیام کی جگہ پر واقع تھا اور اس کرسی سے پہلے والا قبلہ کی جانب کا ستون تنا کی جگہ سے آگے تھا' لہٰذا ان کے اس قول کے ہوتے ہوئے اس شخص کے قول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جس نے اسے تنے کی جگہ پر بتایا ہے۔ عقبہ نے کہا: اس میں ایک ظاہر لکڑی ہے جو سکّے سے مضبوط ہے اور اس جگہ کی طرف سیدھی ہے جو اسطوانہ کے پتھروں میں سے ایک پتھر میں کھلتی ہے اور جس پر سفیدی کی گئی ہے اور یہ لکڑی ظاہر ہے' عام لوگ کہتے ہیں کہ یہ وہ لکڑی ہے جو نبی کریم ﷺ کے لئے روئی تھی' ایسا ہے نہیں بلکہ یہ ان بدعتوں میں سے ہے جن کا ازالہ ضروری ہوتا ہے تاکہ لوگ آزمائش میں نہ پڑ سکیں جیسے وہ جزعہ (چھری کا دستہ) اُتار دیا گیا جو قبلہ والے محراب میں تھا۔

علامہ مجد لکھتے ہیں کہ اس لکڑی کے پاس لوگوں کا ہجوم رہتا تھا جو اس کی زیارت کرتے اور ہاتھ لگایا کرتے اور عام لوگ یہی خیال کرتے کہ یہی وہ تنا ہے' اس پر بعض فقہاء نے خیال کیا کہ یہ ایک انوکھی چیز ہے جس کو دور کر دینا ضروری ہے اور کتابوں میں اس کے خلاف لکھا ہے' آخرکار ہمارے شیخ عز بن جماعہ کو پتہ چل گیا تو اسے دور کرنے کا حکم دیا۔ مجد کہتے ہیں کہ اس لکڑی کی جگہ اس ستون میں زمین سے دو ہاتھ بلند تھی اور اس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں' ظاہر یہ ہے کہ یہ لکڑی اس کی تھی جس پر نبی کریم ﷺ ہاتھ رکھا کرتے اور فرمایا کرتے تھے: اپنی صفیں درست کر لو۔ واللہ اعلم۔

منبر بنانے والے کے بارے میں دوبارہ گفتگو

ابن زبالہ نے منبر بنانے والے شخص کے بارے میں اختلاف کا ذکر کیا ہے چنانچہ کہا گیا کہ وہ نصیبہ مخزومی کا غلام تھا' کچھ کہتے ہیں' عباس کا غلام' کسی نے کہا کہ سعید بن عاص کا غلام تھا اور اسے باقول کہا جاتا تھا اور کسی نے کہا کہ قبیلۂ بنو ساعدہ کی ایک انصاری عورت کا غلام تھا یا کہا گیا کہ انصار کے ایک آدمی کی عورت کا غلام تھا جس کا نام ''مینا'' تھا۔

ابن زبالہ کا قول ''اسے مینا کہا جاتا تھا'' احتمال رکھتا ہے کہ اس سے مراد غلام اور عورت کا شوہر ہو' لیکن اسماعیل بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جس نے منبر بنایا وہ انصاری عورت کا غلام تھا جس کا نام مینا تھا۔ ابی بن اویس کہتے ہیں: ایک انصاری عورت کے غلام نے منبر بنایا تھا جس کا نام مینا تھا' وہ عورت بنو سلمہ یا بنو ساعدہ سے تعلق رکھتی تھی یا ان میں سے ایک عورت کے غلام نے بنایا تھا جس کا نام مینا تھا اور اس میں بھی پہلے کی طرح وہی احتمال موجود ہے۔ کسی نے کہا کہ اسے تمیم داری نے بنایا۔ یہ ابن زبالہ کی تحریر کا حاصل ہے۔

یحییٰ سے ایک روایت ہے کہ منبر بنانے والا صباح تھا جو عباس کا غلام تھا حالانکہ پہلے اس کا نام کلاب گذر چکا ہے' علامہ مراغی نے اپنے ایک شیخ سے لکھا ہے کہ اس کا نام باقوم تھا جس نے قریش کے لئے کعبہ بنایا تھا۔ استیعاب میں

باقوم رومی نے بتایا: میں نے طرفاء سے لکڑی لاکر حضور ﷺ کے لئے منبر بنایا جس کے تین درجے تھے' ایک بیٹھنے کی جگہ اور دو سیڑھیاں تھیں۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! لوگ زیادہ ہو گئے ہیں تو کاش آپ کوئی ایسی شے بنا لیتے جس پر خطبہ دیتے وقت کھڑے ہو جایا کرتے' آپ نے فرمایا: جو چاہو کرو۔ حضرت سہل کہتے ہیں کہ مدینے میں صرف ایک بڑھئی تھا چنانچہ میں اور وہ بڑھئی غابہ کی طرف گئے تو اثلہ درخت سے ہم نے اس منبر کے لئے لکڑی کاٹی پھر سہل نے ان لکڑیوں میں سے ایک لکڑی اُٹھائی' علامہ مجد اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی سند صحیح ہے۔ قاسم بن اصبغ کہتے ہیں کہ مدینہ میں صرف ایک بڑھئی تھا جسے میمون کہتے تھے۔

علامہ طبرانی' سہل سے روایت کرتے ہیں: میں اپنے انصاری خالو کے پاس بیٹھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غابہ کی طرف جاؤ اور اس کی لکڑی لے آؤ اور میرے لئے منبر بناؤ۔ طبرانی کے مطابق اس کا نام ابراہیم تھا اور ابن شبہ کی ''اسماء الصحابہ'' میں اس کا نام قبیصہ یا قصیبہ مخزومی تھا جو ان کا غلام تھا۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ جب حضور ﷺ عمر بوجھل ہو گئے تو تمیم داری نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے منبر نہ بنا دیں جو آپ کو سہارا دے سکے' آپ نے فرمایا' ضرور بنا دو چنانچہ انہوں نے ایک منبر بنایا جس میں بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ دو زینے تھے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ جن روایات میں بڑھئی کا نام ملتا ہے' ان میں سے یہ قوی سند ہے لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں کہ جس نے منبر بنایا وہ تمیم تھا بلکہ ابن سعد کی پہلی روایت سے ظاہر ہے کہ تمیم نے اسے نہیں بنایا تھا سب سے زیادہ بہتر قول یہ ہے کہ وہ میمون تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مقدمہ الشرح میں یہ قول اس کے قول منافی نہیں ''مشہور قول میں اس کا نام باقوم ہے'' کیونکہ کبھی غلط بات مشہور ہو جاتی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ''منبر بناؤ کیونکہ میرے باپ ابراہیم نے بھی بنایا تھا پھر فرمایا عصاء بناؤ کیونکہ میرے باپ ابراہیم نے بنایا تھا۔''

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن ایک لکڑی سے پیٹھ لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور جب لوگ زیادہ ہو گئے تو فرمایا: میرے لئے ایک منبر بنا دو چنانچہ انہوں نے آپ کے لئے ایک منبر بنایا جس کی دو سیڑھیاں تھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے لئے منبر بنایا گیا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے لکڑیوں کے جوڑنے پر اسے بنانے کا نام دیدیا ہو لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں' ایک اہل سیرت نے لکھا ہے کہ آپ مٹی سے بنے منبر پر اس وقت خطبہ دیتے تھے جب ابھی لکڑی کا منبر نہیں بنا تھا۔

میں کہتا ہوں' احتمال یہ ہے کہ مٹی سے بنا وہ منبر تنے کی ایک جانب تھا اور شاید وہ صرف ایک اونچی جگہ تھا' نہ اس کی سیڑھیاں تھیں اور نہ اس پر بیٹھنے کی جگہ' صرف آرام دہ جگہ تھی لہٰذا یہ اس کے منافی نہیں جس میں لکڑی کے سبب منبر

بنانے کا ذکر ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین کے اندر حدیث افک کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں: اوس وخزرج بھڑک اُٹھے' لگتا تھا کہ ابھی ایک دوسرے کو قتل کریں گے اور رسول اللہ ﷺ منبر پر تھے۔ الحدیث یہ قصہ پہلے گذر چکا ہے جس میں منبر کو لکڑی سے بنانے کا ذکر ہے۔ ابن نجار نے کہا ہے کہ اسے ۸ھ میں بنایا گیا تھا اور ابن سعد نے یقین سے کہا ہے کہ یہ ۷ھ میں بنا تھا علاوہ ازیں تمیم اور عباس کے اسے بنانے میں یہ ذکر بتاتا ہے کہ یہ ان کے بعد بنا تھا کیونکہ حضرت عباس کی آمد فتح مکہ کے بعد ۸ھ کے آخر میں ہوئی تھی جبکہ تمیم ۹ھ میں آئے تھے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام میں بیٹھے ہوتے' کوئی پردیسی آجاتا تو اسے پتہ نہ چلتا کہ آپ کون سے ہیں چنانچہ ہم نے مطالبہ کیا کہ ان کے لئے بیٹھنے کے لئے کوئی شے بنا دیں تاکہ آنے والا آپ کو پہچان سکے اس لئے ہم نے آپ کے لئے مٹی کا ایک چبوترہ بنا دیا جس پر آپ بیٹھا کرتے۔ ایک اور طریقے سے حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص آیا تو نبی کریم ﷺ اس چبوترے پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی الزناد کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ منبر کی بیٹھنے والی جگہ پر بیٹھا کرتے اور دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھتے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے اور نچلے درجہ پر پاؤں رکھتے اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو تیسرے درجہ پر کھڑے ہوتے اور بیٹھتے وقت پاؤں زمین پر رکھتے اور پھر جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو خلافت کے چھ سال تک یونہی کرتے رہے اور پھر حضور ﷺ کی جگہ اختیار کر لی۔

لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی بنے تو انہوں نے منبر میں زیادتی کر دی چنانچہ اس کے چھ درجے بڑھا دئے' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے منبر پر قبطیہ چادر چڑھائی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے منبر کو شام میں لے جانے کی کوشش

کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے موقع پر آئے تو انہوں نے منبر کو حرکت دی' ارادہ یہ تھا کہ اسے شام لے جائیں جس کی بناء پر اس دن سورج کو گہن ہو گیا اور ستارے دکھائی دینے لگے' انہوں نے لوگوں سے معذرت کی اور کہا میرا ارادہ یہ دیکھنا تھا کہ اس کے نچلے حصے کی حالت کیا ہے' ڈر تھا کہ کہیں اسے مٹی نے کھا نہ لیا ہو۔

کچھ علماء کہتے ہیں کہ اسی دن انہوں نے منبر پر قبطی یا یعنی چادر چڑھائی تھی۔ علامہ یحییٰ کہتے ہیں کہ ہمارے یقین کے مطابق سب سے پہلے یہ چادر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چڑھائی تھی' ابن نجار نے واقدی سے بذریعہ ابن ابی الزناد نقل کیا' کہتے ہیں: یہ چادر کسی عورت نے چوری کر لی' اسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے یہ چوری کی ہے؟ وہ مان گئی تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔

تاریخ واقدی کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۵۰ھ میں منبر کو دمشق میں لے جانے کا ارادہ کیا

تو اسی دن سورج گہنا گیا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سلسلے میں ان سے بات کی تو انہوں نے اسے وہیں رہنے دیا' عبد الملک نے ارادہ کیا تو ان سے قبیصہ نے بات چنانچہ انہوں نے رہنے دیا' ولید کا دور آیا تو اس نے لے جانے کا ارادہ کیا' اس پر حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو اس بارے میں پیغام بھیجا' انہوں نے اس بارے میں بات کی تو انہوں نے بھی ارادہ ترک کر دیا اور جب سلیمان سے منبر لے جانے کے بارے میں کہا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا: خدا کی پناہ' ہم تو دنیا دار ہیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اسلام کی ایک عظیم علامت کو یہاں سے لے جائیں' یہ کام میں تو نہیں کروں گا' نہ ہی میں چاہوں گا کہ اس بارے میں عبد الملک یا ولید سے بات کروں' اس سے ہمارا کیا مطلب؟

منبر کے چھ زینے

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے مروان کو کہلا بھیجا کہ منبر نبوی ان کے پاس بھیج دیا جائے چنانچہ انہوں نے اسے اُٹھانے کا حکم دیا جس پر مدینہ میں تاریکی چھا گئی اور سخت آندھی چلی چنانچہ مروان باہر نکلا اور اس نے خطبہ دیا' کہنے لگا: اے اہلِ مدینہ! تمہارا خیال یہ ہو گا کہ امیر المؤمنین نے رسول اللہ ﷺ کا منبر اُٹھا لانے کا کہا ہے' امیر المؤمنین تو خوب جانتے ہیں کہ منبر رسول اللہ ﷺ کو اس کے مقام سے اکھاڑنا کیسا ہے' مجھے انہوں نے صرف یہ حکم دیا ہے کہ اس کا احترام کروں اور اسے اونچا کر دوں۔ کہتے ہیں' چنانچہ اس نے بڑھئی کو بلا کر اس میں وہ زیادتی کر دی جو آج دکھائی دیتی ہے اور اسے وہاں رکھا جہاں آج موجود ہے۔

ابن قطن کہتے ہیں کہ مروان بن حکم نے منبر رسول کو اُکھاڑنے کا ارادہ کیا' اس وقت اس کے دو زینے اور اوپر بیٹھنے کی جگہ الگ تھی' اس کا ارادہ تھا کہ اسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دے' اس پر سورج گہنا گیا اور ہم تارے نکلے دیکھے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اس میں چھ زینوں کا اضافہ کیا اور پھر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے لوگوں کی کثرت دیکھ کر اسے اونچا کیا ہے۔

یحییٰ کی ایک اور روایت ہے کہ مدینہ میں مروان گورنر تھا' اسی دوران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا منبر میرے پاس بھیج دو' مروان نے نکل کر اسے اکھاڑا تو ہمیں سیاہ آندھی نے آلیا اور دن میں تارے نظر آنے لگے' آدمی دوسرے آدمی سے بھڑ جاتا لیکن پہچان نہ سکتا تھا۔ اس کے بعد یحییٰ نے مروان کی پہلی معذرت بیان کی' اس نے کہا: مجھے انہوں نے صرف یہ کہلا بھیجا ہے کہ اسے اونچا کر دوں' پھر اس کے لئے بڑھئی منگوائے اور یہ زینے بنائے اور پھر منبر اس کے اوپر رکھ دیا۔ یہ اضافہ چھ زینوں کا تھا' راوی کہتے ہیں کہ ان سے پہلے اور بعد کسی اور نے اضافہ نہیں کیا۔

ابن زبالہ کی ایک روایت بذریعہ مطلب ہے کہ: جس شخص نے منبر کے زینے بڑھائے وہ معاویہ بن ابوسفیان

رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

سفیان کہتے ہیں: کثیر کہتے ہیں' مجھے ولید بن رباح نے بتایا کہ جس دن حضرت معاویہ نے زینوں میں اضافہ کیا' اس دن سورج گہنا گیا اور ستارے دکھائی دینے لگے۔

ابن نجار نے مروان کی زیادتی کا ذکر کیا ہے جس سے بیٹھنے والے جگہ سمیت منبر کے نوزینے بن گئے پھر بتایا کہ جب ۱۶۱ھ میں مہدی مدینہ میں آیا تو حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: میرا ارادہ یہ ہے کہ منبر کو اس کی سابق حالت کے مطابق بنا دوں۔ اس پر مالک نے کہا' یہ طرفاء (جھاؤ) سے بنا ہے' مجھے یہ دونوں بچھڑیاں دکھائی دے رہی ہیں' یہ بندھی ہوئی ہیں لہٰذا اسے جب الگ کرو گے تو خدشہ ہے کہ گر کر برباد ہو جائیں گی' اس لئے میرا نہیں خیال کہ اسے تبدیل کرو چنانچہ مہدی نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور چلا گیا۔

منبر شریف کے کُل زینے

میں بتاتا ہوں کہ اب تک مؤرخین کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا منبر کے بیٹھنے کی جگہ کے علاوہ دو زینے ہونے پر اتفاق ہے لیکن دارمی کی گذشتہ روایت میں آ چکا ہے کہ "یہ تین یا چار زینے تھے" ایسا انہوں نے شک کی بناء پر کہا جبکہ مسلم میں ہے کہ "یہ تین درجے تھے" اُنہوں نے شک کا ذکر نہیں کیا پھر شرح المنہاج میں کمال دمیری نے لکھا: منبر کے تین زینے آرام دہ جگہ کے علاوہ تھے' شاید اس کا ماخذ ظاہر ہے اور یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے' پہلے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین' پھر دوسرے دوسرے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا: آمین' پھر تیسرے زینے پر رکھا تو پھر آمین فرمایا' اس پر صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! ابھی ہم نے سنا کہ آپ نے تین مرتبہ آمین کہی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں جب پہلے زینہ پر چڑھا ہوں تو جبریل آئے اور کہنے لگے: وہ شخص بدبخت ہے کہ جس کے ہوتے رمضان المبارک آئے اور اس کی بخشش ہوئے بغیر گذر جائے' اس پر میں نے آمین کہی' اگلے زینے پر اس نے کہا: وہ شخص بھی بدبخت ہوگا جس کے پاس آپ کا ذکر ہوا اور وہ درود نہ پڑھے' اس پر میں نے آمین کہی' پھر کہنے لگا بدبخت ہوگا وہ شخص جس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک موجود ہوں اور وہ اسے جنت میں داخل نہ کرا سکیں' تو میں نے آمین کہہ دی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منبر کے پاس آ جاؤ' ہم جمع ہو گئے' آپ نے پہلے زینہ پر قدم رکھا تو فرمایا' آمین۔ پھر دوسرے پر قدم رکھ کر فرمایا' آمین اور پھر جب تیسرے درجے پر چڑھے تو فرمایا آمین پھر آپ اُتر آئے تو ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی۔ فرمایا: جبریل سامنے آئے اور کہنے لگے: وہ شخص رحمت سے دور ہوا جسے رمضان دیکھنا نصیب ہوا لیکن اس کی بخشش نہ ہو سکی۔ میں نے آمین کہی۔ پھر جب میں دوسرے زینہ پر چڑھا تو اس نے کہا: وہ شخص رحمت خداوندی سے دور ہو گیا جس کے پاس آپ کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے۔ میں نے آمین کہا اور جب میں تیسرے زینہ پر چڑھا تو وہ کہنے لگا:

وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے جس کے پاس اس کے بوڑھے والدین یا ان میں سے ایک ہو اور وہ اسے جنت میں داخل نہ کرا پائیں، میں نے کہہ دیا: آمین۔ ممکن ہے کہ اس وقت (پہلی آمین کے وقت) آپ بیٹھنے کی جگہ پر چڑھے ہوں اور یہ تیسرا زینہ تھا۔

منبر کا پھیلاؤ

ابن زبالہ کے مطابق آسمان کی طرف منبر کی اونچائی دو ہاتھ تھی اور چوڑائی ہر طرف سے ہاتھ بھر تھی اور وہ مربع شکل کا تھا، اسی میں ہے کہ آپ کی پچھلی طرف تین گول ٹہنیاں تھیں، ایک ضائع ہو گئی اور دوسری ۱۹۸ھ میں اکھڑ گئی جو داؤد بن عیسیٰ کے حکم پر دوبارہ لگا دی گئی اور منبر کی دیوار میں مروان نے جو کچھ کیا، وہ دس چھڑیاں تھیں جو حرکت نہ کرتی تھیں۔ مروان کی لگائی چھڑی سمیت نبی کریم ﷺ کے منبر کی اوپر کو لمبائی ساڑھے تین ہاتھ تھی۔

پھر اس نے آج کی پیائش کے بارے میں گفتگو کے بعد لکھا کہ بیٹھنے کی جگہ مربع شکل کی تھی، وہ ہر طرف سے دو بالشت اور چار انگل تھی چنانچہ ان کے پہلے قول "اس کی چوڑائی ایک ہاتھ مربع تھی" کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے منبر کی بیٹھنے والی جگہ مراد لی ہے کیونکہ انہوں نے دو زینوں کا ذکر نہیں کیا اور اس لئے بھی کہ گذشتہ مضمون کے بعد انہوں نے لکھا: منبر نبی کے پائیوں کے نیچے سے اُوپر کے کنارے تک پانچ بالشت سے قدرے زیادہ تھی، اس کے زینوں کا عرض دو بالشت اور لمبائی ایک بالشت تھی جبکہ سہارا لگانے کی جگہ تک پیائش دو بالشت سے کچھ زیادہ تھی جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ منبر نبوی کی پیائش قبلہ کی طرف سے شام کی طرف چار بالشت سے کچھ زیادہ تھی کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ زینے کا عرض دو بالشت اور بیٹھنے کی جگہ دو بالشت چار انگل تھی اور ان کے اس قول "منبر نبوی کے نچلے پائیوں کی طرف سے الخ" کا مطلب یہ ہے منبر نبوی کی زمین کی طرف سے اوپر والی جگہ جہاں آپ ہاتھ مبارک رکھتے تھے پانچ بالشت سے قدرے زیادہ تھی اور یہ پیائش اڑھائی ہاتھ بنتی ہے اور پھر پہلے بتایا جا چکا ہے کہ منبر نبوی کی بلندی دو ہاتھ تھی چنانچہ جالی کی بلندی آدھا ہاتھ ہوئی۔

ابن نجار کا کہنا ہے کہ منبر نبوی کی لمبائی دو ہاتھ ایک بالشت اور تین انگشت تھی اور چوڑائی ہاتھ سے قدرے زیادہ تھی جبکہ آپ کے سہارا لگانے کی اونچائی ہاتھ بھر تھی اور انار جیسے ان دو نشانوں کا طول جن پر آپ بیٹھتے وقت ہاتھ رکھا کرتے تھے، ایک بالشت دو انگشت تھا اور چوڑائی مربع ہاتھ تھی۔ یہ بات ابن زبالہ کے خلاف ہے۔

ابن زبالہ نے قبر انور اور منبر کی درمیانی جگہ کی فضیلت بتاتے ہوئے منبر کے گرد لگے مرمر کا ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں: منبر میں نیچے سے اوپر کی طرف تین مقامات پر بکھری ہوئی سات سات دراڑیں تھیں اور مشرق کی طرف مروان کے بنائے حصے میں اٹھارہ گول سے سوراخ تھے اور مغرب میں بھی اتنے ہی سوراخ تھے، اس کے اندر گولائی میں پانچ چھڑیاں تھیں جن میں سے کچھ تو ختم ہو گئیں اور دو باقی بچی تھیں جن میں سے ایک، داؤد بن عیسیٰ کی مدینہ میں گورنری

کے موقع پر ۸۹۱ھ میں، گر گئی چنانچہ اس کے حکم سے دوبارہ لگا دی گئی۔

ایک اور مقام پر کہا: منبر کی دیوار میں مروان نے جو کچھ کیا وہ دس چھڑیاں تھیں جو حرکت نہیں کرتی تھیں، پھر کہا کہ بالخصوص منبر نبوی میں اس کی تینوں جانب پانچ چھڑیاں تھیں جن میں سے کچھ ضائع ہو گئیں۔ پھر منبر کی پیائش کے بعد ان کے الفاظ یہ ملتے ہیں: آج کل منبر کی لمبائی چار ہاتھ ہے جبکہ چوڑائی ایک ہاتھ سے کچھ زیادہ ہے پھر آخری رمانہ اور منبر نبوی کے قدیم رمانہ کے درمیان ایک ہاتھ سے کچھ زیادہ فاصلہ ہے، پھر منبر نبوی کے رمانہ اور منبر کے اگلے حصے کے نئے رمانہ کے درمیان دو ہاتھ سے کچھ زیادہ پیائش ہے پھر رمانہ اور زمین کے درمیان تین ہاتھ سے کچھ زیادہ پیائش ہے پھر آج کے منبر کی لمبائی زینہ کے نیچے سے آخر تک سات ہاتھ اور ایک بالشت ہے جبکہ اس کے زمین سے آخر تک کی لمبائی چھ ہاتھ ہے، اب یہ بات طے ہے کہ ان کے کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین میں منبر کی مرمری زینے کے نچلی طرف، سامنے سے منبر کے آخر تک لمبائی سات ہاتھ اور ایک بالشت ہے اور زمین میں آخر تک کا پھیلاؤ چھ ہاتھ ہے جس میں سیڑھی شامل نہیں، یوں ان کی کلام کا تسلسل صحیح ہو جائے گا پھر انہوں نے ذکر کیا ہے کہ منبر کے گرد مرمر لگا ہوا ہے جو ہاتھ بھرا بھرا ہوا ہے اور اس کا کچھ نیا حصہ بلند نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر انہوں نے کہا کہ منبر مرمر کے اوپر بنا ہے اور اس کے درمیان واقع ہے چنانچہ مرمر کا نام رخام رکھا گیا ہے۔ نیز کہا: اس مرمر کی حد منبر کے قبلہ میں واقع دو ستونوں سے شام کی جانب والے ستونوں (منبر کے سامنے والے) تک ہے۔ ابن نجار نے اس مرمر کا نام ''دَکّہ'' رکھا ہے جس پر منبر رکھا ہوا ہے پھر کہا ہے کہ اس کی اوپر کو لمبائی ایک بالشت اور ایک پورا ہے، اسے حسین بن جبیر نے اپنے سفر نامے میں اسے حوض کہا ہے اور شائد انہوں نے یہ نام اس روایت سے لیا ہے کہ منبر حوض پر ہوگا اور پھر اس مرمر کی لمبائی چوڑائی ہماری بتائی ہوئی کے قریب ہے جسے ہم مسجد نبوی کی حدود کے ذکر میں بیان کر چکے ہیں پھر کہا کہ اس کی بلندی ڈیڑھ بالشت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جب ہمارے دور میں تعمیر کے نگران نے مسجد شریف کی زمین کھدوائی اور اسے مصلّے کے برابر کرنا شروع کیا تو یہ مرمر وہاں موجود تھا اور مصلّے کی زمین سے اس کی بلندی ابن نجار اور ابن جبیر کے لکھے کے مطابق تھی پھر جب انہوں نے اس مرمر پر بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا تو اس پتھر کے اردگرد کھدائی کی جس کے دوران پتہ چلا کہ یہ مصلّے شریف کی اس زمین سے ذرا نیچے تھا جس پر آج کل منبر بنا ہوا ہے اور اس کے پیچھے قبلہ کی طرف تین ہاتھ کی کانس تھی، جس کی لمبائی سات ہاتھ اور ایک بالشت تھی، وہ اندر سے خالی تھی اور حوض کی شکل والی تھی چنانچہ ابن جبیر کا اسے حوض کہنا اس وقت معلوم ہوا اور آئندہ آنے والی یہ بات بھی سچ ہو گئی کہ منبر پانچ بالشت وسیع تھا کیونکہ اس دکھائی دینے والے اندر سے خالی حوض کی اوپر سے نیچے پتھروں تک پیائش پانچ بالشت تھی۔

رہا ابن زبالہ کے پہلے قول: ''آج کل منبر کی لمبائی چار ہاتھ ہے'' سے مراد یہ ہو کہ یہ ہوا میں اس کی لمبائی ہے جس میں وہ چھ زینے بھی شامل تھے جنہیں مروان نے بڑھا دیا تھا چنانچہ چھ زینوں کا طول دو ہاتھ ہوا تو ہر زینہ تین ہاتھ کا

ہوا جو ابن زبالہ کی طرف سے بتائے منبر نبوی کے زینوں کی لمبائی کے قریب ثابت ہوا اور مناسب بھی یہی تھا۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ منبر نبوی' چار ہاتھ کی زیادتی کو شامل کر کے' زمین سے اوپر تک نو ہاتھ اور ایک انگشت بلند تھا۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ زین کی تحریر میں میں نے یونہی دیکھا اور انہوں نے ''نو ہاتھ'' کا قول محفوظ رکھا جو اس نسخہ میں غلط ہے جو میں نے دیکھا کیونکہ جو ہم نے ابن زبالہ سے بیان کیا' وہ زینہ کی سیڑھی سے آخر تک تھا اور پہلے کی بناء پر اس کا ثبوت بھی دے چکے اور ہمارے غلط کہنے کا فیصلہ اس لئے ہے کہ ایسے میں ان کی کلام کے دونوں اطراف مل نہیں پاتے اور پھر ایسے میں ہوا کے اندر اس کی بلندی نو ہاتھ اور ایک بالشت بنتی ہے اور جب ایسی کوئی عمارت کھڑی ہو گی تو وہ چھت کے قریب ہو جائے گی جبکہ اس زمانے میں منبر کا اس قدر بلند ہونا نہایت دور کی بات تھی اور پھر یہ بات بھی ہے کہ ابن زبالہ یہ تصریح کر چکے ہیں کہ مروان کی طرف سے اضافہ چھ زینے تھے جس سے لازم آتا ہے کہ ہر زینہ ایک ہاتھ سے قدرے زائد ہو اور یہ انتہائی بعید بات ہے اور جو کچھ ہم نے ابن زبالہ سے نقل کیا وہ ابن نجار کے ذکر کردہ کے قریب قریب ہے کیونکہ انہوں نے منبر کی وضاحت کرنے کے بعد لکھا: آج کل منبر کی لمبائی تین ہاتھ' ایک بالشت اور تین انگشت ہے اور وہ مرمر جس کے یہ اوپر ہے اس کی لمبائی بالشت سے قدرے زیادہ ہے اور منبر کے سرے سے مرمر کے نزدیک زمین تک پانچ ہاتھ' ایک بالشت اور چار انگل ہے' آج کل اس میں دو زینے بڑھا دئے گئے ہیں اور ان پر دروازہ لگا دیا گیا ہے جو جمعہ کے دن کھلتا ہے۔ انتہٰی چنانچہ یہ پیمائش ابن زبالہ کی ذکر کردہ اس پیمائش کے قریب ہے کہ منبر کا ہوا میں طول چار ہاتھ ہے اور زمین میں سیڑھی سے آخر تک اس کا پھیلاؤ چھ ہاتھ کا ہے اور پھر فقیہ ابو الحسین محمد بن جبیر کے ذکر کردہ کے مطابق ہے کیونکہ انہوں نے کہا تھا: میں نے مدینہ شریف کا منبر ۵۷۸ھ میں دیکھا تھا' زمین سے قد انسانی یا اس سے قدرے زیادہ بلند تھا' اس کی فراخی پانچ انگشت تھی' لمبائی پانچ قدم (۲۵ فٹ) تھی اور آٹھ زینے تھے' دریچی کی طرح اس کا دروازہ تھا' جس پر تالا لگا تھا جو جمعہ کے دن کھولا جاتا تھا' دروازے کی لمبائی ساڑھے چار بالشت تھی۔ یہ وہی منبر تھا جس کی وضاحت ابن نجار نے کی تھی کیونکہ انہوں نے اس کی تاریخ ۵۹۳ھ مقرر کر دی تھی اور پھر وہ مسجد میں آتشزدگی سے پہلے ۶۴۳ھ کو فوت ہو گئے جبکہ مسجد میں آتشزدگی ۶۵۴ھ کو ہوئی جیسے آگے آ رہا ہے اور اسی میں یہ منبر جل گیا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کی برکت سے محروم ہو گئے۔

ابن جبیر نے ابن نجار سے بڑھ کر اس منبر کی تعریف کرتے ہوئے کہا: وہ آبنوس کی چھڑی سے ڈھانپا ہوا تھا اور حضورﷺ کی نشست گاہ اوپر سے صاف دکھائی دیتی تھی' اس پر آبنوس کی بنی تختی لگی تھی جو اس سے ذرا فاصلے پر تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ کوئی اس پر بیٹھ نہ سکے کیونکہ ایسے میں لوگ اس کے اندر ہاتھ ڈالتے ہوئے بطور تبرک اس نشست گاہ کو چھو سکیں گے اور منبر کے داہنے پائے کے سرے پر (جہاں خطیب خطبہ کے موقع پر ہاتھ رکھتا تھا) چاندی کا اندر سے خالی گولائی والا مستطیل حلقہ تھا (چھلاّ) جو درزی کے اس چھلّے کی طرح کا تھا جسے وہ انگلی میں پہنا کرتا ہے البتہ یہ اس سے بڑا

تھا' یہ ایک کھلونا تھا' اپنی جگہ میں گھوم سکتا تھا۔انتہٰی۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ منبر وہ نہیں جس کا ابن زبالہ نے ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کی یہ صورت نہیں بتائی کیونکہ ''طراز'' میں وہ یوں لکھتے ہیں کہ منبر والی جگہ کے اوپر غلاف کی طرح کا خول چڑھایا گیا ہے اور منبر کی اعلیٰ جانب الماری تھی جو ریاض الجنۃ سے ملتی تھی چنانچہ لوگ اس میں اپنا ہاتھ ڈالتے' منبر نبوی کو چھوتے اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔انتہٰی یہ سب کچھ ابن زبالہ کے بعد ہوا۔

مطری کہتے ہیں' مجھے مجاوروں کی اولاد میں سے یعقوب بن ابوبکر نے بتایا' ابوبکر مسجد کے نگرانوں کی طرف سے فرش کی صفائی پر مقرر تھے' اسی کے ہاتھ سے مسجد میں آتشزدگی کا واقعہ ہوا تھا' کہ وہ منبر جسے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھایا اور اسے بلند کر دیا' اس میں وقت گذرنے کی بناء پر کمزوری آ گئی' پھر بنو عباس کے ایک خلیفہ نے اسے از سر نو بنایا اور منبر نبوی کی بچی ہوئی چھڑیوں میں سے کچھ ٹوٹی پھوٹی بطور تبرک رکھ لیں اور وہ منبر بنایا کہ ابن نجار سے پہلے جس کا ذکر کیا ہے۔

یعقوب کہتے ہیں کہ یہ بات میں نے مدینہ کے کئی قابلِ بھروسہ لوگوں سے سنی اور یہ بھی سنا کہ اس جلے ہوئے منبر کو مذکور خلیفہ نے بنایا' اسی منبر کو ابن نجار نے دیکھا کیونکہ ان کی وفات آتشزدگی سے پہلے ہو گئی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ ''تحفہ'' میں ابن عساکر کے کلام کا ظاہری معنٰی یہ بنتا ہے کہ منبر شریف کے جلنے تک صرف کچھ ہی چیزیں بچی تھیں اور یہ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے آتشزدگی دیکھی تھی۔پھر اپنے شیخ ابن نجار کے یہ الفاظ لکھے: منبر نبوی کی بقایا پرانی اشیاء جل گئیں اور زائرین اس منبر کے سرے کو ہاتھ لگانے سے محروم ہو گئے جس پر حضور ﷺ بیٹھتے وقت ہاتھ رکھا کرتے تھے اور اس جگہ کو بھی ہاتھ لگانے سے محروم ہو گئے جہاں آپ دو خطبوں کے درمیان اور ان سے پہلے بیٹھا کرتے تھے جبکہ آپ کے مبارک قدموں کے چھونے میں عام برکت تھی اور یہ کام فائدہ مند تھا۔اس میں ہر جانے والے کو بدلہ ملتا اور یہ ہر فوت ہونے والی نیکی کا بدلہ ہوتا۔انتہٰی۔

یہ قول اس بات میں بڑا واضح ہے کہ آتشزدگی تک اُن کی ذکر کردہ اشیاء باقی تھیں اور پھر اس کی تائید ابن جبیر کے سفرنامے سے بھی ہوتی ہے اور مصنف طراز سے بھی بلکہ ہمیں اس کی صحت پر مزید دلیل بھی مل گئی جو اس بات کی شہادت بنتی ہے کیونکہ تعمیر کے نگران نے جب منبر کی بنیاد کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس مرمر پر' جس کا ذکر گذر چکا اور جس کے بارے میں کہا گیا کہ منبر اس پر تھا تو دیکھا گیا کہ وہ اندر سے حوض کی طرح خالی تھا۔ابن جبیر نے اس بارے میں یونہی لکھا ہے چنانچہ انہوں نے قبلہ والی جگہ میں جلے ہوئے منبر کی بہت سی لکڑیاں دیکھیں (یعنی جو منبر نبوی سے بچی ہوئی تھیں) چنانچہ پہلے لوگوں نے برکت حاصل کرنے کے لالچ میں انہیں اس جگہ کے درمیان میں رکھ دیا اور پھر اس پر اینٹیں لگا کر اس حوض کا پیٹ پوری طرح بند کر دیا اور وہ عین برابر تھڑا سا بن گیا اور پھر اس پر وہ منبر رکھ دیا جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔

خود میں نے مغیر کے وہ دو پائے دیکھے ہیں جن کے اوپر کی طرف دو انار جیسی دو چیزیں تھیں دونوں پائیوں کے لئے حوض کو احاطہ کرنے والے پتھر میں سے قبلہ کی طرف حوض مذکور کے باطن میں ایک ہاتھ اور تہائی ہاتھ گڑھے کھودے گئے' وہ حوض پانچ بالشت فراخ تھا جیسے ابن جبیر نے لکھا اور حوض کی چوڑائی منبر کی پچھلی طرف آدھا ہاتھ تھی چنانچہ ان میں سے جو لکڑیاں ملیں' انہیں اپنے مقام پر رکھنے کا مجھے بھی شوق ہوا چنانچہ باقی بچ جانے والی لکڑیاں حوض میں اپنے مقام پر رکھ دی گئیں اور پھر انہوں نے اس پر تعمیر کی۔ (واللہ اعلم)

جب وہ منبر دیگر چیزوں کے ساتھ جل گیا تو والی یمن ملک مظفر نے ۶۵۶ھ میں منبر بھیجا جس پر صندل سے بنے انار جیسے دولٹو سے لگے تھے چنانچہ اسے منبر نبوی کے مقام پر نصب کر دیا گیا' اس پر دس سال تک خطبہ دیا جاتا رہا اور ۶۶۶ھ آیا تو ملک ظاہر رکن الدین بیبرس بند قداری نے آج کل کا موجود منبر بھیجا (یعنی مطری کے زمانے میں) چنانچہ یمن والا منبر ہٹا دیا گیا' اسے حرم کے سٹور میں رکھ دیا گیا اور یہ منبر اس جگہ نصب کر دیا گیا' آسمان کی طرف اس کی اونچائی چار ہاتھ اور اس کے سرے سے زمین والی سیڑھی کا فاصلہ سات ہاتھ سے کچھ زائد تھا اور اس کے زینے نشست گاہ سمیت نو تھے۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ اس کے دروازے کے دو کواڑ تھے اور ہر دروازے میں چاندی کے دو انار سے جڑے ہوئے تھے' اس کی دائیں طرف کاریگر کا یہ نام لکھا تھا ''ابوبکر بن یوسف نجار'' یہ نہایت اکابر صالحین میں شمار ہوتے تھے اور یہ منبر خود لے کر مدینہ آئے تھے اور اسے اپنے مقام پر رکھ دیا تھا اور نہایت سلیقے سے رکھا تھا' اس میں بڑی کاریگری سے کام کیا تھا۔ پھر وہ یہیں کے ہو رہے۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ بیبرس کا یہ منبر ۶۶۶ھ سے ۷۹۷ھ تک وہیں رہا اور اس پر خطبہ دیا جاتا رہا' خطبہ کی مدت تقریباً ایک سو بتیس سال تھی پھر اسے مٹی کھانے لگے چنانچہ سلطان باقوق والئی مصر نے وہ منبر بھیجا جو آج کل موجود ہے (یعنی مراغی کے دور میں) اس نے یہ منبر ۷۹۷ھ کے آخر میں بھیجا تھا پھر سلطان بیبرس کا منبر الگ کر دیا گیا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ منبر ۸۲۰ھ سے بعد تک رہا' یہ بات مجھے کئی مشائخ حرم نے بتائی جن میں سے ایک الشیخ صالح المعمر جمال عبداللہ بن قاضی القضاۃ عبدالرحمٰن بن صالح بھی تھے۔

کہتے ہیں کہ پھر سلطانِ مصر الملک ''موید شیخ'' نے یہ منبر بھیجا جو آج کل موجود ہے یعنی ۸۸۲ھ میں۔

میں نے ابن حجر کی کلام میں پڑھا کہ آج کل موجود منبر سلطان موید نے ۸۲۰ھ میں بھیجا تھا۔ یہ بات قابل اعتماد ہے لیکن ابن حجر کو مراغی کے ذکر کردہ سلطان برقوق کے بھیجے منبر کا علم نہیں چنانچہ انہوں نے سلطان مؤید کے لائے ہوئے منبر کو سلطان بیبرس کے منبر کا بدل بنا دیا حالانکہ اس بارے میں علامہ مراغی کی بات زیادہ قابلِ بھروسہ ہے کیونکہ اس وقت وہ مدینہ پاک میں تھے چنانچہ اس بناء پر سلطان برقوق کے منبر پر خطبہ کی مدت تیئیس یا چوبیس سال بنتی ہے اور

پھر سلطان موید کا منبر رکھ دیا گیا۔

مجھے سراج نفطی نے بتایا کہ اسے اہل شام نے بنایا تھا' وہ لے کر سلطان مؤید کے پاس پہنچے کہ اسے اپنے مدرسے مؤیدیہ میں رکھ لیں پھر انہیں پتہ چلا کہ اہلِ مصر نے اس مدرسہ کے لئے پہلے ہی بنایا ہوا ہے چنانچہ مؤید نے اہل شام کا منبر مدینہ شریف کی طرف روانہ کر دیا۔ مجھے جمال عبد اللہ بن صالح نے بتایا کہ میں نے اسے پہلے منبر کی جگہ پر انہیں رکھتے دیکھا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس منبر اور مصلّٰے شریف کے درمیانی فاصلے کو ماپا تو اس قول کی صحت کا اندازہ ہوا جیسے ہم پہلے بتا چکے کیونکہ نقل یہ ہے کہ دونوں کے درمیان چودہ ہاتھ ایک بالشت کا فاصلہ ہے اور پھر میں نے مصلّٰے شریف کی طرف سے مغرب میں منبر کے مقابل بھی اتنا ہی اندازہ لگایا چنانچہ منبر کو اس طرف سے رکھنا بالکل صحیح ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ رہا قبلہ کی طرف سے تو مطری کہتے ہیں کہ جو منبر انہوں نے دیکھا ہے اس کے اور کٹہرے کے درمیان (جو ریاض الجنہ کی طرف ہے) سوا چار ہاتھ کا فاصلہ ہے۔ علامہ زین مراغی نے بھی اپنی کتاب میں یہی فاصلہ لکھا ہے اور اس کے بعد کچھ نہیں لکھا جس کا تقاضا یہ ہے کہ جو منبر اُن کے وقت میں رکھا گیا تھا وہی اسی منبر کی جگہ رکھا گیا جو مطری کے دور میں تھا اور پھر انہوں نے مطری کے حدودِ مسجد کے بارے میں اس قول کو برقرار رکھا کہ یہ منبر اپنی پہلی جگہ سے تبدیل نہیں ہوا۔

ابن جماعہ نے بھی منبر اور کٹہرے کے درمیان والا فاصلہ لکھا' ان کے نزدیک بھی وہ منبر مراد ہے جو مطری کے دور میں موجود تھا چنانچہ کہا: کہ ان دونوں کے درمیان زیر استعمال ذراع کے مطابق تین ہاتھ کا فاصلہ ہے اور یہ مطری کے بیان کردہ سے چوتھائی ذراع سے زیادہ ہے کیونکہ یہ ذراع ڈیڑھ ذراع جتنا ہے تو گویا علامہ مطری آج کل مدینہ میں استعمال ہونے والا مراد لیتے ہیں جیسے کلام مراغی سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ یہ ابن جماعہ کے کہنے کے مطابق ہے اور وہ جو آج کے دن موجود منبر اور مذکورہ کٹہرے کے درمیان ہے وہ معمول کے ذراع کی بناء پر دو ہاتھ اور تہائی ہاتھ ہے اور یہ فاصلہ ساڑھے تین ہاتھ اس ذراع سے بنتا ہے جس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے کہ مطلق بولا جائے تو یہی مراد ہوتا ہے تو احتمال یہ ہے کہ یہ منبر پہلے والے منبر سے قبلہ کی جانب رکھے جانے کی جگہ سے آگے ہے اور پختہ لوگ یہی کچھ کہتے ہیں لیکن میں اسے سے بعید جانتا ہوں کیونکہ مجھے ان سے خبر ملی ہے جو اسے وہاں رکھنے والوں میں شامل تھے۔

پھر جب وہ مرمر کھلا جس کا پہلے ذکر اس سامان میں ہو چکا جو جلے ہوئے منبر سے بچ گیا تھا تو اس سے ہمیں مطری کے قول کی صحت معلوم ہوئی کہ یہ منبر اس سے پہلے کا رکھا ہوا ہے جو قبلہ میں اس سے پہلے رکھا تھا اور جو ہاتھ بھر کے فاصلے پر تھا اور یونہی شام کی طرف سے اس کی زیادتی کا پتہ چلا جو اس اصل مرمر پر کی گئی تھی' یہ ہاتھ بھر تھی اور وہ شام کی طرف سے بالشت بھر مغرب کی طرف مائل تھا کیونکہ اس میں اس داہنی طرف کا ذکر ہے جس کی طرف گذشتہ فصل کی تنبیہ ثابت میں اشارہ گذر چکا ہے' مجھے اس کے رکھے جانے کی بایں طور تائید حاصل ہوئی کہ یہ منبر اور قبلہ والی

دیوار کے بارے میں ملنے والی روایات میں سے قریب تر ہے جیسے آ رہا ہے چنانچہ دو آنکھیں رکھنے والوں کے سامنے حق کھل گیا اور جس سے ہماری ملاقات ہوئی اور جنہوں نے بتایا کہ اس منبر کو پہلے والے منبر کے مقام پر رکھا گیا' ان کا نام جمال بن صالح تھا' وہ اپنی عمر کے آخری حصے میں تھے اور ان کی یادداشت جواب دے چکی تھی پھر ان کی تائید مجھے یوں ملی کہ جب اس صندوق کی طرف آئے' جو مصلّٰی شریف کے قبلہ کی طرف دیوار کی چوڑائی میں تھا اور یہ بھی پتہ چلا کہ مصلّٰی شریف بالاتفاق بدلا نہیں گیا نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے منبر اور قبلہ والی دیوار کے درمیان بکری گذرنے کا راستہ تھا یا آدمی کے ایک طرف کو ہو کر گذرنے کا راستہ تھا اور زیادہ سے زیادہ اس بارے میں کہا گیا ہے کہ ایک ہاتھ سے کچھ زیادہ فاصلہ تھا اور واقعی جب مصلّٰی شریف کے کنارے اور اس کٹہرے کے درمیان جو سامنے تھا اور جو آج کے منبر اور کٹہرے کے درمیان کا فاصلہ یعنی تین ہاتھ گھٹا دیا جائے تو باقی ایک ہاتھ ہی رہ جاتا ہے اور یہ فاصلہ قدیم منبر اور مسجد شریف کی دیوار کے درمیانی فاصلہ جتنا ہے پھر ہمیں مسجد نبوی کی گذشتہ حدود اور منبر کے قبلہ میں موجود مرمر کے کھلنے سے پتہ چلا کہ مذکورہ کٹہرا ابتدائے مسجد نبوی سے ہاتھ بھر سے قدرے زائد آگے ہے چنانچہ درست وہی ہے جو مطری اور ان کے بعد والوں نے لکھا۔

پھر آسمان کی طرف اس کی اونچائی' اس کے قبہ اور پائیوں کو چھوڑ کر بلکہ زمین سے نشست گاہ تک چھ ہاتھ اور ایک تہائی ہاتھ تھی اور نشست گاہ سے دائیں بائیں دونوں نشانوں کی بلندی ایک ہاتھ اور تہائی ہاتھ تھی اور زمین میں منبر کا پھیلاؤ اس کے دروازے سے آخر تک ساڑھے آٹھ ہاتھ سے کچھ زیادہ تھا' زینے آٹھ تھے اور ان کے بعد نشست گاہ تھی جس کی بلندی ڈیڑھ ہاتھ اور اس کا قبہ اونچا تھا' اس پر ہلال لگا ہوا تھا اور وہ بھی بلند تھا اور میرے خیال میں اس سے قبل کوئی منبر اس سے اونچا نصب نہیں کیا گیا اور اس کا دروازہ بھی تھا۔

یہ منبر دوسری آتشزدگی کے دوران جل گیا جو ماہ رمضان ۸۸۶ھ میں لگی تھی چنانچہ اس پر خطبہ کی مدت تقریباً ستاسٹھ سال تھی۔

جب اہلِ مدینہ نے منبر کی جگہ صاف کر دی تو اس کی جگہ اینٹوں سے منبر بنا دیا اور اس پر چونے کا پلستر کر دیا اور پھر اس پر ماہِ رجب ۸۸۸ھ تک خطبہ دیا جاتا رہا چنانچہ اسی ماہ کی چار تاریخ کو اسے گرا دیا گیا اور پھر منبر کے لئے بنیاد کھودی گئی تو وہ نیچے سے اسی طرح تھا قد انسانی کے مطابق اسے کاٹا گیا لیکن انتہاء تک نہ پہنچ سکے' دیکھا تو وہ زمین میں مضبوط بنیاد کی شکل میں تھا چنانچہ اسے پہلے کی طرح دوبارہ بنا دیا گیا البتہ اس کے اوپر آدھ بازو سے زائد اینٹیں لگی رہنے دیں پھر جو اس کا حوض کی طرح خالی حصہ تھا اسے برابر کر دیا اور پہلے آتشزدگی سے بچے سامان کو پہلے لگا دیا گیا۔

لوگوں نے مجھ سے قدیم منبر کے بارے میں پوچھا کہ قبلہ اور ریاض الجنہ کی طرف سے قدیم منبر کی حد کہاں سے شروع ہوتی ہے تو میں نے انہیں بتایا چنانچہ انہوں نے منبر کا مرمر اس پر رکھنا شروع کیا اور اس طرف رکھا جہاں حوض میں خلا نظر آیا اور عین اس کے اوپر رکھا' فرق نہیں رہنے دیا' اس کے اور مشرقی جانب والے چبوترے کے درمیان پانچ

انگلیوں کا فرق رکھا کیونکہ یہ دکھائی دے رہا تھا کہ اصلی منبر حوض پر تھا' اس کے پائے پتھر کھود کر رکھے گئے تھے اور سکے سے اس کے پائے مضبوط کئے گئے تھے اور جو کچھ مؤرخین نے اصلی منبر کی نشانیاں بتائیں وہ اس پر گواہ تھیں اور یہ بات معلوم تھی کہ جو موجودہ حوض اس چبوترہ کے باطن میں تھا اس پر منبر رکھنا ممکن نہیں تھا' ہاں سیدھا اسی پر رکھا جا سکتا تھا خصوصاً اس وقت جب کہ اس کا پھیلاؤ اس کے مطابق ہو جیسے ابن جبیر نے اصلی منبر کے بارے میں ذکر کیا اور اس مرمر کا مضبوط کرنا اس حیثیت سے تھا کہ اس میں سے قد انسانی کے مطابق گڑھا کھودا اور اس کے آخر تک نہیں گئے اور حوض کے خلاء کو سکّے سے مضبوط کر دیا' اس مرمر کو قدیم سے گھٹا دیا تھا' یہ سب چیزیں فیصلہ کرتی ہیں کہ اسے منبر رکھنے کے لئے تیار کیا تھا جیسے مؤرخین نے وضاحت سے بتا دیا ہے' سلف کا یہ کام نہیں تھا کہ باوجود مضبوط ہونے کے اسے منبر بنانے کے لئے تیار کریں اور اسے اپنی جگہ سے ایک طرف کر دیں کیونکہ اس کا رکھنا اس کے رکھنے کے تابع تھا کیونکہ یہ اسی کے لئے بنایا گیا تھا' اس کا رکھنا ان کے مشاہدے میں تھا کیونکہ منبر نبوی ان کے سامنے تھا اور اس کی مضبوطی بھی نظر میں تھی اور جو کچھ متقدمین سے اس کی ترخیم میں گذر چکا وہ مسجد میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی تعمیر میں دکھائی دیتا تھا' وہ دور معاویہ میں نہیں ہوا تھا' انہوں نے بھی اسے اپنی جگہ سے ہلا دیا تھا اور یحییٰ نے اپنی گذشتہ عبارت میں (جو تیسری تنبیہ میں آ چکی) اشارہ کیا تھا کہ اس کا رکھنا صحیح تھا اور حضور ﷺ نے بھی اسے داہنی طرف رکھا تھا جیسے ہم نے اپنے رسالے "نصیحت" میں ذکر کیا اور منبر تو ایک جامد چیز ہوتی ہے یہ کوئی نمازی تو نہیں چنانچہ انہوں نے منبر کا مرمر اس طریقے پر رکھنا شروع کیا جیسے میں نے ذکر کیا لیکن انہوں نے اس کی دیوار مشرق کی طرف رکھی ان پتھروں پر جو قبلہ کی طرف سے حوض کے پیچھے تھی کیونکہ ان کی نظر اسے دیکھ رہی تھی اور اگر اس معاملے میں میرے سامنے کوئی معاملہ ہوتا تو اس کی موافقت نہ کرتا پھر میں نے دیکھا کہ ایک اور شخص نے بھی وہی کچھ لکھا جو ہم نے اپنے رسالہ "النصیحۃ الواجبۃ القبول فی بیان وضع منبر الرسول" میں لکھا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ انہوں نے اسے ڈھا دیا اور حوض مذکور کی پچھلی جانب انہوں نے ہاتھ کا چوتھائی حصہ بڑھا دیا اور وہ قبلہ کی طرف سے اسے جلے ہوئے منبر کے اس حصہ کے برابر ہو گیا اور اس منبر کو انہوں نے قبلہ کی طرف سے جلے ہوئے منبر کی جگہ رکھا اور قبلہ ہی کی طرف سے اسے مشرقی جانب کے برابر کر دیا جو قبلہ ہی کی جانب تھی اور پچھلے مضمون سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قبلہ کی طرف اصلی منبر کی جگہ سے لوہے کے ہاتھ کی بناء پر بیس قیراط بھر مقدم تھا جو دستی ہاتھ جتنا ہوتا ہے اور منبر نبوی میں تغیر نہ ہوا تھا البتہ ہمارے زمانے میں رکھے ہوئے جلے منبر کے رکھنے کی تاریخ میں تبدیلی ہوئی کیونکہ جو کچھ چبوترے میں موجود تھا وہ رکھنے والے کی نظر سے پوشیدہ رہا اور اسے کسی بھی مؤرخ مدینہ نے بیان نہیں کیا' یہ زیادہ لمبا تھا اور روضہ کی باقی صف کو کاٹتا تھا۔ اس منبر کو رکھنے والے نے اپنے بڑوں کی پیروی کی تھی اور نگرانِ عمارت نے منبر رکھتے وقت شگاف کی پرواہ نہ کی تھی' اسے یونہی رہنے دیا اور یہ منبر زمین میں جلے ہوئے منبر سے تین چوتھائی چھوٹا تھا اور جلے ہوئے منبر کی طرح بیٹھنے کی جگہ سمیت اس کی تین سیڑھیاں تھیں۔

منبر پر غلاف

جمعہ کے دن منبر کے دروازے پر سیاہ ریشمی پردہ ڈالا جاتا ہے جس پر سفید ریشم کی لکھائی کی گئی ہوتی ہے اور یہ تو ہم بتا ہی چکے ہیں کہ پہلے منبر پر کس نے غلاف چڑھایا تھا۔

حضرت ہشام بن عروہ کے مطابق حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ کے منبر شریف پر قبطی چادر ڈالا کرتے تھے' ایک عورت نے اسے چرا لیا اور ٹکڑے کر دیا تھا۔

ابن نجار نے بتایا کہ آج تک جتنے بھی خلفاء ہوئے ہیں' ہر سال سیاہ ریشمی چادر بھیجا کرتے تھے جس پر سونے کا کام کیا ہوتا اور وہ منبر پر چڑھائی جاتی تھی۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ جب پردے بہت سے جمع ہو گئے تو انہوں نے لے کر انہیں حرم کے دوسرے دروازوں پر لٹکا دیا۔

دروازوں پر پردے

میں بتاتا ہوں کہ خلیفہ معتصم کے قتل کے بعد مصر سے پردہ لانے کا حکم صادر کر دیا گیا جیسا کہ زین مراغی نے لکھا ہے کہ ''آج کل دروازوں پر پردے ڈالنے مستقل کر دئے گئے ہیں۔'' راوی کہتے ہیں کہ پردوں کی نمائش وہ اس وقت کرتے تھے جب امیر مدینہ نے حاضری دینا ہوتی تھی۔ عنقریب ذکر آ رہا ہے کہ حجرہ مقدسہ اور کعبہ شریفہ پر پردہ ڈالنے کے لئے مصر کا ایک گاؤں وقف کر دیا گیا تھا چنانچہ کعبہ شریف پر غلاف تو سال میں ایک مرتبہ ڈالا جاتا ہے مگر منبر اور حجرہ مبارکہ پر ہر چھ سال میں ایک مرتبہ ڈالا جاتا ہے۔

علامہ مجد کہتے ہیں کہ منبر کے لئے تقریباً ہر سات سال بعد مصر سے سلطان معظم لباس بھیجتے ہیں جسے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ڈالا جاتا ہے پھر دو سیاہ خوبصورت بنے ہوئے جھنڈے خطیب کے سامنے منبر کی دونوں جانب دروازے کے قریب بلند کئے جاتے ہیں۔

(قلت) ہمارے اس زمانے میں سات سال سے زیادہ عرصہ گذرا کہ وہ چادر نہیں پہنچی اور جو ان دنوں منبر پر ڈالی گئی ہے' وہ ایسا پردہ ہے جس کا ذکر ان دو جھنڈوں کے ساتھ اوپر گذرا جن کا ذکر علامہ مجد نے کیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

فصل نمبر ۹

مسجد شریف کے فضائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ○

"بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو' اس میں وہ لوگ ہیں کہ خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں۔"

تقویٰ پر رکھی گئی بنیاد والی مسجد

مسلم شریف کے مطابق حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے گھر میں تھے' میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کہ دو مسجدوں (بیت اللہ اور مدینہ کی مسجد) میں سے کونسی مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے؟ آپ نے کنکروں سے بھری مٹھی زمین پر دے ماری اور فرمایا: وہ تمہاری یہی مسجد ہے' یعنی مسجد مدینہ!

احمد و ترمذی میں انہی سے روایت ہے: دو شخص اس مسجد کے بارے میں بحث کرنے لگے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی' ایک نے کہا کہ وہ حضور ﷺ کی مسجد ہے چنانچہ دونوں نے اس بارے میں آپ سے پوچھا تو فرمایا' وہ یہی مسجد (مدینہ) ہے اور اس مسجد (قباء) میں بڑا ثواب ملتا ہے۔

حضرت مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ مسجد جس کے بارے میں آتا ہے کہ پہلے ہی دن اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی' رسول اللہ ﷺ کی مسجد تھی یعنی مسجد مدینہ' پھر بتایا: حضور ﷺ کہاں کھڑا ہوا کرتے تھے؟ کیا یہاں کھڑے نہ ہوتے تھے؟ اور یہ لوگ ان کے پاس وہاں سے آتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا۝

"اور جب انہوں نے کوئی تجارت یا کھیل دیکھا' اس کی طرف چل دیئے اور تمہیں خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے۔"

چنانچہ رسول اللہ ﷺ ہی کی مسجد ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھتا یا فرمایا کہ نہ سنتا (حضرت عمر نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا کہ یوں!) تو میں بھی اسے مقدم نہ کرتا اور پھر اسے آج کے مقصورہ کی جگہ مقدم کر دیا۔ انتہی۔

ابن رشد کا بیان ہے (امام مالک نے جو کچھ لکھا ہے) یہ حضور ﷺ سے روایت ہے۔

ایک گروہِ علماء کا کہنا یہ ہے کہ یہ مسجد (تقویٰ پر بنیاد والی) قباء ہے اور اس پر اس روایت کے ذریعہ انہوں نے دلیل لی ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے اگروہِ انصار! اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں بہتری کا بیان کیا ہے۔ الحدیث

ابن رشید نے کہا کہ اس میں تو کوئی بھی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تھے کیونکہ وہ مہاجرین و انصار اور دیگر لوگوں سے بھری تھی۔ انہوں نے کہا کہ امام مالک کا حضرت عمر کے قول سے دلیل پکڑنا ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ذکر کیا کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب آیت میں ذکر فرمایا کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے تو اس کی تعمیر توڑنا اور قبلہ تبدیل کرنا جائز نہیں جانا' ہاں صرف اس صورت میں جائز قرار دیا ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ سے سنا ہے اور دیکھا کہ آپ نے اس چیز کا ارادہ کیا ہے۔

(قلت) یہ جو امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ اس سے مسجد مدینہ ہی مراد ہے یہ بات ہمارے گذشتہ بیان سے ظاہر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا فرمان مِنۡ اَوَّلِ یَوۡمٍ (پہلے ہی دن سے) یہ چاہتا ہے کہ وہ مسجد قباء تھی کیونکہ اوّل یوم کہنے کا یہ مقصد تو بنتا ہی نہیں کہ دنیا میں پہلا دن مراد ہے بلکہ وہ دن مراد ہے جس میں آپ دار الہجرت میں داخل ہوئے تھے اور اس دن میں تو مسجد قباء ہی بنتی ہے ہاں اگر وہ دعویٰ کریں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں آمد پر پہلے ہی دن مسجد مدینہ کی بنیاد رکھی تھی (تو پھر اس کی اولیت ثابت ہو سکتی ہے) یا یہ کہا جائے کہ پہلے دن سے مراد اس کی بنیاد کا دن ہے۔ مسجد قباء کے بارے میں تو کچھ ایسی چیزیں آ رہی ہیں جو واضح طور پر بتاتی ہیں کہ اس سے یہی مراد ہے لہٰذا دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ ان دونوں کے بارے میں یہ کہنا سچا ہے کہ دونوں ہی کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی تھی اور یہ بات ہر ایک ہی جانتا ہے اور یہی اس آیت سے مراد ہے لیکن اس میں یہ مشکل ضرور پیش آتی ہے کہ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تھا تو جواب میں آپ نے مسجد مدینہ کو معین فرما دیا تھا' ہاں اس میں راز کی بات یہ ہے کہ آپ نے اس وقت یہ وہم دور کرنے کا ارادہ فرمایا تھا کہ یہ آیت مسجد قباء کے ساتھ خاص ہے جیسے ظاہر ہے کہ سائل یہ بات جانتا ہے اور چونکہ یہ مسجد بہت فضیلت رکھتی ہے لہٰذا اس کا مرتبہ بلند دکھانے کے لئے ارادہ فرمایا تھا۔ (واللہ اعلم)

مسجد رسول اللہ ﷺ کی فضیلت

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: ''تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سواری لے کر نہ جایا کرو' ایک تو میری یہ مسجد (مدینہ)' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔''

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سفر صرف تین ہی مسجدوں کی طرف کیا جائے' وہ کعبہ' میری مسجد اور مسجد ایلیاء ہے۔ (بیت المقدس) امام ابو داؤد نے یہ الفاظ لئے ہیں: ''کہ میری اس مسجد کی طرف۔''

صحیح ابن حبان وغیرہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: جن مسجدوں کی طرف لوگ سواریوں پر جاتے ہیں' ان میں میری یہ مسجد اور بیت العتیق (مسجد کعبہ) شامل ہے۔

بزاز کے الفاظ یہ ہیں: ''لوگ جس طرف سواریوں پر جاتے ہیں' ان سب سے بہتر مسجد ابراہیم علیہ السلام اور مسجد محمد ﷺ ہیں۔''

مسجد رسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھنے کی فضیلت

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے' حضور ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لینا' مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں میں ہزار نماز پڑھنے سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔ یہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں اور مسلم شریف میں ہے: ''کیونکہ میں انبیاء سے آخر میں آیا ہوں اور میری یہ مسجد' مسجدوں میں سے آخری ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ ''مسجدوں میں سے آخری'' کہنے کا مقصد یہ ہے کہ انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی یہ آخری مسجد ہے کیونکہ یہ معنٰی مراد نہ ہوں تو یہ فرمان صحیح نہ ہوگا کیونکہ اُمت کے لئے تو مسجد سب سے پہلی ہے اور جب ثابت ہوگیا کہ ''آخر المساجد'' کے الفاظ میں الف اور لام ''عہد'' کے لئے ہے اور معنی نبیوں کی مسجدیں ہیں تو پھر ساتھ والی پہلی حدیث کے الفاظ ''ماسواہ من المساجد'' میں بھی یہ الف لازم ''عہد'' کے لئے ہوگا اور معنٰی یہ ہوگا کہ آپ کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب دوسرے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی کی مسجد میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا زیادہ ہوگا جس کا صاف مقصد یہ بنا کہ آپ کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب' بیت المقدس کی مسجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے زیادہ ہے کیونکہ یہ تو ان انبیاء کی مسجدوں ہی میں سے ایک مسجد ہے' اسے ان سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور پھر حضرت ابوسعید کی بزاز والی حدیث بھی اس کی دلیل بنتی ہے' انہوں نے کہا: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو الوداع کہا تو آپ نے پوچھا' کہاں کا ارادہ ہے؟ تو انہوں نے عرض کی: بیت المقدس کو جا رہا ہوں' اس پر آپ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب' مسجد حرام کے علاوہ کسی بھی مسجد میں ایک ہزار نماز کے ثواب سے زیادہ ملتا ہے۔ یحیٰی نے اسی حدیث میں اضافہ کرتے ہوئے اس آدمی کا نام بتایا ہے کہ وہ ارقم تھے کیونکہ ادھر جانے کی تیاری انہوں نے ہی کی تھی اور جب وہ تیاری کر چکے تو الوداع کہنے کے لئے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' اسی حدیث میں آگے آتا ہے کہ وہ ارقم بیٹھ گئے اور گئے نہیں۔ ابن نجار نے حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ دیئے ہیں: ''میں بیت المقدس کو جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: کیوں؟ میں نے عرض کی' اس میں نماز پڑھنے کا ارادہ ہے' اس پر فرمایا: یہاں (مسجد نبوی) کی ایک نماز' وہاں کی ہزار نماز سے زیادہ ثواب رکھتی ہے۔ طبرانی نے بھی حضرت ارقم سے روایت کی کہ فرمایا: یہاں ایک نماز کا ثواب وہاں کی ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

ابویعلی نے حضرت سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت یہ دی' انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں کچھ بتایئے' آپ نے فرمایا کہ یہ محشر بپا ہونے کی زمین ہے اور یہیں سے لوگ اُٹھائے جائیں گے' اس لئے یہاں آؤ اور اس میں نماز پڑھو کیونکہ اس میں ایک نماز کا ثواب دیگر انبیاء کی مسجدوں میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے زیادہ ہے (یعنی دیگر انبیاء کی مسجدوں کے علاوہ اور ان کی مسجدیں ان دو مسجدوں سے الگ شمار ہوتی ہیں' (بیت اللہ و

بیت المقدس) کیونکہ اس کے لئے دلیل موجود ہے لٰہذا مدینہ کی مسجد میں ایک نماز کا ثواب' مسجد حرام اور مسجد اقصےٰ کے علاوہ دوسری مسجدوں میں نماز پڑھنے سے دس لاکھ گنا زیادہ ہے جبکہ مسجد اقصیٰ کے مقابلہ میں مسجد مدینہ ہزار گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے اور پھر اس سے زیادہ ثواب تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنا زیادہ ہے' یہی وجہ ہے کہ اس کی طرف سفر کا حق بتایا گیا ہے' اب احمد کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کردہ حدیث کے ذریعہ اس پر یہ اعتراض نہیں ہونا چاہیے جس میں انہوں نے بتایا: حضور ﷺ نے فرمایا کہ "میری اس مسجد میں ایک نماز کا ثواب مسجد اقصیٰ کے علاوہ دوسری مسجدوں سے ایک ہزار گنا زیادہ ہے" کیونکہ مسجد حرام کا ثواب بتانا ابھی باقی ہے اور پھر بخاری میں یہ حدیث ان الفاظ کے علاوہ موجود ہے: "مگر مسجد اقصیٰ" اور یہ پہلی روایت سے ٹکراتی ہے اور پھر ہیثمی نے بھی یہ حدیث مجمع الزوائد میں ذکر کر کے کہا کہ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور پھرؒ بیان بھی کر دیا اور کہا: "مسجد حرام کے علاوہ" جس سے ہمارا کہا واضح ہو گیا۔

رہی مسجد حرام تو اس کو الگ کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حضرت مالک کہتے ہیں کہ اسے الگ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسجد رسول میں ایک نماز کا ثواب مسجد حرام کے علاوہ باقی تمام مسجدوں میں نماز سے ہزار گنا زیادہ ہے کیونکہ مسجد نبوی میں نماز افضل تو ہے مگر ہزار گنا نہیں۔

کچھ علماء فرماتے ہیں کہ مسجد مدینہ میں ایک نماز کا ثواب مسجد مکہ سے ایک سو گنا زیادہ ہے اور پہلی حدیث میں اس استثناء کا مطلب انہوں نے یہی لیا ہے' ان کے پاس دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائی کہ: "مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے سو گنا زیادہ ہے" تو مسجد حرام پر مسجد رسول کی فضیلت نو سو گنا ہوئی جبکہ دوسری مسجدوں پر ہزار گنا زیادہ ہے اور اس کے پیچھے یہ حدیث ہے کہ: مسجد حرام میں نماز کا ثواب دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ہزار گنا ہے البتہ مسجد رسول الگ ہے کیونکہ اسے اس پر سو گنا فضیلت حاصل ہے۔

میں کہتا ہوں' طبرانی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث ملتی ہے کہ: مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے ایک سو گنا زیادہ ہے' لیکن اس میں سوید بن عبد العزیز راوی موجود ہے جس کے بارے میں امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی حدیث محل نظر ہے جس میں احتمال نہیں ہے اور اس میں دوسرے علماء کی روایت کا ردّ ہے چنانچہ بزاز اور ابن خزیمہ کے مطابق حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ فرماتے ہیں: "میری مسجد میں ایک نماز کا ثواب مسجد حرام کے علاوہ دیگر مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ہزار گنا زیادہ ہے اور مسجد حرام میں نماز کا ثواب اس میں نماز سے سو گنا زیادہ ہے۔" لیکن بزاز کے الفاظ یہ ہیں: میری اس مسجد میں نماز کا ثواب مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں سے ہزار گنا زیادہ ہے کیونکہ یہاں کی نماز کا ثواب اس سے سو گنا زیادہ ملتا ہے' اس میں تو احتمال موجود ہے کہ "فانّہ یزید" میں "ہ" کی ضمیر آپ کی مسجد کی طرف لوٹتی ہو یا پھر مسجد حرام کی طرف' یہاں

ابن عبد البر نے حدیث احمد کو صحیح قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ: جھگڑے کی صورت میں یہی حدیث ہماری دلیل بنتی ہے اور اختلاف کے ایسے موقع پر یہ ہمارے لئے نص ہے' یہ ایسے شخص کو ولاتی ہے جس کے دل میں ہدایت ہے اور وہ عصبیت سے بچا ہوا ہے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ حدیث احمد میں صرف ایسے شخص ہی کو اعتراض ہو سکتا ہے جو حبیب ﷺ کی روایت کو اہمیت نہیں دیتا' حضرت امام احمد تو ان کی تعریف کرتے تھے' انہیں پختہ جانتے تھے اور ان کی ثناء کیا کرتے تھے اور پھر عبد الرحمٰن بن مہدی ان سے روایت بھی کرتے تھے البتہ قطان نے ان سے روایت نہیں کی' مزید برآں قابل تقلید ائمہ و علماء نے ان سے روایت کی ہے۔ان میں سے بعض علماء وہ ہیں جنہوں نے اسے عطاء کی مخالفت کا سبب بنایا ہے کیونکہ کچھ علماء اسے انہیں سے بذریعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں اور دوسرے بذریعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور پھر کچھ بذریعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں' کچھ علماء ایسے بھی ہیں کہ جو ایسی حدیث کو حدیث کے معاملے میں سبب قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا ہو نہیں سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت عطاء کی حدیث ان سے روایت ہو کیونکہ لازم یہ آتا ہے کہ عادل لوگوں کی خبر دلیل کے بغیر نقل نہ کی جائے۔

علامہ بزاز کہتے ہیں کہ یہ حدیث عطاء سے روایت ہے جس میں ان سے اختلاف کیا گیا ہے اور ہمیں ابن زبیر کے علاوہ ایسا کوئی شخص نہیں ملا جس نے یہ کہا ہو کہ یہ مدینہ کی مسجد سے سو درجہ زیادہ ہے' عبد الملک بن ابو سلیمان نے ابن عمر کے ذریعے اسے عطاء سے نقل کیا ہے' ابن جریج نے حضرت ابو ہریرہ یا سیّدہ عائشہ کے ذریعے اسے عطاء سے نقل کیا اور ابن ابو لیلٰی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ذریعے عطاء سے روایت کیا ہے۔انتہٰی۔

علامہ ذہبی نے مختصر سنن بیہقی میں اسی سند کو اچھا کہا ہے جبکہ سنن والوں نے اسے روایت نہیں کیا۔میں کہتا ہوں کہ یہ دوسری بات ہے اور وہ یوں کہ جب حدیث مذکور کے الفاظ میں اختلاف نظر آیا تو اس کی دو وجہیں ہیں' ایک یہ کہ یہ دلالت میں نص نہیں بنتی جیسے ہم بیان کر آئے' احتمال یہ ہے کہ روایت حقیقۃً یونہی ہو اور جس نے دوسرے طریقے سے روایت کی' اس نے اپنی سمجھ کے مطابق اسے اور معنٰی پہنائے البتہ دوسرے طریقے سے ان الفاظ کا آنا اس احتمال کو کمزور کرتا ہے اور یہ ثابت ہے تو پھر یہ ابن زبیر سے روایت شدہ ہے جنہیں اپنی روایت کی پوری سمجھ ہوتی ہے کیونکہ عبد الرحمٰن نے ابن جریج سے روایت کی ہے' وہ کہتے ہیں مجھے سلیمان بن عتیق اور عطاء نے بذریعہ ابن زبیر بتایا کہ انہوں نے ان دونوں سے سنا کہ: ''مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی سے سو گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے جبکہ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے راوی جلیل القدر علماء ہیں پھر ابن وضاح نے خود کلام عمر بن خطاب کے کلام سے اسے بذریعہ ابن زبیر روایت کیا' ابن حزم کہتے ہیں کہ صحیح ہونے میں اس کی سند سورج کی طرح واضح ہے۔پھر ابن ابی خیثمہ اپنے والد سے راوی' انہوں نے کہا: مجھے مسلم نے حجاج سے' انہوں نے عطاء سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی' فرمایا: مسجد حرام میں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں نماز سے سو گنا دو گنا اجر رکھتی ہے۔فرماتے ہیں' ہم نے حساب لگایا تو یہ تمام مسجدوں سے ایک لاکھ گنا اجر والی بنتی ہے۔ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات

جلیل القدر صحابی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام' مسجد نبوی پر فضیلت رکھتی ہے اور پھر صحابہ میں سے کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی چنانچہ یہ ان کی طرف سے اس بات پر گویا اجماع ہے۔

ابنِ ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ ''میری مسجد میں ایک نماز' مسجد حرام کے علاوہ دوسری مسجدوں سے ہزار گناہ افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مسجدوں کے مقابلے میں ایک لاکھ گناہ زیادہ اجر رکھتی ہے' کچھ نسخوں میں الفاظ یہ ہیں: دوسری مسجدوں سے سو گنا زیادہ ہے چنانچہ پہلی روایت کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ مسجد مدینہ کو چھوڑ کر یہ اجر ہے اور دوسری روایت کے مطابق معنی ہو گا: ''مسجد مدینہ میں سو نماز پڑھنے سے'' چونکہ حضرت جابر سے یہ روایت گذر چکی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یحیٰی نے بخاری و مسلم کی حدیث حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے ان الفاظ میں روایت کی ہے: میری اس مسجد میں ایک نماز' کعبہ کے علاوہ دوسری مسجدوں سے ہزار گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔نسائی وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ''مسجد کعبہ کے علاوہ'' اور یہی وجہ ہے کہ کچھ علماء یہ بتاتے ہیں کہ مسجد حرام سے مراد کعبہ ہے' ہمارے شافعی حضرات میں سے علامہ عمرانی کا بھی یہی کہنا ہے۔پھر بزاز نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے: ''میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں کے لئے خاتم ہے' تمام مسجدوں سے مسجد حرام اور میری مسجد کا یہ حق ہے کہ ان کی زیارت کی جائے اور تیاری کر کے ان کی طرف سفر کیا جائے اور میری مسجد میں ایک نماز کا اجر مسجد حرام کو چھوڑ کر باقی مسجدوں سے ہزار گنا زیادہ ہے۔''

ابنِ ماجہ نے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ: ''گھر میں آدمی نماز پڑھے تو ایک نماز کا ثواب ہو گا' قبیلوں کی مسجد میں پچیس کا' جمعہ والی مسجد میں سو نماز کا' مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار کا' میری مسجد میں بھی پچاس ہزار کا اور مسجد حرام میں ایک لاکھ کا اجر ملے گا۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد مدینہ میں نماز کا اجر مسجد بیت المقدس کے برابر ہے اور دونوں میں نماز کا ثواب مسجد حرام سے آدھا ہے حالانکہ یہ روایت صحیح بخاری کے خلاف ہے اور پھر گنتی کا مفہوم شمار میں نہیں ہوتا لہٰذا یہ اس ثواب کی نفی نہیں کر سکتا جو مسجد بیت المقدس کے مقابلے میں مسجد مدینہ کو حاصل ہے اور خصوصاً اس طریقے پر جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

طبرانی میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے: مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ ملتا ہے' میری مسجد میں ایک ہزار اور مسجد بیت المقدس میں پانچ سو ملتا ہے۔علامہ مجد کہتے ہیں کہ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ترمذی میں مجھے نہیں مل سکی البتہ ابن عبد البر نے اسے اپنی دلیل بنایا ہے اور یہ ہماری ذکر کردہ اس حدیث کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی بس میں آتا ہے کہ: مسجد مدینہ میں نماز کا ہونا بیت المقدس میں نماز سے ہزار گنا سے افضل ہو کیونکہ گنتی' زائد کی نفی نہیں کرتی یونہی طبرانی کی اوسط میں حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث

ہے: ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں تھے' فضیلت کا ذکر چھڑ گیا کہ مسجد رسول اللہ ﷺ اور بیت المقدس میں سے کونسی افضل ہے؟ جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں نماز' بیت المقدس میں بڑھی ہوئی چار نمازوں سے افضل ہے اور ایسا نمازی اچھا ہوگا'' اور اس معاملے میں بھی وہی کچھ کہا جائے گا جو ایسے موقع پر کہا جاتا ہے کہ: احتمال یہ ہے کہ حضور ﷺ نے وحی کی بناء پر پہلے کچھ ثواب کی خبر دی اور پھر بعد میں یہ ثواب بڑھا دیا گیا چنانچہ قلیل ثواب والی حدیث اکثر ثواب والی سے پہلے ہوگی اور پھر مساجد میں اللہ تعالیٰ نے تھوڑی تھوڑی کر کے فضیلت دی اور ہماری تحقیق کے مطابق زیادہ ثواب والی حدیث کو لیا جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ نمازوں کی یہ گنتی حالات کے بدلنے پر گھٹتی بڑھتی ہو کیونکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔

کیا تین مسجدوں کی یہ فضیلت صرف فرض نمازوں سے تعلق رکھتی ہے؟

علامہ زرکشی کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے' مسجد حرام میں اس سے دس گنا یعنی ایک لاکھ کے برابر ہے' بیت المقدس میں ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر ہے اور گھر میں اس جگہ ان سب سے زیادہ ہے جہاں اسے کوئی نہ دیکھے۔''

میں کہتا ہوں کہ یہ ضعیف ہے ان تین مسجدوں میں نماز کی فضیلت بتاتے ہوئے مجمع میں علامہ ہیثمی نے اسے بیان نہیں کیا ہے۔ یہ دو گنا مذکورہ ثواب' ان مسجدوں میں فرض نمازوں سے خاص نہیں ہے بلکہ فرض ہوں یا نفل سب میں دو گنا ہوتا ہے جیسے علامہ نووی نے شرح مسلم میں اسے اپنا مذہب قرار دیا ہے۔

حنفی حضرات میں سے علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ خصوصیت صرف فرضوں کو حاصل ہے جبکہ نوافل گھر ہی میں پڑھنا افضل ہیں' مالکیوں میں سے ابن ابی زید کا بھی یہی بیان ہے' ان کے نزدیک اسی کو ترجیح حاصل ہے لیکن کچھ حضرات فرق بتاتے ہیں کہ مسجد کے خالی ہونے اور نہ ہونے میں فرق ہوتا ہے۔ (خالی میں زیادہ اور دوسری میں کم ثواب ہوتا ہے)۔

اگر کہا جائے کہ تم کیونکر یہ کہتے ہو کہ دو گنا ثواب ہونا فرض اور نفل دونوں میں ہوتا ہے جبکہ ہمارے ساتھیوں کا اتفاق ہے اور حدیث صحیح واضح طور پر بتاتی ہے کہ نفل گھر میں پڑھنا انسان کے لئے افضل ہوتا ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ مسجد میں دو گنا ثواب ملنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ گھر سے افضل ہے جیسے زرکشی وغیرہ نے کہا' زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ جس چیز پر فضیلت ہے وہ صاحب فضیلت سے بڑھ گئی ہے لہٰذا اس بناء پر اسے افضل تو نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اگر اس چیز کو کچھ فضیلتیں حاصل جس پر دوسری شے افضل ہے تو اس افضل میں بھی فضیلتیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے تاج سبکی کی اپنے والد سے قربانی والے دن منیٰ میں ظہر کی نماز کے بارے بحث ہوگئی تھی کہ ہم نے اسے دو گنا بنانے سے خارج کر رکھا ہے' بحث یہ تھی: کیا ظہر کی نماز مسجد میں دو گنا ثواب والی ہوگی؟ کیونکہ حضور ﷺ

نے اسے منیٰ میں ادا کیا تھا یا پھر مسجد میں؟ ان کے والد نے کہا تھا کہ منیٰ میں افضل ہے اگرچہ اس میں دوگنا ثواب نہیں ملتا کیونکہ حضور ﷺ کے افعال کی اقتداء کو وہ حیثیت حاصل ہے جو دوگنا ثواب سے بڑھ سکتی ہے علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے وہ بات ذکر کی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مکہ یا مدینہ کے اندر گھروں میں نفل پڑھنا دوگنا ثواب دیتا ہے کیونکہ حضور ﷺ کا یہ فرمان (مکہ و مدینہ) کے لئے عام ہے کہ: ''فرض کے علاوہ انسان کی افضل نماز وہ ہے جو وہ گھر میں پڑھا کرے۔'' جبکہ اس سے پہلے علامہ طحاوی سے وغیرہ سے بتایا جا چکا ہے کہ یہ دوگنا ثواب صرف فرائض سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ اس کے لئے یہ حدیث ہے: آدمی کے لئے فرائض کے علاوہ اس نماز کا ثواب زیادہ ہوتا ہے جو وہ گھر میں پڑھے۔'' یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حدیث کا عام معنٰی مراد لینا منع نہیں ہے کیونکہ مدینہ اور مکہ میں گھر کے اندر نفل نماز پڑھنا ان دونوں کے علاوہ اور گھروں میں پڑھنے سے افضل ہے یوں ان دونوں میں پڑھنا (بہرحال افضل ہے) اگرچہ مطلقاً گھروں میں پڑھنا فضیلت رکھتا ہے۔

نماز کا ثواب کیسے بڑھتا ہے؟

یہ ثواب کا بڑھنا یوں ہوتا ہے کہ ایک پوری نماز کی گنتی کے مطابق ثواب بڑھایا جائے گا' اس میں نماز کے اجزاء (رکعتیں) مراد نہیں ہوتیں اور اس پر علماء کا اتفاق ہے جیسے علامہ نووی نے وغیرہ نے ذکر کیا ہے لہٰذا اگر کئی نمازیں ہوں اور وہ ان دونوں مسجدوں میں سے ایک کے اندر ایک نماز پڑھے تو اسے ایک ہی ثواب ملے گا اور ابوبکر نقاش کی اپنی تفسیر میں گفتگو اس کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے: میں نے مسجد حرام میں نماز کا حساب لگایا تو مسجد حرام میں پڑھی جانے والی ایک نماز کا ثواب پچپن سال چھ ماہ اور بیس راتوں کی نمازوں جتنا ہو جاتا ہے (اھ) اور یہ اجر جماعت کے ساتھ ثواب بڑھنے اور مسواک وغیرہ کرکے پڑھنے سے قطع نظر کرکے ہے لیکن کیا ثواب کا یہ بڑھنا جمع ہو سکتا ہے یا نہیں تو اس میں بحث کی گنجائش باقی ہے۔

کیا کئی گنا ثواب کا ہونا صرف نماز سے تعلق رکھتا ہے؟

میں کہتا ہوں ثواب کا یہ بڑھنا صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر قسم کی عبادات میں یونہی ہونا چاہیے کیونکہ ہم اسے اس پر قیاس کریں گے جو نماز میں ثابت ہوا ہے جیسے علماء نے مکہ مکرمہ کی مسجد میں اسے وضاحت سے لکھا ہے اور پھر صاحب ''الانتصار'' علامہ ابوسلیمان داؤد مالکی نے بھی مدینہ سے متعلق چیزوں میں صراحت سے لکھا ہے پھر احیاء میں غزالی سے بھی میں نے یہی کچھ لکھا دیکھا ہے جیسے ہم فصلِ خصائص میں بتا چکے ہیں اور پھر طبرانی نے بھی اسے بلال بن حارث سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مدینہ میں رمضان کا ثواب دوسرے شہروں کے مقابلے میں ہزار گناہ زیادہ ہوتا ہے یونہی مدینہ منورہ میں جمعہ پڑھنا دوسرے شہروں میں پڑھنے کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ اجر رکھتا ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن جوزی نے بھی ''شرف المصطفیٰ'' میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ الفاظ دیئے ہیں: مدینہ میں ماہِ رمضان کے روزے رکھنا یوں ہے جیسے دوسری جگہ ایک ہزار ماہ کے رکھے اور مدینہ میں نماز جمعہ پڑھنا یوں ہے جیسے اس نے کسی دوسری جگہ ہزار جمعہ پڑھا۔

حضرت بیہقی بذریعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد میں نماز پڑھنا مسجد الحرام کے علاوہ کہیں اور پڑھنے کے مقابلے میں ہزار گنا ثواب کا باعث ہے اور میری اس مسجد میں جمعہ پڑھنا مسجد حرام کے علاوہ کہیں اور جمعہ پڑھنے سے ہزار گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے پھر میری مسجد میں ماہِ رمضان کی عبادت مسجد الحرام کو چھوڑ کر کہیں اور کرنے سے ہزار گنا زیادہ ثواب کا باعث ہے۔''

یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں لیکن جب ہم انہیں نماز پر قیاس سے ملا کر دیکھیں تو استدلال پورا ہو جائے گا۔ ہم حضور ﷺ کی مسجد کی حد بندی میں یہ اختلاف اس حدیث کے ماتحت لکھ چکے ہیں ''صلوٰۃ فی مسجدی ھذا'' اور یہ بتا چکے ہیں کہ ترجیحی طور پر یہ ثواب ہر عبادت میں بڑھتا ہے۔

احمد و طبرانی نے اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے: ''جس نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں (اس پر طبرانی نے مزید لکھا کہ اس دوران اس کی کوئی نماز رہ نہ جائے تو وہ آگ سے بچایا جائے گا' اسے عذاب نہیں ہوگا اور وہ منافق نہیں رہے گا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی تم میں سے کوئی میری مسجد کو روانہ ہوتا ہے تو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک قدم ہر گناہ ختم کر دیا جاتا ہے۔''

فضیلت قباء بیان کرنے کے بعد علامہ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جو پاک صاف ہو کر میری اس مسجد کی طرف نماز پڑھنے چلا تو اسے حج کا ثواب ملے گا۔''

ابن زبالہ کے الفاظ یہ ہیں: جو پاک صاف ہو کر گھر سے میری مسجد کی طرف چلا اور نماز کے علاوہ اس کا اور کوئی ارادہ نہ ہو' وہ نماز پڑھے تو اسے حج کا ثواب ملے گا۔

حضرت سہل بن سعد کی حدیث ہے: ''جو شخص میری مسجد میں بھلائی سیکھنے یا سکھانے کے لئے داخل ہو تو وہ ایسے ہوگا جیسے راہِ خدا میں جہاد کرنے والا ہوتا ہے اور جو اس کے علاوہ صرف لوگوں سے باتیں کرنے گیا تو وہ ایسے شخص کی طرح ہوگا جو غیر کے ہاتھوں میں ہو کر عجیب بات دیکھے۔''

ابن ابو حازم کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا تھا: جو شخص میری مسجد میں بھلائی یا کچھ سیکھنے کے لئے داخل ہو' کوئی اور ارادہ نہ ہو تو وہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی طرح ہوگا اور جو لوگوں سے باتیں کرنے کی خاطر گیا تو وہ ایسے نامناسب کام دیکھے گا جو غیر کے ہاتھ میں ہوتے ہوئے دیکھے۔''

ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو بھی شخص میری اس مسجد میں آئے' بھلائی سیکھنے اور سکھانے کا ارادہ ہو تو وہ راہِ خدا میں مجاہد کا درجہ لے گا اور جو اس مقصد کے علاوہ آنے کا ارادہ کرے تو وہ ایسا ہو گا جو غیر کے سامان کی طرف دیکھنے والا ہوتا ہے۔''

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری اس مسجد میں نماز' ذکر خدا' بھلائی سیکھنے یا سکھانے کے لئے داخل ہوتا ہے تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کا مرتبہ حاصل کرتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کوئی بھی مومن صبح یا شام مسجد کو آتا ہے اور ان اوقات میں اس کا مقصد بھلائی سیکھنا یا سکھانا یا ذکر اللہ کرنا یا کرانا ہوتا ہے تو کتاب اللہ میں اس کی مثال اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسی ہوتی ہے اور جو شخص مسجد میں صبح و شام لوگوں سے باتیں کرنے سننے کے لئے آتا ہے تو کتاب اللہ میں اس کی مثال ایسے شخص کی طرح ہوتی ہے جو کوئی عجیب شے دیکھ رہا ہے اور نمازیوں کو دیکھتا ہے حالانکہ ان میں شمار نہیں ہوتا پھر ذکر کرنے والوں کو دیکھتا ہے حالانکہ خود ذکر نہیں کرتا۔

حضرت ابوسعید مقبری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے خیال میں تم میں سے ہر ایک کے گھر میں مسجد تو نہیں ہوتی۔ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا بخدا! تو پھر اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے تو اپنے نبی کی مسجد کو چھوڑ بیٹھو گے' اگر تم نے اپنے نبی کی مسجد چھوڑ دی تو ان کی سنتیں بھی چھوڑ دو گے اور اگر تم نے ان کی سنتیں ترک کر دیں تو گمراہ ہو جاؤ گے۔''

بخاری شریف میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: (یہ خیبر کا موقع تھا) ''تم میں سے جو اس تھوم کو کھائے' وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آیا کرے۔''

کرمانی ذکر کرتے ہیں کہ یہ رکاوٹ صرف رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بارے میں ہے کیونکہ یہاں وحی لانے والے فرشتے ہوتے ہیں لیکن اکثر علماء کہتے ہیں کہ ہر مسجد کے بارے میں یہی حکم ہے۔ انتہی۔

فصل نمبر ٦

بلند مرتبہ منبر اور ریاض الجنہ کی فضیلت

بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کی ایک کیاری موجود ہے۔'' امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے ذریعے اس میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہوا ہے۔''

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق آپ فرماتے ہیں: ''میرے گھر سے میرے منبر تک جنت کی ایک کیاری موجود ہے اور میرا منبر جنت کے ایک دروازے پر ہے۔''

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرا منبر جنت کے دروازے پر ہے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے یحییٰ نے یہ الفاظ لئے ہیں: ''(منبر) جنت کے کھلے سبزہ زار (چراگاہ) میں ہے۔'' ایک حدیث میں آتا ہے کہ ''جب بھی تم جنت کی کیاریوں پر پہنچو تو اس میں چرا کرو۔''

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے منبر کے پائے جنت میں درجے (سیڑھیاں) ہوں گے۔ ابن عساکر کی روایت ہے: میرا منبر جنت کے دروازے پر ہے۔

حضرت ابو المعلّٰی انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ''میرا یہ قدم جنت کے دروازے پر رکھا ہے۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:
''اس وقت میں جنت کی نالی پر کھڑا ہوں'' ایک اور روایت میں ہے: ''اس وقت میں حوض پر کھڑا ہوں۔''

حضرت جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آپ نے فرمایا کہ میرے منبر کی ایک جانب حوض کی نالی پر ہے لہٰذا جو اس کے نزدیک بری قسم کھائے گا جس سے وہ کسی مسلمان کا حق چھین لے تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں دیکھ لے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی انسان میرے اس منبر کے پاس برے کام کی قسم کھائے گا خواہ وہ سبز مسواک ہی پر کیوں نہ ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں دیکھ لے یا فرمایا کہ اس کے لئے لازماً دوزخ کا ٹھکانہ ہوگا۔

حضرت ابو امامہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق آپ نے فرمایا: ''جو شخص میرے اس منبر کے قریب ایسی قسم کھائے کہ جس سے کسی مسلمان کے مال کو اپنے لئے حلال بنا رہا ہو تو اس پر اللہ' فرشتوں اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہوگی' اس کا کیا ہوا خرچہ اور انصاف اللہ کو قبول نہ ہوگا۔

اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے' آپ نے فرمایا: میرا منبر جنت کے دروازے پر ہے' میرے منبر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے درمیان جنت کی ایک کیاری موجود ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے: فرمایا: ''میری قبر اور منبر کے درمیان جنت کی ایک کیاری ہے۔''

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث ملتی ہے' فرمایا: ''میرے گھر اور منبر کے درمیان جنت کی کیاری ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔''

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ: ''میرے گھر اور منبر یا فرمایا: میری قبر اور میرے

منبر کے درمیان جنت کی کیاری ہے۔"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میرے حجرے اور مصلّٰے کے درمیان جنت کی کیاری ہے۔" حضرت سعد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "میرے منبر اور مصلّٰے کے درمیان۔" ایک اور روایت میں ہے: "میری مسجد سے مصلّٰے تک درمیان میں جنت کی کیاری ہے۔"

ابو یحییٰ نے نیز یحییٰ نے اخبارِ مدینہ میں لکھا: "میرے گھر اور مصلّٰے کے درمیان جنت کی ایک کیاری ہے۔" علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس سے مراد "مصلائے عید" ہے اور کچھ دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ آپ کا مصلّٰے وہ جگہ ہے جہاں مسجد میں آپ نماز پڑھتے رہے۔

میں کہتا ہوں، پہلی روایت کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ طاہر کے اپنے باپ یحییٰ کے نسخے سے نقل کرتے ہوئے اس حدیث کے بعد الفاظ یہ ہیں: "میرے والد نے کہا: میں نے بہت سے لوگوں کو کہتے سنا کہ حضرت سعد نے جب یہ حدیث نبی کریم ﷺ سے سنی تو انہوں نے اپنا گھر مسجد اور مصلّٰے (عید) کے درمیان بنایا۔

مصنف کے نزدیک ریاض الجنہ سے مراد؟

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت اس بات کی تائید کرتی ہے جو آگے آ رہا ہے کہ "روضہ" کے لفظ سے عام معنٰی مراد ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی ساری مسجد اور وہ حصہ بھی آ جاتا ہے جو مغرب کی طرف بڑھایا گیا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن زید مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے ان گھروں سے لے کر منبر تک (درمیان میں) جنت کی ایک کیاری ہے اور میرا منبر جنت کے ایک دروازے پر ہے۔

منبر کے حوض پر ہونے سے کیا مراد ہے؟

اس کے معنٰی میں علماء مختلف خیالات کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ علامہ خطابی کہتے ہیں کہ "میرا منبر میرے حوض پر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ منبر کے پاس جانا اور یہ بتایا کہ نیک اعمال کرنے کے لئے اس کے پاس ہونا آدمی کو حوض پر لے جائے گا اور حوض سے اس کا پینا لازمی ہو جائے گا۔ باقی حضرات کا بھی قول یہی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ کا وہ منبر جس پر آپ کھڑے ہوتے تھے اللہ تعالیٰ اسے بھی دوبارہ ویسے ہی پیدا کر دے گا جیسے دوسری مخلوق کو دوبارہ لے آئے گا اور پھر یہ منبر آپ کے حوض پر ہوگا۔ اس قول پر ابن نجار کا بھروسہ ہے۔

ابن عساکر کے مطابق مراد بعینہٖ آپ کا وہی منبر ہوگا جو اس دنیا میں تھا۔ پھر کہا کہ یہ بہت ظاہر بات ہے اور دیگر حضرات اسی کا اعتبار کرتے ہیں، ان کے شیخ ابن نجار اسی بات میں ان کے پیچھے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اس سے مراد وہ منبر ہے جسے اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اس دن پیدا فرمائے گا اور آپ کے حوض پر رکھ دے گا۔

میں کہتا ہوں کہ مجھے ایک چوتھا معنی واضح معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ زمین کے جس ٹکڑے پر یہ منبر موجود ہے' بعینہٖ اسے دوبارہ جنت میں بنا دیا جائے گا اور پھر آپ کے منبر کو جنت کے اندر مناسب شکل میں ایک صورت شکل دے دی جائے گی چنانچہ حوض کی نالی پر یہ منبر رکھ دیا جائے گا' یہ اس کے آخری حصہ میں ہوگا' اسی وجہ سے اسے جنت کے دروازے کا نام دیا گیا ہے۔

حضور ﷺ نے اُمت کے لئے اس کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ اس کے نزدیک وہ نیک عمل کیا کریں کہ جنت تک پہنچ سکیں اور یہ بات درحقیقت پہلے دونوں اقوال کو جمع کرنے کی صورت ہے اور عنقریب زیارت کے بیان میں ابن عساکر کی طرف سے آ رہا ہے کہ زیارت کرنے والا منبر شریف کی طرف آئے' اس کے نزدیک کھڑا ہو اور دُعا کرے۔

جنت کی کیاری کا مطلب؟

ریاض الجنہ کے معنے میں بھی علماء کا اختلاف ہے چنانچہ حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس سلسلے میں علماء نے جو کچھ کہا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ زمین کا یہ ٹکڑا جنت کے ایک باغ کا ٹکڑا ہے یعنی جیسے وہاں رحمت ہوگی' یہاں بھی ہوتی ہے' یہاں ذکر کے حلقے بنانے پر نیک بختی حاصل ہوتی ہے اور خاص طور پر یہ سلسلہ حضور ﷺ کے دور سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ یوں اسے جنت کی کیاری کہنا مجاز ہے' یا یہ مطلب ہے کہ اس میں عبادت کرنا جنت تک لے جاتا ہے' اس معنی کی بناء بھی پر یہ کہنا مجاز ہے یا پھر اس کا معنی ظاہری مراد ہے اور مراد یہ ہے کہ حقیقۃً یہ کیاری ہے جسے جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ تمام ترتیب وار اقوال قوی ہیں اور احتمال یہ ہے کہ پہلا اور آخری قول زیادہ قوی ہوں اور آخری میرے نزدیک سب سے قوی ہے' ابن نجار کا قول یہی ہے چنانچہ برہان بن فرحون نے اپنی ''منسک'' میں اسے ابن جوزی وغیرہ سے اور انہوں نے حضرت مالک سے نقل کیا ہے اور کہا ہے: ''میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی ایک کیاری ہے۔''

حضرت مالک نے اس کے ظاہری معنی مراد لئے ہیں چنانچہ ابن جوزی نے ان سے نقل کیا ہے کہ یہ جنت کی ایک کیاری ہے جسے جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور یہ باقی زمین کی طرح نہیں کہ ختم اور فنا ہو جائے۔ بہت سے علماء نے آپ سے اتفاق کیا ہے۔ انتہی۔

اس کے بعد میں نے دیکھا تو ایک اور مقام پر ابن حجر نے اسے اوّلیت دی ہے چنانچہ حوض کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے: ''اس جگہ کا نام روضہ (کیاری) رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ٹکڑا جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہاں جنت کی ایک کیاری ہوگا یا اس کا مجازی معنی مراد ہوگا کہ اس میں عبادت کرنے والے کو یہ جنت کی کیاری تک پہنچا دے گا۔ پھر کہا کہ یہ قابلِ غور بات ہے کیونکہ یہ خصوصیت صرف اسی ٹکڑے کو حاصل نہیں بلکہ حدیث تو صرف

یہ بتا رہی ہے کہ یہ ٹکڑا دوسری زمین سے زیادہ مرتبہ والا ہے۔انتھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے بھی بہتر وہ بات ہے جس کی طرف ابن ابی جمرہ گئے ہیں کہ انہوں نے اس روایت اور پہلی روایت کو جمع کر دیا ہے اور جو کچھ ہم نے منبر کے بارے میں پہلے بیان کیا ہے' اسی سے لیا ہے کیونکہ انہوں نے پہلے معنیٰ ذکر کرنے پر بھروسہ نہیں کیا اور اخیر والے دونوں معنے ذکر کر کے لکھا ہے کہ: ''زیادہ واضح (واللہ اعلم) بات دونوں صورتوں کو جمع کرنا ہے کیونکہ ان دونوں کے لئے ایسی دلیل موجود ہے جو اسے طاقت دیتی ہے' بہرحال اس بات پر دلیل کہ اس میں عمل کرنا جنت دلاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی مسجد کو بھی یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں کئی گناہ ثواب ملتا ہے اور خصوصاً اس ٹکڑے کو زمین کے دوسرے ٹکڑوں سے زیادہ فضیلت حاصل ہے اور رہی اس بات پر دلیل کہ بعینہٖ یہی ٹکڑا جنت میں ہو گا تو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے کہ یہ منبر حوض پر ہو گا علماء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کا معنے ظاہری مراد ہے اور یہ حق ہے' محسوس ہوتا ہے کہ یہ آپ کے حوض پر موجود ہوگا۔

ابن ابی حمزہ نے کہا: قواعدِ شریعت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اس مبارک ٹکڑے کی برکت کا ہمیں کیا فائدہ ہے اور اس کے بارے میں احادیث بھی آئی ہیں ہاں اسے عبادتوں کے ذریعے آباد کیا جائے۔پھر کہا کہ یہاں تیسری وجہ کا بھی احتمال رکھتا ہے اور وہ یہ کہ بعینہٖ یہ ٹکڑا جنت کی ایک کیاری ہے جیسے حجر اسود جنت سے آیا ہے چنانچہ یہ جگہ اب جنت کی کیاری ہے اور جنت میں یہ اسی طرح کیاری ہوگی جیسے پہلے تھی اور جو اس میں نیک عمل کرے گا اسے جنت میں کیاری ملے گی۔پھر کہا کہ یہ بہت ظاہر ہے کیونکہ اس میں حضور ﷺ کے مرتبہ کی بلندی ہے اور پھر آپ کے اور آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہونے میں ایک جیسی صورت پائی جاتی ہے اور وہ یوں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جنت سے پتھر (حجر اسود) عطا فرمایا تو اپنے حبیب کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی ایک کیاری عطا فرما دی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ معنیٰ نہایت نفیس ہے اور پھر اس میں لفظ کو اپنے حقیقی معنیٰ پر بولا جا رہا ہے کیونکہ ایسی کوئی چیز نہیں جو یہ معنیٰ لینے سے رکاوٹ بنے' اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اسے دنیا میں جنت کی کیاری دکھائی دینا چاہیے کیونکہ جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے' اُس جہان کے حقائق اس پر کھل نہیں سکتے کیونکہ درمیان میں بڑے بھاری پردے موجود ہیں' واللہ اعلم پھر اس مقام کو یہ مرتبہ یا تو اس میں عبادت کرنے کی وجہ سے حاصل ہے اور یا اس وجہ سے کہ حضور ﷺ نے بار بار اپنے گھر اور اس منبر کا ذکر فرمایا ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ اسے آپ کی قبر انور سے قریب ہونے کا شرف حاصل ہے' وہ قبرِ انور جو جنت کی سب سے عظمت والی کیاری ہے جیسے ابن ابی جمرہ نے بھی یہ اشارہ کیا ہے۔

پھر علامہ جمال محمد راسانی ریمی کہتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ یہ لفظ معقول معنیٰ والا ہے اور یہ دانائی کی بات ہے البتہ انہوں نے یہ اختلاف کیا ہے کہ یہ معنیٰ ہے کیا؟ چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ لفظ اپنے حقیقی معنیٰ دیتا ہے اور واقعی یہ ٹکڑا جنت کی کیاری ہے اور وہ یوں کہ یہ جنت سے لایا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جلد جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہاں معنیٰ مجازی مراد ہیں' معنیٰ یہ ہے کہ اس میں عبادت کرنا جنت میں جانے کا سبب بنے گا یا اس لئے

کہ اس میں رحمت نازل ہوتی ہے اور بخشش حاصل ہو گی جیسے ذکر کی محفلوں کو جنت کی کیاریاں کہا گیا ہے چنانچہ حدیث پاک میں ہے: کہ ''جب تم جنت کی کیاریوں سے گذرو تو اس میں سے کھاؤ اور پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے آپ نے پوچھا کہ یہ ریاض الجنہ کیا ہے؟ تو فرمایا یہ مسجدیں' میں نے پوچھا کہ یہ رَتع (چرنا) کیا ہے؟ تو فرمایا: یہاں سُبحٰنَ اللّٰہِ اَلحَمدُ لِلّٰہِ اور لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکبَرُ پڑھنا ہے۔

ابن عبد البر کہتے ہیں: چونکہ حضور ﷺ اس جگہ بیٹھتے اور لوگ کچھ سیکھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے اس لئے اسے روضہ (کیاری) سے تشبیہ دی گئی کیونکہ وہ میں سے کچھ لیتے ہیں اور پھر اسے جنت کی طرف منسوب کیا کیونکہ جنت میں جانے کا سبب ہے جیسے کہتے ہیں ''جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔'' یعنی یہ ایسا عمل ہے جو جنت میں داخل کر دے گا۔

علامہ خطابی کہتے ہیں: جنت کی کیاری بایں طور ہے کہ اس میں عبادت کی جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ ''مریض کی بیمار پرسی کرنے والا جنت کے باغ میں ہو گا۔ یعنی اس کے بارے میں اُمید ہو گی کہ اسے جنت کا باغ ملے گا چنانچہ مسبب (جس کا یہ سبب ہے) پر سبب کا نام بولا گیا جیسے کہتے ہیں کہ جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

یہ وہ معنٰے ہیں جو خطیب بن حملہ نے نقل کئے ہیں پھر آخری کو پیچھے لائے کیونکہ اس وقت اس ریاض الجنہ کو کوئی درجہ حاصل نہیں ہو گا۔ لوگوں کو اس عظیم عزت سے پتہ چلا کہ حضرت مالک نے اسے تمام زمینی ٹکڑوں پر مرتبہ کیوں دیا تھا۔

اس مفہوم میں جمال ریمی نے خطیب کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ سب سے زیادہ ظاہر معنٰی عبادتوں کا کئی گنا اجر ملنا ہوتا ہے اور لوگوں کو بھلائی کے کام بتانا ہوتا ہے کیونکہ خطابی اور ابن عبد البر اس پر اتفاق کئے ہوئے ہیں اور وہ دونوں ہی حدیث سمجھنے میں اُمت کے بہترین لوگ ہیں اور اس لئے بھی کہ اس جیسی اور مثالیں اس کی تائید کرتی ہیں' رہے دوسرے دو معنٰی تو خطیب نے انہیں کسی (ثواب) طرف منسوب نہیں کیا جس سے پتہ چلا کہ یہ ضعیف ہیں جبکہ قاضی عیاض نے یہ قول نقل نہیں کیا کہ بعینہٖ یہ جگہ جنت سے لائی گئی ہے البتہ اس کے علاوہ اور کا ذکر کیا ہے تو اس سے پتہ چلا کہ یہ معنٰی بہت کم لوگوں نے لیا ہے کیونکہ اس طرح کا معنٰی اللہ کے دستِ قدرت میں ہے جیسے رُکن اور مقام کے بارے میں آتا ہے علاوہ ازیں یہ قول محسوس یا ضروری چیزوں کے انکار کی طرف لے جاتا ہے اور خطیب کا جواب یہ ہے کہ یہ مرتبہ تو ظاہر ہے اور وہ یوں کہ پہلی مثالوں پر عمل کرنا جنت کی کیاری کی طرف لے جائے گا اور اس مقام پر عمل کرنا اس کیاری کی طرف لے جائے گا جو اس سے اعلیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ معنٰی بیان کرنے میں جمال ریمی اس طرف گئے ہیں کہ ''روضہ'' کا لفظ تمام مسجد نبوی کا احاطہ کرتا ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس میں ثواب کئی گنا ملتا ہے اور انہوں نے یہ بات کہہ دی تو اس کا یہ مجازی نام اختیار کر لیا اور اس سلسلے میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ''دلالات المسترشد علی ان الروضۃ ھی المسجد'' رکھا اور پھر شیخ صفی

الدین الکازرونی المدنی نے ان کے ردّ میں ایک تصنیف کی' میں نے انصاف کرتے ہوئے کتاب ''دفع التعرض والا نکار لبسط روضۃ المختار'' میں دونوں کا خلاصہ بیان کیا ہے' عنقریب ان میں سے درست کا ہم بیان کریں گے۔

رہا قاضی کے قول کے ضعیف ہونے پر ان کا یہ استدلال کہ قاضی عیاض نے اسے ذکر نہیں کیا' عجیب معلوم ہوتا ہے' ممکن ہے قاضی عیاض کو اس کا علم ہی نہ ہوا ہو' پھر ان کا یہ کہنا کہ یہ توقیف (قابلِ سکوت) کے طریقے پر بولا گیا ہے جیسے کتاب الرکن میں لکھا ہےتو ہم کہیں گے کہ صادق و مصدوق ﷺ کے اس بارے میں توقیف سے کون سی توقیف بڑی ہے' انہوں نے تو رکن اور مقام کا مفہوم بتا دیا ہے۔ اصل یہ ہوتا ہے کہ لفظ بول کر حقیقی معنیٰ مراد لیا جائے' علامہ ریمی نے الرکن والمقام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے لیکن یہاں تسلیم کیوں نہیں کر رہے' حدیث سے علماءِ کرام نے جو کچھ سمجھا ہے' وہ یہی ہے کہ یہی مقام روضہ کہلاتا ہے' کوئی یہاں نماز پڑھے اور نماز پڑھے یا نہ پڑھے' ہاں ذکر کے حلقوں کی بات اور ہے کیونکہ وہ تو لوگوں کے اُٹھنے سے ختم ہو جاتے ہیں چنانچہ روضہ میں وہ ایسے نہیں بخلاف اس کے' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے رَتع کی تفسیر ذکر سے کی ہے۔ اور حدیث ''جنت ماؤں کے قدموں میں ہے'' سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کی خدمت انہیں جنت کی طرف لے جائے گی۔ پھر علامہ ریمی کا یہ قول ''ان کا یہ قول اس طرف لے جاتا ہے جو انہوں نے ذکر کیا ہے۔'' بھی بڑا عجیب ہے حالانکہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حقیقی معنی لینے سے رکاوٹ موجود ہے' اور وہ اچھی بات کونسی ہوسکتی ہے جو اس قول سے پسندیدہ کہلا سکے کہ یہ ٹکڑا جنت کی کیاری ہے' اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اس سے نوازا ہے؟ اور پھر گذشتہ منبر کی حدیثیں اس کی تائید کر رہی ہیں اور آگے اُحد وعیر کے بارے میں بھی آ رہی ہیں کیونکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں کہ اُحد اپنے نزدیک بتکلف عبادت کرنے والے کو جنت کی طرف لے جائے گا اور عیر اپنے پاس عبادت کرنے والے کو جہنم کی طرف لے جائے گا۔

رہا مرتبہ بیان کرتے ہوئے ان کا یہ قول کہ: ''اس مقام میں نیک عمل اعلیٰ کیاری کی طرف لے جانے کا سبب بنے گا'' تو حدیث پاک میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ وہ ریاض سے اعلیٰ ہے بلکہ وہ مطلق ریاض ہے اور جب یہ بات کسی اور کے لئے ثابت ہوگئی تو خصوصیت نہیں رہے گی بلکہ مکہ کی افضیلت کا قائل بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ اس میں عمل کرنے کی بناء پر انسان اعلیٰ اور افضل روضہ کی طرف پہنچ سکتا ہے' چنانچہ اس ٹکڑے کے دوسروں پر فضیلت کی وجہ سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ مدینہ منورہ مکہ سے افضل ہے' حدیث یہ موجود ہے: ''جنت میں تمہارا کمان کے دوسروں کے فاصلے جتنا قرب دنیا و مافیہا سے بہت بہتر ہے۔'' اور ابن حزم نے پیروی کرتے ہوئے اس ٹکڑے کو جنت کا ٹکڑا قرار دے دیا ہے۔ اور یہ مجاز ہے کیونکہ اگر یہ حقیقی معنیٰ ہوتا تو یوں ہوتا جیسے جنت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے:

اِنَّ لَکَ اَنْ لَّا تَجُوْعَ فِیْھَا وَ لَا تَعْرٰی ○ (سورۂ طٰہٰ: ۱۱۸)

''بے شک تیرے لئے جنت میں یہ ہے کہ نہ تو بھوکا ہو' نہ ننگا ہو۔''

ابن حزم نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں نماز پڑھنے سے انسان جنت کو جاتا ہے جیسے خوشگوار دن کے

بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ تو جنت کا دن ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر جنت میں داخل ہونے والے کے لئے بھوکا اور ننگا ہونے کا ثبوت نہیں ملتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو کسی شے میں داخل ہو جاتا ہے، وہاں سے نکالا جائے گا کیونکہ اس سے جنت میں اس کے حقیقتہً ہونے کی نفی ہو گی کیونکہ وہ وہاں سے نکل گیا اور اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں۔

پھر یہ مسئلہ کہ روضہ کا لفظ تمام مسجد رسول ﷺ کو شامل ہے، اختلاف والا ہے چنانچہ علامہ اقشہری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ: ابو جعفر بن نصر داؤدی مالکی سے حضور ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا گیا: ''میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان ایک کیاری ہے'' تو انہوں نے بتایا: یہ مسجد ساری ہی کیاری ہے اور ادھر علامہ ریمی نے خطیب بن حملہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: آپ کا یہ فرمان ''میرے گھر کے درمیان'' مفرد ہے، اس سے آپ کے تمام گھر مراد ہو سکتے ہیں، اس کے بعد ریمی نے آپ کے گھروں کے مقامات بیان کئے اور پھر کہا: اسی لئے سمعانی نے اپنی ''آمالی'' میں کہا جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کو فضیلت عطا فرمائی، شرف دیا، اس کے اندر عمل میں برکت فرمائی اور اسے کئی گنا بڑھایا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے جنت کی کیاری ہونے کا نام دیدیا، تو آپ دیکھ رہے ہیں کہ علامہ ریمی نے ساری مسجد کو کیاری کہہ دیا ہے حالانکہ مشہور ایک خاص گھر ہے اور وہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر ہے کیونکہ دوسری روایت ہے: ''میری قبر اور منبر کے درمیان۔'' چنانچہ ابن خزیمہ نے کہا کہ آپ نے ''میرا گھر'' کہہ کر وہ گھر مراد لیا جس میں آپ کی قبرِ انور ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی قبر آپ کے اس گھر میں بنی تھی جہاں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رہا کرتی تھیں۔ خطیب کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ریاض الجنہ کی سمت حجرہ مقدسہ کی اس دیوار سے لی جاتی ہے جو حجرہ کے قبلہ اور شمال کی طرف ہے اور منبر کی طرف یہ دیوار پیچھے ہٹتی رہی۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے تین آراء سامنے آئیں:

۱۔ ایک یہ کہ ریاض الجنہ وہی مسجد ہے جو نبی کریم ﷺ کے دورِ مبارک میں تھی۔

۲۔ دوسری یہ کہ یہ روضہ وہ مقام ہے جو صرف منبر اور حجرہ کی سمت میں ہے جو حجرہ کی طرف سے بڑھتا رہا اور منبر کی طرف سے گھٹتا رہا جیسے گذشتہ اوراق میں اس کی مقدار کے موقع پر بتا دیا گیا، یوں اس کے سارے ضلع سیدھی لائن سے ہٹ کر بنتے ہیں کیونکہ منبر قبلہ کی طرف سے آگے ہوا اور شام کی طرف سے پیچھے ہٹا، یوں مثلث کی شکل کا بن گیا جس کے دو ضلعے منبر کے اندازے پر پورے بیٹھتے ہیں۔

۳۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ سارے کی ساری کیاری حجرہ کی دونوں حدوں کے سامنے ہے چنانچہ یہ قبلہ کی طرف سے مسجد کی اگلی طرف سے منبر کے سامنے ہے اگرچہ حجرہ کے سامنے نہیں اور شمال کی طرف سے حجرہ کے سامنے ہے اگرچہ منبر کے سامنے نہیں چنانچہ یہ مربع شکل کی ہوئی، یہاں تین سائبان ہوئے، ایک تو مصلّٰی شریف والا اور دو اس کے بعد اور یہ حصہ حضور ﷺ کے دور میں چھتا ہوا تھا کیونکہ اس عمارت کے بارے میں جسے ہم نے

دیکھا' یہ معلوم ہوا ہے کہ اسطوانۂ وفود اس مقام پر واقع ہے جو حجرہ مبارکہ کے برابر ہے چنانچہ وہ اسطوانۂ مبارک جو قبرِ انور کے چوکور حصے کو ملتا ہے' اس کا کچھ حصہ حجرہ شامی کی دیوار میں داخل ہے جیسے آگے بیان کیا جائے گا۔

رہیں ان اقوال کی دلیلیں تو علامہ ریمی نے ان میں سے پہلے کے بارے میں ایسے دلائل دیئے ہیں جو اکثر کمزور ہیں جن کی بنیاد یہ ہے کہ روضہ کے لفظ کا استعمال بطور مجاز ہوا ہے کیونکہ اس میں اجر وغیرہ بڑھایا جاتا ہے اور ان سب سے بہتر وہ ہے جس کی طرف خطیب بن حملہ نے اشارہ کیا اور ریمی نے کئی طرح سے تائید کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا: آپ کے "ما بین بیتی" والے فرمان میں بیت کا لفظ مفرد ہے اور مضاف ہے' اس سے مراد آپ کے سارے گھر ہوں گے' آپ کے یہ گھر مسجد کے قبلہ' مشرق اور شام کی طرف والی جانب کے گرد تھے (انہیں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر بھی تھا) جیسے ابن نجار وغیرہ کی وضاحت آ رہی ہے' مغرب کی طرف آپ کا کوئی گھر موجود نہ تھا لہٰذا ادھر سے حد کا پتہ منبر شریف ہی سے چلتا تھا کیونکہ وہ مغرب کی جانب تھا' اس کے اور دیوار کے درمیان ذرا سا فاصلہ تھا کیونکہ ادھر اس کی آخری حد وہ ستون تھا جو منبر سے ملا ہوا تھا جبکہ منبر جنت کے ایک دروازے پر ہے چنانچہ ریاض الجنہ کی حد پوری مسجد کو شامل ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ اس وضاحت کی بنیاد ابن نجار کا قول ہے جو انہوں نے مغرب کی طرف سے مسجد کی حد بندی بتاتے ہوئے کیا ہے اور حد مسجد جو پہلے میرے سامنے تھی' میں اپنی تالیفات میں اسی کے مطابق چلا ہوا' علامہ زینی مراغی نے بھی وہی کچھ لکھا ہے چنانچہ کہا: کیاری کے بارے میں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ویسا نہیں رہے گی جیسے آج ہے بلکہ شام کی طرف حضور ﷺ کے گھروں تک وسیع ہو گی اور حضور ﷺ کے دور میں مسجد کا یہ آخری حصہ تھا چنانچہ یہ سارا ہی کیاری ہو گا اور یہ اس وقت ہے کہ ہم نے اس مفرد کو بنیاد بنایا ہے جو مضاف ہے اور عموم کا معنٰی دیتا ہے اور اسی کو علماءِ اُصول نے اپنی کتابوں میں ترجیح دے رکھی ہے۔

(قلت) ان حضرات میں سے کسی نے بھی گذشتہ حدیث کو دلیل نہیں بنایا کہ "ان گھروں کے درمیان سے گھر (یعنی آپ کے گھروں سے) میرے منبر تک جنت کی ایک کیاری ہے۔" اور پھر تعجب یہ ہے کہ روضہ کے بارے میں معلومات رکھنے والوں نے اس کا ذکر تک نہیں کیا حالانکہ اس میں یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ "مفرد مضاف عام معنٰی دیتا ہے چنانچہ علامہ گازرونی نے اس بارے میں کئی اعتراض کیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ روایتِ "ما بین قبری و منبری" مضاف "بیت" کا مطلب بتا رہی ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی جگہ یہ کہا ہوتا تو بہتر تھا کہ روایت "ما بین المنبر و بیت عائشۃ" کیونکہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ ریاض الجنہ منبر کی صرف چوڑائی کی جانب ہو حالانکہ یہ تخصیص بعید سی بات ہے اور جس نے یہ کہا کے بیت سے مراد قبر ہے تو واللہ اعلم اس کا یہ مقصد نہیں ہے البتہ قبر کی روایت میں چونکہ ابہام نہیں لہٰذا یہ بیعت کا معنٰی معین کرتی ہے اور شاید علامہ صفی کی مراد بھی یہی ہے اور اسی بناء علامہ طبری نے کہا

ہے: اور جب حضورﷺ کی قبرِ انور گھر میں ہے تو سب روایتوں کا معنیٰ ایک ہو گیا اور اختلاف بالکل نہ رہا۔ انتہٰی۔

ان میں سے ایک اور اعتراض یہ ہے علامہ قرافی نے عموم اسمِ جنس کو قلیل و کثیر پر بولا ہے جیسے ماء اور مال کے الفاظ ہیں' ان پر نہیں بولا جو صرف ایک پر بولے جاتے ہیں جیسے ''عبد' بیت اور زوجہ کا لفظ کیونکہ یہ عام نہیں' یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے کہا: عبدی حرٌّ یا کہا اِمْرَأَتِی طَالِقٌ تو یہ الفاظ سارے غلاموں اور ساری عورتوں کو شامل نہیں ہونگے اور نہ میں نے کسی کو اسے نقل کرتے دیکھا۔

میں کہتا ہوں: علامہ تاج سبکی کہتے ہیں: کچھ علماء نے اسمِ جنس معرف باللام اور مضاف ہونے کی صورت میں اس کے عام ہونے کی مخالفت کی ہے جبکہ صحیح بات اس کے خلاف ہے۔

چنانچہ انہوں نے قرافی کی بحث کو تیسری تفصیلی وجہ قرار دیا ہے اور یہ بات دو مطلق لفظوں کے اس پر بولنے کا انکار کرتی ہے چنانچہ ان کی نقل ملتی ہے لیکن صحیح اس کے خلاف ہے اور جو انہوں نے استدلال کیا ہے کہ عبدی حرٌّ اور امراتی طالق میں عموم نہیں ہے تو اس کا جواب کئی وجہ سے دیا جا سکتا ہے جن کا ذکر ہم اعتراضات کے دفع کرنے کے موقع پر کر چکے ہیں' ان سب سے بہتر وہ ہے جس کی طرف علامہ اسنوی نے اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے: اس میں عموم کا نہ ہونا اس لئے ہے کہ یہ قَسموں سے تعلق رکھتا ہے اور اَیمان (قسمیں) میں تو عرف کا لحاظ لکھ کر چلنا ہوتا ہے۔

علامہ ازرقی نے اپنی ''نفائس'' میں ابن عبد السلام سے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے اس کے مطابق سب کو طلاق ہو جائے گی اور سبھی آزاد ہو سکیں گے اور پھر حنبلیوں کی طرف سے حضرت امام احمد کی نص یعنی واضح بیان موجود ہے کہ اگر دو بیویوں اور کچھ غلاموں والا کہہ دے کہ: زوجتی طالق یا عبدی حرٌّ اور کسی خاص کو معین نہ کرے تو سب کو طلاق واقع ہو جائے گی یا سبھی آزاد ہو جائینگے چونکہ قاعدہ مذکورہ موجود ہے چنانچہ ابن عبد السلام اور حنبلی حضرات اسی قاعدے کے مطابق چلے ہیں لہٰذا یہ طریقے صحیح دلیل بنتے ہیں لیکن ریاض الجنہ کو شامل کر کے ''یہ منبر اور گھروں کے درمیان موجود ہے'' عموم مراد لینا تو یہ ایک اور رائے ہے اور پہلے ہم ایسی حدیث ذکر کر چکے ہیں جس میں یہ صراحت موجود ہے اور اس کی تائید علامہ ریمی کے اس اشارے سے ہوتی ہے جو انہوں نے کہا ہے کہ اس کا روضہ (کیاری) ہونا اس بناء پر ہے کہ حضورﷺ نے اس کا ذکر بار بار فرمایا ہے اور قبلہ بدلنے سے پہلے آپ اس کی اس جانب نماز پڑھتے تھے جو شام سے ملتی ہے اور یہ جائے تہجد تھی اور آپ کا منبر انور مغرب کی طرف سے اس کی حد کے آخر میں واقع تھا جبکہ مصلّے شریف آپ کے آگے تھا اور اسی کے ساتھ ستون واقع تھے جن میں فضیلت پائی جاتی ہے۔

رہا دوسری رائے کا سوال تو اس کی دلیل کے لئے بظاہر حقیقی طور پر درمیان میں ہونے کے لفظ کا سہارا لینا ہو گا اور بیت سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر لینا پڑے گا' اسے یہ بات کمزور کرتی ہے کہ مصلّٰی شریف کے اگلے حصے کو اس وقت ریاض الجنہ کے نام سے نکالنا پڑے گا کیونکہ یہ منبر اور روضہ کی دونوں جالیوں کے سامنے اور برابر نہیں آتا حالانکہ اس کے ریاض الجنہ ہونے کا بڑا سبب یہی ہے کہ حضورﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے آتا ہے تاہم نہ قول

میں نے کسی کا نہیں دیکھا' اسے میں نے خطیب بن حملہ کے تردد سے لیا ہے جس کا ذکر گزر چکا۔

رہی تیسری رائے تو وہ ظاہر ہے کہ یہ وہی ہے جس پر علماء کی بڑی تعداد اور لوگوں کی اکثریت کار بند ہے' وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے بیت سے مراد' دوسری روایت کے مطابق حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لیا ہے اور انہوں نے گذشتہ اس امر کو' ''مصلّٰی شریف کا اگلا حصہ خارج ہے'' اس بات پر دلیل بنایا ہے کہ درمیان میں ہونے سے مراد وہ حصہ ہے جو ان دونوں طرفوں میں سے کسی ایک کے برابر آتا ہے اور یہ کہ اس سے مراد اسطوانہ وفود کی لائن میں حجرہ شریفہ کے آخری حصے کی طرف سے انتہائی ہے جو مسجد کا اگلا حصہ ہے اور علامہ اقشہری کا اس طرف اشارہ موجود ہے۔اس بات کا علم ہمیں اس عبارت سے ہوا ہے جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے' اس سے قبل ہمیں کچھ معلوم نہ تھا اور اسی وجہ سے علامہ مجد نے اپنی کتاب کے پہلے باب کی فضل الزیارہ میں کہا ہے' الفاظ یہ ہیں: ''پھر (زائر) روضۂ مقدسہ کی طرف آئے (ریاض الجنہ) اور یہ لمبائی میں قبر اور منبر کے درمیان ہے' چوڑائی میں ہونے کا کسی نے ذکر نہیں کیا اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ محراب اور اس ستون کے درمیان ہے جو اس کے سامنے ہے جبکہ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا' میں نے اسے کتاب ھذا میں اس کے مقام پر بیان کیا ہے' وہاں میں نے بتایا ہے: لفظ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے زیادہ ہونا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا گھر اپنے تمام پہلو شامل کر کے اس مقدار سے بڑھ جاتا ہے۔انتہٰی۔انہوں نے اس جگہ میں اسے ذکر نہیں کیا جس پر کسی شے کا حوالہ دیا جا سکے۔

ان کا یہ قول: ''محراب سے اس ستون تک جو اس کے سامنے ہے۔'' تو اس سے لگتا ہے کہ وہ ستون مخلّق اور اس کے سامنے کا حصہ مراد لے رہے ہیں تو اس صورت میں ریاض الجنہ صرف پہلے سائبان تک ہوگا اور یہ غلط ہے کیونکہ شام کی جانب سے حجرہ مقدسہ ذرا پیچھے ہے جبکہ اس ستون کی لائن اس کے قبلہ والی دیوار کی جانب برابر میں ہے۔

ابن جماعہ کہتے ہیں' مجھے ریاض الجنہ کے طول کا تو پتہ چل گیا لیکن عرض کا پتہ نہیں چل سکا' ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ اس کا طول' منبر سے حجرے تک ہے جو ابن زبالہ کے مطابق ترپن ہاتھ اور ایک بالشت ہے' ایک اور مقام پر کہتے ہیں کہ چون ہاتھ اور ہاتھ کا چھٹا حصہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جہاں تک ہمیں پتہ چلا ہے' پہلی پیائش تقریباً درست ہے کیونکہ میں نے رسّی سے ناپا تھا تو قبلہ والی جانب سے حجرہ کی قبلہ والی دیوار تک ترپن ہاتھ تھی جبکہ ابن جماعہ نے اس سے کم بتایا تھا' شاید انہوں نے سیدھی جانب ناپی تھی اور دوسری دونوں طرفوں کا لحاظ نہیں رکھا۔چنانچہ انہوں نے کہا: میں نے حجرہ شریفہ کی دیوار اور منبر کے درمیان ناپا تو معمول کے ہاتھ سے چونتیس ہاتھ اور ایک قیراط تھا۔میں کہتا ہوں کہ یہ باون ہاتھ تھا' اس پیائش کے مطابق جس کا میں نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔رہا اس شخص کا قول کہ جس نے کہا: آج کل ریاض الجنہ کا طول پچاس ہاتھ سے دو تہائی ہاتھ گھٹ گیا ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں' ہاں یہ اس صورت میں ممکن ہے جب اسے اپنے ہاتھ سے ناپیں جس کی لمبائی زیادہ ہے۔واللہ اعلم۔

رہی حجرہ مبارکہ کی انتہاء تو یہ ابن جماعہ وغیرہ کو معلوم نہ تھی اور اسی پر چوڑائی کا بیان موقوف ہے' اسی لئے ریمی نے کہا: ہمیں تو معلوم نہیں کہ حجرہ مبارکہ اس عمارت کے درمیان ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے یا اس کے درمیان میں نہیں ہے؟ اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی پیائش کہاں تک جاتی ہے؟ البتہ لوگوں کی اکثریت کا گمان ہے کہ اس کی نہایت ستونِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل تک ہے اور اسی لئے انہوں نے اس کٹہرے کو جو ستونوں کے درمیان ہے' ان کی صف میں گنا ہے اور صرف اسی کے لئے انہوں نے فرش بنایا لیکن درست وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں چنانچہ معاملہ واضح ہو گیا' فاللہ الحمد۔

فصل نمبر۷

با برکت ستون اور استوانۂ مُخَلَّق

ان میں سے ایک وہ ستون ہے جو مصلّٰے شریف کی علامت ہے اور اسے مخلّق کہتے ہیں۔ ابن قاسم کہتے ہیں کہ مصلّٰے شریف وہاں تھا جہاں ستونِ مخلق ہے اور ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس سے مراد سب سے قریبی ستون ہے اور جس تنے کے ساتھ آپ خطبہ دیتے اور اس کا سہارا لیتے' وہ وہیں تھا اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ آج جہاں یہ ستون موجود ہے وہ جگہ پہلی سے آگے ہے اور اس کا اصلی مقام شمع رکھنے کی وہ جگہ ہے جو مصلّٰے شریف میں کھڑا ہونے والے امام کی دائیں طرف ہے چنانچہ جسے اس سے تبرک حاصل کرنا ہو' وہاں نفل پڑھے۔

ابن زبالہ کے مطابق یزید بن عبید' حضرت سلمہ بن رکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ سبحۃ الضحیٰ (نفل پڑھنے کی جگہ) کے مقام پر آتے تو ستون کا ارادہ کرتے' مصحف کا نہ کرتے اور دونوں کے قریب نماز پڑھتے' میں کہتا کہ آپ یہاں نماز نہیں پڑھیں گے' میرا اشارہ مسجد کی ایک طرف کو ہوتا' وہ کہتے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس مقام پر آتے دیکھتا رہا ہوں۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے' بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ''میں سلمہ بن اکوع کے ساتھ آیا کرتا تو وہ مصحف والے ستون کے پاس نماز پڑھا کرتے' میں نے پوچھا تھا: اے ابو سلمہ! میں دیکھتا ہوں کہ آپ نماز کے لئے اسی ستون کا ارادہ کئے ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' مسلم شریف میں حضرت سلمہ ہی سے ہے کہ وہ مصحف والی جگہ کا قصد کرتے اور وہیں نفل پڑھتے' پھر بتاتے کہ نبی کریم ﷺ اسی جگہ کا قصد کرتے تھے۔ ہم نے مصلّٰے شریف کا بیان کرتے وقت یہ بیان کر دیا تھا کہ اس سے مراد یہی ستون ہے۔

استوانۂ قرعہ (ستونِ قرعہ)

ایک ان میں سے اسطوانۂ قرعہ ہے جو اسطوانۂ عائشہ کے نام سے مشہور ہے' اسے اسطوانۂ مخلّق اور اسطوانۂ مہاجرین بھی کہا جاتا ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت اسماعیل اپنے والد کے بارے بتاتے ہیں' وہ کہتے تھے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما' مروان بن حکم اور ایک تیسرا شخص حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے' وہ مسجد کا ذکر کر رہے تھے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں مسجد کا وہ ستون جانتی ہوں کہ اگر اس کے بارے میں لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اس کی طرف نماز پڑھنے کا کیا اجر ہے تو وہ قرعہ ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔ بعد ازاں دو تو چلے گئے لیکن ایک ابن زبیر ان کے پاس رہ گئے۔ دونوں نے آپس میں بات کی کہ یہ صرف اس ستون کا پتہ چلانے کے لئے پیچھے رہ گئے ہیں اور اگر انہوں نے پوچھ لیا تو وہ ضرور بتا دیں گی اور اگر انہوں نے انہیں بتا دیا تو یہ ہمیں نہیں بتائیں گے اور اگر انہوں نے بتا دیا تو یہ ابھی اس ستون کی طرف جا کر نفل ضرور پڑھیں گے لہٰذا ہمیں وہاں بیٹھنا چاہیے جہاں ہم انہیں دیکھ سکیں لیکن وہ نہ دیکھ سکیں چنانچہ انہوں نے یونہی کیا۔

لمحہ بھر کے بعد وہ تیزی سے باہر آئے' اس ستون کے طرف متوجہ ہوئے اور اس کی دائیں طرف مائل ہو کر نفل شروع کر دیے جس سے معلوم ہو گیا کہ وہ یہی ستون ہے چنانچہ اس کا نام اسطوانۂ عائشہ مشہور ہو گیا۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ اس کے قریب دُعا قبول ہوتی ہے۔

اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں اس ستون کی ایک طرف زمین کا ایک ٹکڑا ہے کہ اگر اس کے بارے میں لوگوں کو پتہ چل جائے تو وہ اس میں نماز پڑھتے وقت قرعہ ڈالا کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس صحابہ کے بیٹوں کی ایک خاصی تعداد موجود تھی' کہنے لگے: اے اُم المؤمنین! وہ کہاں ہے؟ آپ نے ان لاعلمی پر تعجب کیا چنانچہ وہ کچھ دیر ٹھہرے اور پھر چلے گئے' صرف حضرت عبد اللہ بن زبیر رہ گئے۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ابھی انہیں وہ جگہ بتا دیں گی لہٰذا یہیں مسجد میں ٹھہرو تاکہ دیکھ سکو کہ وہ کہاں نماز پڑھتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ نکل آئے اور اس ستون کے نزدیک نفل پڑھنے لگے جہاں عامر بن عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پڑھے تھے' چنانچہ اسے اسطوانۂ قرعہ کہا جانے لگا۔

علامہ عتیق کہتے ہیں' یہی وہ ستون ہے جو قبرِ انور اور منبر کے عین درمیان ہے' اس کی دائیں طرف منبر تک دو ستون ہیں اور پھر اس کے اور قبرِ انور کے درمیان دو ستون ہیں پھر اس کے اور کھلی جگہ کے درمیان دو ستون ہیں' یہ ستون ان کے درمیان میں ہے' اسے اسطوانۂ قرعہ کہا جاتا ہے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ بہت سے علماء نے بتایا جن میں زبیر بن حبیب بھی تھے کہ جس ستون کو اسطوانۂ عائشہ کہا جاتا ہے' یہ منبر سے تیسرے نمبر پر ہے اور قبر سے بھی اور قبلہ کی طرف سے بھی تیسرے نمبر پر ہے جبکہ رحبہ (کھلی جگہ) سے بھی تیسرے نمبر پر ہے' یہ اس وقت کی بات ہے جب دو دالان نہیں بنے تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے اور یہ ریاض الجنہ کے درمیان تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے پاس دس سے کچھ زیادہ تک فرض نمازیں پڑھی تھیں پھر اپنے اس محراب کی طرف بڑھ گئے تھے جو درمیان صف میں ریاض الجنہ کے درمیان تھا یعنی درمیانے دالان میں' حضرت ابوبکر' حضرت عمر'

حضرت زبیر بن عوام اور حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے' قریش کے مہاجرین یہاں جمع ہوا کرتے تھے' اسی لئے اسے مجلس مہاجرین کہا جاتا تھا۔ انتہیٰ۔

ابن نجار نے حضرت زبیر بن حبیب سے یہ روایت کچھ اضافہ سے بیان کی: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اگر اس کے بارے میں لوگوں کو پتہ چل جائے تو اس کے پاس نماز کے لئے قرعہ اندازی پر مجبور ہو جائیں' انہوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے نہیں بتایا' اتنے میں ابن زبیر نے سرگوشی سے پوچھا تو چپکے سے انہوں نے کچھ فرمایا چنانچہ وہ اُٹھے اور اس ستون کے پاس نماز پڑھی جسے اسطوانۂ عائشہ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھی نے گمان کیا کہ حضرت عائشہ نے انہیں بتا دیا ہے کہ وہ ستون ہے چنانچہ اس کا نام اسطوانۂ عائشہ رکھ دیا گیا۔ راوی کا بیان ہے' مجھے میرے ساتھیوں نے زید بن اسلم سے بتایا کہ انہوں نے کہا: میں نے اس جگہ رسول اللہ ﷺ کی پیشانی مبارک کی جگہ دیکھی تھی' پھر اس کے قریب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی رکھنے کی جگہ دیکھی پھر ان کے قریب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی کی جگہ دیکھی۔

کہتے ہیں کہ یہاں دُعا قبول ہوتی ہے۔

ابن نجار: ابن زبالہ کی اس تحریر: ''نبی کریم ﷺ نے وہاں دس سے کچھ زائد دن تک نماز پڑھی تھی' پھر آگے اپنے آج کل کے مصلّٰی کی طرف بڑھ گئے تھے۔'' کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن نجار کے الفاظ یہ ہیں: آپ اسے اپنے پیچھے رکھتے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے علاوہ میں نے کسی اور کے کلام میں یہ نہیں پڑھا۔ ظاہر یہ ہے ان کی مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کا سہارا لیتے تھے جب وہاں بیٹھتے تھے' یہ نہیں کہ اسے اپنی پچھلی طرف کرتے تھے کیونکہ انہوں نے زید بن اسلم سے ذکر کیا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی پیشانی مبارک کی وہاں جگہ دیکھی تھی۔

اس اسطوانۂ کا نام مخلّقہ بولا گیا' انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت سے یہ نام لیا کہ حضور ﷺ لوگوں کو مسجد میں شام کی طرف منہ کر کے نماز پڑھاتے (اس کی جانچ کے لئے) تم اسطوانۂ مخلقہ کی جگہ کو اپنی پشت کے پیچھے رکھو اور پھر شام کی طرف چلو۔ (آخر تک)

میں کہتا ہوں کہ یہ ستون ان ستونوں کی صف میں ہے جو مصلّٰے شریف پر کھڑے امام کی پچھلی طرف ہیں' یہ قبلہ کی طرف تیسرے نمبر پر ہے اور کھلی جگہ سے بھی تیسرے ہی نمبر ہے جیسے گذرا اور یہ اس وقت تھا جب مسجد کی اگلی طرف کی چھت کے دالان نہیں بنے تھے' اس پر وہ خالی جگہ سے پانچویں نمبر پر ہو گیا۔

اسطوانۂ توبہ

انہی میں سے اسطوانۂ توبہ ہے' یہ اسطوانۂ ابولبابہ بن عبدالمنذر کے نام سے معروف ہے جو بنو عمرو بن عوف اوسی (نقباء میں ایک سے) تھے' نام رفاعہ تھا' اور یہ بھی لکھتے ہیں: یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر

انہوں نے اپنے آپ کو اس سے باندھ لیا تھا اور پھر توبہ قبول ہونے تک بندھے رہے۔

علامہ القشیری لکھتے ہیں کہ اہلِ سیرت و اہلِ تفسیر کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آخر ان کی غلطی کیا تھی؟ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ ابولبابہ ان لوگوں میں شامل تھے جو غزوۂ تبوک میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے جبکہ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی پیروی میں کہا کہ اس کا سبب بنو قریظہ کا قصہ تھا اور انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا تھا چنانچہ عبد الرحمٰن بن یزید ان کا بنو قریظہ سے واقعہ بتاتے ہیں' انہوں نے ان سے کہا تھا: کیا ہم حکم محمد پر عمل کریں تو رعایت ہو گی؟ انہوں نے گلے کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ہاں اور ساتھ ہی گلے کی طرف اشارہ کیا تھا (ذبح کر دئے جاؤ گے) ایک اور روایت میں ہے کہ ابولبابہ جب بنو قریظہ کے پاس گئے تو آدمی ان کے سامنے آ گئے' عورتیں اور بچے رونے لگے چنانچہ آپ کے دل میں نرمی آ گئی اور آپ سے کوتاہی ہو گئی تھی۔

حضرت ابولبابہ کہتے ہیں کہ ابھی میں اپنے قدم بھی نہیں اُٹھائے تھے کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کر لی ہے۔

گذشتہ روایت میں یحییٰ نے کہا: وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں نہیں گئے' سیدھے مسجد کو گئے اور اپنے آپ کو اسطوانۂ توبہ کی جگہ ایک تنے سے باندھ لیا' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ اُتاری:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○

(سورۂ انفال: ۲۷)

"اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ ہی اپنی امانتوں میں دانستہ خیانت۔"

ایک اور روایت میں ہے: آپ نے اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا اور قسم کھا لی کہ اس وقت تک اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے جب تک حضور علیہ السلام نہیں کھولتے یا پھر اللہ کی طرف سے توبہ نازل نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہیں کھولنے تشریف لائیں تو انہوں نے انکار کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام کے کھولنے تک آپ نہ کھولیں۔ یہ سن کر رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جسم کا حصہ ہے۔

ابن نجار کی روایت ہے کہ ابولبابہ نے اللہ سے عہد کر لیا کہ میں بنو قریظہ کو روندوں گا نہیں' اور پھر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس شہر میں نہ دیکھے جہاں میں نے اللہ و رسول علیہ السلام سے خیانت کی۔ جب نبی کریم علیہ السلام کو پتہ چلا (یہ آپ کے پاس حاضر نہ ہو سکے تھے) تو آپ نے فرمایا اگر یہ پہلے میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگتا اور اب تو انہوں نے جو کرنا تھا کر لیا' اب میں اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ نہ اُتار دے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ اُتار دی' تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تھے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے سحری کے وقت رسول اللہ علیہ السلام کے ہنسنے کی آواز سنی' عرض کی یا رسول اللہ! اللہ آپ کو خوش و خرم رکھے' ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابولبابہ کی توبہ قبول کر لی گئی ہے۔ میں نے عرض کی

یا رسول اللہ! تو پھر میں انہیں بشارت نہ دیدوں؟ آپ نے فرمایا' جیسے تمہاری مرضی؟ وہ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوئیں (ابھی پردے کا حکم نہیں ہوا تھا) اور کہنے لگیں! اے ابو لبابہ خوشیاں مناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر انہیں کھولنے کے لئے بھاگے تو انہوں نے انکار کیا' آپ نے کہا اب رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دستِ مبارک سے مجھے کھولیں گے۔رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کے لئے تشریف لے گئے تو انہیں کھول دیا۔

بیہقی کے مطابق لکھا ہے کہ حضرت ابولبابہ غزوۂ تبوک میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے' رسول اللہ ﷺ جب واپس تشریف لائے تو یہ سلام کے لئے حاضر ہوئے' آپ نے منہ پھیر لیا جس سے ان پر خوف طاری ہو گیا' انہوں نے اپنے آپ کو زوجۂ رسول حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے کے قریب استوانۂ توبہ سے باندھ لیا' سات دن تک بندھے رہے' گرمی سخت تھی' نہ کچھ کھایا اور نہ ہی قطرہ بھر پانی پیا۔

حضرت مالک کے مطابق حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو ستون کے ساتھ بھاری لوہے سے باندھ لیا' دس راتوں سے زیادہ تک بندھے رہے' سننے کی طاقت ختم ہوگئی' بینائی ختم ہونے کو ہوگئی۔آپ کی بیٹی نماز اور قضاء حاجت کے وقت انہیں کھول دیتیں اور واپس آنے پر انہیں پھر باندھ دیتیں۔

علامہ زمخشری نے حضرت ابولبابہ کا قصہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ اور اس میں لکھا ہے کہ ابولبابہ نے بیان کیا' میں انہی قدموں پر کھڑا تھا' مجھے معلوم ہوگیا کہ میں نے اللہ و رسول سے خیانت کی ہے' اس پر یہ گذشتہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے مسجد کے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا' کہنے لگے' بخدا نہ میں کھانا چکھوں گا' نہ ہی کچھ پیوں گا' یا تو مرجاؤں گا یا پھر اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے گا' وہ سات دن تک اسی حالت میں رہے' اسی دوران (بھوک پیاس سے) آپ پر غشی طاری ہوگئی اور وہ گر گئے' پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔پھر قصہ کے دوران لکھا کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور انہیں کھول دیا' اس پر انہوں نے عرض کی: میری توبہ تب مکمل ہوگی جب میں اس جگہ کو چھوڑ دوں جہاں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے اور اپنا مال لٹا دوں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک تہائی مال صدقہ کردو' کافی ہے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ وہ ستون جس سے ثمامہ بن اثال حنفی نے اپنے آپ کو باندھا تھا' یہ وہی تھا جس سے ابو لبابہ نے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا۔

بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اس آیت کے تحت لکھی:

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِھِمْ۝ (سورۂ توبہ:۱۰۲)

"اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقِرّ ہوئے۔"

حضرت ابن عباس بتاتے ہیں کہ یہ دس لوگ تھے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور ﷺ کے ساتھ جانے سے رہ

گئے تھے‘ جب حضور ﷺ کی واپسی کا وقت آیا تو ان میں سے سات نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا‘ رسول اللہ ﷺ نے آ کر انہیں دیکھا تو پوچھا: یہ لوگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ہمراہ جانے سے رہ گئے تھے الحدیث۔ پھر ان کی توبہ کا ذکر کیا‘ آپ نے کسی کو بھیجا اور انہیں آزاد کر دیا۔

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استوانۂ توبہ کے پاس نوافل پڑھا کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں انہوں نے عمر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بتایا کہ انہوں نے استوانۂ توبہ کے بارے میں کہا کہ اکثر اوقات نبی کریم ﷺ اسی کے پاس نوافل پڑھا کرتے‘ صبح کی نماز کے بعد آپ اس کی طرف تشریف لے جاتے‘ پہلے یہاں ضعیف‘ مسکین‘ تکلیف والے‘ حضور ﷺ کے مہمان‘ جن کے دلوں کو اطمینان کی ضرورت ہوتی اور جس کا مسجد کے علاوہ رات گذارنے کے لئے کوئی اور ٹھکانہ نہ ہوتا‘ ایسے لوگ آیا کرتے تھے‘ یہ لوگ وہاں حلقے بنا کر بیٹھا کرتے‘ کوئی یہاں‘ کوئی وہاں۔ آپ صبح کی نماز کے بعد اپنے مصلّے سے اُٹھ کر ان کے پاس تشریف لے جاتے‘ انہیں آیات قرآنیہ سناتے‘ پھر آپس میں باتیں ہوتیں اور جب سورج طلوع ہو جاتا تو صاحب حیثیت‘ شرف والے اور غنی قسم کے لوگ آ جاتے‘ انہیں وہاں جگہ نہ ملتی‘ انہیں آپ سے ملنے کا شوق تھا اور آپ کو ان سے‘ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ

(سورۂ کہف: ۲۸)

”اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے ربّ کو پکارتے ہیں‘ اس کی رضا چاہتے ہیں۔“

اور جب یہ آیت اُتری تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! انہیں یہاں سے نکال دیجئے‘ ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے‘ ہم آپ کے بھائی بند ہیں‘ ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ (سورۂ انعام:۵۲)

”اور دور نہ کرو انہیں‘ جو اپنے ربّ کو پکارتے ہیں‘ صبح اور شام اس کی رضاء چاہتے ہیں۔“

حضرت مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسطوانۂ توبہ کو مخلقہ کہتے تھے۔ ابن زبالہ حضرت مالک بن انس کا ذکر کرتے ہوئے اس میں لکھتے ہیں: یہ وہی اسطوانۂ مخلقہ ہے‘ جسے اسطوانۂ توبہ کہتے ہیں‘ اسی سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابولبابہ کو اس وقت کھولا تھا جب ان کی توبہ اُتری تھی۔ اس کے اور قبرِ انور کے درمیان دو ستون ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس ستون کے بارے میں فرماتے ہیں جس سے ابولبابہ بندھے تھے کہ یہ قبرِ انور سے دوسرا ہے اور کھلی جگہ سے تیسرا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ تینوں کھلی جگہ پر اس وقت تھے جب ان دو ستونوں کو جدید بنایا گیا جن کی طرف اسطوانۂ قرعہ میں اشارہ گذرا‘ سبب یہ تھا کہ دونوں والان نئے بنائے گئے تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے اور یہ ستون‘ پہلے ذکر شدہ مشرق کی طرف والے ستون کی ایک جانب تھا چنانچہ یہ منبر سے چوتھا ہے‘ قبرِ انور سے دوسرا‘ قبلہ کی طرف سے تیسرا اور آج

ہمارے دور میں مسجد کی جگہ سے پانچواں ہے' اسی میں آج کل چونے سے بنے محراب کی شکل موجود ہے جس کی بناء پر یہ سب ستونوں سے الگ دکھائی دیتا ہے لیکن دوسری آتش زدگی میں اسے گرا دیا گیا تھا۔

بدر بن فرحون نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس سابقہ روایت سے یہ سمجھا کہ یہ وہی ستون ہے جو مشرق کی طرف اس اسطوانہ سے ملتا ہے اور یہی آج کل جالی سے متصل ہے جیسے آگے آئے گا چنانچہ ابن فرحون کہتے ہیں کہ اسطوانۂ توبہ وہی ہے جو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق شباک کھڑکی سے متصل ہے' حضرت مالک بن انس نے بھی انہی کی پیروی کی ہے اور وہ جو کہا گیا ہے کہ اس کے علاوہ ہے' وہ غلط ہے۔اس میں اس قائل نے کئی اشیاء کا ذکر کیا ہے' جن کا ذکر کرنا' طول دینا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ دراصل صحیح وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے' غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قبرِ انور کے ساتھ ملے ہوئے ستون کو یہی ستون سمجھا ہے چنانچہ انہوں نے ابن عمر کے قول کا مطلب یہ لیا کہ یہ قبر سے دوسرے نمبر پر ہے اور مالک کے قول سے سمجھا کہ اس کے اور قبرِ انور کے درمیان ستون ہے جو آج کل کھڑکی سے ملے ستون کے علاوہ ہے جبکہ اسطوانۂ قرعہ کے بیان میں ان کی کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ وہ قبر کی دیوار سے ملے کو شمار نہیں کرتے کیونکہ پہلے ان کا یہ قول گذر چکا ہے کہ یہ منبر سے تیسرا ہے اور قبرِ انور سے بھی تیسرا ہے اور اگر وہ قبر انور سے متصل کو گنتے تو یہ قبرِ انور سے چوتھا ہوتا اور پھر یہ بات بھی ہے کہ قبرِ انور سے ملے ستون کو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیا بنایا تھا (پہلے کا ہے ہی نہیں) جس کا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو علم ہی نہیں پھر اس سے بھی بڑھ کر واضح وہ ہے جو ابنِ زبالہ نے کہا کہ اسطوانۂ توبہ اور قبر شریف کی دیوار کے درمیان بیس ہاتھ کا فاصلہ ہے چنانچہ میں نے بھی اس اسطوانہ سے اندازہ لگایا جس کا ہم ذکر کر چکے تو ویسے ہی تھا اور ابن زبالہ سے جو کچھ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' اس میں کہا تھا: مصلائے نبی ﷺ اور اس ستون کے درمیان سترہ ہاتھ کا فاصلہ ہے جبکہ مصلّٰے شریف کے بیان میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں' اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ ہمیں ان کے درمیانی فاصلے کا پتہ چل چکا ہے پھر ہم نے یہ بیان بھی کیا ہے کہ مصلّٰے شریف اس گڑھے کی جانب ہے جو مغربی جانب ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ مصلّٰی شریف اس حالت میں نیا نیا ہے۔

ابن زبالہ کے ایک نسخہ میں یہ فاصلہ انیس ہاتھ لکھا ہے اور اگر یہ بات صحیح ثابت ہو جاتی ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصلّٰے شریف عہد ابن زبالہ میں اس شکل میں موجود نہ تھا بلکہ یہاں زمین برابر تھی تو گویا انہوں نے ہاتھوں کا اعتبار مصلّٰے شریف کی غربی جانب سے ابتداء کرتے ہوئے کیا تھا اور وہاں سے مذکور اسطوانہ انیس ہاتھ ہی ہے' رہا مصلّٰے شریف اور اس اسطوانہ کا فاصلہ جو بدر نے مراد لیا ہے' تو وہ پچیس ہاتھ تھا لہٰذا ان کا یہ ارادہ کسی بناء پر صحیح نہیں۔

ابن زبالہ اور یحیٰی حضور ﷺ کے مقامِ اعتکاف کا بیان کرتے ہوئے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جب اعتکاف کرتے تو آپ کا بستر لگا دیا جاتا اور اسطوانۂ توبہ کے پیچھے چارپائی بچھا دی جاتی۔

ابن ماجہ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہیں وہ مکان دکھایا جہاں رسول اللہ ﷺ اعتکاف کیا کرتے تھے پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو بستر لگا دیا جاتا' چارپائی بچھا دی جاتی جو اسطوانۂ توبہ کی پچھلی طرف ہوتی۔ بدر بن فرحون کہتے ہیں کہ طبرانی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ وہ قبلہ کی جانب جا ملتا تھا جس سے آپ سہارا لگاتے۔

میں کہتا ہوں کہ اسے بیہقی نے روایت کیا' الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو آپ کے لئے فرش لگایا جاتا یا چارپائی بچھائی جاتی' یہ اسطوانۂ توبہ کے قبلہ والی طرف ہوتی' اس اسطوانہ سے آپ سہارا لگاتے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے مسجد میں ایک جگہ مقرر تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان تھا اور یہی وہ جگہ تھی جہاں رسول اللہ ﷺ کا بستر لگایا جاتا تھا جب آپ اعتکاف فرماتے تھے۔

اسطوانۂ سریر

انہی ستونوں میں سے ایک اسطوانۂ سریر ہے' حضرت محمد بن ایوب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے لئے کھجور کا بچھونا ہوتا جس میں اس کے خشک پتے لگائے گئے ہوتے تھے' یہ اس اسطوانہ اور قندیلوں کے درمیان ہوتا جو قبرِ انور کے سامنے ہوتا تھا' آپ اس پر آرام فرمایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ اسطوانہ ہے جو آج کل اسطوانۂ توبہ کے مشرق میں جالی سے ملا ہوا ہے اور ابن فرحون اسے اسطوانۂ توبہ سے ملاتے ہیں اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے جو اسطوانۂ توبہ میں گزری کہ حضور ﷺ کا بستر اسی کے پاس لگایا جاتا' ہاں یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ بستر کبھی اس اسطوانہ کے پاس لگایا جاتا اور کبھی اس کے پاس اور اس کی دلیل وہ ہے جو اسطوانۂ توبہ میں گذرا کہ بستر قبلہ والی جانب میں لگایا جاتا' آپ اس پر آرام فرماتے اور اس میں ذکر ہوا ہے کہ وہ اس کے اور قندیلوں کے درمیان لگایا جاتا حالانکہ یہ تو مشرق میں تھا۔

بدر بن فرحون کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ملتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اعتکاف فرماتے تو آپ کے لئے تکیہ لگایا جاتا اور کھجور سے بنی چارپائی رکھ دی جاتی جس میں کھجور کی شاخیں ہوتیں' اسے قبر شریف کے سامنے والے اسطوانہ اور قندیلوں کے درمیان لگا دیا جاتا' حضور ﷺ اس پر آرام فرماتے۔

اسطوانۂ مُحرِّس

ان ستونوں میں سے ایک اسطوانۂ محرس ہے' اسے اسطوانۂ امیر المؤمنین علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کہتے ہیں۔

حضرت موسےٰ بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر بن عبد اللہ بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسطوانۂ علی

بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ محرس کہلاتا ہے' کیونکہ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے اس پہلو میں بیٹھا کرتے تھے جو قبرِ انور سے ملتا ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کے دروازے کی طرف ہے' یہاں آپ حضور ﷺ کی حفاظت کے لئے ہوتے تھے۔

جمال مطری کہتے ہیں کہ یہ اس کھڑکی کے بالمقابل تھا کہ نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ہوتے تو اس سے ریاض الجنہ کی طرف نماز کے لئے نکلتے' یہ شمال کی طرف سے اسطوانۂ توبہ سے پیچھے تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ وہی ستون ہے جس کے قریب امیر مدینہ نماز پڑھتے اور اسے اپنی پیٹھ کی طرف رکھتے اسی لئے اقشہری نے کہا کہ آج کل حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے مصلّے والا ستون اتنا مشہور ہے کہ اہلِ حرم میں سے کسی سے پوشیدہ نہیں' اس کے پاس امراء بیٹھتے رہے ہیں اور آج تک اس کے قریب نمازیں پڑھتے رہے ہیں۔ یہ بھی ذکر ملتا ہے کہ اسے ''مجلس القلادہ'' کہتے ہیں کیونکہ یہ ان لوگوں کے لئے عزت کا باعث تھا جو یہاں بیٹھا کرتے تھے اور یہ کام صرف اسطوانۂ وفود میں ہوتا تھا۔

اسطوانۂ وفود

انہی ستونوں میں سے ایک اسطوانۂ وفود ہے۔ علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ شمال کی طرف سے اسطوانۂ محرس کے پیچھے ہے' حضور ﷺ یہاں اس وقت بیٹھا کرتے جب عرب کے وفد آپ کی خدمت میں آتے اور جب قبلہ کی طرف والی چھت میں دو سائبان بڑھائے گئے تو یہ مسجد کی کھلی جگہ سے ملتا تھا' اسے بھی مجلس القلادہ کہا جاتا تھا' سردار اور فاضل صحابہ کرام اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ اقشہری کہتے ہیں (میں نے انہی کے قلم کے لکھے سے نقل کیا ہے) کہ رہا وہ ستون کہ عرب کے وفد آنے پر جس کے پاس آپ بیٹھا کرتے تھے' جب تم اس ستون کو شمار کرو جس میں مقام جبریل ہے تو یہ تیسرا بنتا ہے۔ انتہٰی۔

یہ اس کے مطابق ہے جو مطری سے گذر چکا کیونکہ وہ ستون جس میں مقامِ جبریل ہے وہ ستونِ مربعۃ القبر ہے' اس کے اور اسطوانۂ وفود کے درمیان ایک ستون ہے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں' میں نے کافی اہلِ علم حضرات سے سنا جن میں سے ایک عبدالعزیز بن محمد ہیں کہ وہ ستون جو اس کھلی جگہ کی طرف ہے جو اسطوانۂ توبہ کی لائن میں ہے' اس کے اور اسطوانۂ توبہ کے درمیان حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصلّے تھا اور بیٹھنے کی وہی جگہ تھی کہ جسے مجلس قلادہ کہتے تھے' قدیم سے وہاں سردار قسم کے لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ علامہ مجد کہتے ہیں' اسے ''قلادہ'' کہنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں بیٹھنے والے بنو ہاشم وغیرہ عظیم لوگ ہوا کرتے تھے۔

اسطوانۂ مربعۃ القبر

ان ستونوں میں سے ایک اسطوانۂ مربعۃ القبر بھی ہے' آگے آ رہا ہے کہ اسے مقامِ جبریل علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے گھر کا دروازہ اس مربعہ میں تھا جو قبرِ انور میں ہے۔ سلیمان کہتے ہیں' مجھے مسلم نے کہا تھا کہ اس کے پاس نماز پڑھنا نہ بھولنا کیونکہ یہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کا وہ دروازہ تھا جہاں سے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آپ کے پاس جایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی تعمیر کی حد تھی جس کے مغربی چبوترے کی ایک طرف یہ شمال کی طرف واقع تھا اور اس لائن میں تھا جس میں اسطوانۂ وفود ہے' ان دونوں کے درمیان وہ ستون ہے جو جالی سے ملا ہوا ہے اور اسطوانۂ وفود کے مشرق میں ہے۔

اس ستون کی فضیلت وعظمت یہ ہے کہ ابو الحمراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' میں نے رسول اللہ ﷺ کو چالیس دن تک صبح کے وقت حضرت علی' سیّدہ فاطمہ' حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دروازے پر آتے دیکھا' تشریف لا کر آپ دروازے کے دونوں کواڑ تھام لیتے اور فرماتے: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (اے اہلِ بیت تم سدا سلامت رہو) پھر یہ آیت تلاوت فرما دیتے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا ○

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔"

انہی سے ایک اور روایت ہے' کہتے ہیں کہ مدینہ میں میرے سات ماہ' ایک دن کی طرح گذر گئے' رسول اللہ ﷺ حضرت علی کے دروازے پر بلا ناغہ تشریف لا کر فرماتے **الصلوٰۃ الصلوٰۃ انّما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم** الآیۃ۔

لوگ اس ستون کے پاس نماز نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ اس کے گرد جالی (لوہے کی) لگی ہوئی تھی جس نے حجرہ مقدسہ کو گھیر رکھا تھا اور اس کے دروازے بند تھے۔

اسطوانۂ تہجد

انہی میں سے ایک ستونِ تہجد ہے۔ یحییٰ کے مطابق حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ بوریا لے کر روزانہ اس وقت نکلتے جب لوگ گھروں میں ہوتے' لا کر اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی پچھلی طرف ڈال دیتے اور تہجد کی نماز پڑھتے' ایک آدمی نے دیکھ لیا تو اس نے بھی آپ کے ہمراہ نفل پڑھے' ایک اور نے دیکھا تو اس نے بھی پڑھے' یوں بہت سے لوگ جمع ہو گئے' رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو حکم فرمایا' بوریا لپیٹ دیا گیا

اورآپ اندر چلے گئے۔

صبح ہوئی تو وہ لوگ حاضر ہوئے' عرض کی یا رسول اللہ! آپ رات کے نوافل پڑھ رہے تھے تو ہم نے آپ کے ہمراہ پڑھے' فرمایا: خدشہ تھا کہ کہیں رات کے نوافل (تہجد) تم پر لازم نہ کر دیئے جائیں اور پھر تم ادا نہ کر سکو۔ حضرت عیسیٰ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ اس ستون کی جگہ تھی جو زوراء سے ملتی اور نبی کریم ﷺ کے راستے میں تھا۔

میں بتاتا چلوں کہ لفظ "زوراء" کو بعض لوگوں نے غلطی سے "دور" پڑھا چنانچہ میں نے اقشہری کے قلم سے لکھا دیکھا: لعلّه ممایلی دوره انتھی اور ظاہر یہ ہے کہ روایت میں لفظ ممایلی الزّور ہے یعنی جہاں موڑ تھا' یہ اس اضافہ میں تھی جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔

حضرت عیسیٰ کے مطابق حضرت سعید بن عبداللہ نے بتایا کہ مجھے محمد بن حنفیہ ملے' میں اس ستون کے پاس نماز پڑھ رہا تھا' مجھ سے کہنے لگے' میں دیکھتا رہتا ہوں کہ تم مسلسل اس ستون کے پاس ہوتے ہو' کیا کوئی خاص ثبوت موجود ہے؟ میں نے کہا' نہیں' انہوں نے کہا تو پھر یہ کام جاری رکھو کیونکہ رسول اللہ ﷺ تہجد کے لئے یہاں مصلّٰے بچھایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں' مسجد نبوی کی حدود کے بیان میں وہ مضمون گذر چکا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جگہ مسجد سے باہر باب جبریل کے سامنے قبلہ بدلنے سے پہلے اسی مقام پر تھی جہاں اب ہے اور وہ اس جگہ کے عین مطابق ہے جسے آئندہ صفحات میں مؤرخین اس ستون کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے بتائیں گے اور پھر مشہور یہ ہے کہ رمضان کے علاوہ آپ گھر ہی میں نوافل پڑھتے تھے اور یہ جگہ اس میں سے نہیں ہے اور گذشتہ اوراق میں رمضان سے متعلق احادیث قیامِ رمضان میں جو کچھ بیان ہوا' اس سے وہم پڑتا ہے کہ یہ قصہ اسی میں ہوا چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے موقع پر ایک حجرہ میں بوریا رکھا تھا جہاں رات کے نفل پڑھتے' لوگ بھی شامل ہو گئے الحدیث۔ مسلم نے یہ الفاظ لئے ہیں: حضور ﷺ نے مسجد میں ایک حجرہ سا بنا رکھا تھا' آپ وہاں رات کے نفل پڑھتے' دیکھتے دیکھتے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رمضان کے اندر حضور ﷺ حجرہ مقدسہ میں بوریا بچھا رکھتے اور شاید یہ وہی گنبد سا تھا جہاں آپ رمضان میں اعتکاف فرماتے چنانچہ ابو یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھجور سے بنے گنبد میں اعتکاف کرتے دیکھا۔ حضرت معیقیب فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے بنے پتوں کے قبہ میں اعتکاف فرمایا جس کا دروازہ کھجور کی ٹہنیوں سے بنا تھا' لوگ مسجد میں موجود تھے۔ ابو حازم کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں مسجد کے اندر ایک قبہ میں اعتکاف فرمایا جس کے دروازے پر کھجور کے پتے (یا ٹہنیاں) تھیں۔ حضرتِ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں کھجور کا ایک جھونپڑا بنایا' یہ رمضان کے آخری دن تھے' آپ اس میں نماز پڑھا کرتے۔

علامہ مطری نے اس ستون کی جگہ بتاتے ہوئے کہا کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی پچھلی طرف تھا' اس کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوں تو باب جبریل دائیں طرف آتا ہے' جسے قدیم دور میں باب عثمان کہتے تھے' اس کے اردگرد جھونپڑے تھے یعنی دائیں بائیں متصل تھے اور وہ جالی تھی جو حجرہ شریفہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کو گھیرے ہوئے تھی' اس میں پتھر سے لکھا ہوا کہ:

هٰذَا مُتَهَجَّدُ النَّبِيِّ

''یہ حضور ﷺ کا مقامِ تہجد ہے''۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ یہ ستون حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے شمال میں' ان کے گھر کی پچھلی طرف ہے اس میں ایک محراب ہے' جب نمازی اس کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو تو اس کا بایاں پہلو باب عثمان کی طرف ہوتا ہے جسے آج کل باب جبریل کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ جو عمارت ہم نے دیکھی تھی اس میں یہ محراب نئے سرے سے بنایا گیا ہے اور پہلے محراب پر مرمر لگا دیا گیا ہے جس پر مرمر سے لکھا ہے کہ

''بروز الامر بتجديد عمارة الحجرة الشريفة من السلطان الاشرف قايتبائی' اعز اللّٰه انصاره

''حجرہ شریفہ کی نئی عمارت کا حکم سلطان اشرف قایتبائی نے دیا اللہ ان کے مددگاروں کو عزت دے''۔

یہ خواجہ جناب شمسی بن الزمن کی نگرانی میں بنا' آگے تاریخ لکھی (۸۸۸ھ)۔''

یہ سب کچھ مرمر سے لکھا جو اسی ستون کے محراب کی اوپر والی طرف تھا پھر جب یہ تعمیر مکمل ہو چکی تھی تو بعد والی آتش زدگی نے یہ سب کچھ جلا دیا پھر باہمی مشورہ سے ان قبہ کے لئے بنے ستونوں کے پاس حجرہ کے برابر سب کچھ ختم کرکے ستون کو نئے سرے سے پایوں پر بنا دیا گیا جس میں محراب بنائی گئی۔

یہ سب ستونوں میں سے آخری تھا جس کے لئے اہل تاریخ نے بڑی تعریف لکھی ہے ورنہ مسجد کے سب ستون ہی فضیلت رکھتے ہیں چنانچہ بخاری شریف میں ہے' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام کو دیکھا کہ مغرب والے ستونوں کی طرف تیزی سے جایا کرتے تھے۔

ابن نجار کہتے ہیں' اس سے ثابت ہوا کہ مسجد کے تمام ستونوں کے قریب نوافل پڑھنا مستحب ہیں کیونکہ صحابہ کرام یہاں نفل پڑھتے اور ناغہ نہیں کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر۸

مقامِ صفّہ اور اہلِ صفّہ' مسجد کے قریب ان کے لئے چھپّر' صفّہ کیا اور اس کا مقام کونسا؟

قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ ''صفہ'' مسجد کے آخر مین ایک سایہ دار جگہ تھی جہاں مسکین لوگ ٹھہرے ہوئے تھے اسی وجہ سے انہیں اھل صفہ کہتے تھے۔

حافظ ذہبی کے مطابق قبلہ کی تبدیلی سے پہلے یہ مسجد کی شمالی جانب تھا اور جب یہ تبدیل ہو گیا تو صفہ کے اس مقام پر ایک بلند دیوار باقی رہ گئی تھی۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ صفہ' مسجد نبوی کے آخر میں ایک سایہ دار جگہ تھی' یہ ان غریب لوگوں کے لئے بنائی گئی جن کا مدینہ میں نہ کوئی ٹھکانہ تھا اور نہ ہی اہل و عیال' یہ لوگ گھٹتے بڑھتے رہتے تھے چنانچہ کسی کی شادی ہو جاتی' کوئی فوت ہو جاتا یا سفر پر چلا جاتا۔

دار قطنی سے مجد نے لکھا:صفہ' مسجد کے آخر میں ایک سایہ دار جگہ تھی۔علامہ مجد مزید لکھتے ہیں:

''ابن جبیر اپنے سفر نامے میں قباء کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: شہر کے آخر میں ایک اُبھرا ہوا ٹیلہ تھا جسے عرفات کہتے تھے' ادھر سے مقام صفہ کو جانے کے لئے حضرت عمار' سلمان اور ان کے اہل صفہ کے نام پانے والے لوگ داخل ہوا کرتے۔یہ صرف ایک وہم ہے' واللہ اعلم۔''

میں کہتا ہوں ہمارے پہلے بیان کردہ عیاض کے قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ (مشہور قول کی بناء پر) اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ ابن نجار کا یہ قول بھی انہی میں سے ایک شمار ہو گا لیکن یہ قول مرجوح یا مؤوّل ہے' تاویل یہ کہ جن اھل صفہ کا ذکر ہوا انہوں نے بعد میں یہاں ٹھکانہ کیا اور اسی سے مشہور ہوئے۔

اھلِ صُفّہ

ابن سعد کے مطابق اہلِ صفہ فقیر لوگ تھے جن کا ٹھکانہ نہ تھا' وہ مسجد ہی میں سویا کرتے کیونکہ رہنے کو کوئی جگہ نہ تھی۔

بیہقی کے مطابق حضرت عثمان بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ مدینہ میں مہاجرین بہت سارے جمع ہو گئے' نہ تو وہاں ان کے گھر تھے اور نہ ہی رہنے کی جگہ جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرا لیا اور انہیں اصحابِ صفہ کا نام دیا' آپ ان کے پاس بیٹھا کرتے اور انس و محبت فرماتے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نمازیں پڑھتے تو ان میں سے کچھ کمزوری کی وجہ سے گر جایا کرتے' دیہاتی انہیں دیوانہ تک کہہ جاتے حالانکہ وہ اہلِ صفہ تھے' حضور ﷺ نماز پڑھنے تشریف لاتے اور ٹھہر جاتے اور فرماتے: اگر تمہیں اللہ کے ہاں ان کے مرتبہ کا پتہ چل جائے تو تم ان سے بھی زیادہ محتاج اور ضرورت مند بننا پسند کرتے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ اصحابِ صفہ فقر لوگ تھے' ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہوا کرے' وہ ان میں سے ایک کو لے جایا کرے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ ان میں سے پانچواں اپنے ہمراہ لے جایا کرے۔

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے' فرمایا: میں نے ستر اہلِ صفہ دیکھے جن میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس کے پاس تہبند اور اوپر لینے کی چادر ہوتی تو وہ گلے میں باندھ کر لٹکا لیتے' کسی کی پنڈلی کے نصف تک ہوتی اور کسی کی ٹخنوں تک' وہ اسے تھامے ہوتے کہ کہیں بے پردہ نہ ہو جائیں۔

بخاری ہی میں انہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے بغیر کوئی بھی لائقِ عبادت نہیں' بھوک کی شدت پر میں پیٹ زمین پر رکھ دیتا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ ایک دن میں صحابہ کے اس راستے میں جا بیٹھا جہاں سے وہ گذرتے تھے' اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گذرے' میں نے ان سے ایک آیت کا مطلب پوچھا' مقصد صرف یہ تھا کہ شاید اس بہانے مجھے ساتھ لے جائیں گے' وہ چلے گئے لیکن ایسا نہ کیا پھر حضور ﷺ گذرے تو تبسم فرمایا' میری حالت اور چہرہ دیکھ کر میرا ارادہ بھانپ لیا' پھر فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ فرمایا: آؤ میرے ساتھ چلو' میں پیچھے ہو لیا' آپ گھر میں داخل ہوئے تو میں نے بھی اجازت مانگی' آپ نے اجازت فرمائی' میں اندر چلا گیا' دیکھا تو ایک پیالے میں دودھ رکھا تھا' پوچھا یہ کہاں سے آیا ہے؟ بتایا گیا کہ فلاں شخص یا بتایا کہ فلاں عورت کی طرف سے آپ کو ہدیہ پیش کیا گیا ہے' فرمایا: ابا ھر! (ابھی پورا نام بھی نہ لیا کہ) میں نے عرض یا رسول اللہ! حاضر ہوں' فرمایا: جاؤ اور اہلِ صفہ کو بلا لاؤ' یہ لوگ اسلام کے مہمان تھے' وہ نہ تو کسی کے گھر جاتے' نہ مال ہوتا اور یہاں بنتے' کہیں سے صدقہ آ جاتا تو انہیں بھیج دیا جاتا' آپ خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے' کوئی تحفہ بھیج دیتا تو آپ خود بھی کچھ لیتے اور انہیں بھیج دیتے اور ان کے ساتھ مل کر بھی کھا لیتے۔

یہ بات مجھے بوجھ محسوس ہوئی' میں نے دل میں کہا کہ یہ دودھ اہلِ صفہ کا گذارا کیا کرے گا؟ حق تو یہ تھا کہ مجھے مل جاتا تا کہ مجھ میں کچھ قوت آ جاتی۔

جب اہلِ صفہ آئیں گے تو آپ مجھے حکم فرمائیں گے کہ تقسیم کروں' لگتا نہیں کہ میرے لئے بھی کچھ بچے گا' ادھر اللہ و رسول اللہ ﷺ کا حکم ماننا بھی لازم تھا۔ میں چلا گیا اور انہیں آنے کو کہا' وہ حاضر ہو گئے' اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دیدی' گھر میں اپنی اپنی جگہ بنا کر بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! میں نے عرض کی' یا رسول اللہ! میں

یہیں ہوں۔ فرمایا: اسے لے لو اور انہیں پلاؤ' میں نے پیالہ پکڑا' ایک آدمی کو دیا' اس نے خوب سیر ہو کر پیا' پھر مجھے واپس دیدیا' میں نے اگلے کو دیا' اس نے بھی سیر ہو کر پی لیا آخر میں حضور ﷺ تک لے پہنچا' سب سیر ہو چکے تھے۔ آپ نے پیالہ پکڑا' اسے ہتھیلی پر رکھا' میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا' اے ابوھر! میں نے عرض کی یا رسول اللہ! حاضر ہوں' فرمایا: اب تم ہو یا میں رہ گیا ہوں' میں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کا ارشاد درست ہے' فرمایا: تو بیٹھ کر پی لو' میں بیٹھ گیا اور پینے لگا' پھر فرمایا: اور پیو' میں نے پھر پیا' آپ فرماتے چلے گئے' آخر میں نے عرض کی' یا رسول اللہ! بس! اب تو گنجائش نہیں رہی۔ فرمایا: لاؤ' مجھے دکھاؤ' میں نے پیالہ پیش کر دیا' آپ نے حمد الٰہی فرمائی بسم اللہ پڑھی اور باقی پی لیا۔

ابن حبان کے مطابق حضرت حیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ تین دن گذر گئے کہ میں کچھ کھا پی نہیں سکا' میں نے اہلِ صفہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا' چلا تو گر پڑا' بچوں نے دیکھا تو کہنے لگے: ابوہریرہ گر گئے' لے دے کر میں اہلِ صفہ کے پاس پہنچ گیا' رسول اللہ ﷺ سے ملنے کا اتفاق ہوا تو ان کے پاس ثرید (ایک کھانا) لایا گیا' آپ نے اہلِ صفہ کو کھانے کے لئے فرمایا تو وہ کھانے لگے۔ میں اوپر ہوتا کہ کہیں مجھے بھی بلا لیں' وہ کھا کر اُٹھ گئے' پیالہ میں کچھ بھی نہ تھا۔ صرف تھوڑا بہت اس کے کناروں سے کچھ لگا تھا' حضور ﷺ نے جمع فرمایا تو ایک لقمہ کی مقدار تھا' آپ نے انگلیوں پر رکھ فرمایا: اللہ کا نام لے کر کھا لو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں آہستہ آہستہ کھاتا اور خوب سیر ہوتا گیا۔

ابونعیم کے مطابق حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں صفہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر تھا' آپ انصار کے ساتھ ایک ایک' دو دو اور تین تین آدمیوں کو بھیجتے جاتے' آخر ہم چار آدمی رہ گئے اور پانچویں خود حضور ﷺ تھے۔ فرمایا: آؤ میرے ساتھ چلو' جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ کھانا لاؤ۔ الحدیث۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں اہل صفہ میں تھا' رات ہو جاتی تو ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے' آپ ہر (انصاری) کو حکم فرماتے' وہ ایک یا زیادہ آدمی ساتھ لے جاتا' باقی دس' اس سے کم یا کبھی زیادہ بچ جاتے' حضور ﷺ کے پاس کھانا لایا جاتا' آپ ان کے ساتھ مل کر کھاتے' ہم فارغ ہوتے تو ارشاد ہوتا۔ مسجد میں سو جاؤ۔

طلحہ بصری کہتے ہیں' جو لوگ مدینہ پہنچتے' اگر وہاں کوئی جان پہچان والا ہوتا تو اس کے پاس چلے جاتے' نہ ہوتا تو صفہ میں ٹھہرتے' میں بھی صفہ میں ٹھہرنے والوں میں تھا' میں دو آدمیوں کے ساتھ تھا' روزانہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دو مدّ بھر کھجوریں آتیں' حضور ﷺ تشریف لائے تو ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! کھجوروں نے تو ہمارے پیٹ جلا دئے اور پیٹ ساتھ جا لگے ہیں۔

حضور ﷺ منبر پر چڑھے' اللہ کی حمد و ثناء کی اور صحابیوں کی طرف سے شکایت کا ذکر کیا پھر بتایا کہ میرے اور میرے دو ساتھیوں پر ایسے دن بھی آتے رہے کہ دس دس دن سے بھی زیادہ گذر جاتے' کھانے کو صرف کھجوریں ہوتیں'

ہم یہاں اپنے انصار بھائیوں کے پاس آئے ہیں' ان کی گذر اوقات کھجور پر ہے' انہوں نے ہم سے ہمدردی کی' اگر میرے پاس روٹی اور گوشت ہوتا تو میں تمہیں ضرور کھلاتا لیکن یاد رکھو' عنقریب وہ وقت آ رہا ہے یا فرمایا کہ اگر تم اسے پا سکو' تو دیکھو گے کہ تم لوگ کعبہ کے پردوں جیسے کپڑے پہنو گے اور صبح و شام تمہارے پاس کھانے کے پیالے آئیں گے۔

کھجور کے گچھے لٹکانے کی ابتداء

ابن نجار کہتے ہیں' اہلِ سیرت لکھتے ہیں کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کچھ مہمان دیکھے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس مسجد میں تھے' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم انہیں انصار کے گھروں میں بکھیر نہ دیں؟ اور ہر باغ میں آپ کے لئے کچھ گچھے مقرر نہ کر دیں جو ان آنے والے مہمانوں کو کام دے سکیں۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے' جب مال تیار ہو گیا تو ایک شخص گچھا لایا اور مسجد میں اسے دو ستونوں کے درمیان (رسّی سے) لٹکا دیا چنانچہ اور لوگوں نے بھی ایسا کرنا شروع کر دیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نگران تھے' وہ دو ستونوں کے درمیان رسّی باندھ دیتے اور پھر ان پر یہ گچھے لٹکا دئے جاتے' بیس یا اس سے زیادہ لوگ جمع ہو جاتے تو آپ چھڑی سے ان گچھوں کو جھاڑتے اور لوگ کھا کر سیر ہو جاتے' پھر واپس چلے جاتے اور دوسرے آ جاتے' آپ یونہی کرتے جاتے اور رات ہو جاتی تو بھی یونہی کرتے۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے "باب القسمة وتعليق القنو فی المسجد" لیکن اس باب میں واضح طور پر گچھے لٹکانے کا ذکر نہیں کیا' انہوں نے اشارہ کیا ہے جیسے امام نسائی نے کیا ہے' آپ حضرت عوف بن مالک اشجعی سے روایت کرتے ہیں' وہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ میں چھڑی لئے باہر نکلے: کسی نے ناقص کھجور کا گچھا لٹکا رکھا تھا' آپ نے اسے ٹھوکر مارنا شروع فرمائی اور فرماتے گئے: کاش اس گچھے والا اس اس سے بہتر لے آتا' اب یہ قیامت کے دن ایسا ہی کھائے گا۔

ابن زبالہ کے مطابق آتا ہے کہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کے لئے کچھ نہ ہوتا' انصار نے عرض کی یا رسول اللہ! کیوں نہ ہم ان لوگوں کے لئے ہر باغ سے پہلا پھل منگوا لیا کریں' فرمایا ٹھیک ہے' یوں کر لیا کرو' انہوں نے یونہی کیا چنانچہ یہ عادت آج تک جاری ہے تو یہ وہ گچھے ہیں جو مسجد میں کھجور کی دیوار کے پاس لٹکائے جاتے ہیں اور مسکینوں کو دئے جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اس کام پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقرر تھے۔

یحیٰی کے مطابق اہلِ مدینہ نے بتایا کہ لوگوں کے پھل کو آفت زدہ ہو گئے' یہ رسول اللہ ﷺ کا دور تھا' آپ نے فرمایا: اگر تم لوگ مسکینوں کے لئے اپنی کھجوروں میں سے کچھ گچھے لے آیا کرو تو تمہارا کیا نقصان ہے چنانچہ لوگوں نے بھیج دئے' ان گچھوں پر آپ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نگران مقرر فرما دیا چنانچہ آپ تنوں کے درمیان رسّی

لٹکا کر اس پر وہ گچھے لٹکا دیتے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وہ آفت دور فرما دی۔ ایک سال تک یہ آفت رہی اور پھر آج تک ائمہ کرام اسی طریقے پر چل رہے ہیں۔

حضرت سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت عویم بن ساعدہ ایک گچھا لے کر مسجد رسول اللہ ﷺ میں آئے چنانچہ مدینہ کے بالائی اور نچلے حصے والوں نے اس کی پیروی کی۔

حضرت ثابت نے دلائل میں لکھا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہر باغ میں سے گچھا لایا جائے جو مسجد میں لٹکا دیا جایا کرے' ایک روایت میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حفاظت پر مقرر تھے یا تقسیم کیا کرتے تھے۔

فصل نمبر ۹

حجرہ مبارکہ اور مغرب کی طرف چھوڑ کر یہ مسجد کے گرد تھا

پہلے گذر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب مسجد کی بنیاد رکھی تو اپنی دو بیویوں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے اسی طرح کچی اینٹوں اور کھجور سے دو گھر بنوائے جیسے یہ سامان مسجد میں لگا تھا۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کا ایک دروازہ تھا جو عرعر یا ساج کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ جب آپ نے اپنی بیویوں سے نکاح فرمالئے تو ان کے لئے مکانات تعمیر کرائے' یہ کل نو گھر تھے اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے شروع ہو کر اس دروازے تک بنائے گئے تھے جو باب النبی کہلاتا ہے۔ انتہی۔ اس دروازے سے آپ کی مراد وہ دروازہ تھا جو مغرب کی جانب اس کے مقابلے میں تھا' آج کل اسے باب الرحمہ کہتے ہیں۔ اپنی گفتگو میں ہم یہی مراد لیا کریں گے کیونکہ ان کے کلام میں ''الباب الذی یلیہ'' کے الفاظ واقع ہوئے ہیں اور اس کا معنی یہ ہے کہ جو اس کے مقابل ہے یعنی سامنے ہے اور اس لئے کہ انہوں نے اس کے بعد کہا ہے: اہل سیرت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے حجرے بنائے' اس کے قبلہ اور مشرق سے شام کی طرف' مغرب میں نہیں بنائے تھے' یہ سب حجرے مسجد سے باہر تھے' مسجد کو گھیرے ہوئے تھے' صرف مغرب کی جانب کوئی حجرہ نہ تھا۔ ان کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ انتہی۔

لگتا ہے کہ خطیب بن حملہ نے اس سے حجروں کے بارے میں اختلاف رائے سمجھ لیا چنانچہ کہا: کہتے ہیں کہ یہ تمام حجرے مشرق کی طرف تھے اور کچھ کہتے ہیں کہ مغرب کی طرف چھوڑ کر ہر طرف تھے۔

میں کہتا ہوں اوّلیت اسی کو حاصل ہے جسے ہم نے تسلیم کیا کہ ابن جوزی نے اپنی شرف المصطفیٰ میں سے لکھا' راوی محمد بن عمر ہیں۔ کہتے ہیں' میں نے مالک بن ابو الرجال سے پوچھا' حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے کہاں واقع تھے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سب دائیں جانب تھے' یعنی جب تم ''امام کی طرف'' نماز پڑھنے کے لئے جاتے وقت ''منبر سامنے'' رکھو۔ یہ منبر سب سے بعید تھا اور جب حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا وفات پاگئیں تو نبی کریم

ﷺ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس میں داخل فرما دیا۔ انتہی۔

روایت میں ''وجہ الامام اور وجہ المنبر'' سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب منبر پر شام کی طرف کھڑا ہو اس دروازے کی طرف ہو جو آج کل باب الرحمۃ کے نام سے مشہور ہے قبل اس کے کہ اسے آج کے دن جہاں تبدیل کر دیا گیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبلہ کی طرف کوئی بھی حجرہ موجود نہ تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق محمد بن ھلال کہتے ہیں: میں نے دیکھا تو حضور ﷺ کی بیویوں کے گھر کھجور سے بنے تھے جنہیں بالوں سے بنے ٹاٹ سے ڈھانکا گیا تھا' یہ قبلہ' مشرق اور شام کی طرف ایک لائن میں تھے' ان میں سے مغرب میں کوئی بھی گھر نہ تھا' حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دروازہ شام کی طرف تھا اور اس کا ایک ہی دروازہ تھا جو عَرعَر اور ساج کی لکڑی سے بنا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن یزید ھذلی کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے گھر دیکھے تھے جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں گرایا تھا' وہ کچی اینٹوں سے بنے تھے' ان کے حجرے کھجور سے بنے تھے جن پر مٹی لگائی گئی تھی' میں نے شمار کیا تو نو تھے اور حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس دروازے تک پھیلے ہوئے تھے جو نبی کریم ﷺ کے دروازے سے ملے تھے اور آج کل حضرت اسماء بنت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تک تھے۔

میں کہتا ہوں کہ عبد اللہ کے قول: ''الی الباب الذی یلی باب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' سے مراد وہی ہے جو پہلے گذر چکا اور جس سے مراد باب الرحمہ ہے اور ان کے قول ''اسماء کے گھر تک'' کا مطلب یہ بنتا ہے کہ ان گھروں میں سے کچھ مسجد کے راستے سے خارج تھے کیونکہ اسماء کا مذکورہ گھر اس دروازے کے سامنے تھا جو باب النساء کی طرف شامی جانب ملتا تھا اور یہ بات بعید ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں مسجد نبوی اس حد تک پھیلی ہو لیکن حضرت فاطمہ کے گھر کے بیان میں عنقریب آئے گا جس سے واضح ہو گا کہ ان کا گھر اس دروازے پر جا کر ختم ہوتا تھا لہٰذا یہ احتمال باقی ہے کہ مسجد وہاں تک وسیع ہو علاوہ ازیں امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے: ''حضور ﷺ مسجد میں تھے' بیویاں آپ کے پاس تھیں' وہ لوٹ آئیں تو آپ نے صفیہ بنت حیی سے فرمایا' جلدی کی ضرورت نہیں' میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ان کا گھر اُسامہ کے حویلی میں تھا چنانچہ حضور ﷺ ان کے ساتھ نکلے۔الحدیث۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک روایت ہے' بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف میں تھے میں رات کو زیارت کی خاطر حاضر ہوئی' کچھ دیر گفتگو کی اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی اور واپسی کی تیاری کی چنانچہ آپ مجھے چھوڑنے تشریف لائے جبکہ وہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر میں قیام رکھتی تھیں چنانچہ انصار کے دو آدمی گذرے۔الحدیث۔

ایک روایت یہ ہے کہ وہ زیارت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جبکہ آپ رمضان کے

آخری دس دنوں کے لئے مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے تھے اور پھر اُٹھ کر واپس آنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب آپ اُم المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر مسجد کے دروازے کے قریب پہنچے تو آپ کے نزدیک سے انصار کے دو شخص گذرے۔الحدیث۔اس روایت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت صفیہ کا گھر ان میں شامل نہیں تھا جو مسجد کے اردگرد تھے۔

ابن شبہ نے اُسامہ کے گھر کے بارے میں کچھ نہیں کہا' یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے والد نے دو گھر بنائے تھے جن میں سے ایک مسجد میں توسیع کے وقت شامل ہو گیا اور شاید یہی مراد ہے۔واللہ اعلم۔

آیئے یحییٰ کے مطابق عبداللہ بن زید کی روایت دوبارہ لیتے ہیں' وہ کہتے ہیں' میں نے اُمّ المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر دیکھا' ان کا حجرہ کچی اینٹوں سے بنا تھا' میں نے پوچھا تو انہوں نے کہا: جب نبی کریم ﷺ نے غزوہ دومۃ الجندل کے لئے تشریف لے گئے تو اُم سلمہ نے کچی اینٹوں سے اپنا گھر بنایا' حضور ﷺ واپس تشریف لائے تو اینٹوں کی طرف دیکھا' ایسے گھر میں آپ کی پہلی بیوی داخل ہوئیں' آپ نے پوچھا: یہ کیسی عمارت ہے؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے ارادہ کیا کہ لوگوں کی آنکھوں کو اس طرف دیکھنے سے باز رکھوں۔آپ نے فرمایا اے اُم سلمہ! سب سے بری وہ چیز جس میں مسلمان کا مال ضائع ہوتا ہے' یہی تعمیر ہے۔

علامہ واقدی کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث معاذ بن محمد انصاری کو بتائی تو انہوں نے کہا کہ میں نے عطاء خراسانی سے سنا (وہ اس وقت قبر انور اور منبر کے درمیان تھے وہی عمران بن ابی انس بھی تھے) انہوں نے کہا: میں نے ازواجِ رسول ﷺ کے حجرے دیکھے تو وہ کھجور کے بنے تھے' ان کے دروازوں پر سیاہ بالوں سے بنے کمبل پڑے تھے پھر میں اس جگہ گیا جہاں ولید بن عبدالملک کا خط پڑھا جا رہا تھا' اس نے کہا تھا کہ ازواجِ نبی ﷺ کے سب حجرے گرا دو' اس دن لوگوں کو میں نے اتنا روتے دیکھا کہ کبھی نہیں روئے ہونگے۔

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن میتب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا' فرمایا: بخدا' مجھے تو یہ بات پسند تھی کہ انہیں اسی حال پر رکھا جاتا تا کہ مدینہ میں پیدا ہونے والے اور باہر سے آنے والے لوگ یہ دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کتنے پر گذارہ فرمایا' یہ مکان مالداروں اور فخر کرنے والوں کو زھد کی تعلیم دیتے۔

حضرت عطاء خراسانی جب بات کر چکے تو حضرت عمران بن ابی انس نے بتایا کہ یہاں چار گھر تھے جو کچی اینٹوں سے بنے تھے اور ساتھ کھجور سے بنا حجرہ تھا جبکہ پانچ گھر کھجور سے بنے تھے جن کے ساتھ حجرہ نہ تھا اور دروازوں پر بالوں کا بنا پردہ تھا' میں نے پردہ کی پیمائش کی تو یہ تین ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا نیز اس چوڑائی میں ہاتھ کی موٹائی بھی شامل تھی۔

رہا وہ جو میں نے بہت رونے کا ذکر کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں مسجد میں موجود تھا' اس میں صحابہ کرام کے لڑکے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' حضرت ابو امامہ بن سہل اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے' وہ

روئے جارہے تھے اور روتے روتے داڑھیاں بھیگ گئی تھیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن فرمایا: کاش انہیں اسی طرح رہنے دیا جاتا تاکہ لوگ تعمیرات میں اتنا خرچ نہ کرتے اور لوگ دیکھتے کہ اللہ اپنے نبی کے بارے میں کس قدر پر راضی ہے حالانکہ دنیا بھر کے خزانوں کی چابیاں ان کے ہاتھ میں تھیں۔

علامہ رزین کے مطابق عبد اللہ بن یزید ھلالی نے بتایا کہ جب مسجد میں ملانے کے لئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے مکانات گرائے تو وہ کچی اینٹوں سے بنے تھے۔

حضرت محمد بن عمر کہتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اراضی مسجد کے قرب و جوار میں تھی' جب بھی رسول اللہ ﷺ نکاح فرماتے تو حضرت حارثہ زمین پیش کرتے' یوں ان کی ساری زمین رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے کام آئی۔

میں کہتا ہوں' اس روایت میں بظاہر گذشتہ اس روایت سے اختلاف ہے جس میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے اپنی دو بیویوں کے مکان بنائے تھے اور جب بھی آپ نکاح فرماتے ان کے لئے مکان تیار کراتے جاتے اور نظر یہ آتا ہے کہ جب بھی نکاح فرماتے' اس زوجہ محترمہ کے لئے مکان بنوا دیتے' یہاں یہ مطلب ہو گا کہ حضرت حارثہ نے آپ کو اراضی فراہم کر دی اور آپ بناتے چلے جاتے۔

زرکشی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت نہیں پہنچ سکی کہ مسجد بناتے وقت آپ نے نو مکان بنائے ہوں' لگتا بھی نہیں کہ آپ نے بنوا دیئے ہوں' آپ نے ایک مکان کا ارادہ فرمایا یہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے تھا پھر ضرورت نہ رہی' پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے بنوایا' یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے تو گویا آپ نے مختلف اوقات میں یہ مکانات بنوائے تھے۔ انتھی۔

یہ وہی بیان ہے جو ہم بتا چکے البتہ یہ اس کے خلاف ہے جو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے بارے میں بتا چکے' کیونکہ اس کے بارے میں آیا ہے کہ مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی تعمیر فرمایا تھا' یہی بات ظاہر ہے کیونکہ اس وقت وہ آپ کی زوجہ بن چکی تھیں لیکن ابھی تک مکان نہیں بنوایا تھا لہٰذا اس کی تیاری کی اور ایک حجرہ بنوا دیا۔

علامہ اقشہری کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب مدینہ منورہ میں پہنچیں تو اس سلسلے میں فرمایا:

''پھر ہم مدینہ پاک پہنچے' میں آل ابوبکر کے پاس ٹھہری' آل رسول بھی وہیں تھے' نبی کریم ﷺ مسجد اور کچھ گھر تعمیر فرما رہے تھے جو مسجد کے گرد تھے' ان میں اپنے بیوی کو رکھا' ہم کچھ دن وہاں ٹھہرے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! اپنے بیوی بسانے میں آپ کو کیا رکاوٹ ہے؟ آپ نے فرمایا: مہر کی' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں ساڑھے بارہ اوقیہ دیئے (بارہ درہم) جو آپ نے ہماری طرف بھیج دیئے اور آپ نے اس گھر میں میرے ساتھ مباشرت فرمائی جس میں میں اب ہوں اور یہی وہ گھر ہے جس میں آپ کا وصال ہوا اور دفن ہوئے۔

مَشْرَبہ

میں کہتا ہوں کہ میں نے کسی مؤرخ کے کلام میں نہیں دیکھا کہ انہوں نے اس مشربہ (بالا خانہ) کا ذکر چھیڑا ہو' جس میں رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے مہینہ بھر ایلاء کے موقع پر ٹھہرے ہوں اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس بالا خانہ کے لئے ان میں سے کسی ایک کے گھر سے دروازہ نہ تھا تا کہ یہ بات حاصل ہوتی کہ آپ ان کے پاس نہ جاسکیں' صحیح بخاری میں قول حفصہ موجود ہے:

ایک روایت میں اس بالا خانہ کا نام "علّبہ" اور ایک میں "غرفہ" ہے' امام بخاری نے اس پر باب باندھا ہے "باب هجرة النّبی صلی اللّٰه علیه وسلم نسائه فی غیر بیوتهنّ" ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے بالا خانے میں ٹھہرے تھے۔ایک روایت ہے "اچانک حضور ﷺ بالا خانے پر تیزی سے چڑھ گئے۔" ایک روایت میں ہے کہ میں داخل ہوا تو رباح نظر آئے جو حضور ﷺ کے غلام تھے' وہ بالا خانے کے دروازے پر کھدی ہوئی لکڑی پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے' وہ ایک تنا تھا جس پر آپ چڑھتے اُترتے تھے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں داخل ہو جایا کرتا کیونکہ ابھی میں نوخیز بچہ تھا' چھت پر ہاتھ ڈال سکتا تھا' ہر گھر کا ایک حجرہ تھا اور وہ حجرہ عرعر کی لکڑی سے بنا تھا۔یہ لکھا ملتا ہے کہ آپ کا دروازہ ناخن سے کھٹکھٹایا جاتا کیونکہ کنڈا نہیں تھا۔

حضرت مالک کہتے ہیں کہ مسجد تنگ ہو گئی تھی' ازواجِ مطہرات کے حجرے مسجد میں سے نہ تھے البتہ ان کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا مکان حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دینے کی نصیحت کر دی تھی' حضرت صفیہ کے اولیاء نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ وہ مکان ایک لاکھ اسّی ہزار درہم میں بیچ دیا تھا جبکہ حضرت معاویہ نے حضرت عائشہ سے ان کا گھر بھی ایک لاکھ اسّی ہزار درہم کے عوض خریدا تھا' کچھ کہتے ہیں کہ دو لاکھ کا خریدا تھا اور یہ شرط لگائی تھی کہ آپ اس میں زندگی بھر رہیں گی اور پھر مال پیش کر دیا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی مجلس سے اُٹھنے بھی نہیں پائی تھیں کہ سارا راہِ خدا میں تقسیم فرما دیا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت معاویہ نے نہیں بلکہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ سے خریدا تھا اور مال سے لدے پانچ اونٹ آپ کے ہاں بھیج دئے تھے' شرط یہ تھی کہ زندگی بھر آپ یہیں ٹھہر سکیں گی چنانچہ انہوں نے سب کچھ تقسیم فرما دیا۔

ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن زبیر کو دو اعزاز ملے' کسی اور کو ان جیسا اعزاز نہ مل سکا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے لئے اپنے مکان اور حجرہ کی وصیت فرما دی تھی اور اُدھر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان بھی آپ ہی نے خریدا تھا۔

میں بتاتا چلوں' اس سے پتہ چلتا ہے کہ حجرے آپ کی بیویوں کی ملکیت تھے' اس کی تائید گذشتہ واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ کی عدم موجودگی میں انہوں نے حجرہ کی تعمیر فرمائی تھی البتہ یہ واقعہ اس کے خلاف ہے جس میں ہے کہ حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے گھر میں داخل فرما دیا تھا۔ ہاں قرآنِ کریم میں کبھی تو ان گھروں کی نسبت حضور ﷺ کی طرف آئی ہے اور کبھی ان کی طرف اور بظاہر تو پہلی نسبت حقیقی ہے کیونکہ پہلے آ چکا ہے کہ انہیں آپ ہی نے بنایا تھا اور دوسرے یہ کہ آپ پر انہیں رہائش فراہم کرنا لازم تھا ہاں البتہ آپ کے وصالِ کے بعد انہیں ان میں رہنے کا حق تھا کیونکہ وہ آپ کے حق میں رُکی ہوئی تھیں۔

ابن زبیر بن منیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: امام بخاری نے ایک باب کا ذکر کیا ہے: بَابُ مَا جَاءَ فِیْ بُیُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ اور اس میں ان کی طرف گھروں کی نسبت کی ہے اور فرمان الٰہی:

وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

''اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں۔'' پھر

لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ

''اجازت کے بغیر نبی کریم ﷺ کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو۔''

اس سے امام بخاری کا ارادہ یہ بتانا ہے کہ جب تک ازواجِ مطہرات حیات رہیں' ان کا حق تھا کہ ان میں ٹھہری رہیں کیونکہ ان کا نان نفقہ اور رہائش حضور ﷺ کی خصوصیت تھی اور راز اس میں یہ ہے کہ وہ وہاں پابند رہیں۔ انتہٰی اور یہ بھی تو احتمال ہے کہ کسی کو گھر کی ملکیت عطاء فرما دی ہو یا سبھی کو ملکیت دے دی ہو جیسے کچھ علماء نے کہا ہے۔

طبری کہتے ہیں' کہا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ہر زوجہ کو اس مکان کی ملکیت دیدی تھی جس میں وہ رہتی تھیں چنانچہ اسی ملکیت کی وجہ سے وہ ان میں ٹھہری رہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں گھروں کے بارے میں اعتراض نہ تھا کیونکہ یہ سہولت انہیں اس بناء پر حاصل تھی جو آپ نے انہیں اپنی زندگی بھر میں دے رکھی تھی کیونکہ مکان آپ کے قبضہ میں تھے' آپ نے فرمایا تھا: اپنی بیویوں کے خرچہ اور کام کرنے والے والے کی دلجوائی سے جو بچ رہے' وہ صدقہ ہوگا۔ یہ زیادہ راجح ہے کیونکہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ان کے وارث ان کی طرف سے ان کے گھروں کے وارث نہیں بنے اور اگر یہ ان کی ملکیت میں ہوتے تو وارثوں کو ضرور ملتے اور چونکہ ان کے وارثوں نے یہ حقوق ترک کر دیے تھے تو پتہ چلا کہ وہ وارث نہ تھیں' یہی وجہ ہے کہ وہ مکان مسجد میں داخل کر دیے گئے جس میں مسلمانوں کا نفع تھا۔ انتہٰی البتہ یہ بات کہ ان کے وارث گھروں کے مالک نہ ہوئے تو اس میں اعتراض باقی ہے کیونکہ مکانات کے ان کے نام نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا حق ہی نہیں تھا' کیونکہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کو مسجد میں داخل کرنے کے معاملے میں آلِ عمر کی طرف جو کچھ ہوا' اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے وارث ان مکانوں کے وارث تھے

اور یہ بھی احتمال ہے کہ حجروں کو مسجد میں شامل کرنے کا معاملہ ان وارثوں سے شرائط طے کرنے کے بعد ہوا ہو اور اگر ان کی ملکیت میں ہوتے تو لازمی طور پر وارثوں کو ملتے۔ قبل ازیں اس پر ابن سعد کی شہادت گذر چکی' انہوں نے اپنی طبقات میں کہا ہے: حضرت عامر کہتے ہیں: حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تو آپ نے اپنی بیویوں کے مکانوں اور زمین کے علاوہ کوئی وصیت نہیں فرمائی۔ انتھی اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ نے اپنی ازواج ہی کے بارے میں وصیت فرمائی ہو ہاں اور احتمال بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۰

نبی کریم ﷺ کی لخت جگر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مبارکہ

یحیٰی کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان اس کھڑکی کی طرف تھا جو قبرِ انور کی طرف تھی' نبی کریم ﷺ کے گھر اور اس کے درمیان ایک خوخہ (چھپّر) تھا۔

حضرت عمر بن علی بن عمر بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان اس مقام پر تھا جہاں سے آپ نکلا کرتے' اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کی طرف ایک روشن دان تھا۔ حضور ﷺ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خبر گیری کے لئے نکلتے تو اس روشن دان سے فاطمہؓ کے گھر میں جھانکتے اور یوں حالات کا پتہ چلا لیتے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت علی سے کہا کہ میرے دونوں بیٹے گذشتہ دو راتوں سے بیمار ہیں' اگر آپ تیل مہیا کر دیں تو میں گھر میں روشنی کر لوں' حضرت علی بازار گئے اور ان کے لئے تیل خرید کر سیّدہ فاطمہ کو لا دیا جس سے انہوں نے چراغ جلایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کو گھر سے طہارت کے لئے نکلیں تو ان کے پاس چراغ دیکھا تو کچھ گفتگو کی چنانچہ صبح ہونے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بارے میں حضور ﷺ بات کی چنانچہ انہوں نے اسے بند کرا دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی' یا رسول اللہ! ہم آپ کے طہارت خانے میں دیکھا کرتے ہیں تو وہاں کوئی چیز نہیں ہوتی' آپ نے فرمایا کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے نکلتا ہے' زمین اسے نگل لیتی ہے' اسی لئے کوئی رذی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ اس دن حضرت یحیٰی کے ذہن میں آئی کہ حدیث میں مذکور لفظ "مخرج" سے مراد طہارت خانہ ہے' اسی موقع پر انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ طہارت خانہ حضرت عائشہ کے گھر کی پچھلی طرف تھا جو حضرت عائشہ کے گھر اور حضرت فاطمہ کے گھر کے درمیان تھا' اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مکان زور میں تھا اور ابن ابو مریم کی روایت اس کی شہادت دی رہی ہے' کہا: حضور ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی چوڑائی اس ستون تک تھی جو اس ستون کے پیچھے تھا جو زور کے سامنے تھا اور مسلم بن سالم نے کہا' حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس رات کے آخری حصے میں اس ستون تک آئے جو اس ستون کے پیچھے تھا جو زور کے سامنے تھا' ان کا

گھر اس مربعہ میں تھا جو قبر میں ہے۔ سلیمان نے کہا: مسلم نے کہا کہ یہاں نماز پڑھنے میں کوتاہی نہ کرنا' کیونکہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ دروازہ ہے جس کی طرف سے آپ وہاں داخل ہوتے تھے اور پھر میں نے حضرت حسن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہاں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

ہم نے ستون مربعۃ القبر کے بارے میں لکھا کہ نبی کریم ﷺ حضرت علی کے دروازے کی طرف تشریف لایا کرتے تھے۔ یحییٰ کی روایت میں یوں ہے: حضرت علی حضرت فاطمہ' حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر تشریف لاتے اور دروازے کا کواڑ تھام لیتے اور فرمایا کرتے السلام علیکم اهل البیت' دوسری روایت میں ہے کہ تین مرتبہ فرماتے "الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہلِ بیت تم سے ہر قسم کی برائی دور فرما دے اور تمہیں خوب پاکیزہ بنا دے۔" اور یہ بھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ستونِ تہجد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے پچھلی طرف تھا۔

حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لاتے تو مسجد کی طرف سے آتے' مسجد میں دو نفل ادا فرماتے' پھر سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خیریت دریافت فرماتے اور پھر اپنی بیویوں کے گھروں میں تشریف لاتے۔ ایک جگہ الفاظ یہ ہیں کہ "فاطمہ کے گھر تشریف لے جاتے اور پھر ازواجِ مطہرات کے گھروں میں جاتے۔"

یحییٰ کے مطابق محمد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر سے واپسی پر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے جاتے اور کافی دیر قیام فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ سفر پر تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گھر کے دروازے پر مختلف قیمتی چیزیں ڈال کر اسے چھپا دیا کہ ان کے والد اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنا تھا اور جب آپ تشریف لائے تو صحابہ کو دروازے پر کھڑا فرمایا' دیر تک ان کے پاس ٹھہرے' صحابہ کو سوجھ نہیں رہا تھا کہ یہیں ٹھہریں یا واپس چلے جائیں' اتنے میں آپ نکلے تو غضبناک دکھائی دیئے' سیدھے منبر پر تشریف لے گئے' سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سمجھا کہ یہ معاملہ دروازہ پر ہار اور پردہ ڈالنے کی وجہ سے ہوا ہے چنانچہ انہوں نے وہاں سے سب کچھ اُتار دیا اور پردہ بھی اُتار کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا اور پیغام بھیجا کہ آپ سے عرض کرو' آپ کی بیٹی سلام عرض کر رہی ہے اور عرض کرتی ہے کہ انہیں راہِ خدا میں دیدو۔ ایلچی پہنچا تو آپ نے فرمایا: فاطمہ نے اپنے باپ پر سب کچھ قربان کر دیا ہے' (تین مرتبہ) یہ دنیا نہ تو محمد کے کسی کام کی ہے اور اگر اس دنیا کی اللہ کے ہاں مچھر کے پَر جتنی بھی حیثیت ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ جتنی بھی نہ دی جاتی' پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے پاس تشریف لے آئے۔

حضرت جعفر کے والد محمد نے کہا' رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے' جسم پر لباس نہ تھا روم سے جنگ کر کے آئے تھے۔ آپ سیّدہ فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے' انہوں نے دروازے پر پردہ ڈال رکھا تھا' فرمایا: کیا تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ قیامت کو اللہ تعالیٰ تمہیں ڈھانپے رکھے؟ یہ مجھے دیدو' انہوں نے پردہ پیش کر دیا' لے کر باہر تشریف لائے اور پھاڑ کر ہر ایک کو دو ہاتھ لمبا' ایک ہاتھ چوڑا ٹکڑا دیدیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ہماری خیریت دریافت کرنے تشریف لائے' یہیں رات گذاری' اس وقت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سوئے ہوئے تھے' اتنے میں حضرت حسین نے پانی مانگا' آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور مشکیزہ پکڑ کر اسے نچوڑا' پیالے میں ڈالا' حضرت حسین پکڑنے لگے تو منع فرمایا اور حضرت حسن کو پہلے دیا' اس پر سیّدہ فاطمہ نے عرض کی: لگتا ہے کہ آپ کو حسن سے محبت زیادہ ہے' فرمایا انہوں نے پہلے مانگا تھا' پھر فرمایا: میں' تم' یہ اور یہ یعنی حسن و حسین اور سوئے ہوئے علی' قیامت کے دن ایک مکان میں ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ ہمیں ملنے تشریف لائے تو ہم نے خزیرہ بنایا (ایک کھانا' گوشت اور آٹے سے تیار شدہ)' اُم ایمن نے دودھ کا پیالہ بھیجا اور کھجوروں کا ایک تھیلہ' آپ نے کھایا اور ہم نے بھی کھایا' پھر میں نے آپ کو وضو کرایا' آپ نے سر اور پیشانی پر ہاتھ لگایا اور پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر اتنی دیر تک دُعا کی جتنی اللہ کو منظور تھی' پھر زمین کی طرف جھکتے' آنسو گر رہے تھے تین مرتبہ یوں کیا' مارے خوف کے ہم آپ سے پوچھ نہیں رہے تھے' اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچھل کر آپ کی پیٹھ پر جا بیٹھے اور رونے لگے۔ آپ نے فرمایا: میرے ماں باپ فدا ہوں' کیوں روتے ہو؟ انہوں نے عرض کی: ابا جان! میں نے آپ کو وہ کچھ کرتے دیکھا ہے کہ ویسا آج تک کرتے نہیں دیکھا۔ فرمایا: اے بیٹا! آج تو میں تم پر اتنا خوش ہوں کہ اتنی خوشی کبھی نہیں ہوئی لیکن میرے دوست جبریل نے مجھے آ کر بتایا ہے کہ تم قتل کر دئے جاؤ گے اور تمہارے ٹکڑے بکھرے پڑے ہوں گے جس سے مجھے نہایت غم ہوا ہے چنانچہ میں نے اللہ سے بھلائی کی دُعا کی ہے۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ آج کل حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گرد مقصورہ ہے اور اس میں محراب ہے' یہ مکان حضور ﷺ کے حجرہ کی پچھلی طرف تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل جالیاں آپ کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے گرداگرد لگائی جا چکی ہیں اور جس محراب کی ابن نجار نے بات کی ہے' وہ زور کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی پچھلی طرف ہے' اس کے اور اس درمیان ایک جگہ ہے جس کا لوگ احترام کرتے ہیں' اس پر پاؤں نہیں رکھتے' یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر مبارک ہے جیسے آگے ایک قول آ رہا ہے' اور ہم پہلے جو کچھ لکھ چکے ہیں' اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر مربعۃ القبر اور ستونِ تہجد کے درمیان تھا اور رات کے آخری حصے میں آپ اس ستون کی طرف آئے جس طرف محراب تھا جو آج بھی ان کے گھر کے اندر ہے کیونکہ وہ ستون جو زور کے سامنے ہے' وہ وہی ہے جو ستونِ مربعہ کی لائن میں دیوار میں ملتا ہے جو حجرہ شریفہ سے ملی ہوئی ہے' اس کا کچھ حصہ شام والی جانب کی دیوار میں ہے اور جو عمارت ہم نے دیکھی ہے' اس میں یہ سب مسجد میں داخل کر دیا گیا ہے' اس کے پیچھے وہ ستون ہے جس میں زور کے دونوں کنارے آ ملتے ہیں اور اس کے پیچھے وہ ستون ہے جس کی طرف محراب مذکور واقع ہے چنانچہ اس پر وہ بات سچی آتی ہے جو کلامِ شبہ میں گذر چکی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے

پچھلے حصہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس اس ستون کی طرف تشریف لائے جو زور والے ستون کے پیچھے تھا لیکن اس سے قبل ابن شبہ کے یہ الفاظ ملتے ہیں: ''حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مدینہ میں دو مکان بنائے' جن میں سے ایک تو مسجد نبوی میں شامل ہو گیا' یہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ گھر تھا جس میں آپ رہائش رکھتی تھیں اور مسجد میں اس کی جگہ حضرت عثمان بن عفان کے (جو مسجد کے مشرق میں تھا) اور اس دروازے کے درمیان تھی جو حضرت اسماء بنت حسن بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر کی مشرقی جانب تھا اور ان کا دوسرا گھر وہ تھا جو بقیع میں واقع ہے' وہ حضرت علی کی اولاد کے قبضہ میں تھا۔

یہ جو انہوں نے کہا ''دارِ عثمان کے درمیان'' تو اس کا مطلب ہے اس کے بالمقابل اور ''دارِ اسماء کے سامنے والے دروازے'' کا بھی یہی مطلب ہے۔

آئندہ صفحات میں آ رہا ہے کہ یہ دروازہ باب النساء کے بعد میں ہے اور رباط النساء کے مقابل ہے جسے آج کل رباط السبیل کہا جاتا ہے لیکن یہ بات کئی وجوہ سے قابل تسلیم نہیں:

(۱) ایک تو اس لئے کہ اسطوانِ تہجد کے بیان میں آ چکا کہ وہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی پچھلی طرف تھا۔

(۲) دوسرے یہ کہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ بابِ جبریل (جو دار عثمان کے مقابل ہے) حضور ﷺ کے زمانے میں موجود تھا تو پھر حضرت علی کا یہ گھر اس مقام پر کیسے ہو سکتا ہے؟

(۳) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں اضافہ کیا اور باب النساء رکھا' وہ بابِ جبریل اور اس دروازے کے درمیان تھا جسے ابن شبہ نے ذکر کیا ہے' حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر مسجد میں ولید نے شامل کیا تھا۔ ہم عنقریب بتائیں گے اسے مسجد میں داخل کرتے وقت کیا کچھ ہوا تھا۔ پھر کہا یہ جاتا ہے کہ مسجد نبوی اور فاطمہ کے گھر کی پچھلی طرف کھلا راستہ تھا تو اس صورت میں سیّدہ فاطمہ کے گھر کا دھیان کئے بغیر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمر ہی نے باب النساء بنایا تھا' یونہی بابِ جبریل کے بارے میں بھی کہا جائے گا کہ وہ آج کل اس کے عین مقابل ہے لیکن اس کے اور حضرت فاطمہ کے گھر کے درمیان کھلا راستہ اس طرف سے ہے' اور اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ جب انہوں نے اس غربی ستون کے لئے زمین کھو دی' تاکہ قبہ وغیرہ بنا سکیں' جس کی طرف شام کی جانب حجرے کا دروازہ تھا تو انہوں نے بابِ جبریل کے بالمقابل اور حجرہ مذکورہ کے دروازے کے سامنے بنیاد دیکھی جو شام کی جانب جا رہی تھی (یہ اس آگ کا موقع تھا جسے ہم نے بھی دیکھا) پھر مسجد کی حدود میں گذر چکا ہے' جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی دیوار مشرق میں وہیں تھی تو میرا غالب خیال یہ ہے کہ وہ بنیاد بابِ جبریل کی ہوگی اور وہاں سے ہٹنے سے قبل وہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ١١

مسجد میں کھلنے والے دروازوں کو بند کرنے کا حکم اور کونسا بند نہیں کیا گیا تھا

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ باب باندھا ہے: ''باب'' حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ ابوبکر کے علاوہ سب کے دروازے بند کر دو۔'' امام بخاری نے اسے نماز کے بیان میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے کہ ''میری طرف سے سب جھونپڑے بند کر دو تو گویا آپ نے یہاں' صرف معنوی طور پر لکھا ہے پھر امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا ذکر کیا' انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا' فرمایا: اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے کہ دنیا میں رہیں یا اللہ کے ہاں کے انعامات حاصل کریں تو اس بندے نے اللہ کے ہاں جانا پسند کر لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رو پڑے' ہم نے ان کے رونے پر تعجب کیا کہ آپ کو اس بندے کے بارے میں کیسے پتہ چل گیا حالانکہ یہ اختیار رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر ہم سے زیادہ علم والے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھ پر مال خرچ کرنے اور ساتھی ہونے کے لحاظ سے حضرت ابوبکر کا بہت زیادہ احسان ہے اور اگر میں ربّ کریم کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو وہ ابوبکر ہوتے لیکن یہ اسلامی بھائی چارہ اور دوستی ہے' مسجد کا کوئی دروازہ بند کرنے سے نہ رہنے پائے' ابوبکر کا دروازہ رہنے دو۔''

امام مسلم نے مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ایسی ہی روایت کی اور فرمایا: مسجد میں کسی کا جھونپڑا سوائے ابوبکر کے نہیں رہ جانا چاہئے۔

''خوخہ'' دیوار میں چھوٹے دروازے کو کہتے ہیں جو روشنی کے لئے رکھا جاتا ہے جس کا بلند ہونا ضروری نہیں اور جہاں نیچے ہوتا ہے تو اسے کسی مکان تک جلد پہنچنے کے لئے بطور راستہ استعمال کیا جا سکتا ہے' یہاں یہی مقصد ہے چنانچہ اس لئے ''باب'' کا لفظ استعمال کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ حدیث جس کی طرف ''صلوٰۃ'' میں اشارہ کیا گیا ہے' اس کا موقع وہ تھا جب مرض الموت کی حالت میں تھے۔ امام مسلم نے بھی حضرت جندب کی حدیث لکھی کہ آپ نے یہ بات وصال سے پانچ راتیں پہلے فرمائی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر غار میں میرے ساتھی اور انس و محبت کا سامان تھے' مسجد میں کھلنے والا ہر دروازہ بند کر دو' صرف ابوبکر کا رہنے دو۔

طبرانی نے بذریعہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی ہے اور اس میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب

آپ پر سات کنوؤں کے کئی مشکیزے پلٹ دئے گئے تھے' الفاظ یہ ہیں: مسجد میں کھلنے والے یہ دروازے دیکھو اور باب ابوبکر کو چھوڑ کر سب بند کر دو۔

طبقات ابن سعد کے مطابق حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگوں میں سے مال خرچ کرنے اور ساتھی ہونے کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر کا بہت احسان ہے لہٰذا مسجد میں کھلنے والے سب دروازے' ماسوائے ابوبکر کے' بند کر دو۔

حضرت معاویہ بن صالح کہتے ہیں کہ اس پر لوگوں نے کہا: ہمارے دروازے تو آپ نے بند کر دئے اور اپنے خلیل کا رہنے دیا ہے۔ حضور ﷺ نے سن کر فرمایا: مجھے ابوبکر کے بارے میں تمہاری شکایت مل گئی ہے' میں ابوبکر کے دروازے پر ایک عظیم نور دیکھ رہا ہوں جبکہ تمہارے دروازوں پر تاریکی ہے۔

اسی میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کے علاوہ سب دروازے بند کرنے کا حکم فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میری طرف بھی ایک روشن دان رہنے دیجئے کہ آپ مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لائیں تو میں دیکھا کروں۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔

خطابی اور ابن بطال کہتے ہیں کہ اس حدیث میں قوی اشارہ موجود ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے حقدار تھے اور خاص طور پر یہ بھی دیکھئے کہ بیماری کی حالت میں زندگی کے آخری دنوں کے اندر آپ نے حضرت ابوبکر ہی کو حکم فرمایا تھا کہ صرف تم نماز پڑھایا کرو۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں' کچھ حضرات نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "باب" کا مطلب خلافت تھی' دروازے بند کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کوئی بھی خلافت کا مطالبہ نہ کرے گویا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ابوبکر کے علاوہ کوئی بھی خلافت کا مطالبہ نہ کرے' ہاں انہیں مطالبہ کرنے میں حرج نہیں۔

کچھ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مدینہ طیبہ کے بالائی حصے عوالی مدینہ "سُنح" میں تھا لہٰذا مسجد میں ان کا خوخہ (دروازہ) ناممکن ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ بات کمزور سی ہے کیونکہ "سنح" میں آپ کا مکان ہونا' آپ کے مسجد کے پڑوس میں آپ کے مکان ہونے سے رکاوٹ نہیں بنتا۔ سنح میں آپ کا مکان دامادوں کا تھا جو انصار سے تعلق رکھتے تھے' آپ کی وہاں ایک بیوی بھی تھیں جن کا نام بالاتفاق اسماء بنت عمیس تھا اور اگر ان دنوں اُم رومان موجود تھیں تو وہ ہوں گی۔

عمر بن شبہ نے "اخبارِ مدینہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کا وہ مکان' جس کے بارے میں ارشاد ہوا کہ اسے رہنے دیا جائے' وہ مسجد کی طرف تھا اور ساتھ ملا ہوا تھا' وہ آپ کے قبضہ ہی میں اس وقت تک رہا جب تک آپ کو کسی آنے والے کی ضرورت نہیں پڑی چنانچہ آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چار ہزار درہم میں خرید لیا۔

میں کہتا ہوں کہ واقعہ کا باقی حصہ آگے آ رہا ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت عمر نے اضافہ کے دوران اسے مسجد میں داخل کر دیا تھا۔

ابن شبہ، بنو تیم کے گھروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقیع کی گلیوں میں عثمان سے ذرا پہلے چھوٹا سا مکان بنایا تھا اور مسجد کے قریب بھی ایک گھر بنایا تھا اور یہی وہ مکان تھا جس کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ابوبکر کا دروازہ چھوڑ کر میری طرف کے سب دروازے بند کر دو اور حضرت ابوبکر نے "سنح" میں ایک مکان بنایا تھا۔

جمال مطری کہتے ہیں کہ اس کے متعلق ابن نجار نے کہا: اہل سیرت لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کا دروازہ مسجد کے مغرب میں تھا، یہ بھی لکھا ہے کہ منبر کے قریب تھا اور جب اس کی مغربی حد تک مسجد میں اضافہ ہوا تو انہوں نے یہ دروازہ تبدیل کر دیا اور آپ کے پہلے مکان کی طرح بنا دیا جیسے آج کل حضرت عثمان کا دروازہ وہیں کر دیا گیا ہے۔ جہاں پہلے تھا۔

مطری کہتے ہیں، آج کل حضرت ابوبکر کا دروازہ حرم کی کچھ چیزیں رکھنے کے سٹور کا دروازہ ہے، جب تم باب السلام سے مسجد میں جاؤ تو یہ دروازے کے قریب ہی بائیں طرف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سٹور کے، مدرسہ اشرفیہ کی عمارت کے نزدیک، تین دروازے ہیں اور اس خوخہ کی جگہ اس تیسرے دروازے سے بائیں طرف یوں دکھائی دیتا ہے جب تم باب السلام کی طرف آؤ۔ یہ قدیم دور میں چونے کا سٹور رہا ہے جسے تعمیر کے لئے رکھا گیا تھا۔

مطری کا یہ کلام ابن زبالہ کے مطابق ہے کیونکہ انہوں نے بھی کہا تھا: اسحاق بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ وہ چھوٹا سا دروازہ جو مسجد کی غربی جانب باب زیاد کے پہلو میں ہے، وہاں دائیں طرف رحبۃ القضاء میں خوخۂ ابوبکر ہے، جب مسجد میں توسیع ہوئی تو وہاں سے ایک طرف کر دیا گیا تو یہ دائیں طرف آ گیا یعنی داہنی طرف سے دیکھیں تو، اور "رحبۃ القضاء" اس خوخہ سے پہلے تھا اور حسنِ عتیق کی لائن میں تھا جسے سلطان اشرف نے ہمارے دور کی آتشزدگی کے بعد مدرسہ بنا لیا تھا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ مسجد کے قریبی گھروں کے دروازے بند کرنے کے بارے میں ایسی حدیثیں ملتی ہیں جو بظاہر گذشتہ احادیث کے خلاف ہیں، ان میں سے ایک حضرت سعد بن ابو وقاص والی حدیث ہے، فرمایا تھا: حضور ﷺ نے مسجد میں کھلنے والے دروازوں کو بند کرنے کا حکم فرمایا تھا جبکہ حضرت علی کا دروازہ چھوڑ دیا تھا۔ (احمد نسائی)

طبرانی نے اوسط میں یہ روایت لی ہے: صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے دروازے بند کر دئے، آپ نے فرمایا تھا کہ یہ میں نے بند نہیں کئے بلکہ اللہ نے کر دئے ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہمارے کچھ صحابہ کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا، یہ سب دروازے بند کر دو، صرف علی کا رہنے دو۔ لوگوں نے اس بارے میں تعجب کیا کیں تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بخدا میں نے نہ تو کسی چیز کو بند کیا ہے اور نہ ہی کھولا ہے، مجھے تو ایک حکم ملا تھا جسے میں نے پورا کر دیا۔
(احمد، نسائی، حاکم)

میں کہتا ہوں کہ امام احمد کے الفاظ یہ ہیں: زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ کے کچھ صحابہ کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے، ایک دن آپ نے فرمایا: حضرت علی کا دروازہ چھوڑ کر سب بند کر دو، اس سلسلے میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر حمد و ثناء الٰہی کی، فرمایا: اما بعد! مجھے تو حکم ہوا ہے کہ حضرت علی کا دروازہ چھوڑ کر یہ سب دروازے بند کرا دوں لیکن تم لوگ اعتراض کر رہے ہو، بخدا میں نے نہ تو کوئی دروازہ بند کیا ہے اور نہ کسی کو کھولنے کا حکم دیا ہے۔ الحدیث۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: رسول اکرم ﷺ نے مسجد کے دروازوں کے متعلق فرمایا تو حضرت علی کے دروازے کے علاوہ سب بند کر دیئے گئے، وہ ناپاکی کی حالت میں یہیں سے گذرتے کیونکہ کوئی اور دروازہ تھا ہی نہیں۔ (احمد و نسائی)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت علی کے دروازے کے علاوہ سب دروازے بند کرنے کا حکم دیا، حضرت علی ناپاکی کی حالت میں وہاں سے کئی مرتبہ گزرے۔ (طبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے دور میں کہا کرتے تھے کہ: رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے افضل ہیں، پھر حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین خصلتیں عنایت فرمائی گئی تھیں کہ ان میں سے مجھے اگر ایک بھی حاصل ہو جائے تو میرے لئے قیمتی سرخ اونٹوں سے پیاری ہوتی: حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی ان سے بیاہی اور ان سے ان کی اولاد بھی ہوئی، ان کے علاوہ مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دیئے گئے اور جنگ خیبر میں انہی کو علَم دیا گیا تھا۔ (احمد)

نسائی شریف کے مطابق علاء بن عرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ حضرت عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں مجھے کچھ بتایئے۔ الحدیث۔ اسی میں آتا ہے: رہے علی، تو ان کے بارے میں کسی سے مت پوچھو، دیکھو رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کا کیا مقام ہے، مسجد میں کھلنے والے ہم سب کے دروازے بند کر دیئے گئے لیکن ان کا دروازہ رہنے دیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ان احادیث میں سے کچھ، دوسری احادیث کو طاقت دیتی ہیں، ان میں سے ہر روایت قابلِ دلیل ہے، تمام کی بات ہی کچھ اور ہے۔

ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں ذکر کیا ہے، اسے حضرت سعد بن ابو وقاص، زید بن ارقم اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لیا ہے اور اس کے راویوں پر طعن کرنے والوں کے لئے علت بنایا ہے اور اس میں حرج

نہیں کیونکہ میں نے بہت سے طریقوں کا ذکر کیا ہے پھر اسے حضرت ابوبکر کے بارے میں دی گئی احادیث کی مخالفت کے لئے علت بنایا ہے' ان کا خیال یہ ہے کہ یہ روایت رافضی شیعہ لوگوں کی طرف سے گھڑی گئی ہے جسے وہ حضرت ابوبکر کے بارے میں مذکور صحیح حدیث کے مقابلے میں لائے ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں ابن جوزی نے سخت غلطی کھائی ہے کیونکہ اپنے وہم کی بناء پر وہ صحیح احادیث کا رڈ کرنے چلے ہیں حالانکہ ان دونوں واقعات کو جمع کیا جا سکتا ہے چنانچہ بزار نے اس طرف مسند میں اشارہ کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: اہلِ کوفہ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں حسن احادیث آتی ہیں اور اہلِ مدینہ کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں احادیث وارد ہیں' اگر اہلِ کوفہ کی روایات ثابت ہو جائیں تو ان دونوں طرح کی احادیث کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت شدہ اس حدیث کی روشنی میں جمع کیا جا سکتا ہے' انہوں نے فرمایا: میرے اور تیرے سوا' بحالت پلیدی اس مسجد میں سے گذرنا جائز نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت علی کا دروازہ مسجد کی جانب تھا' اس کے سوا ان کے لئے کوئی اور دروازہ تھا ہی نہیں لہٰذا اسے بند کرنے کا حکم نہیں دیا۔

اس کی تائید حضرت مطلب بن عبداللہ بن حطب کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے حضرت علی بن ابو طالب کے علاوہ کسی کو بھی حالتِ جنابت میں مسجد سے گذرنے کی اجازت نہ دی کیونکہ ان کا دروازہ مسجد میں تھا۔

ان دونوں احادیث کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ دروازے بند کرنے کا حکم دو مرتبہ ہوا تھا چنانچہ پہلے موقع پر تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس وجہ سے حکم نہیں فرمایا تھا کہ ان کا دروازہ مسجد کی طرف تھا' اور تھا ہی نہیں لیکن دوسرے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الگ رکھا۔ لیکن یہ بات اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک حضرت علی کے قصے میں دروازے کا حقیقی معنیٰ مراد نہ لیا جائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے سے مراد مجازی نہ لیا جائے یعنی خوخہ (دریچہ' چھوٹا دروازہ) اور گویا جب انہیں دروازے بند کرنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے دروازے بند کر کے چھوٹے دروازے رکھ لئے جن سے مسجد میں عبادت کے لئے جا سکیں اور پھر بعد میں انہیں بند کر دیا گیا چنانچہ یہ وہ طریقہ ہے جس سے دونوں مذکورہ حدیثیں جمع کی جا سکتی ہیں اور اسی طریقہ سے امام طحاوی نے بھی مشکل الآثار میں دونوں کو جمع کیا ہے جبکہ کلا بازی نے معانی الاخبار میں لکھ دیا ہے اور وضاحت سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک دروازہ باہر کی طرف تھا جبکہ دوسرا مسجد میں تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے صرف مسجد ہی میں کھلنے والا دروازہ تھا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کیونکہ اس میں احادیث کو جمع کا طریقہ گذشتہ طریقہ سے الگ ہے کیونکہ پہلے طریقے کا حاصل یہ تھا کہ دونوں دروازے باقی رہے اور جنہیں دروازے بند کرنے کا حکم تھا وہ ایسے لوگ تھے جن کے مسجد میں کھلنے والے دروازوں کے علاوہ اور دروازے بھی تھے' رہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو

ان کے لئے مسجد والے دروازے کے علاوہ اور کوئی دروازہ تھا ہی نہیں چنانچہ شارع علیہ السلام نے اسے خصوصی فرمایا اور انہیں مسجد کی طرف راستہ دیا' اب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کو الگ کرنے کی ضرورت تھی لہٰذا اکثر علماء نے صرف اسی کو بیان کیا ہے اور پھر جس نے حضرت علی کے دروازے کا ذکر کیا ہے ان کا ارادہ یہ بتانا ہے کہ وہ بند نہیں کیا گیا تھا اور وضاحت سے اسے بھی باقی رکھنے کا ذکر کیا۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ واقعے دو تھے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ پہلے ہوا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بعد میں اور اس کی دلیل یحییٰ کے مطابق یہ ہے کہ جب مسجد میں کھلنے والے ان کے دروازے بند کرنے کا حکم ہوا تو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرخ رنگ کی چادر کھینچتے ہوئے آئے' آنکھیں ٹپک رہی تھیں اور وہ رو رہے تھے' عرض کی یا رسول اللہ! اپنے چچا کو تو آپ نے نکال دیا لیکن چچا کے بیٹے کو (اس حکم سے) نہیں نکالا۔آپ نے فرمایا: میں نے نہ تو آپ کو نکالا ہے اور نہ ہی انہیں جگہ دی ہے' انہیں جگہ دینا اللہ ہی کا کام ہے۔اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے کا ہے۔

بزار کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا' میرے ساتھ چلو اور انہیں کہہ دو کہ اپنے اپنے دروازے بند کر لیں' میں ساتھ گیا اور انہیں کہہ دیا' سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ سب نے بند کر لئے۔میں نے عرض کی یا رسول اللہ! حضرت حمزہ کے علاوہ سب نے بند کر لئے ہیں' فرمایا حمزہ سے کہہ دو کہ اپنا دروازہ کسی اور جگہ رکھ لیں۔میں نے جا کر کہا' رسول اللہ علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں کہ آپ اپنا دروازہ کسی اور طرف نکال لیں چنانچہ انہوں نے بدل لیا۔میں واپس آیا تو آپ نماز میں مصروف تھے پھر فرمایا کہ گھر واپس چلے جاؤ۔

بزار کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے میرا ہاتھ تھاما اور فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ربّ سے سوال کیا تھا کہ ہارون کے ذریعے ان کی مسجد پاکیزہ بنا دے اور میں نے اللہ سے دُعا کی ہے کہ میری مسجد کو تیرے اور تیری اولاد کے ذریعے پاکیزہ بنا دے' پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ اپنا دروازہ بند کر لو' انہوں نے پہلے تو انا للہ پڑھا اور پھر کہا کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر چنانچہ اپنا دروازہ بند کر لیا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا پھر حضرت عباس کو بھی ایسا ہی پیغام بھیجا۔اس کے بعد رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ: تمہارے دروازے میں نے بند نہیں کرائے اور نہ ہی علی کا دروازہ کھلا رہنے دیا ہے' اللہ ہی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دروازہ کھلا رہنے دیا ہے اور تمہارے دروازے بند کرائے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں انہوں نے حضرت حمزہ کی جگہ حضرت عباس کا ذکر کیا ہے اور جو کچھ آگے آ رہا ہے وہ محلِ نظر ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں بعد میں فرمایا تھا کیونکہ حضرت عباس تو فتح مکہ کے موقع پر مدینہ آئے تھے۔

ابن زبالہ و یحییٰ کے مطابق ایک صحابی نے روایت کی اور کہا: عین اسی موقع پر جب ہم رسول اللہ علیہ السلام کی مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک آواز دینے والا آیا' کہنے لگا: اپنے دروازے بند کر دو' لوگوں نے سنا تو شش و پنج میں پڑ گئے' کوئی بھی نہ اُٹھا' وہ پھر دکھائی دیا اور کہا کہ اپنے دروازے بند کر دو' پھر بھی کوئی نہ اُٹھا' لوگ کہنے لگے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

وہ پھر آیا اور کہنے لگا کہ عذاب اُترنے سے پہلے اپنے دروازے بند کر دو' لوگ جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے' حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ "دروازے بند کر دو" کی آواز سنتے ہوئے چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ہر ایک کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے سرہانے کھڑے ہو گئے' آپ نے فرمایا: کیوں کھڑے ہو؟ اپنے گھر جاؤ! انہیں دروازہ بند کرنے کو نہیں فرمایا۔ صحابہ نے کہا آپ نے ہمارے دروازے بند کرا دئے لیکن حضرت علی کا رہنے دیا حالانکہ وہ پہلے سے یہاں تھے' کسی نے کہا کہ رشتہ داری کی بناء پر چھوڑ دیا' پھر کہا کہ حضرت حمزہ اس لحاظ سے زیادہ قریب ہیں' وہ آپ کے رضاعی بھائی اور چچا ہیں' بعض نے کہا کہ اپنی بیٹی کی وجہ سے رہنے دیا ہے۔ یہ بات رسول اکرم ﷺ تک پہنچ گئی۔ آپ تیسرے دن ان کی طرف گئے' آپ نے حمد و ثناء بیان کی' چہرہ پر سرخی تھی' جب بھی آپ غصہ میں ہوتے تو آپ کے چہرے میں ایک رگ سرخ ہو جاتی' پھر فرمایا: اما بعد ذٰلکم! سنو! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اللہ نے وحی فرمائی کہ ایک پاکیزہ مسجد بناؤ جس میں وہ' حضرت ہارون اور ان کے بیٹے شبر اور شبیر ہوا کریں اور اللہ نے میری طرف بھی وحی فرمائی ہے کہ ایک پاکیزہ مسجد بنا لو جس میں مَیں' علی اور ان کے دونوں بیٹے حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم رہیں چنانچہ میں مدینہ پہنچا اور اس میں میں نے مسجد بنا دی اور اس کی طرف اس وقت نہیں پھرا جب تک حکم نہیں ہوا' میں اتنا ہی علم رکھتا ہوں جتنا مجھے سکھایا گیا' وہی کرتا ہوں جس کا حکم دیا گیا۔ میں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر نکلا' انصار مجھے ملے' وہ کہہ رہے تھے کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس اُتر آیئے' میں نے ان سے کہا' میری اونٹنی کو راستہ دیدو کیونکہ یہ حکم کی پابند ہے' چنانچہ میں وہاں اُترا جہاں یہ بیٹھ گئی تھی' بخدا نہ تو میں نے دروازے بند کئے ہیں اور نہ ہی رہنے دئے ہیں' علی کو میں نے چھوڑا' انہیں اللہ نے رہنے دیا ہے۔

حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دروازے بند کرنے کا حکم فرمایا کہ مسجد میں کھلنے والے سب بند کر دو' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دروازہ رہنے دیا۔ ابویعلیٰ' بزار اور طبرانی نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ: انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ نے حضرت علی کے دروازے کے علاوہ ہم سب کے دروازے بند کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: دروازے میں نے بند نہیں کرائے' یہ تو اللہ نے بند کرائے ہیں۔

یحییٰ کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دروازے بند کر دو چنانچہ حضرت علی کے دروازے کے علاوہ سب بند کر دئے گئے جس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی' یا رسول اللہ! حضرت علی کے علاوہ آپ نے ہم سب کے دروازے بند کرا دئے ہیں' آپ نے فرمایا کہ میں نے نہ تو بند کرائے ہیں اور نہ ہی کھلوائے ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت علی کا دروازہ چھوڑ کر مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کرا دو' یہ سن کر ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے اتنی جگہ رکھنے کی اجازت دیجئے جہاں سے میں آ جا سکوں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی اجازت نہیں۔ پھر عرض کی کہ یا رسول اللہ! اتنی جگہ کی

اجازت دیجئے جس سے اپنا سینہ نکال سکوں' فرمایا اس کی بھی اجازت نہیں لہٰذا چلے جاؤ! اس نے پھر عرض کی کہ یا رسول اللہ! سر نکالنے کی جگہ دیدیں' آپ نے فرمایا کہ اس کی بھی اجازت نہیں۔ وہ روتے ہوئے پیچھے مڑے تو آپ نے فرمایا: مجھے اجازت نہیں: بس علی کا دروازہ چھوڑ کر سارے دروازے بند کر دو۔

طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: حضور علیہ السلام نے حضرت علی کے علاوہ سب کے دروازے بند کرنے کا حکم فرمایا تو حضرت عباس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے لئے اس قدر اجازت دیجئے کہ میں اکیلا اس جگہ سے آ جا سکوں۔ آپ نے فرمایا: اس بارے میں مجھے کوئی اجازت نہیں چنانچہ دروازۂ علی کے علاوہ سب دروازے بند کر دئے گئے۔ راوی کہتے ہیں' آپ نکلتے تو کئی مرتبہ جنابت کی حالت میں ہوتے۔

حضرت عمرو بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دینے کا حکم فرمایا' ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے ایک روشندان (یا چھوٹا دروازہ) کی اجازت دیجئے کہ صبح و شام آپ گذریں تو میں آپ کو دیکھ لیا کروں' آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں' میں تو سوئی کے سوراخ جتنی جگہ بھی کھلا رکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ دروازے بند کرنے کے حکم کے وقت آپ نے پہلے پہل خوخہ (چھوٹا دروازہ) تک بلکہ اس سے بھی کم بنانے کی اجازت نہیں دی اور اگر یہ بات صحیح ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بعد میں خوخہ کی اجازت فرما دی تھی اور قصۂ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد میں ہوا۔

طبقات ابن سعد کے مطابق ابو البداح بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیسی بات ہے کہ کچھ لوگوں کو تو آپ نے مسجد میں دروازے کھلے رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے اور کچھ کو بند کرنے کا فرما دیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے عباس! میں نے اپنے حکم سے نہ تو کھلوائے ہیں اور نہ ہی بند کرائے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۲

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مسجد نبوی میں اضافہ

چودھویں فصل میں بخاری کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم علیہ السلام والی مسجد میں کوئی اضافہ نہ کیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ ابو داؤد کی روایت میں آ رہا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسجد کے ستون کمزور ہو گئے تھے' آپ نے انہیں کھجور

کے تنوں سے بنا دیا اور یہ بات اس بات کے مخالف نہیں کہ آپ نے کوئی اضافہ نہیں کیا تھا۔

اہلِ سیرت کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافہ نہ کرنے کی وجہ فتوحات میں مصروف رہنا تھا اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے کہا: میرا ارادہ ہے کہ مسجد میں کچھ اضافہ کروں' اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سن نہ رکھا ہوتا کہ "مسجد میں اضافہ کرنا ہوگا" تو میں ذرہ بھر بھی اضافہ نہ کرتا۔

تاریخ یافعی میں ہے کہ آپ نے یہ اضافہ ۱۷ھ کو کیا تھا' دوسرے مؤرخ کہتے ہیں کہ اس سال آپ نے مسجد حرام میں اضافہ کیا تھا' مسجد مدینہ میں اضافہ نہیں کر سکے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور ابوبکر خلیفہ بنے تو انہوں نے مسجد میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے مسجد کے ستون کچی اینٹوں سے بنائے اور لکڑی سے بنے الگ کر دئے اور قبلہ کی طرف اضافہ کر دیا' قبلہ کی طرف حضرت عمر کی تیار کردہ مسجد کی دیوار کی حد وہی قبلہ والے ستون تھے جس طرف جالی لگی ہے جو ستونوں کے درمیان قبلہ کی طرف ہے اور اس پر چھت پڑی ہوئی تھی لیکن وہ جو بخاری و ابو داؤد میں عنقریب آ رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں اضافہ کیا اور حضور ﷺ کے عہد کی مسجد کی بنیادوں پر کچی اینٹ اور کھجور کی ٹہنیوں سے تعمیر کی اور لکڑی کے ستون لگا دئے تو یہ روایت ابن زبالہ کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں ہے کہ حضرت عمر نے ستون کچی اینٹوں سے بنائے تھے' تاہم قابلِ بھروسہ روایت بخاری ہے۔

احمد کے مطابق حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستون سے جالیوں تک اضافہ کیا اور فرمایا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ سے میں نے یہ سن نہ رکھا ہوتا کہ "ہمیں مسجد میں اضافہ کرنا ہوگا" تو کبھی بھی اضافہ نہ کرتا۔

یحییٰ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا' اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا نہ ہوتا کہ ہمیں مسجد میں اضافہ کر دینا چاہئے تو میں کوئی اضافہ نہ کرتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ عہد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لوگ بڑھ گئے تو ان سے کسی نے عرض کی' اے امیر المؤمنین! آپ نے مسجد میں اضافہ کر دیا ہوتا تو بہتر تھا' حضرت عمر نے فرمایا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن نہ رکھا ہوتا کہ: "میں چاہتا ہوں کہ قبلہ کی طرف ہماری مسجد میں اضافہ کر دیا جائے۔" تو میں کبھی بھی اضافہ نہ کرتا۔

مسلم بن حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک دن اپنے مصلّے پر تھے کہ فرمایا: "اگر ہم اضافہ کر دیتے" اشارہ قبلہ کی طرف تھا چنانچہ ایک آدمی کو بلایا گیا اور اسے مصلّائے نبی کریم ﷺ کی طرف بٹھایا گیا پھر اس کا ہاتھ اونچا نیچا کیا' انہوں نے اندازہ کر لیا کہ حضور ﷺ نے یہاں تک ہاتھ بلند کیا ہوگا پھر ایک رسّی منگوائی اور اس کا ایک

پھر اس آدمی کے ہاتھ میں دیا اور پھر اسے کھینچا اور آگے پیچھے کرتے رہے اور یوں انہوں نے یقین کر لیا کہ حضور ﷺ نے یہاں تک اضافے کا اشارہ کیا تھا چنانچہ حضرت عمر قبلہ کی طرف بڑھے' یوں حضرت عمر کی دیوار جالیوں کی لکڑیوں کے مقام سے شروع ہوئی۔

حضرت عمر اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان گفتگو

ابن سعد کے مطابق حضرت سالم ابو النصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے کہ جب دورِ عمر میں لوگوں کی تعداد بڑھ گئی اور مسجد تنگ ہوتی دکھائی دی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مکانوں کے علاوہ مسجد کے قریبی مکان خرید لئے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اے ابو الفضل! مسلمانوں کی یہ مسجد تنگ ہو رہی ہے لہٰذا میں آپ کا گھر اور اُمہات المؤمنین کے حجرے چھوڑ کر اردگرد کے مکان خرید رہا ہوں تاکہ مسلمانوں کی یہ مسجد وسیع کی جا سکے' اُمہات المؤمنین کے حجروں کی جرأت تو میں کر نہیں سکتا' رہا آپ مکان تو آپ اسے بیچ دیں' جتنی چاہیں قیمت لے لیں' میں بیت المال سے ادا کر دیتا ہوں تاکہ مسجد کو وسیع کر سکیں۔ حضرت عباس نے فرمایا' میں تو ایسا نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ تین میں سے ایک بات مان لیں' ایک یہ کہ آپ بیت المال سے جتنی چاہیں رقم لے کر اسے بیچ دیں یا اس کے بدلے جہاں آپ چاہیں میں بیت المال سے جگہ لے کر آپ کو مکان تعمیر کر دیتا ہوں یا پھر مسلمانوں کو دیدیں' مسجد کی توسیع میں آپ کا حصہ ہو جائے گا۔ انہوں نے پھر انکار کیا اور کہا میں نہیں دونگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' کوئی ثالث بنا لیجئے' انہوں نے کہا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثالث ہیں چنانچہ دونوں حضرت ابی بن کعب کے پاس پہنچے اور انہیں یہ قصہ سنایا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' چاہو تو میں ایک حدیث بیان کر دیتا ہوں جو میں نے حضور ﷺ سے سن رکھی ہے۔ انہوں نے کہا بتایئے' انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ نے سنا تھا' فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ میرے لئے ایک گھر بنا دو جس مین میری یاد ہوا کرے چنانچہ انہوں نے یہ خطۂ زمین بیت المقدس اس غرض سے تیار کرنے کا ارادہ کیا' دیکھا تو اس کی حد کے ایک کنارے میں بنو اسرائیل کے ایک شخص کا مکان تھا' حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے کہا کہ تم اسے بیچ دو۔ اس نے انکار کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ اس سے زبردستی لے لیں۔ اتنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے داؤد! میں نے تو تمہیں یہ حکم دیا تھا کہ میرے لئے ایک ایسا گھر بنا دو جس میں میرا ذکر ہوا کرے لیکن تم نے چھینی ہوئی زمین پر بنانے کا ارادہ کر لیا ہے' یاد رکھو ایسا گھر میری شان کے لائق نہیں' اب اس کی سزا یہ ہے کہ تم اسے نہیں بنا سکو گے۔ انہوں نے عرض کی' اے پروردگار! میری اولاد میں سے کوئی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری اولاد میں سے کوئی بنائے گا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی کا دامن تھاما اور کہا کہ میں تو ایک معمولی فیصلہ کرانے آیا تھا

لیکن آپ نے اور مشکل میں پھنسا دیا ہے اور میرے ہاتھ سے یہ معاملہ نکال دیا ہے۔ پھر انہیں ساتھ لئے مسجد میں آئے اور لا کر صحابہ کرام کے مجمع میں بٹھا دیا جن میں حضرت ابو ذر بھی تھے۔ حضرت ابی نے کہا کہ میں اس شخص کی قسم دیتا ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کے ذکر کے لئے گھر بنائے۔ اس پر حضرت ابو ذر نے کہا' یہ بات میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی' دوسرے نے کہا کہ میں نے بھی سنی تھی۔ حضرت عمر نے حضرت ابی کو بلایا تو وہ حضرت عمر کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے: اے عمر! کیا آپ نے میری بیان کردہ حدیث پر اعتماد نہیں کیا؟ حضرت عمر نے فرمایا: اے ابو المنذر! واللہ! میں تہمت نہیں لگاتا' میں نے خیال کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث واضح کر دی جائے۔

اب حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا: آپ جایئے' اس بارے میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ یہ سن کر حضرت عباس نے کہا: یہ بات ہے تو میں یہ مکان مسلمانوں کی مسجد کے لئے از خود پیش کرتا ہوں تاکہ مسجد وسیع ہو سکے' آپ کو اس سلسلے میں جھگڑنے کی ضرورت نہیں چنانچہ حضرت عمر نے ان کا گھر مسجد میں شامل کر کے بیت المال سے انہیں مکان بنا دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ جب عمر نے مسجد نبوی میں اضافہ کا ارادہ فرمایا تو حضرت عباس کا مکان روکاوٹ بنا' حضرت عمر نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد میں شامل کر لیں اور انہیں معاوضہ دیدیں مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عطا کردہ ہے چنانچہ دونوں میں اختلاف ہو گیا' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ثالث مان لیا گیا اور دونوں ان کے گھر چلے گئے' انہیں لوگ سید المسلمین کہتے تھے' انہوں نے دونوں کے لئے تکئے لگا دئے' وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے' حضرت عمر نے اپنا ارادہ بتایا اور حضرت عباس نے عطیۂ رسول ہونے کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی داؤد علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس کے لئے گھر بنائے' انہوں نے عرض کی: الٰہی! یہ کہاں ہو گا؟ اللہ نے فرمایا: جہاں تم فرشتے کو تلوار ننگا کئے دیکھو گے' انہوں نے اسے ایک ٹھوس جگہ پر دیکھا' اچانک دیکھا تو وہ بنی اسرائیل کے لڑکے کی جگہ تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس کے پاس گئے اور فرمایا مجھے حکم ملا ہے کہ اس جگہ اللہ کے لئے ایک گھر بنا دوں' اس لڑکے نے کہا: یہ آپ کو اللہ نے حکم دیا ہے کہ میری مرضی کے بغیر بنا دو؟ آپ نے فرمایا: نہیں' اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ میں نے زمین بھر کے خزانے تمہارے قبضے میں کر دئے ہیں لہٰذا اسے راضی کر دو۔ حضرت داؤد پھر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے اللہ نے تمہیں راضی کرنے کا حکم فرمایا ہے لہٰذا اس کے بدلے میں میں تجھے قنطار بھر سونا دیتا ہوں۔ اس نے کہا میں قبول کرتا ہوں' اے داؤد! یہ بتاؤ کہ یہ بہتر ہے یا قنطار؟ انہوں نے کہا' یہ بہتر ہے' وہ کہنے لگا تو پھر مجھے راضی کیجئے' آپ نے فرمایا' تین قنطار لے لو' پھر خوب زور دیا اور آخر نو قنطار تک لے پہنچا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ میں اس کی قیمت نہیں لوں گا' میں یہ مسلمانوں کے

فائدے میں پیش کرتا ہوں، حضرت عمر نے اسے قبول کر لیا اور مسجد میں شامل کر دیا۔

میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر (بیت المقدس) حضرت داؤد علیہ السلام نے بنایا تھا اور سب سے پہلے آپ ہی نے اسے بنایا تھا اور پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا، روایت طبرانی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے لئے اس زمین میں ایک گھر بنا دو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک مسجد بنائی اور جب دیواریں مکمل ہو گئیں تو دو تہائی گر گئیں، انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں شکایت کی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ وہ میرا گھر صحیح نہیں بنا سکیں گے اور پھر پہلے واقعہ کے خلاف بیان کیا۔ یہ بات حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پریشانی کا سبب بنی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ میں نے تمہارے لڑکے سلیمان سے بنوانے کا فیصلہ کیا ہے۔

نسائی شریف کے مطابق جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس بنایا تو اللہ تعالیٰ سے تین خصلتیں مانگیں۔ الحدیث۔

تعمیر مسجد حضرت داؤد علیہ السلام نے کی ہو یا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بخاری و مسلم میں آنے والی یہ حدیث مشکل پیدا کرتی ہے، حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زمین پر بننے والی سب سے پہلی مسجد کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: مسجد حرام تھی۔ میں نے دوبارہ پوچھا کہ پھر کونسی بنی تھی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ میں نے پوچھا کہ دونوں کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ آپ نے فرمایا کہ چالیس سال کا۔

یہ اشکال دور کرنے کے لئے ابن جوزی کی یہ روایت سامنے رکھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف بنایا، ان کے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا فاصلہ تھا۔

ابن نجار نے حدیث کے ظاہری معنیٰ مراد لئے ہیں لہٰذا کہا: اس میں اس شخص کا رد ہے جس نے یہ کہا ہے کہ داؤد علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار کا فاصلہ تھا اور اگر ویسے ہوتا جیسے عمرو نے کہا تو چالیس سال کا عرصہ بنتا ہے اور یہ تو محال ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک لمبا عرصہ ہے اور پھر قرآن کریم کی نص سے بھی ثابت ہے کہ قتلِ طالوت میں قصۂ داؤد علیہ السلام موسےٰ علیہ السلام سے کچھ عرصہ بعد ہوا تھا۔

ابن جوزی نے یہ جواب دیا ہے کہ صحیحین کی حدیث میں پہلی تعمیر کی طرف اشارہ ہے اور مسجد کی بنیاد کا ذکر ہے، نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اوّلاً کعبہ بنایا اور نہ ہی سلیمان علیہ السلام نے اوّلاً بیت المقدس بنایا تھا، روایت یہ ملتی ہے کہ بیت اللہ (کعبہ) سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا پھر ان کی اولاد زمین میں بکھر گئی تو جائز ہے کہ ان میں سے کسی نے چالیس سال بعد بیت المقدس بنایا ہو اور پھر قرآن کے واضح بیان کے مطابق حضرت ابراہیم نے کعبہ بنا دیا۔

ابن ہشام کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبہ شریف بنایا تو انہیں حضرت جبریل علیہ السلام نے بیت المقدس کی طرف جانے کی درخواست کی کہ اب اسے تعمیر کریں' آپ نے تعمیر فرمائی اور اس میں عبادت کرتے رہے۔

ابن جوزی کا بعض علماء نے جواب یہ دیا ہے کہ حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کا مسجد اقصیٰ میں حصہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے نئے سرے سے بنایا' بنیاد نہیں رکھی تھی' بنیاد تو حضرت یعقوب بن اسحاق علیہما السلام نے رکھی تھی اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد کا واقعہ ہے۔

اس پر پہلا قصہ اعتراض بنتا ہے کیونکہ اس وقت انہیں زمین خریدنے کی ضرورت نہ تھی ہاں خطابی کہتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ مسجد اقصیٰ حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام سے پہلے بنائی گئی ہو' پھر انہوں نے اس میں اضافہ وتوسیع کر دی ہو چنانچہ تعمیر ان کے نام کی طرف منسوب کر دی گئی ہو چنانچہ احتمال یہ ہے کہ یہ پہلا قصہ زیادتی کے دور سے تعلق رکھتا ہو اور اس کی تائید حاکم کی روایت سے ہوتی ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ "ہم مسجد میں اضافہ کریں گے" اور آپ کا گھر مسجد کے بالکل قریب ہے' آپ یہ گھر دیدیں تو ہم اسے مسجد میں شامل کر لیں' ہم آپ کو اس سے وسیع زمین دے دیں گے۔انہوں نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا۔حضرت عمر نے کہا کہ پھر میں زبردستی کرونگا' انہوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکے گا' انہوں نے کہا کہ پھر کوئی ثالث مقرر کر لیں جو میرا اور آپ کا فیصلہ کر دے' حضرت عباس نے کہا' کون ہوں گے؟ حضرت عمر نے کہا' حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' چنانچہ دونوں ان کے پاس آ گئے اور یہ واقعہ سنا دیا۔انہوں نے کہا کہ اس بارے میں میرے پاس ایک حدیث موجود ہے' انہوں نے کہا کونسی؟ حضرت حذیفہ نے کہا کہ حضرت داؤد نبی علیہ السلام نے جب بیت المقدس میں اضافہ کا ارادہ کیا تو اس مسجد کے قریب ہی ایک یتیم کا گھر تھا' اس سے گھر مانگا تو اس نے انکار کر دیا' آپ نے زبردستی لینے کا رادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آ گئی کہ میرے گھر کے لئے لوگوں کے گھر بطور ظلم نہ لو چنانچہ آپ نے رہنے دیا۔

اس پر حضرت عباس نے حضرت حذیفہ سے پوچھا: کچھ اور کہنا باقی ہے؟ انہوں نے کہا' نہیں۔کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر مسجد میں چلے گئے' یکایک دیکھا تو حضرت عباس کے مکان کا پرنالہ مسجد میں اترا ہوا تھا' اس سے پانی مسجد میں بہتا تھا' حضرت عمر نے اسے اپنے ہاتھ سے اتار دیا اور کہا کہ یہ پرنالہ حضور ﷺ کی مسجد میں نہیں بہ سکے گا۔حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے حضرت محمد ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا' یہ انہی کا کام تھا کہ اس مکان کا پرنالہ یہاں لگایا تھا' اور ایک تم ہو کہ اسے اُتار رہے ہو۔اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اپنے دونوں پاؤں میرے کندھوں پر رکھو اور اسے اکھاڑ کر پہلے والی جگہ پر لگا دو۔حضرت عباس نے یونہی کیا پھر حضرت عباس نے کہا کہ میں یہ مکان آپ کو دے رہا ہوں تاکہ مسجد نبوی میں اسے شامل کر لیں چنانچہ حضرت عمر نے وہ مکان مسجد میں شامل کر کے

اسے وسیع کر دیا اور پھر حضرت عمر نے انہیں زوراء کے مقام پر اس سے بھی وسیع گھر لے دیا۔

حضرت عبد اللہ بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ حضرت عباس کا ایک مکان مسجد کے قبلہ والی جانب میں تھا۔ ادھر لوگ کافی ہو چکے تھے اور مسجد تنگ ہوتے دکھائی دے رہی تھی چنانچہ حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا' آپ خوشحال ہیں' یہ گھر مجھے دیدیں تو مسجد کو وسیع کر دوں لیکن حضرت عباس نے انکار کر دیا' حضرت عمر نے کہا' میں آپ کو پیسے اور زمین دونوں دیتا ہوں۔ انہوں نے پھر بھی انکار کیا اور بتایا حضور علیہ السلام میرے کندھوں پر چڑھے تھے اور یہ پرنالہ آپ نے خود لگایا لہٰذا میں ایسا نہیں کرونگا' حضرت عمر نے کہا کہ میں ضرور لوں گا' دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایک ثالث مقرر کر لیں چنانچہ دونوں نے حضرت ابی بن کعب کو ثالث مقرر کر لیا پھر ان کے پاس گئے اور اجازت مانگی' انہوں نے کچھ دیر کے لئے انہیں دروازے پر کھڑا رہنے دیا پھر اجازت دیدی اور بتایا کہ ایک لونڈی میرا سر دھو رہی تھی۔ بہرحال حضرت عمر نے یہ واقعہ سنایا' پھر حضرت عباس نے اپنی بات سنائی۔ انہوں نے کہا تمہارے اختلاف پر مجھے ایک علم کی بات یاد آ گئی ہے' میں تمہارا فیصلہ رسول اللہ علیہ السلام سے شنید کی بناء پر کرونگا' آپ نے فرمایا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس بنانے کا ارادہ کیا تو یہ جگہ دو یتیموں کی تھی جن کا تعلق بنو اسرائیل سے تھا' جگہ مسجد کے قبلہ میں تھی' آپ نے ان سے خریدنے کا ارادہ کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ آپ نے کہا میں ضرور لوں گا۔ اسی دوران اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ میرے گھر کی وجہ سے کسی کے گھر پر ظلم نہ ہو' میں بیت المقدس کی تعمیر سے تمہیں محروم کر رہا ہوں۔ حضرت داؤد نے اپنے بیٹے کے بارے میں اسے تعمیر کرنے کی درخواست کی جسے اللہ نے منظور فرما لیا۔

یہ سن کر حضرت عمر نے حضرت ابی سے کہا کہ میں اس کا گواہ چاہتا ہوں' کون گواہی دے گا؟ حضرت ابی کہنے لگے: کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں رسول اللہ علیہ السلام پر جھوٹ باندھ رہا ہوں؟ میرے گھر سے چلے جاؤ۔ حضرت عمر انصار کی طرف گئے اور پوچھا' تم میں سے کسی نے رسول اللہ علیہ السلام کو یوں کہتے سنا ہے؟ ان میں سے ایک ادھر سے بولا کہ میں نے سنا ہے' دوسرا بولا میں نے سنا ہے اور پھر محبت سے لوگوں نے یہ بات کہہ دی۔ جب حضرت عمر کو معلوم ہو گیا تو انہوں نے کہا: اگر یہ گواہی نہ ملتی تو میں تمہاری بات نہ مانتا لیکن میں ثبوت چاہتا تھا۔ (تو مل گیا)۔

ابو الزناد کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد کو وسیع کرنے لگے تو مسجد کے اردگرد رہنے والوں کو بلا لیا اور کہا: تین شرائط میں سے جو چاہو مان لو' یا فروخت کر کے اپنی رقم لے لو یا ہبہ کر دو' یہ اچھا کام ہو گا۔ اور میں شکر گزار بنوں گا یا پھر مسجد رسول اللہ علیہ السلام کی خاطر دیدو۔ سب نے یہ بات مان لی' یہیں حضرت عباس کا بھی ایک مکان تھا جو مسجد کی دائیں طرف تھا' حضرت عمر نے انہیں بلا کر کہا' اے ابو الفضل تین میں سے جو بات چاہو' مان لو اور پہلے والی بات دہرا دی۔ حضرت عباس نے کہا کہ مجھے منظور نہیں۔ حضرت عمر نے گرا دینے کی دھمکی دی' حضرت عباس نے کہا' یہ آپ کے لائق نہیں۔ آگے پورا واقعہ بتایا۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس کے مکان پر بات کی' یہ

مکان مروان بن حکم کے گھر سے متصل ستون مربعہ کے ایک قطعہ زمین میں تھا جو انہیں حضورﷺ نے دیا ہوا تھا' حضرت عمر نے اسے مسجد میں شامل کر کے اس کے بدلے میں اچھی خاص رقم دینے کی بات کی اور کہا کہ اے ابو الفضل! لوگ مسجد کی جگہ تنگ ہونے کی بات کر رہے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ مسجد کو وسیع کر دیا جائے لیکن عباس نے یہ دینے سے انکار کیا' حضرت عمر نے کہا' اس کے بدلے مدینہ میں آپ جہاں چاہیں میں آپ کو اس سے بہتر جگہ سے دیتا ہوں۔ حضرت عباس نہیں مانے' حضرت عمر نے کہا کہ لوگوں کے فائدے میں دے دیجئے! انہوں نے پھر بھی انکار کیا جس پر حضرت عمر نے کہا کہ میں بہر صورت لوں گا' حضرت عباس نے کہا' آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ حضرت عمر نے کہا تو پھر ثالث مقرر کر لیجئے چنانچہ دونوں حضرت ابی کے پاس چلے گئے' انہوں نے تھوڑی دیر دروازے پر روکے رکھا' پھر اندر آنے کی اجازت دیدی' اور بتایا کہ ایک لڑکی میرا سر دھو رہی تھی۔ پھر کہا کون بات کرے گا' حضرت عمر نے کہا' میں' ہم نے آپ کو اپنے درمیان ثالث بنایا ہے' ہم فیصلہ نہیں کر پا رہے' حضرت ابی نے کہا' ابو الفضل آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ابھی بات کروں گا' ادھر حضرت عمر بات کئے جا رہے تھے جس پر حضرت ابی نے کہا' اے ابن خطاب! یہ نبی کریم ﷺ کے قریبی ہیں تو انہیں بات کرنے کا موقع دیجئے ہاں ابو الفضل کے لئے! چنانچہ حضرت عباس نے کہا زمین کا یہ ٹکڑا مجھے رسول اللہﷺ نے عنایت فرمایا' میں نے اس کی بنیاد رکھی تو حضورﷺ نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا اور بخدا آپ ہی نے یہ پرنالہ مسجد کی طرف لگایا تھا اور باقی واقعہ سنایا' اسی میں حضرت عباس کا یہ واقعہ ہے کہ آپ نے کہا' اور اگر آپ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے تو یہ میں مسلمانوں کو پیش کرتا ہوں' حضرت عمر نے یہ بھی کہا تھا کہ میرے کندھوں پر چڑھ کر پرنالہ لگا دیں۔

اس کے بعد حضرت عمر نے دیوار گرا کر اسے مسجد میں شامل کر لیا اور پھر کھجور کے وہ ستون بھی تبدیل کر دئے جو رسول اللہﷺ کے دور سے چلے آ رہے تھے' انہیں دیمک کھا گئی تھی۔

علامہ رزین نے بھی یہ واقعہ لکھا ہے' الفاظ یہ ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ حضرت عمر کے دور میں بہت سے لوگ مدینہ میں جمع ہو چکے تھے' انہوں نے حضرت عمر سے کہا' اے امیر المؤمنین! آپ اگر مسجد وسیع کر دیں تو کتنا اچھا ہو چنانچہ آپ نے اضافہ کا ارادہ کر لیا اور اس سلسلے میں حضرت عباس کے گھر کے بارے میں ان سے بات کی جو مسجد کے ساتھ ہی تھا' ان سے کہا میں آپ کو اس سے بہتر لے دونگا' یہ آپ مسلمانوں کے لئے دیدیں' انہوں نے انکار کر دیا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ مجھے رسول اللہﷺ نے عطا فرمایا تھا اور اس کا پرنالہ ان کے ہاتھوں سے لگا ہے۔ حضرت عمر نے کہا' میں ضرور لوں گا' انہوں نے کہا کہ آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا' دونوں نے حضرت ابی کو ثالث مان لیا' وہ کچھ دیر ان کے دروازے پر کھڑے رہے پھر انہیں اندر آنے کی اجازت دی' دونوں نے اپنی اپنی بات سنائی۔ حضرت ابی نے کہا: میں نے رسول اللہﷺ کی زبانی سنا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس بنانے کا ارادہ کیا' وہ زمین بنو اسرائیل کے دو لڑکوں کی تھی' یہ اسی مقام پر تھی جہاں آپ مسجد بنانے چلے تھے' حضرت داؤد نے انہیں بیچنے کو

کہا اور قیمت کا لالچ دیا' انہوں نے بیچ دی اور ان سے کہا: جو کچھ آپ نے ہم سے لیا ہے وہ بہتر ہے یا جو کچھ ہمیں دیا ہے' انہوں نے کہا' جو میں نے لیا ہے اس پر انہوں نے کہا کہ ہم یہ بیع جائز نہیں سمجھتے' آپ سے زیادہ قیمت دینے کو کہا اور یوں سات بار ہوا' آپ نے فرمایا اگر تم مانگو گے نہیں تو میں اتنی رقم اور زیادہ دوں گا' انہوں نے کہا ہم یقیناً بیچتے ہیں اور آپ سے سوال نہیں کریں گے' آپ نے فرمایا' ایسا کر لو چنانچہ انہوں نے بہت سی رقم مانگ لی' حضرت داؤد علیہ السلام کو گراں گذری' اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اگر تم اپنے مال سے انہیں دے رہے ہو تم جانو اور اگر ہمارے رزق سے دے رہے ہو تو انہیں اتنا کچھ دے دو کہ یہ راضی ہو جائیں کیونکہ میرا گھر ظلم سے بچنا چاہیے اور میں تمہیں اس کی تعمیر سے محروم کر رہا ہوں۔ حضرت داؤد نے عرض کی' اے پروردگار! اس کی اجازت سلیمان کو دیدے اس کے بعد حضرت ابی نے حضرت عباس کو سچا قرار دیا۔ اس پر حضرت عباس نے کہا' اب اگر آپ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے تو میں یہ مسلمانوں کو پیش کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گئے اور پرنالہ اتار دیا' انہیں اس پر افسوس ہوا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک سے لگایا تھا۔ آپ نے بتایا' بخدا اسے لگاتے وقت حضور ﷺ کے قدم میرے کندھوں پر تھے۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا' تو پھر میرے کندھوں پر پاؤں رکھ کر وہیں لگا دو' انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے ان سے کہا: اب اسے اپنے ہاتھ ہی سے گرا دیجئے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پرنالہ اس سے پہلے اُتار دیا گیا تھا کیونکہ مکان متصل تھا اور پانی مسجد میں گرتا تھا (رزین) اور یحییٰ کے مطابق حضرت موسےٰ بن عقبہ بتاتے ہیں کہ حضرت عباس کے گھر کا پرنالہ مسجد میں لگا ہوا تھا' حضرت عمر آئے اور اسے اکھاڑ دیا جس پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور ﷺ نے اسے اپنے مبارک ہاتھوں سے لگایا تھا' اس پر حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا' اسے وہیں لگانے کے لئے یہ میری پیٹھ حاضر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ حضرت عمر کے راستے میں حضرت عباس کے مکان کا پرنالہ ہوتا تھا' حضرت عمر جمعہ کے لئے کپڑے پہن کر نکلے' حضرت عباس نے دو جانور ذبح کر رکھے تھے' جب آپ پرنالے کے برابر آئے تو پرنالے سے خون ملا پانی آپ کے کپڑوں پر گرا' آپ نے اسے اکھاڑنے کا حکم دیا اور پھر واپس جا کر کپڑے اتار دئے اور دوسرے پہن لئے' پھر واپس آ کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ اتنے میں حضرت عباس آئے اور انہیں بتایا کہ یہاں اسے حضور ﷺ نے لگایا تھا۔ اس پر انہوں نے حضرت عباس سے کہا' میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ میری پیٹھ پر چڑھ کر اسے وہیں لگا دیں جہاں حضور ﷺ نے اسے لگایا تھا چنانچہ انہوں نے یونہی کیا۔

یحییٰ کے مطابق یوسف بن ماجشون کہتے ہیں کہ جب بارش ہوتی تو مروان کے گھر کے پرنالے سے ان کے گھروں سے نکلے پر پانی گرتا' مروان کا یہ گھر ان دنوں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا' حضرت عمر کے حکم پر وہ پرنالہ اُتار دیا گیا' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اسے حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے

لگایا تھا اس پر حضرت عمر نے اسے اسی جگہ لگا دیا' قبل ازیں انہوں نے کہہ دیا تھا آپ اسے میرے ہی کندھوں پر چڑھ کر لگائیں گے چنانچہ حضرت عباس نے یونہی کیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ گھر ان گھروں میں سے بچ گیا تھا جس کے بارے اختلاف ہوا تھا یہ مکان مروان کا کہنے کی وجہ آگے آ رہی ہے کہ یہ مروان کے گھر میں تھا' یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کھجوریں سکھانے کی جگہ تھی تو گویا یہ پرنالہ اس بچے ہوئے مکان میں تھا۔

ان دونوں روایات کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس گھر کے دو پرنالے تھے' ایک پرنالہ تو مسجد کی طرف گرتا تھا اور دوسرا راستے میں تھا' ہر ایک کے بارے میں واقعہ بیان ہوا ہے۔اس کی تائید یحییٰ کے مطابق' حضرت عثمان کے اضافے کے بیان میں حضرت اعمش سے ملتی ہے' انہوں نے بتایا کہ حضرت عباس بن عبد المطلب نے اپنا وہ گھر بنایا جو مسجد کے قریب تھا' اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

''میں نے اسے پکی اینٹوں اور پتھر سے بنایا ہے' چھت لکڑیوں سے ڈالی ہے۔

اے پروردگار! یہاں رہنے والوں کے لئے برکت فرما۔''

یہ سن کر حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے دُعا دی کہ الٰہی اس گھر والوں کو برکت دے۔راوی کے مطابق حضرت عباس نے اس کا پرنالہ مسجد کی طرف لگا دیا جو مسجد میں بہتا تھا' حضرت عمر نے اسے گرا دیا' اس پر حضرت عباس نے کہا: بخدا اسے تو حضور ﷺ نے میرے کندھوں پر کھڑا ہو کر لگایا تھا۔حضرت عمر نے کہا: کوئی بات نہیں' اب آپ اسے میرے کندھوں پر چڑھ کر لگائیں گے۔پھر حضرت عباس نے اسے لگایا تھا۔آخر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خرید کر اسے مسجد میں شامل کیا تھا البتہ بارہ یا چودہ ہاتھ رہنے دیا تھا۔حضرت اعمش کہتے ہیں' بعد میں مجھے معلوم نہیں کہ باقی حصہ آپ نے خریدا تھا یا نہیں۔

میں کہتا ہوں' بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی ضرورت سے زائد حصہ اپنے پاس رکھ لیا تھا' اسی باقی حصے میں وہ پرنالہ تھا اور جب حضرت عمر نے مروان کے گھر کے پاس دروازہ لگایا تو وہ پرنالہ دروازے پر پڑتا تھا' یہ مسجد کا راستہ تھا اور بعد ازاں اس باقی حصے سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں اضافے کی ضرورت کے لئے خرید لیا تھا۔

ابن ابی الدنیا نے یہ طویل قصہ بیان کیا ہے' اس میں بتایا کہ حضرت عباس نے حضرت عمر سے کہا بخدا یہ پرنالہ حضور ﷺ نے لگایا تھا' میں بھی ساتھ تھا چنانچہ آپ نے مجھے اپنے کندھوں پر اُٹھایا تھا۔کچھ کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو کندھوں پر اُٹھایا تھا۔

حضرت محمد بن عقبہ کہتے ہیں: یہ کیونکر ممکن تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے باپ یا چچا کے کندھوں پر قدم رکھتے' یہ حضرت عباس تھے جنہوں نے آپ کو کندھوں پر اُٹھایا تھا۔

یحییٰ کا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی گذشتہ روایت میں یہ قول: ''حضرت عباس کا گھر اس ستونِ مربعہ کے اندر تھا جو مروان بن حکم کے گھر سے ملا ہوا تھا۔'' اس سے مراد وہ دروازہ ہے جہاں سے لوگ اس کے گھر کو جاتے تھے۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ مربعہ کا بیان آگے آ رہا ہے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافے کا ذکر ہوگا۔ زین نے مطری کی پیروی میں وہاں لکھا ہے کہ یہ وہی ستون ہے جو قبلہ سے ملنے والے ستونوں کی لائن میں ہے' اس کا نچلا حصہ بیٹھنے کی جگہ کی مقدار میں اونچا کیا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ والا ستون بھی مربعہ تھا اور یہی بیت مروان سے ملا ہوا تھا' یہاں یہی مراد ہے جیسے ہم مسجد نبوی کی حد بندی میں بتا چکے ہیں' یہ منبر سے مغرب کی طرف پانچواں ستون تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافے کی ابتداء اسی ستون سے ہوئی تھی لیکن مطری اور مراغی اسے نہیں مانتے کیونکہ انہوں نے اس سے قبل جس مربعہ کا ذکر کیا ہے' وہ حضرت عمر کے اضافے کی انتہاء تھی' یہ ان کے اضافے کی انتہاء کیسے ہوسکتی ہے جبکہ یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی ابتداء تھی جہاں سے پہلا اضافہ شروع ہوا تھا پھر جو ستون ان دونوں نے ذکر کیا ہے' حجرہ مبارکہ شامل کرکے اس کی کل پیائش نوے ہاتھ بنتی ہے جبکہ یحییٰ کے مطابق حضرت ابن عمر کی روایت بھی یہ ہے: مسجد کا طول' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں' قبلہ سے شام کی طرف ایک سو چالیس ہاتھ تھا اور چوڑائی ایک سو بیس ہاتھ تھی جبکہ چھت کی اونچائی وہاں سے زمین تک گیارہ ہاتھ تھی۔ انتہٰی تو یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ یہ اضافہ اس ستون تک تھا بلکہ ان کے اضافے کی ابتداء تو اس سے متصل ستون سے ہوئی تھی چنانچہ ان کا یہ اضافہ اس ستون سے مغرب کی طرف بیس ہاتھ تھا کیونکہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ مسجد کا عرض سو ہاتھ تھا تو یہ اضافہ بیس ہاتھ ہوا اور یہ دوستونوں کی طرف تھا چنانچہ ان کے دور میں اس طرف سے مسجد کی انتہاء منبر کی مغربی جانب سے ساتواں ستون تھی اور مشرق کی طرف سے حجرہ مقدسہ' کیونکہ اس طرف سے انہوں نے کوئی اضافہ نہیں کیا تھا اور قبلہ کی طرف سے ستونوں کی وہ لائن تھی جو قبلہ سے ملتے تھے' جالیاں بھی اسی طرف تھیں جو جل گئیں اور جو کچھ باقی بچا تھا وہ لکڑیاں اس ستون کے نیچے تھیں جو اس لائن میں محرابِ عثمانی کے سامنے بائیں طرف تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اضافہ قبلہ کی طرف سے' ریاض الجنہ کی درمیانی چھت اور قبلہ کی چھت کے درمیان تھا اور یہ اضافہ دس ہاتھ بنتا ہے' رہا شام کی طرف تو اس بارے میں آتا ہے کہ اس کا طول آپ کے دور میں ایک سو چالیس ہاتھ تھا جس میں سے قبلہ کی طرف دس ہاتھ کا اضافہ تھا اور آپ کے دور میں اصلی مسجد کے صحن کے اندر موجود دو پتھروں سے لے کر ساٹھ ہاتھ پیائش تھی کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ مسجد اصلی کی اگلی طرف سے اس طرف صرف ستر ہاتھ بنتا تھا۔

ایک اور بات رہ گئی جس کے بارے میں کسی نے وضاحت نہیں کی اور وہ یہ کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجروں میں سے کچھ شام کی طرف تھے جیسے بتایا جاچکا اور جو کچھ ہم ابن سعد کے حوالے سے بتا چکے ہیں' وہ

بالکل ظاہر ہے کہ حضرت عمر نے ان میں سے کوئی بھی مسجد میں شامل نہیں کیا تھا البتہ انہیں ولید نے شامل کیا تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام کی جانب والے حصے کو اپنے حال پر رہنے دیا تھا' مسجد اس کے اردگرد تھی۔

اسی روایت کے تحت سیّد قرافی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے اس جگہ کا بھی نصف حصہ خرید کر مسجد میں شامل کر دیا تھا جو حضور ﷺ نے حبشہ میں موجودگی کے وقت حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تھا' آپ نے اسے ایک لاکھ درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کر دیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ آئندہ یحییٰ کی روایت میں آ رہا ہے کہ یہ جگہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خریدی تھی' یونہی اس نسخے میں ہے جیسے ان کے پوتے حسن بن محمد نے ان سے روایت کیا پھر میں نے اس نسخے میں دیکھا جسے ان کے بیٹے ظاہر نے ان سے روایت کیا تو وہ وہی کچھ تھا جسے قرافی نے لکھا ہے۔

ابن زبالہ اور یحییٰ وغیرہ نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مسجد میں داخل کیا تھا حالانکہ یہ بات طے ہے کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے داخل کیا تھا کیونکہ اس سے پہلی فصل میں گذر چکا ہے کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد کے مغرب میں تھا اور وہ خوخہ جو اس کے گھر شامل کرتے وقت اس کے برابر بنایا گیا تھا' وہ یہی ہے جو آج کل مسجد کے مغرب میں ہے اور اس میں مؤرخین کا کوئی اختلاف نہیں' اسی لئے اہل سیرت کے حوالے سے ابن نجار نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چھوٹا سا دروازہ مسجد کے مغرب میں تھا جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مغربی جانب تھا جسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں شامل کر لیا تھا لیکن حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابن شبہ نے ''اخبارِ مدینہ'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کا وہ گھر جس کے چھوٹے دروازے کے بارے میں حضور ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ اسے یونہی مسجد کی طرف رہنے دیا جائے' یہ مسجد سے متصل تھا' یہ آپ ہی کے قبضہ میں رہا پھر آپ کو ضرورت پڑی کہ کسی آنے والے کو کچھ دینا تھا تو اسے فروخت کر دیا' حضرت اُم المؤمنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے چار ہزار درہم میں خرید لیا تھا' وہ انہی کے قبضہ میں رہا اور جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسجد کی توسیع کا ارادہ ہوا تو لوگوں نے اسے شامل کرنے کے لئے آپ سے مطالبہ کیا' آپ رُک گئیں اور فرمایا کہ میں مسجد میں کس راستے سے جایا کرونگی؟ آپ سے عرض کی گئی کہ ہم آپ کو اس سے کھلا مکان دیں گے جس میں ایسا ہی راستہ ہوگا چنانچہ انہوں نے خوش ہو کر وہ مکان دیدیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ صرف ابن شبہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس گھر کے بارے میں بیان کیا ہے جو مسجد کے قبلہ کی طرف تھا' اسی کے ساتھ انہوں نے حضرت حفصہ کے بیت ابوبکر خریدنے کا ذکر کیا ہے جس کی کمزوری نظر آ رہی ہے' اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ حضرت ابوبکر کا گھر قبلہ کی طرف تھا اور آج کل آلِ عمر کا راستہ وہی ہے اور ابن حجر نے اسے یقینی قرار دیا ہے حالانکہ ایسا بالکل نہیں جیسے انشاء اللہ میں اسے آگے چودھویں فصل میں بیان کروں گا۔

یحییٰ نے اپنی گذشتہ روایت میں کہا ہے کہ ''حضرت عمر نے مسجد کے ستون کھجور کے تنوں اور چھت' کھجور کی ٹہنیوں سے دو ہاتھ بنائی تھی' مسجد کے اوپر دیوار کا پردہ تین ہاتھ۔'' ابن نجار نے اسے یوں بیان کیا ہے' چھت دو ہاتھ کھجور کی ٹہنیوں کی تھی اور اس کی اوپر کی طرف تین ہاتھ کی دیوار تھی۔انتہیٰ اور جہاں تک نظر آ رہا ہے' یحییٰ کی اس عبارت میں خلل معلوم ہوتا ہے' ابن نجار نے اسی کی پیروی کی ہے جبکہ مراد بعینہٖ وہ ہے جو رزین نے اس روایت میں بیان کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس میں کہا ہے: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کا پردہ اوپر کی طرف دو تین ہاتھ کا بنایا تھا تو گویا یہاں ''او'' کا لفظ ''ثَلَاثَۃ اَذْرُع'' سے پہلے موجود نہیں ہے۔اس کے بعد یحییٰ اور رزین نے کہا: انہوں نے اس کی بنیاد پتھر سے رکھی اور وہ قد انسانی تک اونچی لے گئے' یحییٰ نے مزید لکھا کہ اس کی اینٹیں بقیع میں بنوائیں۔مسجد کے چھ دروازے رکھے' دو قبلہ کی دائیں طرف' دو بائیں طرف اور دو قبلہ کے پیچھے تاہم بابِ عاتکہ (باب الرحمہ) کو تبدیل نہ کیا اور نہ وہ دروازہ تبدیل کیا جہاں سے حضور علیہ السلام داخل ہوتے تھے اور انہوں نے وہ دروازہ کھولا تھا جو قبرِ انور کے نزدیک تھا تو یہ دونوں دروازے بائیں طرف تھے یعنی مشرق کی طرف تھے پھر وہ دروازہ کھولا جو مروان بن حکم کے گھر کے نزدیک تھا اور دو دروازے مسجد کی آخری طرف کھولے۔انتہیٰ

ان کا یہ قول کہ ''حضرت عمر نے باب عاتکہ کو تبدیل نہ کیا اور نہ وہ دروازہ تبدیل کیا جہاں سے حضور علیہ السلام داخل ہوا کرتے تھے۔'' اس دروازے کے بارے میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ اس میں سے آپ مسجد میں داخل ہوتے تھے۔

علامہ مراغی نے مطری کی پیروی میں کہا کہ وہ ''باب جبریل'' ہے کیونکہ انہوں نے مشرق کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا تھا' رہا بابِ عاتکہ تو یہ محلِ نظر ہے کیونکہ مغرب کی طرف تو آپ نے اضافہ کیا تھا تو پھر تبدیل نہ کرنے کا مقصد یہاں یہ ہوگا کہ انہوں نے اسے پہلے دروازے کے سامنے تک مؤخر کر دیا تھا۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دروازہ جو آج کل باب النساء کے نام سے مشہور ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں نہ تھا کیونکہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو دروازہ انہوں نے مشرق کی طرف زیادہ کیا تھا' اسے قبرِ انور کے قریب کیا تھا' شاید یہ غلط فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ جب انہوں نے مشرق کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا تو قبرِ انور کے قریب دروازہ کیسے بن گیا اور کیسے انہوں نے وہ جانب دروازے کے بغیر چھوڑ دی جسے شام کی طرف بڑھایا تھا جبکہ جو نقل ملتی ہے وہ یہ ہے کہ قبرِ انور کے نزدیک دروازہ بنانا ولید کا اضافہ تھا اور اسے باب النساء کہنے کی وجہ آگے آ رہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد بناتے وقت فرمایا تھا کہ یہ ''باب النساء'' ہے لہٰذا یہ بات پکی ہوگئی کہ باب النساء وہی دروازہ ہے جو مشرق میں دورِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چلا آ رہا ہے اور یہ آپ ہی نے بنایا تھا اور پھر عنقریب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافے میں وہاں وہ عبارت آ رہی ہے جو اس معاملے میں بالکل واضح ہے' جہاں انہوں نے یہ بتایا کہ انہوں نے دروازے اتنے ہی رہنے دیئے تھے جتنے حضرت عمر نے رکھے تھے۔واللہ اعلم۔

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور کہا کہ میں لوگوں کو بارش نے بچانے کا انتظام کر رہا ہوں' سرخ اور زرد رنگ کرنے سے بچو کیونکہ لوگوں کو فتنہ میں ڈالو گے۔

ابن شبہ یحییٰ کے مطابق ابن ابوعمرہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے مسجد میں اضافہ شام کی طرف سے کیا اور پھر کہا: اگر ہم اس میں اضافہ کرتے چلے جائیں اور جبانہ تک بھی پہنچ جائیں' تب بھی یہ رسول اللہ ﷺ ہی کی مسجد کہلائے گی۔

یحییٰ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا: اگر رسول اللہ ﷺ کی مسجد ذوالحلیفہ تک بھی پھیلا دی جائے تو وہ یہی مسجد کہلائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس مسجد کو ''صنعاء'' تک پھیلا دیا جائے تو میری ہی مسجد کہلائے گی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اگر یہ مسجد میرے گھر تک وسیع کر دی جائے تو میں اسی میں نماز پڑھنے والا شمار ہوں گا۔

یحییٰ کے مطابق پختہ علماء نے کہا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یہ ہے میری مسجد اور جو بھی اس میں اضافہ ہوتا چلا جائے' اسی میں شمار ہو گا اور اگر میری یہ مسجد صنعاء تک بھی پہنچ جائے تو میری ہی مسجد کہلائے گی۔

میں کہتا ہوں کہ ان روایات کا جمع ہونا اس بات کو قوت دیتا ہے جو ہم نے دوسری فصل کے اخیر میں پہلے بیان کر دیا ہے چنانچہ حضرت مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مسجد نبوی میں کئی گنا ثواب' اضافے میں بھی ویسے ہی ملے گا۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۳

وہ بطیحاء (تھلہ) جسے حضرت عمر نے تعمیر کیا' مسجد کے ایک کنارے پر تھا

ابن شبہ و یحییٰ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی ایک جانب ایک جگہ رکھی جسے بطیحاء کہتے تھے' انہوں نے حکم دے رکھا تھا کہ جس نے شور شرابا کرنا ہو' بلند آواز سے بات کرنا ہو یا بلند آواز سے شعر و شاعری کرنا ہو تو وہاں چلے جایا کرے۔

یحییٰ کے لفظ یہ ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی ایک جانب چٹیل جگہ چھوڑ رکھی تھی جسے بطیحا کہتے تھے اور پھر کہہ دیا تھا کہ جس نے شور شرابا کرنا ہو' اونچی آواز سے بولنا ہو یا شعر خوانی کرنا ہو تو اس جگہ چلے جایا کرے'

ابن شبہ کے مطابق محمد نے بتایا: میں اس بطیحاء میں سے مسجد کے اندر گیا جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اضافہ کیا گیا تھا۔

ابن شبہ نے ایک اور مقام پر یہ وضاحت کر دی ہے کہ یہ بطیحاء حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مسجد کے مشرق میں تھا اور انتہائی آخر میں تھا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ خالد بن ولید نے وہاں رہائش رکھی جو بطیحاء میں ان کا گھر تھا جسے آج کل رباط السبیل کہا جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو مسجد میں آواز دیتے۔ شور شرابے سے پرہیز کیا کرو نیز فرماتے کہ مسجد کی بالائی طرف شور ہونا چاہئے (اگر کرنا ہی ہو) یحییٰ کے الفاظ ہیں کہ مسجد میں جاتے وقت یوں فرماتے تھے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ تاجروں کو سنا کہ وہ مسجد میں تجارتی اور دنیوی گفتگو کر رہے تھے تو سن کر فرمایا: مسجدیں ذکرِ الٰہی کے لئے ہوا کرتی ہیں' تمہیں اگر تجارت یا دنیاوی گفتگو کرنا ہو تو بقیع کی طرف جانا ہوگا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں ایک آدمی کی آواز سنی تو فرمایا: جانتے ہو کہاں کھڑے ہو؟ لگتا تھا کہ آپ کو اس کی اس انداز سے گفتگو پسند نہیں آئی۔

حضرت عبد الرحمٰن بن حاطب کہتے ہیں کہ حضرت عثمان اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان مسجد میں جھگڑا سا ہو گیا' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا تو مسجد میں آئے' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو جا چکے تھے' طلحہ ابھی موجود تھے' ان سے کہا: تم لوگ مسجد میں بد زبانی اور بے معنی باتیں کرتے ہو؟ طلحہ زانو کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے بخدا میں مظلوم ہوں اور برا بھلا مجھی کو کہا گیا۔ انہوں نے پھر کہا: تم لوگ مسجد میں بدگوئی اور بے مقصد باتیں کرتے ہو؟ تم مجھ سے بچ نہیں سکو گے۔ طلحہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! معاف کیجئے' بخدا میں ہی مظلوم ہوں اور برا بھلا مجھی کو کہا گیا ہے' اتنے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حجرے سے دیکھ کر فرمایا: بخدا واقعی یہ مظلوم ہیں' چنانچہ حضرت عمر خاموش ہو گئے۔

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں مسجد میں لیٹا ہوا تھا' مجھے کسی نے کنکر مارا' میں نے سر اُٹھایا' دیکھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' فرمایا: جاؤ اور ان دونوں کو لے کر آؤ' میں ان کی طرف گیا' آپ نے ان سے پوچھا' تم کون ہو یا کہا' کہاں سے آئے ہو' دونوں نے کہا' اہلِ طائف سے ہیں' فرمایا اگر تم اس شہر سے ہوتے تو میں شہر چھوڑنے سے قبل تمہیں کوڑے لگاتا' تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کر رہے ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مسجد میں ایک شخص کو لایا گیا' کسی معاملے میں پکڑا گیا تھا' فرمایا: اسے مسجد سے باہر لے جا کر مارو۔

حضرت نافع کہتے ہیں کہ عشاء کے وقت حضرت عمر مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی کے ہنسنے کی آواز سنی' اسے اپنے پاس بلا کر پوچھا: کون ہو؟ تو اس نے کہا کہ ثقیف قبیلہ سے تعلق ہے۔ پوچھا' کیا یہیں رہتے ہو؟ کہا' طائف کا رہنے والا ہوں' اس پر آپ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا: اگر تم ہمارے ہاں ہوتے تو میں تمہیں عبرتناک سزا دیتا پھر فرمایا: ہماری اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں۔

ابنِ سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابنِ مسعود نے کسی کو مسجد میں آواز بلند کرتے سنا تو اسے سخت لہجے سے ڈانٹا' آپ سے کہا گیا کہ آپ ایسی فحش گفتگو تو نہیں کیا کرتے؟ فرمایا: ہمیں یہی حکم ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا کہ مسجد میں شعر خوانی کر رہے تھے' آپ ان کی طرف لپکے۔ اس پر حضرت حسان نے کہا: میں وہ شعر پڑھ رہا تھا جن میں آپ سے بہتر کا ذکر ہے' پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں' یہ بتایئے کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا کہ: ''(حسان!) میری طرف سے ان کفار کو جواب دو' اور اے اللہ اسے (حسان) کو جبریل امین کی تائید دے۔'' انہوں نے کہا' ہاں سنا ہے۔

یحییٰ نے آپ کے اس قول:

''میں وہ اشعار پڑھ رہا تھا جن میں تم سے بہتر کا ذکر ہے۔''

کے بعد لکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہٹ گئے' انہیں پتہ چل گیا تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی بات کر رہے ہیں۔

ترمذی کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسان کے لئے مسجد میں منبر لگا دیتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی برائیاں شمار کرتے۔

اس قسم کی بہت سی احادیث ملتی ہیں' انہیں جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شعر خوانی سے مراد جاہل اور باطل لوگوں کے اشعار ہیں اور حضرت عمر کے اس فرمان میں یہی مراد ہیں کہ: ''جس نے شعر خوانی کرنا ہو' وہ بطیحاء کی طرف چلے جایا کرے اور ان اشعار کی اجازت ہے جو اس طرح کے نہ ہوں۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ ان سے مراد مسجد میں بہت سی شعر خوانی ہے جس کی وجہ سے لوگ پریشان ہو جائیں۔ کسی نے اس وضاحت کو نہیں مانا بلکہ نہی پر عمل کرنے کو کہا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ اجازت منسوخ ہو گئی تھی اور ابن زبالہ کے مطابق حضرتِ کعب بن مالک نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں کچھ اشعار سنائے تھے جو یوں تھے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَبْتُوْلُ

''سعاد جدا ہو گئی اور آج میرا دل اسی کی طرف متوجہ ہے۔''

فصل نمبر۱۴

مسجد نبوی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اضافہ

صحیح بخاری اور سنن ابو داؤد کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسجد کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی' چھت پر کھجور کی ٹہنیاں تھیں اور ستون کھجور کے تنے کے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں کوئی اضافہ نہیں کیا تھا' حضرت عمر نے اضافہ کیا اور اسے انہی بنیادوں پر تعمیر کیا جو عہد نبوی میں تھیں' کچی اینٹیں اور کھجور کی شاخیں استعمال کیں اور ستون دوبارہ لکڑی کے لگائے پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں اضافہ کیا اور بہت سی تبدیلیاں کیں' دیواریں نقش و نگار والے پتھروں سے بنائیں جن میں چونا استعمال کیا نیز ستون بھی نقش و نگار والے پتھروں کے لگوائے اور چھت ساج کی لکڑی سے بنوائی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ کے دور میں مسجد نبوی کے ستون کھجور کے تنے تھے' اوپر کھجور کی شاخوں سے انہیں سایہ دار بنایا گیا تھا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں یہ بوسیدہ ہو گئے تو آپ نے کھجور کے تنے اور شاخیں استعمال کیں اور پھر یہ بھی دورِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بوسیدہ ہو گئے تو انہوں نے اینٹوں سے بنادئے چنانچہ وہی اب تک چلے آ رہے ہیں' علامہ مجد نے حضرت ابوبکر کی بجائے لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دور میں بوسیدہ ہو گئے تھے لیکن میں نے کسی اور نسخے میں یہ نہیں دیکھا۔

اس روایت میں یہ دکھائی دے رہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعمیر کا مقصد صرف یہ تھا کہ تنے بوسیدہ ہو گئے تھے اور حضرت عثمان نے انہیں اینٹوں سے بنایا تھا' پتھر سے نہیں لیکن صحیح بخاری کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے ناپسند کیا' انہیں یہ پسند تھا کہ اسے اسی حال پر رہنا دیا جائے چنانچہ محمود کہتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے: جو اللہ کی خاطر مسجد بنا دے' اللہ جنت میں اسے ویسا ہی مکان دے گا۔

بخاری کے مطابق عبید اللہ خولانی کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت حضرت عثمان سے سنا جب وہ تعمیر کر رہے تھے' فرمایا: تم کافی انکار کر رہے ہو اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے: جس نے اللہ کی خاطر مسجد بنائی' الحدیث۔

حضرت محمود بن لبید کے اس قول "لوگوں نے پسند یہ کیا کہ اسے پہلی حالت پر رہنے دیا جائے۔" کا مقصد یہ تھا کہ کھجور کے تنے اور کچی اینٹوں کو ویسے ہی رہنے دیا جائے جیسے حضرت عمر نے کیا تھا کہ حضور ﷺ سے موافقت ہو سکے' اسی وجہ سے علامہ بغوی نے شرح السنہ میں لکھا: "شائد صحابہ کرام حضرت عثمان کی نقش دار پتھروں سے تعمیر پر خوش نہ تھے' توسیع سے ناخوش نہ تھے اور اس کی تائید اس بات کی وجہ سے ہوتی ہے کہ لوگوں نے مسجد کی تنگی کی شکایت کی تھی۔

یحییٰ کے مطابق مطلب بن عبد اللہ بن حطب بتاتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ۲۴ھ کو خلیفہ بنے تو لوگوں نے

مسجد میں اضافے کی بات کی' انہیں بتایا کہ جمعہ کے دن مسجد تنگ دکھائی دیتی ہے اور انہیں کھلے میدان میں نماز پڑھنا پڑتی ہے چنانچہ حضرت عثمان نے اس سلسلے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا' انہوں نے بیک آواز کہا کہ اسے گرا کر اضافہ بھی کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھ کر حمد و ثناء کی' پھر فرمایا: اے لوگو! میں مسجد نبوی کو گرانے اور اس میں اضافے کا ارادہ رکھتا ہوں' میں یہ بھی بتاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا تھا کہ جو اللہ کے ذکر کے لئے مسجد بنائے' اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور پھر اس سلسلے میں مجھ سے قبل عمر بن خطاب اس میں اضافہ اور تعمیر کر چکے ہیں چنانچہ میں نے بھی قابلِ رائے صحابہ سے مشورہ کیا ہے' انہوں نے اسے گرانے' تعمیر کرنے اور اضافہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

اس دن لوگوں نے آپ کی یہ رائے پسند کی اور ان کو دعائیں دیں چنانچہ صبح ہوئی تو انہوں نے کاریگر بلائے اور خود حصہ لیا۔ آپ ہمیشہ روزے سے رہتے اور راتوں کو نفل پڑھا کرتے تھے' مسجد سے نکلا نہیں کرتے تھے' آپ نے یہ کام ربیع الاوّل ۲۹ھ کو شروع کیا اور آئندہ سال ۳۰ھ کو محرم الحرام میں فارغ ہوئے' کوئی دس ماہ تک کام جاری رہا۔

میں بتاتا چلوں کہ مطلب کا پہلا قول: ''جب حضرت عثمان ۲۴ھ کو خلیفہ بنے۔ تا ''صبح ہوئی تو انہوں نے کاریگروں کو بلایا'' یہ بتاتا ہے کہ تعمیر اسی سال شروع ہوئی اور ان کا آخری قول کہ ''کام کی ابتداء'' اس تاریخ کے مخالف ہے اور جو آخر میں لکھا ہے وہی درست ہے کیونکہ یہ اور جگہ پر بھی مذکور ہے چنانچہ پہلے کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ آپ نے یہ تعمیر کرتے وقت لوگوں سے مشورہ نہیں کیا اور نہ ہی عمارت بنائی بلکہ ان سالوں میں کام شروع رہا۔

علامہ رزین نے ان الفاظ سے روایت کی: جب حضرت عثمان خلیفہ بنائے گئے' آپ کی خلافت کا چوتھا سال تھا کہ لوگوں نے مسجد میں توسیع پر زور دیا اور مسجد کی تنگی کی شکایت کی چنانچہ حضرت عثمان نے اہلِ رائے سے مشورہ کیا اور انہوں نے مشورہ دیا۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے زور آپ کی خلافت کے چوتھے سال میں پڑا اور تعمیر ۲۹ھ تک مؤخر ہوگئی ورنہ یہ روایت پہلے کے مخالف ہے کیونکہ حضرت عثمان محرم کی ابتداء ۲۴ھ میں خلیفہ بنے اور خلافت کا چوتھا سال ۲۷ھ بنتا ہے اور پہلی تاریخ صحیح ہے کیونکہ یحییٰ و ابن زبالہ کے مطابق حضرت عثمان نے قتل سے چار سال پہلے مسجد میں اضافہ کیا' آپ ذی الحجہ ۳۵ھ کو قتل کئے گئے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں' مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان کی طرف سے مسجد کی تعمیر ۳۰ھ کو ہوئی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کے دورِ خلافت کے آخری سال میں تعمیر ہوئی چنانچہ کتاب السیر میں وہب بن منبہ نے کہا مجھے مالک نے بتایا کہ حضرت کعب بن مالک نے اس وقت کہا تھا جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد تعمیر کر رہے تھے کہ یہ مسجد پوری نہ ہو پائے گی چنانچہ ابھی آپ تعمیر سے فارغ ہوئے تھے کہ انہیں قتل کر دیا گیا' چنانچہ یونہی ہوا۔

حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں' ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ پہلی تو ابتدائی تاریخ تھی اور دوسری

تاریخ آخری۔

میں کہتا ہوں' اس سے پہلے آ چکا ہے جس کی وجہ سے دونوں روایتیں جمع نہیں ہوسکتیں اور یہ بھی آ چکا کہ آپ ۳۰ھ کو فارغ ہوئے' ہاں یہ ممکن ہے کہ حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آخری سال میں کوئی اور عمارت تعمیر کی ہو۔ابن شبہ اس روایت تک پہنچے ہیں جو مالک نے حضرت کعب سے روایت کی چنانچہ ابو صالح کہتے ہیں: حضرت کعب نے مسجد کی تعمیر کے دوران کہا تھا' بخدا مجھے تو یہ اچھا لگتا ہے کہ یہ برج بنانے سے فارغ ہوں تو اسے گر جانا چاہیئے۔اس بارے میں پوچھا گیا: اے ابو اسحاق! کیا آپ ہمیں بتایا نہیں کرتے تھے کہ مسجد حرام کو چھوڑ کر اس میں نماز پڑھنا ایک ہزار نماز سے افضل ہے؟ آپ نے کہا ہاں میں اب بھی یہ کہتا ہوں لیکن آسمان سے فتنہ اترا چاہتا ہے' درمیان میں صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ گیا ہے اور جونہی یہ مسجد سے فارغ ہوں گے وہ نازل ہو جائیگا۔یہ بات اس وقت دکھائی دے گی جب یہ بوڑھے عثمان بن عفان قتل کر دئے جائیں گے۔اس پر ایک شخص نے پوچھا: ان کا قتل بھی حضرت عمر کی طرح ہی ہو گا؟ انہوں نے کہا' نہیں' لاکھ یا اس سے بھی زیادہ گنا ہولناک ہو گا اور پھر یہ سلسلہ عدن سے روم کے تنگ راستوں تک پھیل جائے گا۔

یحییٰ کے مطابق حضرت حمید کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان نے ارادہ کیا لوگوں سے منبر پر کھڑے ہو کر بات کرتا ہوں تو مروان بن حکم نے عرض کی' میرے ماں باپ آپ پر قربان' اگر آپ یہ کام کر گذریں تو اچھا ہے' بہتر یہ ہے کہ اس کا ذکر نہ کریں۔انہوں نے کہا: افسوس! میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ لوگ یہ خیال کریں کہ میں ان پر زبردستی کر رہا ہوں' مروان نے کہا جب حضرت عمر نے تعمیر کی تھی تو کیا ایسا ظاہر کر دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: چپ ہو جاؤ' عمر سخت قسم کے تھے تو لوگ ان سے ڈرتے تھے' وہ اگر انہیں گوہ کے سوراخ میں داخل ہونے کو کہتے تو انہیں ایسا کرنا ہوتا لیکن میں ان سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہوں' مجھے ڈر رہتا ہے۔اس پر مروان نے کہا' میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ سے جو بھی یہ بات سنے گا' آپ کے خلاف ہو گا۔

عبد الرحمٰن بن سفینہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تھا کہ حضرت عثمان رسول اللہ ﷺ کی مسجد بنا رہے تھے اور بطن نخل سے چونا آپ کے پاس لایا جا رہا تھا' آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے' کاریگر کام کرتے پھر نماز کا وقت آ جاتا تو آپ نماز پڑھاتے' کبھی سو کر واپس آتے اور کبھی مسجد ہی میں سو جاتے۔

خارجہ بن زید کہتے ہیں: حضرت عثمان نے مسجد گرا کر قبلہ کی طرف اضافہ فرمایا لیکن مشرق کی طرف اضافہ نہ کیا' مغرب کی طرف ایک ستون کی لائن بنائی' مسجد کو نقش دار پتھر اور چونے سے بنایا اور اسے سفید چونا سے پلستر کر دیا' زید بن ثابت نے ستونوں کی پیمائش کی تو وہ تنوں جتنے تھے پھر مشرق اور مغرب کی طرف طاق رکھے۔یہ کام اپنے قتل سے چار سال پہلے کر دیا' شام کی طرف پچاس ہاتھ کی زیادتی کی۔

حارث تمیمی کہتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اپنے قتل سے چار سال پہلے قبلہ کی طرف اضافہ کیا تھا' انہوں نے آج

کے مقصورہ کی حد پر دیوار بنائی اور مغرب کی طرف مربعہ کے بعد ایک ستون زیادہ کیا' شام کی طرف پچاس ہاتھ اضافہ کیا لیکن مشرق کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا۔

مطری کا خیال ہے کہ اس مربعہ سے وہی مراد ہے جو پہلے گذرا اور جس کے بارے میں حضرت عمر کے اضافے کے دوران مسجد کی حد بتائی گئی تھی اور ستون مربعہ ان دو سے پہلے ہے تو مغرب کی طرف منبر سے چوتھے ستون کی لائن میں قبلہ سے ملتے ہیں پھر مطری اور مراغی نے کہا: حضرت عثمان کے اضافے کی انتہاء اس ستون تک تھی جو مغرب میں طراز کے سامنے تھا چنانچہ دونوں کہتے ہیں: مربعہ کہنے سے ان کا مقصد وہ ستون تھا جو اسے مغرب کی طرف سے ملتا تھا اور جو قبلہ میں تھا جس کی بنیاد بیٹھنے کی مقدار چوکور جگہ تھی اور یہ حضرت عثمان کی مغربی جانب اضافہ کی انتہاء تھی اور یہ اس ستون کے سامنے تھا جو حضرت عثمان نے قبلہ والی دیوار کی طرف زیادہ کیا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمان کا اضافہ وہ چھتی جگہ تھی جو ان دوستونوں کے درمیان تھی۔اس سے قبل میں نے کسی کو یہ بتاتے نہیں دیکھا' ہم مسجد نبوی کی حد بندی میں بتا چکے ہیں کہ وہ طراز ترجیحی طور پر مسجد نبوی کی حد کے مقابل تھا' حضرت عمر اور حضرت عثمان کا اضافہ مغرب کی طرف اس کے بعد ہوا' حضرت عمر نے مشرق سے مغرب تک کی پیمائش ایک سو بیس ہاتھ کر دی (۱۸۰ فٹ) اور جس مربعہ کا ذکر ان دونوں نے کیا کہ وہ حجرہ شریفہ تک آپ کے اضافے کی انتہاء تھی' نو ہاتھ سے کم تھا اور طراز کے سامنے سو ہاتھ تھی چنانچہ حضرت عمر کے لئے مغرب کی طرف طراز کے بعد دو اور سائبان رہ گئے لہٰذا ان کے دور میں مسجد کی حد منبر سے ساتواں ستون تھا اور منبر سے ساتویں ستون کی صف میں ستون ہے جو نیچے سے چوکور لیکن زمین سے بقدر جلسہ (بیٹھنے کی جگہ) اونچا نہیں بلکہ وہ زمین ہی پر چوکور ہے اور یہ نئی عمارت میں دوسری آتشزدگی کے موقع پر ٹوٹ گیا تھا اور یہ ان ستونوں کی لائن میں نہیں جو قبلہ کی طرف ہیں بلکہ ان ستونوں کی صف میں ہے جو محرابِ حنفی کے پیچھے ہیں لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ یہ مربعہ وہی ہے جو یہاں مراد ہے چنانچہ حضرت عثمان کے لئے مغرب میں وہ سائبان ہے جو بعد میں ہے لہٰذا آپ کے دور میں مسجد کی انتہاء منبر سے آٹھواں ستون تھی اور وہ بھی مغرب میں۔

اس کے صحیح ہونے کی دلیل وہ ہے کہ حضرت عثمان کے بعد ولید نے مغرب کی طرف دوستون اضافہ کئے تھے اور پھر ولید کے بعد کسی نے بھی مغرب کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا اور منبر کی جانب سے آٹھویں ستون سے باقی رہ جانے والے صرف دوستون مغرب میں ہیں جو ولید کا اضافہ ہیں' وہیں ایک چوکور ستون ہے جو آدمی کے بیٹھنے کی مقدار اونچا ہے اور اس کے سامنے ہے' باب السلام سے داخل ہوں تو سامنے آتا ہے' بظاہر یہ حضرت عثمان کے اضافے کی علامت اور ولید کے اضافے کی ابتداء تھی۔

اگر ہم کہیں کہ مسجد نبوی کی انتہاء وہ ستون مربعہ ہے جو قبلہ کی طرف ہے' جیسے اشارہ کیا جا چکا' تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اضافہ یہاں سے مغرب کی طرف دوستون ہیں چنانچہ چھٹے ستون کی زیادتی منبر سے شمار ہوگی' اسی کی

لائن میں نیچے سے چوکور ستون' جلسہ کی مقدار میں ہے جو آج کل آٹھ پہلو ستون کے سامنے ہے اور حضرت عثمان کا اضافہ مغرب کی طرف اس سے بعد والے ستون تک تھا جو ساتواں ہے' ولید کے لئے مسجد کی دیوار تک تین ستون باقی رہ جاتے ہیں' اس کی تعمیر میں روایت آ رہی ہے جس کا مطلب یہی ہے' علاوہ ازیں جو کچھ انہوں نے پہلے مؤرخین سے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ مغرب کی طرف جب بھی مربعہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد وہ ستون ہوتا ہے جو مغرب میں مربعۃ القبر کے مقابل ہے اور وہ آج کل آٹھ پہلو ہے اور پھر صحن کے دو شامی رکنوں میں اسی کی شکل کے دو ستون ہیں' انہیں بعد میں آٹھ پہلو بنایا گیا' اسے مربعۂ غربیہ کہتے ہیں اور یہ ستون منبر سے چھٹا ہے' اس سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت عمر کا اضافہ ہے اور حضرت عثمان کی ابتدائے تعمیر ہے اور اگر یوں ہو جیسے مطری اور اس کے پیروکاروں نے کہا تو حضرت عثمان کے اضافے کے بعد مغرب میں پانچ ستون ہوتے ہیں چنانچہ سب ولید کا اضافہ بنتے حالانکہ اسے کوئی بھی نہیں مانتا۔ ہم نے مسجد کی حد بندی بتاتے ہوئے جو لکھ دیا ہے وہ اس کے رد کے لئے کافی ہے۔

عبد اللہ بن عطیہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقش دار پتھروں اور چونے سے مسجد تعمیر کی اور اس کے ستون نقش دار پتھر سے بنوائے' اس میں لوہے کے ستون تھے جن میں سکہ بھرا ہوا تھا جبکہ چھت ساج کی لکڑی سے بنائی' لمبائی ایک سو ساٹھ ہاتھ رکھی اور چوڑائی ایک سو پچاس ہاتھ' چھ دروازے بنائے جیسے حضرت عمر کے دور میں تھے: باب عاتکہ جسے باب الرحمہ کہتے ہیں اور اس کے قریب مشرقی جانب سے اس کے مقابل دروازہ بنوایا' یہ باب النساء تھا' باب مروان جسے بابِ السلام کہتے تھے اور وہ دروازہ جسے بابِ النبی کہتے تھے یعنی بابِ جبریل اور دو دروازے مسجد کے آخر میں بنوائے۔

میں کہتا ہوں' ان کا یہ کہنا ''اس کی لمبائی ایک سو ساٹھ ہاتھ رکھی۔'' گزشتہ اس قول کے خلاف ہے کہ شام کی طرف سے انہوں نے پچاس ہاتھ کا اضافہ کیا کیونکہ حضرت عمر کے بارے میں آ چکا ہے کہ انہوں نے مسجد کا طول ایک سو چالیس ہاتھ کیا تھا اور اگر حضرت عثمان نے پچاس ہاتھ کا اضافہ کیا ہوتا تو آپ کے دور میں یہ طول ایک سو نوے ہاتھ ہوتا اور ذہن میں آتا ہے کہ حضرت عثمان کے دور میں اس کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ تھا جو ان کے اضافے میں مذکور ہوگا۔

ان کا یہ کہنا کہ ''اس کا عرض ایک سو پچاس ہاتھ تھا۔'' یہ بھی گزشتہ پیمائش کے مخالف ہے کیونکہ یہ گزر چکا کہ آپ نے مغرب کی طرف ایک ستون کے علاوہ اور کوئی اضافہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی مشرق میں کوئی اضافہ کیا۔ تو یہ روایت غلط ہے کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان نے مشرق کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا کہ ان کے دور میں انتہاء حجرہ شریفہ تھی جبکہ آج کی مسجد میں غربی دیوار سے حجرہ شریفہ کی دیوار تک ایک سو پچاس ہاتھ نہیں بنتا بلکہ اس میں سے سات ہاتھ سے کچھ زیادہ کم ہے اور پھر مغرب کی طرف سے ولید کا اضافہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے تو درست بات یہ ہے کہ آپ نے مغرب کی طرف ایک ستون کے علاوہ کوئی اضافہ نہیں کیا جبکہ آپ کے دور میں مسجد کا عرض ایک سو تیس ہاتھ تھا۔ واللہ اعلم۔

پھر یحییٰ کے مطابق ابوالحسن مدائنی نے حدیث میں بیان کرتے ہوئے بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جعفر کو ان کی حبشہ میں موجودگی کے موقع پر ایک مکان دیا تھا حضرت عثمان نے جس کا نصف حصہ ایک لاکھ میں خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔

میں کہتا ہوں' حضرت عمر کے اضافے کے موقع پر یہی واقعہ ان کے بارے میں بھی گذر چکا ہے' لگتا ہے دونوں حضرات نے دو مرتبہ میں نصف نصف خرید کر مسجد میں شامل کر دیا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عبد اللہ بن عمر بن حفص کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے قبلہ کی دیوار ان ستونوں تک کھینچی جہاں آج کل مقصورہ موجود ہے پھر حضرت عثمان بن عفان نے اضافہ کیا اور آج کی دیوار تک پہنچ گئے۔ عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا' فرماتے تھے کہ جب اضافہ کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی ضرورت پڑی تو انہوں نے فرمایا: میں مسجد کی طرف کس راستے سے جاؤں گی؟ انہوں نے عرض کی تھی کہ ہم آپ کو اس سے بھی وسیع جگہ دیں گے اور ایسا ہی راستہ بھی دیں گے چنانچہ انہیں حضرت عبید اللہ بن عمر کا گھر دے دیا جو کھجوریں سکھانے کے لئے ہوتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس عبارت میں کئی احتمال ہیں کہ "نعطیك الخ" کہنے والے حضرت عمر ہوں گے یا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما' دوسرے کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ انہوں نے یہ عبارت حضرت عثمان کے اضافے میں ذکر کی ہے اور یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبلہ کی دیوار کو مقصورہ تک آگے کیا پھر حضرت عثمان نے آج والی دیوار تک آگے کیا اور حضرت عباس کے گھر کا باقی حصہ مسجد میں شامل کیا جو قبلہ' شام اور مغرب کی طرف تھا نیز حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا قبلہ کی جانب والا حصہ بھی داخل کر لیا چنانچہ مسجد اس حال پر رہی اور پھر ولید نے اضافہ کیا۔

میں کہتا ہوں' حضرت عمر کے اضافے کے بیان میں گذر چکا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر کا وہ گھر خریدا تھا جس کے خوخہ کے بارے میں آتا ہے کہ اسے باقی رکھا جائے۔ وہ گھر انہیں کے پاس رہا اور پھر حضرت عثمان کے دور میں توسیع مسجد کا ارادہ ہو گیا چنانچہ ان سے یہ گھر مانگا گیا تا کہ مسجد میں اضافہ کیا جا سکے' وہ رُک گئیں اور کہا کہ مسجد کی طرف میرا راستہ کونسا ہو گا' انہیں کہا گیا' ہم آپ کو اس سے بھی وسیع گھر دیں گے جس میں ایسا ہی دروازہ ہو گا چنانچہ انہوں نے خوش ہو کر مکان دے دیا اور وہ جو ابن شبہ نے کہا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا وہ گھر بنایا جو قبلۂ مسجد میں تھا اور اس کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا تو اس کے وارث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہو گئے تھے پھر اس کی اصل کے بارے میں آ رہا ہے کہ وہ کھجوریں سکھانے کی جگہ تھی' پھر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ایک اور گھر کا ذکر کیا اور پھر کہا: مجھے کسی نے اطلاع دی اور کہا کہ حضرت ابوبکر کا وہ گھر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبضہ میں رہا جس کے بارے میں حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ اس کا خوخہ

رہنے دیا جائے' یہ گھر تمہارے داہنے ہاتھ پر ہو گا جب تم عبد اللہ کے گھر میں اس خوخہ سے داخل ہو گے' تمہارے سامنے وہ خوخہ آئے گا جو اس خوخہ کے اندر ہے جس کے راستے پر دروازہ ہے چنانچہ یہی خوخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا کہلاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ یہ مکان حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرید لیا تھا اور وہ گھر جس کے بارے میں میں نے کہا ہے کہ کھلے راستے پر ہے' عبد اللہ کے گھر کے دروازے پر ہے جو حضرت ہشام کے گھر کی جانب ہے' حضرت ابوبکر نے یہ گھر اور ساتھ ہی وہ گھر چار ہزار درہم میں حضرت حفصہ کو فروخت کر دیا جن سے حضرت عثمان نے خرید لیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے وہ گھر بنو تیم کے آئے لوگوں کے سوال کرنے پر بیچا تھا۔

ابن شبہ مزید کہتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن عمر بن حفص کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا: وہ بتاتے تھے کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کی ضرورت پڑی تو انہوں نے فرمایا' مجھے مسجد کی طرف راستہ کہاں سے دو گے؟ آپ سے عرض کی گئی: ہم آپ کو اس سے کھلی جگہ دیں گے اور آپ کو ویسا ہی راستہ دیں گے چنانچہ انہیں عبد اللہ بن عمر کا مکان دے دیا گیا' پہلے وہ کھجوریں سکھانے کی جگہ تھی۔ انتہیٰ۔ ان کا یہ کہنا ''مجھے کسی نے بتایا۔'' بات کے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔

بنو تیم کے گھروں کے ذکر میں آ چکا ہے کہ حضرت ابوبکر کا گھر مسجد کے مغرب میں ''دار القضاء'' کی طرف تھا اور اوپر آیا ہے کہ حضرت حفصہ کا گھر پہلے مربد تھا اور یہیں انہوں نے بات ختم کی ہے۔ ان کا یہ کہنا ''جب حضرت حفصہ کے گھر کی ضرورت پڑی۔'' یعنی جس میں وہ ٹھہری ہوئی تھیں اور وہ حضور ﷺ کے دور میں مسجد کی طرف تھا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافہ میں گذر چکا جو یحییٰ نے لکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس کا گھر خرید کر' تیرہ یا چودہ ہاتھ چھوڑتے ہوئے مسجد میں شامل کر دیا تھا۔ یہاں راوی کہتے ہیں' یہ پتہ نہ چل سکا کہ انہوں نے باقی حصہ خریدا تھا یا نہیں' ہم نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت عباس کے گھر سے مراد حضرت عثمان کے مسجد میں شامل کرنے کے بعد بچنے والا باقی حصہ تھا اور ظاہر تو یہ ہے کہ وہ باقی بچ جانے والا حصہ مروان کے گھر میں شامل ہو گیا تھا۔

ابن زبالہ' یحییٰ اور ابن نجار نے مروان کے گھر بنا لینے کو حضرت عثمان کے اضافے کے بعد ذکر کیا ہے چنانچہ احتمال ہے کہ انہوں نے اسے اضافہ عثمان کے دوران بنایا ہو یا اس کے بعد' اور یہ ظاہر ہے کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے قبلہ کی طرف سے اس میں چھوٹا سا دروازہ رکھا تھا پھر کہا تھا مجھے ڈر ہے کہ اس سے روک دیا جاؤں گا پھر اس کے لئے دروازہ بنایا جو داخل ہوتے وقت تمہاری دائیں طرف ہو گا اور پھر تیسرا دروازہ بنایا جو مسجد کے دروازے پر تھا۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۵

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مقصورہ (چھوٹا کمرہ)

ابن زبالہ اور ابن شبہ کے مطابق آتا ہے کہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچی اینٹوں سے مقصورہ (کمرہ نما) بنایا' اس میں ایک روشن دان تھا جہاں سے امام کو دیکھا جا سکے اور پھر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد کی تعمیر کے موقع پر اسے ساج کی لکڑی سے بنایا تھا۔

ابن زبالہ اور دیگر کئی راویوں نے بتایا کہ سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچی اینٹوں سے مقصورہ تیار کرایا تھا جس کے نگران حضرت سائب بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' انہیں ماہانہ دو دینار دیئے جاتے تھے' وہ ان تین حضرات کے بعد فوت ہو گئے' مسلم' بکیر اور عبد الرحمٰن' سب دو دینار میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہے چنانچہ دفتر سے اب تک ان تینوں کے لئے جاری ہیں۔

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے بعد جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے کچی اینٹوں سے مقصورہ بنایا' اسے حضرت عمر کے واقعہ کی وجہ سے بنایا گیا تھا چنانچہ آپ اس میں نماز پڑھاتے' یہ چھوٹا سا تھا۔

یحییٰ نے یہ سارا واقعہ حضرت عثمان کے اضافے میں بیان کیا ہے اور پھر ولید کی زیادتی کے متعلق بتاتے ہوئے عبد الحکیم بن عبد اللہ کے حوالے سے بتایا کہ مسجد میں سب سے پہلے مقصورہ مروان بن حکم نے بنایا تھا' انہوں نے اسے نقش دار پتھروں سے بنایا جس میں ایک سوراخ بھی رکھا۔ انہوں نے صدقات وصول کرنے کے لئے تہامہ کی طرف ایک آدمی بھیجا' اس نے ایک آدمی پر ظلم کیا جس کا نام دَبّ تھا چنانچہ وہ مروان کے پاس آیا اور وہاں آ کر کھڑا ہو گیا جہاں مروان کھڑا ہونا چاہتے تھے اور جب انہوں نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تو دبّ نے چھری سے وار کر دیا لیکن اس سے نقصان نہ ہوا' مروان نے اسے پکڑ لیا اور پوچھا کہ یہ جرأت تم نے کیوں کی ہے؟ اس نے کہا: تم نے اپنا کارندہ بھیجا تھا' اس نے ایک ہی مرتبہ میں سارا ٹیکس لے لیا' میرے اور اہل و عیال کے لئے کچھ نہیں چھوڑا' میں نے دل میں سوچا کہ میں اس کے پاس جاتا ہوں جس نے اسے بھیجا ہے اور اسے قتل کر دوں گا۔ یہ اس واقعہ کی اصل بنیاد ہے چنانچہ سب کچھ آپ کے سامنے ہے۔ مروان نے اسے کچھ دیر قید میں رکھا اور پھر خفیہ طور پر اسے ہلاک کر دیا۔ لہٰذا مقصورہ بنایا گیا۔

ابن شبہ نے بھی یہی کچھ لکھا ہے لیکن کسی جگہ اس شخص کا نام "دَب" اور کہیں "ذباب" لکھا ہے' اس نے کہا تھا کہ تم نے اپنا کارندہ بھیجا جس نے مجھ سے گائے لے لی' مجھے اور میرے اہل و عیال کے پاس کچھ نہیں چھوڑا' میں بڑی گندی طبیعت کا ہوں لہٰذا میں نے سوچا کہ اس کے پاس جاتا ہوں جس نے اسے بھیجا ہے اور اسے قتل کروں گا۔ یہ اس واقعہ کی اصل ہے' اب آپ جو چاہیں کریں' مروان نے سے کچھ عرصہ تک قید میں رکھا پھر حکم دیا اور خفیہ طور پر قتل کرا دیا'

پھر مقصورہ بنایا۔

میں کہتا ہوں' عتبیہ کی کتاب الصلوہ میں لکھا ہے: مسئلہ: مالک نے کہا' مروان نے سب سے پہلے مقصورہ اس وقت بنوایا جب ایک یمانی نے ان پر وار کیا تھا۔ اس نے مٹی سے بنوایا اور اس میں سوراخ رکھا انتہٰی۔ اس کی شرح میں ابن رشد نے لکھا: ان کے اس قول کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مقصورہ حضور ﷺ کے عہد میں نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی خلفاء کے دور میں بنا' اسے حکمرانوں نے اپنی جانوں کی حفاظت کے لئے بنوایا تھا لہٰذا جامع مسجدوں میں اسے بنانا مکروہ ہے۔ انتہٰی۔

مسلم کی شرح نووی میں ہے کہ سب سے پہلے مقصورہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت بنوایا جب ایک خارجی نے آپ پر نیزے کا وار کیا تھا۔

ابن زبالہ کی کلام سے سمجھ آتا ہے کہ مقصورہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں مسجد کی زمین سے ذرا اونچا ہوتا تھا کیونکہ خلیفہ مہدی کے ذکر میں ملتا ہے کہ اس نے مقصورہ بنانے کا حکم دیا تھا' پھر اسے گرا کر زمین کے برابر کر دیا گیا' وہ زمین کی سطح سے دو ہاتھ اونچا تھا چنانچہ اسے لتاڑ کر برابر کر دیا گیا۔

مراغی نے یہ سمجھا کہ اس سے مراد مقصورہ کی چھت ہے' زمین نہیں کیونکہ اس نے خلیفہ مہدی کے اضافے میں لکھا ہے: اس نے مقصورہ کی چھت نیچے کر دی' وہ مسجد کی سطح سے دو ہاتھ اُونچی تھی چنانچہ اس نے مسجد کے برابر کر دی۔ انتہٰی۔

میں نے دیکھا کہ لفظ "سقف" ان کے ہاتھ سے بعد میں لکھا ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ یہی مراد ہے اور جو کچھ مطری نے لکھا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ مہدی نے اسے لکڑی سے قبلہ کی پوری چھت پر بنوایا تھا اور ابن جبیر کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے' انہوں نے سفرنامے میں لکھا کہ مَراد اروقہ (برآمدے) ہیں۔

یہ مقصورہ پہلی آتشزدگی میں جل گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ١٦

حضرت عمر بن عبد العزیز کی نگرانی میں ولید بن عبد الملک کا اضافہ

علامہ رزین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے اضافہ کے بعد حضرت علی اور حضرت معاویہ نے کوئی اضافہ نہیں کیا' نہ ہی یزید اور مروان نے کیا تھا' نہ ہی اس کے بیٹے عبد الملک نے کوئی اضافہ کیا' پھر ولید بن عبد الملک کا دور آیا (ان کی طرف سے حضرت عمر بن عبد العزیز مکہ و مدینہ کے گورنر تھے) ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس بہت سال مال

بھیجا اور کہا' جو مکان بیچے' اسے قیمت ادا کردو' جو انکار کرے اس کا مکان گرا دو اور رقم دیدو اور اگر وہ مال لینے سے انکار کردے تو اسے فقیروں میں تقسیم کر دو۔ انتہی۔

ابن زبالہ کے کسی اہل علم نے بتایا کہ ولید بن عبدالملک حج کرنے آئے تو عین اس وقت جب وہ منبرِ رسول پر خطبہ دے رہے تھے' اس کی نظر پڑی' یکا یک دیکھا تو حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں شیشے کو پکڑ کر اس میں دیکھ رہے تھے' وہ منبر سے اترے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پیغام بھیجا اور کہا کہ آج کے بعد یہ مکان نہیں رہنا چاہئے' یہ جگہ خرید لو اور حضور ﷺ کا گھر مسجد میں شامل کر لو اور اسے بند کر دو۔

موسیٰ بن جعفر کہتے ہیں کہ ولید منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے باریک سوراخ دار پردہ ہٹ گیا' اچانک دیکھا تو حسن بن حسن اپنی ڈاڑھی کو کنگھی کر رہے تھے' ولید خطبہ دے رہے تھے' جب منبر سے اُترے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر گرا دینے کا حکم دیا۔

علامہ یحییٰ کے مطابق حضرت حسن بن حسن اور فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ ہم اس گھر سے نہیں نکلیں گے' ولید بن عبدالملک نے کہلا بھیجا کہ: اگر آپ یہاں سے نہیں نکلیں گے تو میں مکان تمہارے اوپر گرا دوں گا' انہوں نے پھر بھی انکار کیا چنانچہ یہ سب حضرات گھر ہی میں تھے کہ اس نے مکان گرانے کا حکم دے دیا' جب مکان کی بنیادیں کھودیں تو وہ وہیں تھے' مکان کی بنیادیں اکھاڑے وقت کہہ رہے تھے کہ اگر آپ باہر نہیں نکلے تو ہم مکان تمہارے اوپر گرا کر چھوڑیں گے۔ آخر وہ وہاں سے نکل پڑے اور دن کے وقت حضرت علی کے گھر چلے گئے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام منصور کہتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک ہر سال مدینہ میں ایک شخص بھیج دیتے' تاکہ لوگوں کے حالات اور وہاں ہونے والے واقعات کا پتہ چل سکے چنانچہ ایک سال وہ شخص واپس آیا تو ولید نے اس سے پوچھا' اس نے کہا اس مرتبہ میں نے ایک ایسا معاملہ دیکھا ہے کہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ ولید نے پوچھا' کیا دیکھ آئے ہو؟ اس نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کی مسجد میں تھا' دیکھا تو ایک مکان کے دروازے پر باریک پردہ پڑا تھا' نماز کھڑی ہوئی تو وہ پردہ اُٹھ گیا' گھر والے اور اس کے ساتھیوں نے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا شروع کر دی پھر وہ پردہ ڈال دیا گیا' اتنے میں کھانا آ گیا' سب نے مل کر کھایا اور جب پھر نماز کھڑی ہوئی تو انہوں نے ایسے ہی کیا' پھر میرے دیکھتے ہوئے اس نے شیشہ اور سرمہ پکڑا۔ میں نے کسی سے اس کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ یہ حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

ولید نے کہا' افسوس! میں کیا کر سکتا ہوں' وہ ان کا اور ان کی والدہ کا گھر ہے' اس کا کیا کیا جائے؟ اس نے کہا' آپ مسجد میں اضافہ کریں اور اس گھر کو اس میں شامل کر دیں چنانچہ ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھا کہ مسجد کی توسیع کرو اور یہ گھر خرید لو چنانچہ عمر نے انہیں مکان بیچنے کو کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور حسن نے کہا: بخدا ہم اس کی قیمت کبھی نہیں کھائیں گے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے انہیں سات یا آٹھ ہزار دینار پیش کئے لیکن انہوں نے انکار کر دیا'

آپ نے ولید بن عبدالملک کو اس کی اطلاع کی' ولید نے مکان گرانے اور پھر اسے مسجد میں شامل کرنے کا حکم دیا اور کہہ بھیجا کہ یہ قیمت بیت المال میں سے دے دو چنانچہ عمر نے یونہی کیا۔اس کے بعد حضرت فاطمہ بنت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حرہ میں جا کر اپنا مکان تیار کر لیا۔

میں کہتا ہوں کہ باقی واقعہ انشاء اللہ ان کے کنوئیں کے ذکر میں آئے گا۔

ابن زبالہ کے مطابق جب ولید کا خط حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچا جس میں مسجد گرانے اور اس میں اضافہ کا ذکر تھا تو انہوں نے آل عمر کو پیغام بھیجا کہ امیر المؤمنین نے مجھے لکھا ہے: میں سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان خریدوں' وہ مکان آل عمر کے خوخہ کی دائیں جانب تھا' اس کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس گھر کے درمیان راستہ تھا' جس میں حضور علیہ السلام کی قبر انور ہے۔

وہ گھر میں ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہے' حضرت عمر نے ان سے کہا: امیر المؤمنین نے مجھے حکم دے بھیجا ہے کہ میں یہ گھر خرید لوں اور اسے مسجد میں شامل کر دوں۔انہوں نے کہا کہ ہم نہیں بیچیں گے' انہوں نے کہا تو پھر میں اسے مسجد میں داخل کر لوں گا۔انہوں نے کہا: آپ جو چاہیں کریں لیکن ہم اپنا راستہ قطع نہیں کریں گے۔حضرت عمر نے گھر گرایا اور انہیں راستہ دے دیا' مکان مسجد میں شامل کر لیا اور ستون تک لے گئے' راستہ پہلے اتنا تنگ تھا کہ آدمی ایک طرف کو ہو کر گزر سکتا تھا۔

عبدالعزیز بن محمد کہتے ہیں' میں نے عبید اللہ بن محمد سے سنا' وہ کہتے تھے: جب تک یہ راستہ بند ہوتے نہ دیکھ لوں' اللہ مجھے دنیا سے نہیں نکالے گا۔

یحییٰ کے مطابق حجاج نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر سے کہا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر ہمیں فروخت کر دو' انہوں نے کہا: بخدا میں رسول اللہ علیہ السلام کے اس گھر کی قیمت کبھی بھی وصول نہیں کروں گا۔حجاج نے کہا' تو پھر میں اسے گرا رہا ہوں' انہوں نے کہا' بخدا اگر اسے گرانا ہے تو میری پیٹھ پیچھے ہی گرا سکیں گے۔اتنے میں حجاج نے ایک شخص کو حکم دیا تو اس نے لوگوں سے ہتھوڑے وغیرہ لانے کو کہا۔عبد اللہ کھڑے ہوئے' حضرت حفصہ کے گھر گئے' ادھر ہتھوڑوں وغیرہ کی آواز آئی' حجاج نے مکان گرانے کا حکم دیا' وہ لوگ گرانے کے لئے اوپر چڑھے' عبید اللہ انہی میں تھے' بنو عدی عبید اللہ کے پاس آئے اور کہنے لگے' تم کتنے ضعیف ہو؟ وہ تمہارے باپ کے قتل پر افسردہ ہے اور تمہارے قتل سے کنارہ کش ہے چنانچہ اسے وہاں سے نکال لیا اور حجاج نے مکان گرا دیا پھر ولید کو حالات لکھ بھیجے اور یہ بھی لکھا کہ عبید اللہ نے قیمت نہیں لی۔اس پر ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ انہیں دوبارہ قیمت پیش کرے اور اگر وہ انکار کر دیں تو اسے مسجد میں لگا دے اور ان کو اور جگہ دیدے۔حضرت عمر نے حضرت عبد اللہ کے لئے وہ خوخہ تجویز کیا جو مسجد کے قبلہ میں تھا اور آج کل دارِ حفصہ کی طرف ہے۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر حجاج نے گرایا تھا۔

حضرت وردان کہتے ہیں کہ جب ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو مدینہ کا گورنر بنا دیا تو انہیں حکم دیا کہ مسجد کو وسیع کریں، اسے تعمیر کریں اور پھر مشرق و مغرب و شام کی طرف کے قریبی مکان خرید لیں۔ جب وہ قبلہ کی طرف پہنچے تو عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر نے کہا' میں نہیں بیچوں گا' یہ حفصہ کا حق ہے' نبی کریم ﷺ یہاں رہائش رکھتے تھے۔ اس پر عمر نے کہا کہ جب تک میں اسے مسجد میں شامل نہیں کر لیتا' تم کو چھوڑوں گا نہیں۔

جب بات طول پکڑ گئی تو عمر نے ان سے کہا' میں مسجد میں تمہارے لئے دروازہ بنا دوں گا جس سے مسجد میں جا سکو گے اور اس مکان کے بدلے میں ''دار الدقیق'' دے دوں گا اور جو جگہ پھر بھی بچ جائے گی' وہ تمہاری ہو گی چنانچہ انہوں نے یہ بات مان لی' آپ نے ان کے لئے مسجد میں دروازہ نکال دیا اور یہ وہی خوخہ (چھوٹا سا دروازہ) ہے جو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کی طرف ہے' انہیں دار الدقیق دے دیا اور اس مقام پر دیوار آگے کر دی جہاں اب ہے' مشرق کی طرف ستون مربعہ سے مسجد کی آج کی دیوار تک اضافہ کر دیا' اس کے ساتھ مربعۃ القبر سے شام کی کھلی جگہ تک چودہ ستون تھے اور مغرب میں دو ستون بڑھائے' پھر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے گھر مسجد میں شامل کر لئے نیز اس میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے وہ تین مکان بھی شامل کر لئے جنہیں ''قرائن'' کہا جاتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ مؤرخین کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے گھر ولید کے حکم پر مسجد میں شامل کئے گئے تھے چنانچہ نویں فصل میں ہم نے عطاء خراسانی کا یہ قول نقل کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے ازواجِ مطہرات کے مکان دیکھے تو کھجور کی ٹہنیوں سے بنے تھے اور ان پر سیاہ بالوں کے کمبل پڑے تھے۔ ولید کا خط پڑھا جا رہا تھا تو میں بھی وہاں موجود تھا' اس نے حکم دیا کہ ان کے مکان مسجد میں داخل کر دئے جائیں' اس دن سے زیادہ لوگوں کو میں نے روتے نہیں دیکھا۔ عطاء کہتے ہیں' میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے سنا' یہ ان کے مکان اسی حال میں رہنے دیتے تو اچھا تھا' لیکن زین مراغی نے سہیلی کے حوالے سے لکھا کہ عبد الملک بن مروان کے عہد میں ان کے حجرے اور مکان مسجد میں شامل کر لئے گئے تھے۔

میں کہتا ہوں: جو یہ بات عبد الملک کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے وہ مکان گرائے بغیر مسلمانوں کے نماز پڑھنے کے لئے رہنے دئے کیونکہ مسجد کی جگہ تنگ تھی' لوگ انہیں مسجد میں شامل کرنے سے پہلے نماز جمعہ کے دن استعمال کرتے اور ان میں نماز پڑھتے۔ چنانچہ مالک کہتے ہیں کہ لوگ ان گھروں میں داخل ہو جاتے اور وصال رسول ﷺ کے بعد ان میں جمعہ کی نماز پڑھتے رہے کیونکہ نمازیوں کے لئے مسجد میں جگہ تنگ تھی۔ کہتے ہیں کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے مکان مسجد کا حصہ نہ تھے لیکن ان کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ انتہٰی۔

ابن زبالہ کی گذشتہ بات کا باقی حصہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنو عبد الرحمٰن بن عوف کو درہم دینے کی کوشش کی تو انہوں نے انکار کر دیا چنانچہ آپ نے مکان گرا کر اسے مسجد میں شامل کر لیا۔

عبد الرحمٰن بن حمید کہتے ہیں کہ گرانے کے وقت ہمارا کچھ سامان ضائع ہوا اور انہوں نے مشرق اور شام کی

طرف سے ازواجِ مطہرات کے گھر شامل کئے' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کا گھر شامل کیا' حضرت عبد اللہ بن مسعود کا وہ گھر شامل کیا جسے "دار القراء" کہتے تھے' ہاشم بن عتبہ بن ابو وقاص کے مکان شامل کئے' مغرب کی طرف سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا گھر شامل کیا' مغربی جانب مربعہ والی' ابو سبرہ بن ابی رہم کی زمین شامل کی' اس کے ساتھ واقع حضرت عمار بن یاسر کا گھر بھی شامل کیا اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل کر لیا۔ میں اسے جانتا ہوں جو مسجد میں شامل کیا گیا تھا۔ آپ نے چھت سے ملے ستونوں کو مسجد کے دوسرے ستونوں سے اونچا کیا اور پھر حضرت عباس بن عبد المطلب کے غلام مخارق کا گھر بھی مسجد میں ملا لیا۔

میں کہتا ہوں' یہاں اگرچہ اُدْخِلَ الخ کا لفظ لایا گیا ہے جس کا فاعل اگرچہ معلوم نہیں (کس نے داخل کئے) لیکن اسے یہاں ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ ولید بن عبد الملک کا تھا۔ یہ محلِ نظر ہے' کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستونِ مربعہ کے بعد ایک ستون کا اضافہ کیا۔ اب ولید کا اضافہ اس کے بعد مغرب میں رہ جاتا ہے لہٰذا اسے ابو سبرہ کے گھر تک شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ گھر مربعہ کے مقام پر تھا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مربعہ سے مراد وہ ستون لیں جو دارِ مروان کے دروازے میں داخل ہوتے وقت تمہاری دائیں طرف تھا اسی کو باب السلام کہتے ہیں اور یہ مذکور دروازے سے دوسرا ہے کیونکہ ولید کے اضافے کی ابتداء ہے کیونکہ آپ اپنے گذشتہ قول میں بتا آئے ہیں کہ "انہوں نے مغرب میں دو ستونوں تک اضافہ کیا۔" لیکن یحییٰ سے نقل کرتے ہوئے ابن شبہ نے کہا کہ "ابو سبرہ بن ابو رہم کا ایک گھر تھا جو اس ستونِ مربعہ کے پاس تھا جو مسجد میں دائیں اور مغربی جانب میں تھا' یہ نیا تھا پھر وہاں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان بھی تھا چنانچہ دونوں مسجد میں شامل کر دئے۔ انتہیٰ۔

یہ اس بات میں ظاہر ہے کہ مربعہ سے مراد وہ آٹھ پہلو ستون ہو جس کا ہم حضرت عثمان کے اضافے کے دوران ذکر کر چکے ہیں۔ پھر ان کا یہ کہنا "حضرت عباس بن عبد المطلب کے گھر کا کچھ حصہ" تو یہ بھی اس سلسلے میں ظاہر ہے کہ ولید ہی نے آپ کا کچھ حصہ شامل کیا تھا اور شاید یہ بچ جانے والا حصہ ہی ہو گا جسے مروان نے اپنے گھر میں داخل کر لیا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولید ہی نے مروان کے گھر والا کچھ حصہ شامل کیا تھا اور یہ ظاہر ہے کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مروان کا گھر مغرب کی طرف سے مسجد کے ساتھ ملا ہوا تھا اور اس میں مسجد کی طرف چھوٹا سا دروازہ تھا اور اس میں شک نہیں کہ اس نے ولید کے اضافے سے پہلے اسے بنایا تھا کیونکہ مروان کی وفات خلافت کے دس ماہ گذارنے کے بعد ۶۵ھ میں ہوئی تھی۔

اب آیئے ابن زبالہ کی گذشتہ بات پوری کریں۔ کہتے ہیں کہ ولید بن عبد الملک نے شاہِ روم کو لکھا "ہم اپنے عظیم نبی کی مسجد بنانا چاہتے ہیں لہٰذا سامان اور کاری گر بھیج کر ہماری مدد کریں۔ کہتے ہیں کہ اس نے بیس سے زائد کاریگر اور بہت سا سامان بھیج دیا' کچھ نے دس کاریگر لکھے ہیں اور لکھ بھیجا کہ یہ دس کاریگر سو جتنا کام کریں گے نیز اسی ہزار دینار مدد بھی کی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات یحییٰ نے بھی لکھی ہے نیز ایک اور روایت میں کہا کہ شاہِ روم نے چالیس رومی ماہر اور چالیس قبطی کاریگر بھیجے اور چالیس ہزار مثقال سونا بھی بھیجا (ساڑھے اڑتیس ہزار تولہ یعنی بارہ من ایک سیر اور بیس تولہ) پھر رزین کی روایت ہے کہ اس نے تیس کاریگر اور روم سے چالیس بھیجے نیز اتنے ہی قبط (مصر) سے بھیجے۔اس کے ساتھ اسّی ہزار مثقال سونا بھیجا (یعنی ۲۴ من دو سیر اور ۴۰ تولہ) پھر نقش و نگاری پتھر والے سامان کے اونٹ الگ تھے نیز قندیلوں کی زنجیریں بھی تھیں۔انتہٰی۔

ابن زبالہ کی بقیہ بات بھی سنئے' پھر اس نے یہ زنجیریں بھیجیں جن کے ساتھ ہی قندیلیں بھی تھیں۔کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد کو ۹۱ھ میں گرایا اور پھر نقش و نگار والے پتھروں سے بنایا جس پر بطن نخل سے لایا چونا لگایا پھر جواہرات اور مرمر سے اسے چار چاند لگا دیئے' یہاں سے اس نے مسجد کی کچی اینٹیں نیز حجروں کی اینٹیں لے کر حرۃ میں اپنا مکان بنایا' اسی مکان پر آج کل سفیدی کی گئی ہے۔

کہتے ہیں کہ عین اس وقت جب یہ لوگ مسجد میں کام کر رہے تھے تو مسجد خالی نظر آئی چنانچہ ان میں سے ایک رومی کاریگر نے کہا کہ کیا میں ان کے نبی کی قبر پر پیشاب نہ کر دوں' پھر تیار ہوا لیکن اس کے ساتھیوں نے اسے منع کر دیا لیکن جب اس نے پختہ ارادہ کر لیا تو سر کے بل گرا' اس کا دماغ پھٹ گیا جسے دیکھ کر کئی نصرانی مسلمان ہو گئے پھر ان رومی کاریگروں میں سے ایک نے قبلہ کی دیوار کے پانچ روشن دانوں کے اُوپر خنزیر کی شکل بنا دی' حضرت عمر بن عبد العزیز کو پتہ چلا تو انہوں نے اس کی گردن اُڑانے کا حکم دے دیا اور وہ اُڑا دی گئی۔اُن کے کاریگروں نے کہا (جو پتھر کا کام کر رہے تھے) کہ ہم اسے یوں بنا رہے ہیں جیسے ہمارے معلومات کے مطابق جنت کے درختوں اور محلات کی صورت ہے۔انتہٰی۔

یحییٰ کی گذشتہ خبر کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیز نے سال بھر وہ چونا پکایا جس سے نقش و نگار کا سامان تیار کیا تھا' چونا وہ بطن نخل سے لے کر آئے' بنیاد پتھروں سے تیار کی اور دیواریں پتھروں سے بنائیں اور انہیں چونا لگایا' مسجد کے ستون اندر سے خالی پتھروں کے تیار کیئے جن کے اندر لوہا اور سکہ پگھلا کر بھر دیا' مسجد لمبائی میں دو سو ہاتھ تھی اور چوڑائی اگلی طرف سے دو سو ہاتھ اور پچھلی طرف سے ایک سو اسّی ہاتھ تھی' اس سے پہلے اس کا اگلا حصہ پہلی لمبائی کے مقابلے میں چوڑا تھا۔انتہٰی۔

یحییٰ نے چوڑائی غلط لکھی ہے کیونکہ آئندہ اکتیسویں فصل میں ابن زبالہ نے اپنی ایک تحریر میں آگے سے مسجد کی چوڑائی اپنے دور میں ایک سو پینسٹھ ہاتھ بیان کی ہے جبکہ پچھلی طرف سے چوڑائی ایک سو تیس ہاتھ بتائی ہے اور پھر آگے یہ بھی آ رہا ہے کہ ہماری تحریر کے مطابق آج کل قبلہ کی طرف اگلے حصے کی چوڑائی ایک سو ستاسٹھ ہاتھ ہے جبکہ پچھلی طرف شام کی جانب ایک سو پینتیس ہاتھ ہے اور اس میں شک نہیں کہ مسجد کی چوڑائی گھٹ نہیں سکی چنانچہ یہ مذکور پیمائش صحیح نہیں۔اسے ابن نجار نے اہلِ سیرت سے نقل کیا اور مطری پیروی کر گئے۔

ابن زبالہ کے مطابق جب حضرت عمر بن عبد العزیز قبلہ والی دیوار کی طرف ہوئے تو اہلِ مدینہ قریش و انصار‘ عرب اور غلاموں میں سے عمر رسیدہ لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ آؤ اپنے قبیلہ کی بنیاد میں شامل ہو جاؤ‘ کل یہ نہ کہنا کہ عمر نے ہمارے قبلہ کا رُخ تبدیل کر دیا ہے پھر آپ ایک پتھر اُکھاڑتے اور اسی جگہ نیا پتھر رکھتے جاتے چنانچہ ولید بن عبد الملک نے مشرق سے مغرب تک چھ ستونوں کا اضافہ کیا اور شام کی طرف اس ستون مربعہ سے چودہ ستون بڑھائے‘ جو قبرِ انور کے اندر ہے جن میں سے دس تو کھلی جگہ میں اور چار پہلی ڈیوڑھیوں میں جو پہلے موجود تھیں‘ ستون مربعہ کے قریب والے ستون سے مشرق کی طرف چار ستون بڑھا دئے‘ یہ بھی ڈیوڑھیوں میں تھے‘ اس اضافے میں نبی کریم ﷺ کا گھر مبارک بھی شامل کر لیا گیا اور باقی تین ستون ڈیوڑھیوں میں رہ گئے۔

میں کہتا ہوں‘ اس سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ وہ چھ ستون جنہیں مشرق و مغرب میں بڑھایا‘ ان میں سے مغرب کی طرف دو کے علاوہ اور کوئی نہیں جبکہ ان میں سے چار مشرقی جانب ہیں چنانچہ ولید کے اضافے کی مشرقی جانب میں ابتداء اس ستون سے ہوتی ہے جو آج کل ان جالیوں سے ملا ہوا ہے جو حجرہ شریف کے گرد ہیں‘ چنانچہ ان کے قول: ’’اس ستون سے جو مربعہ کے نزدیک مشرق میں ہے۔‘‘ میں یہی ستون مراد ہے اور ان کے قول ’’تین ستون باقی رہ گئے‘‘ سے مراد مذکورہ چار ستونوں میں سے ہیں اور ’’ڈیوڑھیوں میں‘‘ سے مراد مشرق والا موجودہ حصہ ہے لیکن یحیٰی کی پچھلی روایت میں یہ ہے کہ انہوں نے مشرق میں ستونِ مربعہ (قبر شریف والا) مسجد کی مشرقی دیوار تک اضافہ کیا لہٰذا اس بناء پر ان کے صرف تین ستون ہوتے ہیں لیکن احتمال یہ ہے کہ مغرب میں بھی تین ہی ہوں پھر ان کے اس قول: ’’قبرِ انور والے ستونِ مربعہ سے شام کی طرف الخ‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے چھت والا مشرقی حصہ بنایا تو اس کی ابتداء اس کھلی جگہ سے کی اور اسی لائن میں شام کی طرف چودہ ستون بنائے جن میں سے دس تو کھلی جگہ پر اور چار چھتے ہوئے حصہ پر بنائے‘ یہ چھت پہلے موجود تھی یعنی شام کی طرف چھتے حصے پر بنائے‘ شامی کھلے حصہ پر چھت ڈالی اور یہ چھت چودہ ستونوں کے بعد ہے چنانچہ تعداد کے لحاظ سے یہ تھا ان کا اضافہ۔

اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ شام کی طرف سے مسجد کی دیوار ولید کے دور میں مربعہ سے اٹھارہ ستونوں کے بعد تھی کیونکہ جب تم ڈیوڑھیوں والے نئے ستون ان سے ملاؤ گے جو چودہ مذکور ہیں تو اٹھارہ ہی بنیں گے چنانچہ گذشتہ دیوار کی جگہ وہ ہے جو اس ستون کے برابر ہے اور جو شامی چھتے حصے سے ایک ستون پہلے ہے جو رحبہ کی طرف ہے اور یہی وہ بات ہے جو انہوں نے پہلے بتا دی کہ انہوں نے اس کا طول (قبلہ سے شام کی طرف) دو سو ہاتھ کیا تھا تو یہ بات پکی ہوگئی کہ شام کی طرف سے ان کا اضافہ (جیسے بتایا جا چکا) دورِ عثمان میں چالیس ہاتھ ہوا تھا پھر یہ احتمال ہے کہ ان کے اس قول سے مراد ’’شام کی طرف سے چودہ ستون ہے جو قبر انور والے ستون سے شروع ہوتے ہیں۔‘‘ یہ ہے کہ ان کے دور میں شام کی جانب مسجد ان چودہ ستونوں سے شروع ہوئی جو مربعہ سے شام کی جانب تھا چنانچہ شام والی دیوار اس چبوترے کی طرف سے جو شام کی طرف چھتا ہوا ہے‘ پانچویں ستون کے برابر آتی ہے جو چبوترے کی طرف ہے اور پھر

وہاں ایک اور ستون ہے جو درمیانی صف اور مشرقی چھتے حصے میں ہے۔ جو بندے کے بیٹھنے کی جگہ جتنا مربع شکل کا ہے اور اس بناء پر وہ حد کی علامت ہوگا لیکن یہ گذشتہ اس بات کے خلاف ہے کہ انہوں نے اس کا طول دوسو ہاتھ کیا تھا بلکہ اس صورت میں اس کا طول ایک سو ساٹھ ہاتھ بنے گا اور یہ وہی طول ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں تھا لہٰذا یہ احتمال باطل ہوا لیکن آئندہ خلیفہ مہدی کے اضافہ میں اسے شمار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ جب مسجد گرانے کے بارے میں دمشق سے ولید کا خط آیا تو وہ پندرہ لوگ چلے اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے جگہ کو صاف کر دیا' مجھے گرانے اور تعمیر کرنے کا نگران بنایا چنانچہ ہم نے مدینہ کے کاریگر لے کر اسے گرانا شروع کیا' سب سے پہلے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے گھر گرائے اور اسی دوران ہمارے پاس وہ کاریگر پہنچ گئے جو ولید نے بھیجے تھے۔

ابنِ زبالہ کے مطابق جنازگاہ (ولید کے دور میں مسجد کی مشرقی جانب) دو کھجوریں تھیں کہ جنازہ آتا تو ان دونوں کے پاس دکھ دیتے' پھر جنازہ پڑھاتے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے انہیں کاٹنے کا ارادہ کیا' یہ ۸۸ھ کا واقعہ ہے' انصار میں سے بنونجار نے دونوں درختوں کے بارے میں جھگڑا کیا تو آپ نے خرید کر انہیں کاٹ دیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات گذشتہ اس بات کے خلاف نہیں کہ حضرت عمر نے ۹۱ھ میں مسجد کو گرایا تھا کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان کی نگرانی ۸۸ھ سے ہوئی ہو' پھر سامان لینے' مکان خریدنے اور چونا پکانے کا کام ۹۱ھ تک رہا ہوا۔ چنانچہ یحییٰ کے مطابق حضرت عمر نے تعمیر کا سلسلہ تین سال تک جاری رکھا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس طرح حضرت عمر بن عبد العزیز ۹۳ھ کے آخر میں فارغ ہوئے اور یہی وہ سال ہے جب حضرت عمر بن عبد العزیز مدینہ سے معزول کر دیئے گئے۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ گرانے کا کام ۹۳ھ میں ہوا تاہم ابن زبالہ کی ایک روایت میں ملتا ہے کہ مسجد کو گرانے اور تعمیر کرنے کی ابتداء ۸۸ھ میں ہوئی تھی کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد کی تعمیر ۸۸ھ میں شروع کی تھی اور ۹۱ھ میں فارغ ہوئے' اسی سال ولید نے حج کیا تھا۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ جب آپ فارغ ہو گئے تو حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پیغام بھیجا چنانچہ انہیں ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر لایا گیا۔ آپ نے پوچھا' آپ کی اور اس تعمیر میں کیا فرق نظر آیا؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اسے مسجدوں کے طریقے پر بنایا تھا لیکن آپ نے گرجوں کی طرز بنا دی ہے۔

کہتے ہیں کہ ولید نے جب آلِ عمر کا خوخہ دیکھا تو کہا کہ اسے تمہارے ماموؤں نے بنایا تھا' یہ اس لئے کہا کہ عمر کی والدہ انہی میں سے تھیں۔

یحییٰ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابان بن عثمان نے یہ بات ولید سے کی تھی کیونکہ انہوں نے کہا تھا: جب ولید حج کرنے آئے تو پھر مسجد (مدینہ) میں گھومتے رہے' ہر چیز کو دیکھا' جگہ جگہ حضرت عمر بن عبد العزیز پر اعتراض بھی

اُٹھاتے رہے' حضرت ابان بن عثمان ساتھ ہی تھے۔ جب ولید نے ساری مسجد دیکھ لی تو ابان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہماری اور آپ کی تعمیر کیا فرق نظر آیا؟ انہوں نے کہا ہم نے تو اسے عام مسجدوں کے طریقے پر بنایا تھا لیکن آپ نے گرجوں کی طرح بنا دی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر نے مسجد کے حسن میں بڑی دلچسپی لی چنانچہ جب آپ کسی کاریگر کو دیکھتے کہ اس نے پتھر وغیرہ نہایت خوبصورتی سے لگائے ہیں تو اسے اصل مزدوری سے زیادہ تیس درہم بطور انعام دیتے۔

ابن زبالہ کے مطابق ابراہیم بن محمد زہری کہتے ہیں کہ ان کے دادا نے بتایا' جب ولید بن عبد الملک حج کر کے مدینہ پہنچے تو اس وقت حضرت عمر بن عبد العزیز تعمیر سے فارغ ہو چکے تھے' ولید نے مسجد میں گھومنا شروع کیا اور ساری مسجد دیکھی' جب مقصورہ کی چھت پر نظر پڑی تو کہا: آپؒ نے پوری چھت ایسی کیوں نہیں بنائی؟ انہوں نے جواب دیا۔ اے امیر المؤمنین' یوں خرچہ بہت بڑھ جاتا۔ ولید نے کہا: کوئی بات نہ تھی۔ ابراہیم کے دادا کہتے ہیں کہ مقصورہ شریف (حجرہ کا حصہ) پر چالیس ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔

ابن نجار نے اہلِ سیرت سے یہ بات لکھی ان کے الفاظ یہ ہیں: اے امیر المؤمنین! یوں بنانے سے خرچہ بہت بڑھ جاتا' ولید نے کہا: پھر کیا ہوتا؟ حضرت عمر نے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ میں نے قبلہ والی دیوار اور دو چھتوں کے درمیان کیا خرچہ کیا ہے؟ اس نے پوچھا بتایئے تو انہوں نے کہا کہ پینتالیس ہزار دینار خرچ ہوئے ہیں' کچھ کے مطابق کہا کہ چالیس ہزار خرچ ہوئے۔ ولید نے کہا تو گویا تم نے اپنی جیب سے خرچ کئے ہیں؟ کچھ کہتے ہیں کہ یہ خرچہ چالیس ہزار مثقال تھا۔ انتہٰی۔

یحیٰی نے ابن زبالہ کے اس قول ''اس میں خرچہ چالیس ہزار دینار تھا۔'' کے بعد لکھا ہے کہ ولید قبر شریف کے قریب پہنچے تو ابن ولید نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے کہا کہ یہ قبر میں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا: رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ اس نے پوچھا: تو پھر حضرت امیر المؤمنین عثمان کہاں ہیں؟ حضرت عمر نے دلچسپی نہیں لی تو اس نے اصرار کیا' آپ نے کہا کہ وہ لوگوں کی مصروفیت کی بناء پر دفن کر دئے گئے تھے۔ پھر کہا کہ آپ نے بے ادبی کی ہے۔ ابن زبالہ نے مزید کہا کہ یہ سوال بکار بن عبد الملک نے کیا تھا۔ وہ کمزور تھے۔

ابن شبہ کے مطابق موسےٰ بن عبد العزیز نے بتایا کہ مجھے حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ ولید مدینہ پہنچنے پر میرے ہاتھوں کے سہارے ساری مسجد میں گھومے اور تعمیر دیکھی' پھر حضور ﷺ کے گھر کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے پھر میری طرف متوجہ ہو کر کہا: کیا آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر بھی ہیں؟ میں نے کہا' ہاں۔ اس نے پوچھا تو پھر حضرت عثمان کہاں ہیں؟ آپ کتنے ہیں' آگے اللہ جانے لیکن میرا خیال یہ تھا کہ وہ ان دونوں حضرات کو نکال کر رہے گا چنانچہ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل ہوئے تو لوگ فتنہ میں پڑ کر مصروف ہو گئے چنانچہ اسی وجہ سے وہ یہاں دفن نہیں کئے جا سکے' یہ سن کر ولید چپ ہو گیا۔

یحییٰ کے مطابق آپ نے مقصورہ شریف ساج کی لکڑی سے بنوایا جبکہ پہلے پتھر سے بنا تھا۔ واقدی کہتے ہیں مجھے عبد اللہ بن یزید نے بتایا کہ قبطیوں نے مسجد کا اگلا حصہ بنایا اور رومیوں نے وہ حصہ بنایا جو چھت سے باہر تھا' یعنی اس کے اطراف اور آخری حصے کو بنایا۔ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا' کہا: ان قبطیوں کا کام مضبوط ہے۔

فصل نمبر ۱۷

ولید کی توسیع میں محراب' برجیاں اور منار شامل تھے' محافظ کا کمرہ بنایا' مسجد میں نمازِ جنازہ روک دی

کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قتل ہوئے تو مسجد میں برجیاں (چھوٹے گنبد) نہ تھیں اور نہ ہی محراب تھا' یہ حضرت عمر بن عبد العزیز ہی تھے جنہوں نے دیواروں پر برجیاں اور محراب بنوائے۔ حضرت قاسم اور سالم نے مسجد پر لگی برجیاں دیکھیں تو کہا کہ یہ مسجد کی خوبصورتی کا باعث ہیں۔ ابن زبالہ کی تحریر میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ہی نے مسجد چھجوں پر سکہ چڑھا اور پرنالے سکہ کے بنوائے اور کوئی پرنالہ اس کام سے خالی نہ چھوڑا' صرف دو پرنالے بچ گئے جن میں سے ایک جنازگاہ میں تھا اور دوسرا اس دروازے پر تھا جہاں بازار سے لوگ داخل ہوتے تھے' اسے بابِ عاتکہ کہتے تھے۔ مسجد پر برجیاں نہ تھیں' یہ والئی مدینہ عبد الواحد بن عبد اللہ نصری نے ۱۰۴ھ میں بنوائیں۔ انتہی۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ یہ برجیاں ولید کی توسیع میں نہیں بنی تھیں بلکہ اس کے دورِ خلافت میں بھی نہیں بنی تھیں کیونکہ اس کی وفات رجب ۱۰۱ھ میں ہوگئی تھی۔

سننِ بیہقی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مسجدیں تعمیر کرو اور جگہ ہموار ہو۔'' حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ ہمیں بلند جگہ پر بنی مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکا گیا۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں کہ جب سے آتش زدگی کا معاملہ بنا' مسجد کی برجیاں نہیں بنائی گئیں البتہ ۷۶۷ھ میں اس وقت نئے سرے سے بنائی گئیں جب مصر کے حکمران شعبان بن حسین بن محمد کا دور تھا۔ انتہی۔

برجیوں سے مراد وہ چیز ہے جو صحن کی دیواروں کو چاروں طرف سے گھیرے ہوتی ہیں اور ان کے درمیان جالی کے سوراخوں جتنا فاصلہ ہوتا ہے اور جو بدر بن فرحون نے لکھا ہے ان سے بھی یہی مراد ہے کہ قاضی فخر الدین اپنے مصلّے پر بیٹھے رہتے' سورج نکل آتا تو نمازِ اشراق پڑھتے' انہوں نے لوگوں کو دیکھا کہ اپنی نماز کے لئے بدر کے لڑکے الشیخ ابو عبد اللہ کی انتظار کرتے۔ کہتے ہیں کہ حضرت قاضی اس وقت اُٹھتے جب سورج مغربی دیوار میں چھوٹی جالیوں کے نیچے تک آ جاتا۔ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ تھا' مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا چنانچہ پوچھا' میں دیکھتا ہوں کہ آپ

اشراق کے لئے وقت سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اس سے اس وقت تک روک رکھا ہے جب تک سورج چڑھ نہ آئے اور خوب روشن نہ ہو جائے۔ حضرت قاضی میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا آج کے بعد ہم جیسے تم کہتے ہو' دیر کر لیا کریں گے اور پھر چپ ہو گئے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے یہ بات اس لئے ذکر کر دی ہے کہ آج کل اکثر لوگ نوافل اس وقت شروع کر دیتے ہیں جب سورج برجیوں کے سروں پر آ جاتا ہے اور یہ سورج چڑھنے کے بعد سورج کے نیزے بھر اوپر آنے سے پہلے کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیار کردہ مُنار

ابن زبالہ اور یحییٰ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جب مسجد تعمیر کرائی تو چار منار رکھے' ہر کونے پر ایک منار تھا۔ چوتھا منار مروان کے گھر پر اونچا تھا۔ جب سلیمان بن عبد الملک حج سے واپس آیا' مسجد میں مؤذن نے اذان پڑھی تو اوپر سے جھانک کر دیکھا جس پر سلیمان نے اس منار کو گرانے کا حکم دیا چنانچہ مسجد کی چھت کے برابر اسے گرا دیا گیا' اس کا دروازہ مسجد کے دروازے پر تھا۔ یحییٰ کے نسخہ میں ہے کہ اس کا دروازہ مسجد کے اس حصے پر تھا جو مسجد کی طرف سے مروان کے گھر سے ملتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے بعد مسجد کے صرف تین منار رہ گئے اور ابن زبالہ کے اس قول: مسجد نبوی کے تین منار ہیں جن میں سے ہر ایک ساٹھ ہاتھ بلند تھا' اور دوسری جگہ کہا کہ شمال مشرقی منار پچپن ہاتھ بلند تھا اور جنوب مشرقی بھی پچپن ہاتھ جبکہ شمال مغرب والا ترپین ہاتھ بلند تھا جبکہ ان کی ہر طرف سے چوڑائی آٹھ آٹھ ہاتھ تھی اھ۔

ابن جبیر نے جو کچھ اپنے سفرنامے میں لکھا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ شام کی طرف والے دونوں منار چھوٹے تھے کیونکہ انہوں نے لکھا ہے: مسجد مبارک کے تین منار تھے جن میں سے ایک رُکن مشرق میں تھا جو قبلہ کے متصل ہے اور دو دوسری طرف چھوٹے تھے اور برجوں جیسے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید شام کی طرف والے دونوں منار تبدیل کر دئے گئے ہیں کیونکہ آج کل وہ جنوب مشرقی منار کی شکل کے ہیں جو آج کل منارۂ رئیسیہ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اسے رئیس ہونے کی خصوصیت حاصل ہے اور ہمارے اس دور میں منارۂ رئیسیہ کا طول اولاً اس کے ہلال (چاند) کے سرے سے نیچے تک ستّر ہاتھ ہے پھر اس میں سے ایک تہائی حصہ اس کڑک کی وجہ سے گر چکا ہے جس سے مسجد میں دوبارہ آگ لگی تھی چنانچہ اسے پورے کو گرا دینے کی صورت بن گئی پھر اسے دوبارہ بنایا گیا چنانچہ آج کل اس کا طول سو ہاتھ سے زیادہ ہے چنانچہ یہ سب مناروں سے طویل ہو گیا پھر اس کے بعد دوبارہ خرابی ہوئی چنانچہ سلطان اشرف شجاعی نے شاہین جمالی کو بھیجا اور اسے حکم دیا کہ اسے گرا دے چنانچہ اس نے گرا دیا' یہ مضبوط نہ تھا پھر نہایت گہرائی میں بنیاد کھودی اور دوبارہ اسے نہایت مضبوط بنایا جس کا عرض

مسجد کی مشرقی دیوار تک تھا جو مسجد کے مشرق میں جنازگاہ سے شروع ہوتی ہے پھر اس کی بلندی میں بھی اضافہ کیا جس کی بناء پر وہ ایک سو بیس ہاتھ کا ہو گیا اور شمال مشرقی منار کا طول اناسی ہاتھ ہے' اسے سنجاریہ کہتے ہیں جبکہ شمال مغربی منار کا طول بہتر ہاتھ ہے جسے خشبیہ کہتے ہیں' ہر ایک کی پیمائش ہلال کے اوپر والے کنارے سے مسجد کی باہر والی زمین تک ہے۔ اور اسی سے معلوم ہو گیا کہ جو منار ابن زبالہ کے دور میں تھے' آج ان میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ شروع سے مسجد کے تین منار چلے آتے تھے حتیٰ کہ چوتھا جدید بنا دیا گیا' ایک اور جگہ پر انہوں نے اس کی نئی تعمیر کا ذکر کیا ہے چنانچہ مروان کے اس خوخہ کے ذکر میں کہا ہے جو مسجد غربی کے کونے میں موجود ہے: '' ولید نے خوخہ مذکورہ کا مشاہدہ اس وقت کیا جب وہ جدید بڑا منار ۷۰۶ھ میں بنا رہے تھے' اسے بنانے کا حکم سلطان الملک الناصر محمد بن قلاوون نے دیا تھا۔''

علامہ مطری نے کہا کہ خوخہ کا دروازہ اسی پر تھا اور وہ ساج کی لکڑی سے بنا ہوا تھا جو آج تک کمزور نہیں ہوا' اسی سے مروان مسجد کے اندر داخل ہوا کرتا تھا' یہ خوخہ منارہ کی مغربی دیوار کی وجہ سے بند ہو گیا۔

(قلت) بدر بن فرحون رحمہ اللہ نے اس منار کی تعمیر کا ذکر کیا ہے کیونکہ انہوں نے اسے بنتے دیکھا تھا' انہوں نے کہا ہے کہ کھدائی کے وقت یہاں کسی منار کا کوئی اثر باقی نہیں تھا' ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے: جب سلار اور بیبرس دونوں نے حج کیا تو ان سے خادموں کے سربراہ شبل الدولہ کافور مظفری (جسے حریری کہتے تھے) نے آج کل کے باب السلام والے منار کی تعمیر کے لئے گفتگو کی جس پر دونوں نے بہت سا انعام دینے پر رضا مندی ظاہر کی' پھر اسے ڈر ہوا کہ یہ دونوں بے پرواہی کریں گے اور خرچہ برداشت نہیں کر سکیں گے چنانچہ کہنے لگے کہ میں تم سے مال نہیں مانگتا' میرے پاس سونے اور چاندی کی قندیلیں ہیں جو اس کام سے بڑھ کر ہیں۔ اس پر انہوں نے کاریگر بھیجنے کا وعدہ کیا اور اسی مقام پر بنیاد کھودنے کا اظہار کیا جہاں یہ آج کل موجود ہے چنانچہ ابھی تھوڑا سا نیچے گئے تھے کہ انہوں نے مروان بن حکم کے دروازے کو دیکھا جو زمین سے قد انسانی جتنا نیچے تھا پھر انہوں نے مروان کے دور میں مسجد کے فرش پر سیاہ رنگ کے ڈالے گئے کنکر دیکھے جو دیکھنے میں جبل سلع کے معلوم ہوتے تھے پھر وہ بنیاد میں نیچے گئے اور پانی تک جا پہنچے پھر حریری نے اہل مدینہ کو تعمیر میں تعاون کے لئے کہا جیسے الشیخ ابراہیم بناء اور الشیخ علی الفراش الحجار وغیرہ' یہ زیادہ ماہر نہیں تھے چنانچہ انہوں نے بنیاد برابر کی اور موسم حج میں جب کاریگر آئے تو ان کے سربراہ نے شیخ سے کہا' اسے مت بناؤ کیونکہ یہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ ہم اس سے مطمئن نہیں ہیں چنانچہ شیخ اس تعمیر سے رُک گئے اور اسی وقت مصر کو گئے چنانچہ شیخ نے اپنے معلموں سے کہا کہ تم بناؤ چنانچہ انہوں نے اسے موجودہ شکل میں بنا دیا اور یہ قابل دید اور مفید بن گیا کیونکہ یہ مدینہ کے درمیان میں ہے چنانچہ اذان دینے والوں کے سربراہ محمد بن ابراہیم نے مجھ سے کہا' اگر آپ اذان کی یہ جگہ میرے سپرد کر دیں تو پورے مدینہ میں آواز پہنچا لوں گا اور واقعی یہ سچ تھا کیونکہ مدینہ کا پھیلاؤ اور اس کی قوت مغرب کی طرف تھی یعنی اس منار کے عین برابر۔

بعض مؤرخین ذکر کرتے ہیں کہ وہاں اذان کے لئے مروان کے گھر سے اونچی جگہ تھی جسے اس نے مؤذنوں سے اپنے گھر کی غیرت بچانے کے لئے گرا دیا تھا لیکن یہ بات صحیح نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی علامت موجود ہے۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں، جو کچھ انہوں نے آخر میں ذکر کیا ہے کہ یہ ''منار'' احتمال ہے کہ مسجد کے دروازے پر ہو اور چھت سے مروان کے گھر سے ملا ہوا اور زمین میں اس کی بنیاد ہی نہ ہو۔'' چنانچہ اس پر ان کا پہلی روایت میں یہ قول دلیل ہے: ''اس کا دروازہ مسجد پر ہے یا اس طرف مسجد کے دروازے پر ہے۔'' تو کھدائی کے وقت زمین میں اس کا اثر دکھائی نہ دینے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ وہ سرے سے اس طرف موجود ہی نہ ہو۔ علماء نے اس کی پیائش کا خیال نہیں رکھا حالانکہ یہ مسجد کے سارے مناروں سے طویل ہے، ہم نے ہاتھوں سے اس کی پیائش کی تھی تو اوپر ہلال کے سرے سے زمین تک پچانوے ہاتھ تھا لیکن رئیسیہ منار پہلی آتشزدگی کے بعد نیا بنا تو اس سے طویل ہو گیا۔ (واللہ اعلم)۔

جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں سب سے پہلے منار بنانے کا سلسلہ ولید کے اضافے کے دوران ہوا اور پھر اس کی شہادت ابن اسحاق، ابو داؤد اور بیہقی کی یہ روایت ہے کہ بنی نجار کی ایک عورت نے کہا کہ میرا گھر مسجد کے گرد والے گھروں میں سے طویل ترین تھا، روزانہ صبح کو بلال اس پر اذانِ فجر دیتے، وہ سحری ہی وقت وہاں آ جایا کرتے، چھت پر بیٹھے فجر ہونے کی انتظار کرتے رہتے پھر دیکھ کر لیٹتے اور پھر کہتے ''اے اللہ میں تیری تعریف کر رہا ہوں اور قریش کے بارے میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں کہ تیرے دین پر قائم ہو جائیں۔'' وہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد وہ اذان پڑھتے۔

ابو برزہ اسلمی کہتے ہیں کہ منار پر اذان پڑھنا سنت ہے اور یونہی اقامت (تکبیر) بھی سنت ہے، ان کے علاوہ روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں اذان حضرت عبد اللہ بن عمر کے گھر کی چھت پر ہوتی تھی جو مسجد سے قبلہ کی طرف تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق محمد بن اسماعیل وغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر میں قبلہ کی طرف ایک منار تھا جس پر چڑھ کر بلال اذان دیتے تھے، چبوترے پر چڑھ کر اس پر جاتے چنانچہ وہ ستون اب تک قائم ہے، چار پہلو ہے جسے آج کل ''مطمار'' کہتے ہیں اور وہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر کے گھر میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ گذشتہ قصۂ خوخہ میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متبادل راستے کے بیان میں جس ستون کا ذکر ہے، وہ یہی ہے، بیان یہ ہے: ''اسے ان کے لئے وسیع کر دیا اور یہ ستون تک وسیع ہو گیا۔''

میں نے اقشہری کے قلم سے لکھا نقل کیا ہے کہ عبد العزیز بن عمران نے کہا: حضرت عبد اللہ بن عمر کے گھر میں قبلہ کی طرف ایک ستون تھا جس پر حضرت بلال اذان پڑھا کرتے اور وہ چوکور شکل میں اب تک موجود ہے۔ اقشہری کہتے ہیں کہ وہ آج تک اسی صورت میں موجود ہے، عبد العزیز کہتے ہیں کہ اسے ''مطمار'' کہتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس منار پر اذان پڑھتے جو

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر میں تھا۔ یہ گھر مسجد سے متصل تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ اس میں سیڑھیوں پر چڑھ کر اذان پڑھتے۔ یہ ستون اس گھر میں تھا جو حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں تھا اور جسے عبد اللہ بن عمر کا گھر کہا جاتا تھا' یہ مسجد سے باہر تھا' مسجد میں داخل نہ تھا اور نہ ہی آج کل اس میں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے مسجد میں خوشبو کا استعمال کیا اور مؤذنوں کی تنخواہ مقرر کی

یحییٰ کے مطابق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں خوشبو کا استعمال کیا' مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور حضور ﷺ کے بعد منبر سے نچلے تیسرے درجے پر بیٹھے۔

مسجد کا محافظ مقرر کیا گیا

حضرت موسیٰ بن عبیدہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنخواہ پر مسجد کا محافظ رکھا تا کہ کوئی شخص مسجد میں دخل نہ دے سکے۔

کثیر بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی محافظ دیکھے' وہ لوگوں کو مسجد میں جنازہ پڑھنے سے روکا کرتے۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: تم لوگوں کو مسجد میں جنازہ پڑھنے پر مارتے ہو؟ وہ کہتے ہیں' ہاں' انہوں نے کہا: دیکھو! حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ تو مسجد ہی میں پڑھا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں: یحییٰ کے مطابق یہ محافظ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے موجود تھے' وہ لوگوں کو مسجد میں جنازہ پڑھنے سے روکا کرتے تھے کیونکہ مقبری کہتے ہیں کہ انہوں نے مروان بن حکم کے مقرر کردہ محافظ دیکھے جو لوگوں کو مسجد سے نکال دیتے اور اس میں جنازہ پڑھنے سے روکا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: رہا یہ کہ حضور ﷺ کے دور میں کیا ہوتا تھا تو اس سلسلے میں ایک حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو قریب المرگ شخص کی آپ کو اطلاع دی جاتی' آپ تشریف لے جاتے اور دعا فرماتے اور جب وہ فوت ہو جاتا تو آپ اور صحابہ کرام واپس آ جاتے' کبھی بیٹھ بھی جاتے اور اتنی دیر ہو جاتی تو آپ کو بوجھ محسوس ہوتا۔ کہتے ہیں کہ جب ہم نے یہ مشقت دیکھی تو لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: مناسب یہ ہے کہ بندے کے فوت ہو جانے تک ہم آپ کو اطلاع نہ دیا کریں' روح قبض ہونے ہی پر اطلاع دیا کریں' اس میں آپ بوجھ محسوس نہیں کریں گے اور نہ ہی وقت ضائع ہو گا چنانچہ ہم نے یونہی کیا' ہم آپ کو میت کی اطلاع دیتے' آپ تشریف لا کر جنازہ پڑھاتے' پھر کبھی تو چلے جاتے اور کبھی دفن ہونے تک ٹھہرے رہتے۔ کچھ عرصہ تک ہم یونہی

کرتے رہے پھر ہم نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اطلاع دئے بغیر جنازہ اُٹھا کر آپ کے پاس لے جایا کریں' آپ اپنے گھر کے قریب ہی جنازہ پڑھا دیا کریں؟ یہ آپ کے لئے آسان رہے گا' چنانچہ ہم نے یوں ہی کیا اور آج تک یونہی ہو رہا ہے۔

مسجدوں میں نماز جنازہ کا حکم

ابن شہاب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو آپ اس کے مقامِ دفن پر جاتے اور جنازہ پڑھایا کرتے' جب یہ آپ کے لئے دشوار ہو گیا اور آپ عمر رسیدہ ہو گئے تو لوگ آپ کے پاس جنازہ اُٹھا کر لے جاتے چنانچہ آپ اپنے گھر کے پاس ہی جنازگاہ میں جنازہ پڑھا دیا کرتے۔اب تک یہی سلسلہ جاری ہے۔

ابن شبہ کے مطابق جنازگاہ میں کھجور کے دو درخت تھے' میت لائی جاتی تو ان کے پاس رکھ دی جاتی' اور جنازہ پڑھا جاتا۔حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد تعمیر کرتے وقت انہیں کاٹنے کا ارادہ کیا تو انصار ان کے بارے میں لڑنے لگے' آپ نے خرید کر انہیں کاٹ دیا۔

صحیح بخاری میں قصہ' یہود کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے کہ ''دو یہودیوں کو مسجد کے قریب جنازگاہ میں سنگسار کر دیا گیا۔'' اس سے پتہ چلا کہ یہ جگہ جنازہ کے لئے مشہور ہو چکی تھی۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے' انہوں نے حکم دیا کہ حضرت سعد بن ابو وقاص کا جنازہ مسجد میں لے جا کر پڑھایا جائے' لوگوں نے یہ بات ناپسند کی تو سیدہ نے فرمایا: لوگ کتنی جلدی بھول جاتے ہیں' حضور ﷺ نے حضرت سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد ہی میں تو پڑھی تھی۔اور روایت میں ہے بخدا رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے دونوں بیٹوں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ ایسا کم ہی ہوا ہے ورنہ آپ کا اکثر عمل ویسے ہی ہوتا تھا جیسے اشارہ کر دیا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھا تھا' پھر حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ مسجد میں پڑھا۔ایک اور روایت میں ہے کہ منبر کے پاس پڑھا تھا۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس سے تو اجماع ثابت ہوتا ہے۔اس میں کئی مذہب ہیں۔

ابن نجار نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے گذشتہ قول کے بعد کہا: جنازوں کے بارے میں سنت اب تک باقی ہے لیکن علویوں اور سرکاری لوگوں کو چھوڑ کر' کیونکہ باقی لوگوں کا جنازہ مسجد کی مشرقی دیوار کے پیچھے پڑھایا جاتا تھا جب امام جنازہ کے لئے کھڑا ہوتا تو حضور ﷺ دائیں طرف ہوتے۔انتہٰی۔

ناموراشراف شیعہ لوگوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کا جنازہ کیونکر؟

میں کہتا ہوں کہ ابن نجار کا ذکر کردہ طریقہ ختم کر دیا گیا اور پھر تمام جنازے مسجد ہی میں پڑھے جانے لگے البتہ خاص لوگوں کے جنازے ریاض الجنہ میں قبرِ انور اور منبر کے درمیان پڑھائے جاتے' ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے جنازے ریاض الجنہ کے سامنے پڑھائے جاتے' جنازہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے رکھ دیا جاتا' یہ سلسلہ ۸۴۲ھ تک جاری رہا' اس وقت سلطان ظاہر جقمق حکمران تھے پھر شیخ حرم نے شیعہ حضرات کے جنازے مسجد میں پڑھنے سے روک دیا۔چنانچہ شیعہ کہلانے والے لوگوں کو اپنے جنازے مسجد میں لانے سے روک دیا گیا ہاں اشراف علوی لوگوں کے پڑھائے جاتے۔چنانچہ یہی طریقہ آج تک جاری ہے کہ مسجد میں صرف اشراف شیعہ اور اہل سنت کے جنازے داخل ہوتے ہیں۔کچھ اہلِ مدینہ نے غیر اشراف شیعہ کے جنازے مسجد میں لانے کا ارادہ کیا تو اس سلسلے میں امیرِ ترک نے مداخلت کر کے روک دیا تھا۔

ہمارے مالکی شیخ شہاب الدین احمد بن یونس قسطینی رحمہ اللہ تعالیٰ ریاض الجنہ اور مسجد کے اگلے حصے میں نماز جنازہ پڑھنا ناپسند کرتے تھے کیونکہ اس طرح میت کے دونوں پاؤں حضور علیہ السلام کے سرِ انور کی طرف ہو جاتے تھے' پھر آپ نے وصیت کر رکھی تھی کہ خود ان کا جنازہ مسجد سے باہر قبرستان میں پڑھایا جائے نیز وصال سے قبل آپ اکثر یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔آپ نے مجھے شام وغیرہ کے شافعی و غیر شافعی علماء کے خط بھی دکھائے تھے جن میں آپ ہی کی موافقت کی گئی تھی اور پھر ایک شافعی عالم نے کہا تھا: مناسب یہ ہے کہ مسجد نبوی میں نماز جنازہ حجرہ شریف کے پیچھے پڑھایا جائے یا پھر مشرق کی طرف' انہوں نے مجھ سے بھی کچھ لکھنے کو کہا تو میں نے جو کچھ لکھا' اس کا حاصل یہ تھا کہ: اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر نبی کریم علیہ السلام کی تعظیم لازم قرار دے رکھی ہے' ان کی عزت لازم ہے اور پورا ادب کرنے کی ضرورت ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب میت کو ریاض الجنہ یا مسجد کے اگلی طرف رکھا جائے گا جیسے آج کل رکھا جاتا ہے تو اگرچہ اس کے دونوں پاؤں حقیقۃ سرِ انور کے مقابل نہیں ہوتے کیونکہ سرِ انور تو ستون توبہ اور مخلقہ کے مقابل ہے یعنی ان ستونوں کے مقابل ہے جو جنازہ پڑھانے والے کی پچھلی طرف ہیں' تاہم اس کے دونوں پاؤں ضرور اسی جہت میں ہوں گے اور دور ہونے کے باوجود جہت تو یہی رہے گی اور ہم کسی شخص کو ریاض الجنہ کے اسی مقام پر لیٹا ہوا دیکھیں جس نے اسی پاک جہت کی طرف پاؤں کر رکھے ہوں تو ہم اسے پسند نہیں کریں گے اور جسے ہم زندہ لوگوں کے لئے مناسب نہیں سمجھتے' اسے میت کے بارے میں کیسے پسند کریں گے؟

میں نے چاروں مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے' میں نے کہیں نہیں دیکھا کہ کسی عالم نے پاؤں کی جہت کے رے میں سنت طریقے کا ذکر کیا ہو بلکہ شافعی حضرات نے کئی جنازے آنے پر اکٹھی نماز جنازہ کے بارے میں دو مورتیں لکھی ہیں جن میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ قبلہ کی طرف سب کو ایک صف میں امام کے سامنے رکھ دیا جائے' (پاؤں سب

کے ایک طرف ہوں) ابوزرعہ نے مزید کہا ہے' بہتر یہ ہے کہ اپنی دائیں طرف رکھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سب کو ایک لائن میں یوں رکھے کہ ایک میت کا سر دوسرے کے قدموں میں ہو اور پھر امام سب کو اپنی دائیں طرف رکھتے ہوئے آخری کے بالمقابل کھڑا ہو۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ایک ہی طرح کے ہوں اور اگر مختلف ہو جائیں تو پہلی صورت پر عمل کرنا ہوگا۔

اس سے دوسری صورت میں میت کے دونوں پاؤں امام کی دائیں طرف ہونے کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے ورنہ اس کی دائیں طرف سب کی صف ایک نہیں بنتی' رہی پہلی صورت تو اس میں ابوزرعہ سے یہی کچھ ثابت ہے اور پھر جب کئی جنازوں کے بارے میں پاؤں داہنی طرف رکھنا مستحب ہوا تو ایک کا حکم بھی ویسا ہی ہوگا لہٰذا بہتر یہی ہوگا کہ میت کے پاؤں داہنی طرف ہوں لیکن لوگ بائیں طرف ہی کیا کرتے ہیں۔

اس میں راز کی بات مجھے یہ دکھائی دی ہے کہ لوگ نمازِ جنازہ مسجد سے باہر معروف جگہ پر پڑھتے تھے جو مشرق میں تھی اور قبرِ انور وہاں کھڑے ہونے والے کی دائیں طرف ہوتی تھی چنانچہ انہوں نے ادب اسی میں دیکھا کہ میت کے پاؤں امام کی بائیں طرف کئے جائیں تاکہ اس مبارک جہت سے ہٹ جائیں اور پھر انہوں نے یہ عادت ہی بنا لی اور یہی سلسلہ رائج ہو گیا اور جب اسے چھوڑ دیا گیا اور لوگوں نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا شروع کر دی تو پھر وہی پہلی عادت اپنا لی کہ میت کے پاؤں امام کی بائیں طرف کئے' یہ ان کی غفلت تھی اور جب بائیں طرف پاؤں کرنا سنت ثابت نہیں ہوتا تو اس مقام ادب کے پیش نظر دائیں طرف کرنا زیادہ بہتر ہے۔

میں نے ایک فاضل شافعی عالم شیخ فتح الدین بن تقی الدین کازرونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مذاکرہ کیا تو انہوں نے کہا: جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے دونوں پاؤں امام کی دائیں طرف کئے جائیں چنانچہ ان سے یہی معاملہ کیا گیا۔ علاوہ ازیں وہ جگہ جو مسجد سے آپ کے پاؤں مبارک کی طرف ہے' وہ حضور ﷺ کے دور میں جنازہ کی جگہ تھی اور اس پر دلیل بنونجار کا وہ واقعہ ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے کھجور کے دونوں درخت کاٹنے کا ارادہ کیا تھا جب آپ مسجد کی تعمیر کر رہے تھے تو اگر آج وہاں اس شخص کا جنازہ پڑھا جائے جسے مسجد میں لایا گیا تو بہتر ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ بات حاصل ہو جاتی ہے کہ میت کے پاؤں امام کی بائیں طرف اور اس کا سر حضور ﷺ کے مبارک پاؤں کی طرف ہو جائے گا اور یہ افضل ہوگا۔ کیونکہ یہ عادت جاری ہے کہ میت کو بابِ جبریل سے باہر نکالا جاتا ہے اور یہ سلف صالحین کے طریقے کے موافق ہوگا کہ وہ بھی وہاں اپنے مردوں کے جنازے ایسے پڑھا کرتے تھے لیکن عادت والے لوگ مجھ سے اتفاق نہیں کرینگے۔

میں نے اسی سوال کے جواب میں اپنی کتاب "دفع التعرض والانکار لبسط روضۃ المختار" کے اندر بڑی تفصیل لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۸

خلیفہ مہدی کا اضافہ

ابن زبالہ اور یحییٰ نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی عرصہ تک اسی حالت میں رہی جیسے ولید نے اضافہ کیا تھا پھر ابو جعفر منصور نے اضافے کا ارادہ کیا لیکن فوت ہو گیا اور کوئی اضافہ نہ کر سکا اور خلیفہ مہدی نے اضافہ کیا تھا لیکن یحییٰ نے قبلہ کی دیوار میں لکھے ہوئے کو بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے' الفاظ یہ ہیں: ''پھر اس تحریر کی ایک جانب (جو مہدی کے دور میں لکھی گئی) وہ تحریر ہے جو ابو العباس سفاح کے دور میں لکھی گئی کہ ''یہ تحریر مجھ تک پہنچی جس میں یہ لکھا ہوا ہے: ''اللہ کے بندے عبد اللہ امیر المؤمنین نے ۱۳۲ھ میں حکم دیا ہے کہ مسجد رسول اللہ ﷺ کو خوبصورت بنایا جائے اور اسے وسیع کیا جائے' اس میں رضاء الٰہی کی خواہش ہے اور اللہ سے ثواب کی اُمید کیونکہ دنیا و آخرت کا ثواب اللہ ہی سے ملے گا اور اللہ بہت سننے دیکھنے والا ہے۔'' انتہیٰ۔

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ابو العباس سفاح (پہلے خلیفۂ بنو عباس) نے اپنی حکومت کے ابتدائی دنوں میں مسجد وسیع کی تھی' اس کی حکومت ۱۳۲ھ اور وفات ۱۳۶ھ کو ہوئی۔

ابن زبالہ کے الفاظ یہ ہیں: کہتے ہیں کہ ولید بن عبد الملک کے اضافے کے بعد عرصہ تک مسجد اسی صورت میں رہی' پھر اسی دوران ابو جعفر عبد اللہ (منصور بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس) حاکم بن گئے' چنانچہ اس نے اضافے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں مشورہ کیا' ادھر حسن بن زید نے انہیں جنازگاہ کے بارے میں کچھ لکھ بھیجا اور کہا کہ اگر مشرقی جانب سے مسجد میں اضافہ کیا گیا تو حضور ﷺ کی قبرِ انور مسجد کے درمیان میں آ جائے گی۔ اس پر ابو جعفر نے لکھا کہ جو کچھ تم نے کہا' اسے میں جان گیا ہوں لہٰذا حضرت عثمان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے بارے میں بات نہ کرو۔ اسی دوران ابو جعفر فوت ہو گیا اور کوئی اضافہ نہ کر سکا۔

اس کے بعد مہدی (ابن ابو جعفر) نے ۱۶۰ھ میں حج کیا' پھر واپسی پر مدینہ منورہ آیا اور ۱۶۱ھ میں یہاں کا گورنر جعفر بن سلیمان مقرر بنا اور ساتھ ہی مسجد میں اضافے کا حکم دیا' نگرانی کے لئے عبد اللہ بن عاصم بن عمر بن عبد العزیز اور عبد الملک بن شبیب غسانی کو مقرر کیا' ابن عاصم تو فوت ہو گیا چنانچہ اس کی جگہ عبد اللہ بن موسےٰ حمصی کو مقرر کر دیا اور مسجد میں شام کی طرف (شمال میں) ایک سو ہاتھ کا اضافہ کیا لیکن قبلہ' مشرق اور مغرب میں کوئی اضافہ نہ کیا' یہ اضافہ صحنِ مسجد سے عورتوں کے ڈیوڑھیوں تک دس ستون تھے اور پانچ ڈیوڑھیاں شام کی طرف بنائیں۔

یحییٰ نے ان کے قول: ''جعفر بن سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن عباس'' کے بعد لکھا کہ اسے مسجد میں اضافے کا حکم دیا جبکہ نگرانی کے لئے' عبد اللہ بن عاصم بن عمر بن عبد العزیز بن مروان اور عبد الملک بن شبیب غسانی شامی کا تقرر کیا چنانچہ مسجد میں اضافہ شام کی طرف وہاں تک کیا جہاں آج اس کی انتہاء ہے' اس نے سو ہاتھ کا اضافہ کیا' مشرق'

مغرب اور قبلہ کی طرف کوئی اضافہ نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات نے یہ جو کہا ہے کہ خلیفہ نے مسجد کے آخر میں سو ہاتھ کا اضافہ کیا تو گذشتہ ولید کے اضافہ والی یہ روایت: ''اس نے اس کا طول دو سو ہاتھ رکھا'' اس کے خلاف ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ مہدی کے اضافہ کے بعد مسجد کا طول تین سو ہاتھ ہو جائے جبکہ ابن زبالہ کی وضاحت کے مطابق مسجد کا آج کل طول دو سو چالیس ہاتھ ہے اور جب میں نے خود پیائش کی تو تیرہ ہاتھ اس سے بھی زیادہ تھا جیسے آئندہ آئے گا اور بایں ہمہ یہ روایت اس فوری سمجھ آنے والے احتمال کی تائید کرتی ہے جو ولید کے اضافہ والی پہلی روایت میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ ان کے دور میں شام کی طرف مسجد کی انتہاء میں یہ اضافہ مربعۃ القبر والے ستون سے چودہ ستون تھے اور یہاں سے مسجد کے آخر تک چوبیس ستون تھے اور جب ہم اس میں سے ولید کے چودہ ستون نکال دیں تو دس باقی رہ جاتے ہیں اور انہوں نے تو اس کی پیائش سو ہاتھ رکھی تھی اور ان کی گذشتہ روایت میں اس قول ''اور یہ مسجد کے صحن میں عورتوں کی ڈیوڑھیوں تک (ان کے آخر تک) دس ستون ہیں'' کا مطلب بھی یہی ہے اور عورتوں کی ڈیوڑھیوں سے مراد شام کی طرف والا چھتا ہوا حصہ ہے پھر ان کے اس قول ''پانچ ستون ڈیوڑھیوں میں ہیں'' کا مطلب بھی یہی ہے اور یہ پانچ ستون انہی دس میں سے ہیں حالانکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ مہدی نے چھتا ہوا حصہ پانچ ستون بنائے تھے اور یہ اسی دور کی بات ہے لیکن آج وہ صرف چار ہیں جبکہ پہلے ہم اس بات کو اولیت دے چکے ہیں کہ ولید کا مذکورہ اضافہ صرف چار ستون کا تھا اور پھر اس بات کو بھی اولیت دے چکے ہیں کہ ولید کی مذکورہ زیادتی رحبہ میں چودہ ستون تھے اور انہی میں وہ چار ستون بھی شامل تھے جو پہلے ہی ڈیوڑھیوں میں تھے اور یہ کہ انہوں نے اپنے دور میں چودہ مذکورہ ستونوں کے بعد شام کی طرف ڈیوڑھیاں بنائی تھیں اور اس ترجیح کا مقصد اس پیائش کی موافقت کرنا ہے جو ان کے زمانے میں ہاتھوں سے کی گئی تھی اور پھر اس لئے بھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافے میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے مسجد کی پیائش ایک سو ساٹھ ہاتھ کر دی تھی چنانچہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شام کی طرف مسجد کی انتہاء مربعۂ مذکورہ سے ان چودہ ستونوں سے قریب ہی ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافے کے مطابق چالیس ہاتھ کا اضافہ تھا اور مہدی کا اضافہ صرف پچپن ہاتھ تھا' یوں مہدی کا اضافہ مسجد کے اخیر میں چھ ستون بنتے ہیں لیکن عنقریب مسجد کے دروازوں کی بحث میں آ رہا ہے کہ حضرت خالد بن ولید کے گھر کے سامنے والے دروازے پر لکھا ہوا تھا: ''زیادۃ المهدی'' اور یونہی اس کے بعد شام کی طرف والے دروازے کی صورت حال تھی اور پھر یہی حال ان دو دروازوں کا ہے جو مغرب میں ان دونوں کے بالکل سامنے آتے ہیں' وہ دروازے نہیں جو ان کے قریب ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ترجیح اس روایت کو حاصل ہے جس میں اس کے سو ہاتھ کے اضافے کا ذکر ہے۔

پھر میں نے مشرقی چھت والے حصے میں ایک ستون دیکھا ہے جو مسجد کے شام والے حصے میں نواں بنتا ہے' یہ نیچے سے چوکور ہے اور زمین سے تقریباً دو اڑھائی ہاتھ اونچا ہے اور یہ اس دروازے کے برابر ہے جو ان کے بیان کے

مطابق حضرت خالد بن ولید کے گھر کے سامنے تھا اور اگر یہ روایت سچی ہے تو پھر یہ مہدی کے اضافے کی ابتداء بنے گی۔ واللہ اعلم۔

ابن زبالہ و یحیٰ اپنی دو گذشتہ روایتوں میں بھی کہتے ہیں: اس کی تعمیر سے پہلے مہدی نے اس کا حکم دیا تھا چنانچہ انہوں نے اس کا اندازہ لگایا تو یہ خرید لیا گیا اور جو گھر مسجد میں داخل کر دیئے گئے تھے' ان میں حضرت ملیکہ کا گھر بھی تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق یہ گھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے قبضہ میں تھا لیکن اسے دار ملیکہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن نے ملیکہ بن خارجہ بن سنان کو یہاں ٹھہرایا ہوا تھا اور یہی وہ وجہ ہے جس کی بناء پر یہ ملیکہ کا گھر مشہور ہو گیا پھر عبدالرحمٰن بن عوف نے اسے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر عبداللہ نے اسے مسجد کی تعمیر کے وقت فروخت کر دیا تھا چنانچہ اس کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کر دیا گیا' دوسرا حصہ چراگاہ میں اور کچھ راستے میں آ گیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت ثرجیل بن حسنہ کا گھر بھی شامل کیا گیا جو عطیہ تھا کیونکہ انہوں نے کچھ گھر اور مکانات خرید کر صدقہ کر دیئے تھے جن میں سے کچھ بچ رہے تھے جو ان سے یحیٰ بن خالد بن برمک نے خرید لئے تھے اور وہ حضرت طلحہ کے باغ میں شامل کر دیئے گئے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن شبہ نے دارِ ملیکہ کا ذکر یوں کیا ہے کہ: ''اسے حضرت عبداللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خرید لیا تھا جو شاملات میں شامل ہو گیا جسے مہدی نے مسجد میں شامل کر دیا۔ اس گھر کا ذکر انہوں مدینہ میں رزواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجروں کے علاوہ گھروں کی علامت میں کیا ہے چنانچہ ابو غسان نے کہا: حضرت اُم حبیبہ بنت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آل ثرجیل والا گھر لے رکھا تھا اور انہوں نے اسے ثرجیل بن حسنہ کو بطور عطیہ دے دیا تھا' وہ ان کے بیٹوں کے پاس رہا اور پھر انہوں نے اس کا اگلا حصہ مہدی کو فروخت کر دیا جسے ۱۶۱ھ میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے اخیر میں شامل کیا۔ اس کے بعد ابن زبالہ لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس گھر کا باقی حصہ بھی شامل کیا گیا جسے دار القراء کہتے ہیں' یونہی مسور بن مخرمہ بن نوفل بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ کا گھر بھی شامل کیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن شبہ نے اس گھر کا ذکر بنو زہرہ کے گھروں میں کیا ہے اور کہا ہے کہ: مخرمہ بن اہیب بن نوفل نے گھر لیا جو مسجد کے ایک کنارے میں شرقی یمانی منار کے پاس تھا جس کا کچھ حصہ مہدی نے خرید لیا پھر دور والے مسجد کے صحن اور راستے میں شامل کر لیا' اس کا کچھ حصہ بیچا گیا جو آلِ مطرف میں سے ایک شخص نے لیا پھر بنو برمک کے قبضے میں آیا اور پھر آج کل کھلا پڑا ہے۔ انتہی۔ اس منارہ کو شرقی یمانی (شمالی) کہنا غلطی ہے' اسے شامی کہنا چاہیے۔

اس کے بعد ابن زبالہ و یحیٰ لکھتے ہیں کہ مہدی اس تعمیر سے ۱۶۵ھ کو فارغ ہوا۔ اس نے آل عمر کے خوخہ

(چھوٹا دروازہ) کو بند کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مقصورہ کا حکم دیا تھا چنانچہ اسے گرا کر مسجد کے برابر کر دیا گیا جبکہ وہ مسجد کے اگلے حصے سے دو ہاتھ بلند تھا' اس نے اسے توڑ کر مسجد کے برابر کر دیا۔ آل عمر نے اپنے خوخہ کے بارے میں اس سے بات کی تو بات بگڑ گئی' آخر اس نے اجازت دی تو انہوں نے کھول کر اسے زمین کے برابر کر دیا اور یوں وہ مسجد میں آ گیا یعنی مقصورہ شریف کے باہر کی طرف تھا جس کے گرد لوہے کی جالی لگی ہوئی ہے۔ اس نے اس خوخہ کے لئے تین درجے بنا دیئے چنانچہ آج کل وہ اسی طرح ہے۔

مہدی کے دور میں مسجد کے دروازوں پر لکھائی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے ولید کی طرح اسے پتھر کے خوبصورت ٹکڑوں سے بنایا تھا اور یہ بات بچے کھچے پتھر کے ان ٹکڑوں سے بھی معلوم ہوتی ہے جو شمال مغربی منارہ کے قریب مسجد کے آخر میں تھے اور مغربی دیوار کے قریب تھے۔

اس کے بعد' جہاں تک میں نے مدینہ کے بارے میں لکھنے والوں کو دیکھا ہے تو کسی نے بھی نہیں لکھا کہ مہدی کے بعد کسی نے مسجد نبوی میں اضافہ کیا ہو لیکن مراغی کے اس سلسلے میں الفاظ یہ ہیں: کہتے ہیں کہ مامون نے اس میں اضافہ کیا تھا اور ۲۰۲ھ میں اس کی بنیاد مضبوط کی تھی۔ سہیلی کہتے ہیں کہ یہ اسی حال پر ہے لیکن رزین اس کا انکار کرتے ہیں مگر ان دونوں روایتوں کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ اس نے تجدید کی تھی' اضافہ نہیں کیا تھا۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ رزین کے کلام میں ایسی کوئی بات مجھے تو دکھائی نہیں دی کہ اس حکایت کی طرف توجہ دی ہو اور اس کا انکار کر دیا ہو کیونکہ جن مؤرخین نے مامون کا زمانہ پایا ہے' انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں لکھی' ہاں ابن قتیبہ کی المعارف میں مہدی کے اضافے کے ذکر میں یہ الفاظ ملتے ہیں: ''مامون نے مسجد میں کافی ساری توسیع کی تھی'' اور پھر مامون کے اس اضافے میں میں نے پڑھا ہے کہ: ''عبداللہ نے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی تعمیر کے لئے ۲۰۲ھ میں حکم دیا تھا'' پھر اس نے مامون کے عدل و انصاف اور پرہیزگاری کے حکم کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے مسجد میں اضافہ کیا ہو کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے اضافہ کئے بغیر تعمیر کرائی ہو۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۱۹

ابتداء میں حجرہ مبارکہ کی کیفیت کیا تھی؟

پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضور ﷺ نے جب تعمیر فرمائی تو اپنی دو بیویوں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر بھی اسی طرح کچی اینٹوں اور کھجور کی ٹہنیوں سے بنائے تھے۔ ابن نجار کہتے ہیں کہ ''سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کا ایک دروازہ تھا جو عرعر یا ساج کی لکڑی سے بنا تھا'' پھر نویں فصل میں بھی بتایا جا چکا ہے' جن حضرات نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے گھر مسجد میں شامل ہوتے دیکھے' انہوں نے بتایا کہ وہ کھجور کی ٹہنیوں سے بنے ہوئے تھے جن پر بالوں سے بنے کمبل پڑے تھے اور عمران بن ابی انیس نے کہا تھا: ان گھروں میں

سے چار تو کچی اینٹوں سے بنے تھے جن کے آگے کھجور کی ٹہنیوں کا پردہ تھا۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے گرد سب سے پہلے کس نے دیوار بنائی؟

میں بتاتا ہوں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر ان چاروں میں سے ایک تھا لیکن ابن سعد کی روایت آگے آ رہی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں اس کے گرد دیوار نہ تھی اور سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنائی تھی۔ اسے یوں سمجھو کہ کھجور کے بنے گھر کی حضرت عمر کی طرف نسبت کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اسے دیوار کی شکل دیدی تھی۔ اس میں ساری روایتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر عبد اللہ بن یزید ھذلی کا بھی یہ قول گذر چکا ہے کہ: ''جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے گھر گرائے تو دیکھا کہ وہ کچی اینٹوں سے بنے تھے اور ان کے حجرے کھجور کی لمبی ٹہنیوں سے بنے تھے' صرف سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کا حجرہ نہ تھا۔'' پھر حضرت حسن بن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی ہے: میں ابھی چھوٹا ہی تھا' رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چلا جایا کرتا تھا' میں چھت کو ہاتھ سے چھو لیتا تھا' ہر گھر کا ایک حجرہ تھا اور یہ حجرے عرعر کی لکڑی پر بالوں سے بنے کمبل سے ڈھانپے ہوئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ بخاری شریف میں نبی کریم ﷺ کے جس پردہ کو کھولنے کا ذکر ہے' اس سے مراد یہی پردہ تھا۔

داؤد بن قیس کہتے ہیں، ''میرے خیال میں حجرے سے گھر کے دروازے کی چوڑائی چھ سات ہاتھ تھی جبکہ بلندی آٹھ اور نو ہاتھ کے قریب تھی۔ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے قریب کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس کا رُخ مغرب کی طرف تھا۔'' اس روایت سے ظاہر ہے کہ یہ دروازہ مغرب کی طرف تھا۔ آگے اس روایت کی تائید آ رہی ہے اور یونہی جو بخاری میں روایت ہے کہ آپ نے اپنی مرض کے دوران دروازے کا پردہ ہٹایا تھا اور وہ اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ کی امامت کر رہے تھے' پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آپ کے بالوں میں کنگھی کا ذکر ہے جب آپ تو اپنی اعتکاف کی جگہ پر تھے اور وہ گھر میں بیٹھی تھیں جیسے گذشتہ حدیث میں آ چکا ہے کہ: حضور ﷺ اعتکاف فرماتے تو سرِ انور میرے آگے کر دیتے اور میں کنگھی کر دیا کرتی اور پھر نسائی کی روایت میں ہے: آپ میرے پاس بحالتِ اعتکاف تشریف لاتے اور میرے حجرے کی چوکھٹ پکڑ کر کھڑے ہو جاتے' میں سرِ انور دھو دیتی' میں تو اپنے حجرے ہی میں ہوتی لیکن آپ کا مکمل جسم مسجد میں ہوتا لیکن اس سے پہلے یہ بھی آ چکا ہے کہ آپ کا دروازہ شام کی طرف تھا لیکن یہ روایت ضعیف ہے یا اس میں تاویل ہوئی ہے۔ ضعیف ہونے کی وجہ تو یہ ہے جیسے گذرا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر شام کی طرف سے آپ کے گھر سے متصل تھا اور مربعہ کا ستون حضرت علی کا دروازہ تھا۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اس ستون کا کچھ شامی حصہ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے متصل ہو لیکن دوسرا متصل نہ ہو چنانچہ یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی دلیل وہ گذشتہ روایت ہے جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کے گھر کے بیان میں گذری کہ وہ کھلی جگہ جو تعمیر عمر بن عبد العزیز میں موجود تھی' وہ حضور ﷺ کے نکلنے کی جگہ تھی۔

رہی اس میں تاویل تو یہ دو میں سے ایک طریقے پر ہے جیسے زین مراغی نے اس کی طرف یوں اشارہ دیا: ایک تو یوں' اس کا مطلب یہ نکالا جائے گا کہ وہ دروازہ ہے' جیسے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عمر کے دفن کے بعد ایک دیوار بنا دی تھی جو اس کے اور دیگر پاکیزہ قبروں کے درمیان تھی نہ وہ دروازہ جو حضور ﷺ کے زمانہ میں تھا اور یہ مشکل ہے کیونکہ آئندہ مضمون سے یہ بات نکلتی ہے کہ آپ کی بنائی دیوار مشرق میں تھی اور ان دونوں میں دوسری' تو یہ اس لئے کہ اس کے دو دروازے تھے کیونکہ اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں اور یہی مقصد ہے ابن عساکر کا جو محمد بن بلال نے بتایا کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے دیکھے' کھجور سے بنے تھے اور ان پر اونی کمبل ڈالے گئے تھے چنانچہ میں نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: کہ اس کا دروازہ شام کی طرف تھا۔ میں نے پوچھا: اس کا ایک دروازہ تھا یا دو؟ انہوں نے کہا' ایک ہی تھا۔ میں نے پوچھا کس چیز کا بنا تھا؟ انہوں نے کہا کہ عرعر یا ساج کی لکڑی سے بنا تھا۔ ابن عساکر نے جو یہ کہا ہے کہ ''گھر کا دروازہ شام کی طرف تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پوری زندگی میں اسے کسی شے سے بند نہیں کیا گیا۔'' تو انہوں نے اسی سے دلیل لی ہے۔

پھر مجھے طبقات ابن سعد دیکھنے کا موقع ملا تو اس میں یہ لکھا تھا کہ حجرہ شریف کے دو دروازے تھے کیونکہ انہوں نے وضاحت کے ساتھ کئی طریقوں سے لکھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کی نماز جنازہ ان کے حجرے ہی میں پڑھی اور پھر اسی کے دوران کہا: جب حضور ﷺ کا وصال مبارک ہوگیا تو صحابہ نے کہا' آپ کی نماز جنازہ کیسے پڑھیں؟ تو انہوں نے کہا: اس دروازے سے چھوٹی چھوٹی ٹولیاں داخل کرتے جاؤ وہ آپ کے لئے دعا کر لیں تو انہیں دوسرے دروازے سے نکالتے جاؤ۔ واللہ اعلم حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گھر قبلہ کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متصل تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق سیدہ حفصہ کے گھر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر (جس میں قبر انور موجود ہے) کے درمیان ایک راستہ تھا' گھر اتنے قریب تھے کہ وہ آپس میں بات چیت کر لیا کرتی تھیں' سیدہ حفصہ کا گھر خوخہ کی دائیں جانب تھا۔

میں کہتا ہوں کہ زائرین' مقصورہ کے اندر اور باہر آج کل یہیں کھڑے ہوتے ہیں جیسے مطری نے لکھا پھر مسجد نبوی کی حدود کے دوران آ چکا ہے کہ مسجد سے متصل حجرے کی دیوار ان قندیلوں کی حد میں تھی جو قبرِ انور سے متصل ستونوں اور ان کے مقابل ستونوں کے درمیان تھی اور یہ وہی ہے جو مغرب سے حجرے کو گھیرنے والی دیوار کی طرف ہے اور اسی طرف سے مسجد کے اضافے کے دوران حجرہ کا کچھ حصہ شامل کیا گیا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ حجرہ کا جو حصہ مسجد میں شامل کیا گیا وہ یوں تھا جیسے دروازے کی دہلیز ہوتی ہے اور جو حصہ تعمیر ہوگیا' وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر سمجھا

جاتا ہے جس میں حضورﷺ دفن ہوئے۔

قدیم مؤرخین سے میں یہی کچھ حاصل کر چکا ہوں جبکہ یہ بات متاخرین کے خلاف ہے' متاخرین نے کہا ہے کہ حُجرہ کی وہ دیوار جو حجرے کو گھیرے ہوئے ہے' وہ پہلی ہی دیوار ہے' مسجد کی حد یہیں تک ہے اور جو دیوار حضرت عمر بن عبد العزیز نے بنائی تھی تو وہ حجرہ سے متصل تھی جبکہ ہم پہلے ابن زبالہ و محاسبی کے قول سے اس کا رد کر چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۰

حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اس کے گرد دیوار پر کیا گزری؟

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: جب سے عمر دفن ہو گئے' میں پردہ کر کے آتی اور معمولی لباس پہنا کرتی اور جب تک میں نے اپنے اور قبروں کے درمیان دیوار نہیں بنا دی' میں اپنے لباس کا دھیان کرتی رہی۔

حضرت مطلب کہتے ہیں' لوگ قبرِ انور سے مٹی لیتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حکم دیا تو سامنے دیوار بنا دی گئی پھر دیوار میں چھوٹا سا سوراخ تھا' وہ بھی آپ کے حکم پر بند کر دیا گیا کیونکہ اس سے مٹی لینے لگے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر دو حصوں میں

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا' ایک میں تو قبرِ انور تھی اور ایک میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ٹھہری ہوئی تھیں' درمیان میں دیوار تھی اور جب آپ قبرِ انور کی طرف جاتیں تو معمول کے مطابق چلی جاتیں لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن ہو گئے تو آپ کپڑے پورے طریقے سے سنبھال کر (پردہ کر کے) جاتیں۔

ابن سعد کے مطابق حضرت حماد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن دینار اور عبید اللہ بن ابو زید سے سنا' دونوں کہتے تھے کہ حضورﷺ کے دور میں آپ کے گھر کے گرد دیوار نہ تھی' سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیوار بنائی تھی۔ حضرت عبید اللہ کہتے ہیں کہ یہ دیوار زیادہ اونچی نہ تھی پھر اسے عبد اللہ بن جبیر نے بنایا تھا۔

علامہ اقشہری کے مطابق ابو زید بن شبہ نے بتایا کہ ابو غسان بن یحییٰ (انہیں مدینہ کے بارے میں معلومات تھیں اور لکھے پڑھے تھے) نے بتایا کہ جب تک حضورﷺ' حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دفن نہیں ہوئے' آپ کا

گھر کھلا سا تھا اور پھر حضرت عمر بن عبد العزیز وہ شخص ہیں جنہوں نے گھر کے گرد پردہ کیا جو آج نظر آتا ہے' یہ کام انہوں نے اس وقت کیا جب ولید بن عبد الملک کے دور میں انہوں نے مسجد بنائی تھی' اسے کونہ دار بنایا کہ چوکور ہونے میں یہ کعبہ کی شکل اختیار نہ کر جائے اور لوگ اس کی طرف سجدہ کرنے لگیں۔

ابو زید کہتے ہیں: ابو غسان نے کہا: میں نے بہت سارے اہلِ علم سے سنا جن کے خیال میں حضرت عمر نے گھر بنایا تو اس کی وہ بنیاد تبدیل کر دی جو پہلے تھی' میں نے ایسے شخص سے بھی سنا جس نے کہا تھا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے گھر کے گرد تین دیواریں بنائی تھیں' قبرِ انور کو تین دیواروں نے گھیر رکھا تھا' ایک تو حضور علیہ السلام کے گھر کی دیوار تھی' ایک وہ دیوار جس کے متعلق خیال ہے کہ اسے حضرت عمر بن عبد العزیز نے بنایا اور ایک دکھائی دینے والی دیوار۔ انتہی۔

میں بتاتا ہوں کہ جب حجرہ شریف تعمیر کے دوران کھل گیا تھا تو ہمیں صرف ایک ہی دیوار دکھائی دی جو باہر والی دیوار کے اندر تھی۔

ابن سعد کے مطابق حضرت نوفل بن سعید نے بتایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں قبرِ انور کی وہ دیوار گر گئی جو اس کے گرد تھی تو انہوں نے اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ نوفل کہتے ہیں' حضرت عمر بیٹھے تھے کہ اس دوران انہوں نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: اے علی! اُٹھو اور نبی کریم علیہ السلام کے گھر کی صفائی کر دو' حضرت قاسم بن محمد نے کہا' اللہ آپ کا بھلا کرے' میں بھی جاؤں؟ انہوں نے کہا ہاں آپ بھی صفائی کر سکتے ہیں پھر سالم بن عبد اللہ اُٹھے اور انہوں نے بھی کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے' میں بھی کروں؟ حضرت عمر نے کہا: سب بیٹھ جاؤ' اے مزاحم! تم اُٹھو اور صفائی کرو چنانچہ حضرت مزاحم اُٹھے اور انہوں نے صفائی کی۔

حضرت مسلم کہتے ہیں: مجھے مدینہ میں پتہ چل گیا کہ جس گھر میں حضور علیہ السلام کی قبر انور ہے' وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر تھا نیز گھر کا اور حجرے کا دروازہ شام کی طرف (شمال) تھا' آپ کا گھر چھت سمیت اصل حالت پر تھا' گھر میں ایک گھڑا اور پتھر کے کچھ ٹکڑے تھے۔ انتہی۔

ابن زبالہ اور یحییٰ کے مطابق حضور علیہ السلام کے گھر کی مشرقی جانب نا مناسب خوشبو آئی تو حضرت عمر بن عبد العزیز آئے اور ان کے ساتھ عبد اللہ بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے' انہوں نے ابن وردان سے کہا کہ بنیاد کھود دیں۔ جب وہ کھود رہے تھے تو انہوں نے ہاتھ بلند کیا اور ڈر کے مارے الگ ہو گئے' حضرت عمر بن عبد العزیز گھبرا کر اُٹھے' حضرت عبد اللہ بن عبید اللہ کہنے لگے اے امیر المومنین! خطرے کی بات نہیں' یہ تمہارے دادا حضرت عمر بن خطاب کے قدم ہیں' گھر میں جگہ تنگ پڑ گئی تھی تو ان کے لئے بنیاد میں جگہ بنائی گئی تھی۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا: اے ابن وردان! جو کچھ تم نے دیکھ لیا ہے' اسے ڈھانپ دو چنانچہ انہوں نے یونہی کیا۔

حضرت مطلب کہتے ہیں کہ حجرہ انور کی دیوار گر گئی تو قبریں ظاہر ہو گئیں' حضرت عمر نے قباطی چادر سے ڈھانپنے کا حکم دیا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام ابو حفصہ کو حکم دیا' کچھ اور لوگ بھی ہمراہ تھے چنانچہ

انہوں نے دیوار بنا دی اور اس میں ایک روشندان رہنے دیا' وہ جب فارغ ہو گئے' دیوار بلند کر دی تو حضرت عمر کے غلام مزاحم داخل ہوئے' انہوں نے قبرِ انور سے مٹی وغیرہ صاف کر دی اور قباطی چادر کو نکالا' حضرت عمر بن عبد العزیز کہہ رہے تھے' جو کچھ مزاحم نے قبروں کی صفائی سے حاصل کیا ہے وہ مجھے دنیا کے مقابلے میں بہت بہتر دکھائی دے رہا ہے۔

یحییٰ کے مطابق حضرت عبد اللہ بن محمد بن عقیل کہتے ہیں: میں روزانہ رات کے آخری حصے میں گھر سے نکل کر مسجد کو آیا کرتا' نبی کریم ﷺ کو پہلے سلام پیش کرتا تھا اور پھر اپنی جائے نماز پر آ بیٹھتا اور صبح کی نماز پڑھتا۔ ایک رات میں بارش والی رات میں نکلا اور جب حضرت مغیرہ بن شعبہ کے گھر کے قریب پہنچا تو ایسی خوشبو آئی جو پہلے محسوس نہیں کی تھی' میں مسجد میں آیا اور حسب معمول پہلے حضور ﷺ کے پاس حاضری دی' دیکھا تو دیوار گری ہوئی تھی' میں اندر داخل ہوا' نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور نہایت آرام سے وہاں رُکا۔ پھر انہوں نے قبروں کی کیفیت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی کہ میں نے قدموں کی آہٹ سنی' دیکھا تو حضرت عمر بن عبد العزیز تھے' انہیں پتہ چل گیا تھا تو وہ آئے تھے' انہوں نے حکم دیا تو چادر ڈال دی گئی۔ صبح ہوئی تو مستری وردان کو بلا بھیجا' اسے اندر داخل ہونے کو کہا' وہ اندر گئے تو صورت حال دیکھی اور کہا: ایک آدمی کی ضرورت ہے جو مجھے سامان دیتا رہے۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے اندر داخل ہونے کے لئے پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھایا' انہیں دیکھ کر حضرت قاسم بن محمد اور پھر سالم بن عبد اللہ نے بھی اندر جانے کی تیار کر لی' اس پر حضرت عمر نے کہا' تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے کہا: بخدا ہم بھی آپ کے ساتھ اندر جائیں گے۔ اس پر حضرت عمر تھوڑی دیر رُکے اور پھر کہا: بخدا ہم بھیڑ کر کے ان حضرات کو تکلیف نہیں دیں گے لہٰذا اے مزاحم تم اندر جاؤ اور وردان کی مدد کرو۔

فارغ ہونے کے حضرت عمر بن عبد العزیز نے مزاحم سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی حالت کیا تھی؟ انہوں نے کہا کہ زمین کے برابر تھی۔ پھر پوچھا دوسرے حضرات کی قبریں کیسے تھیں؟ تو انہوں نے کہا کہ اونچی تھیں۔ حضرت عمر نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

عتبیہ میں ہے' حضرت مالک نے بتایا کہ حضور ﷺ کے گھر کی وہ دیوار گر گئی جس میں آپ کی قبر انور تھی' حضرت عمر بن عبد العزیز نکلے ان کے ہمراہ قریش کے کچھ لوگ تھے' حضرت عمر نے حکم دیا تو قبر انور کو ڈھانپ دیا گیا اور جب آپ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی تو مزاحم سے کہا کہ اندر جاؤ اور جو کچھ ہو' اسے نکال دو۔ وہ اندر گئے' کچی اینٹیں اور مٹی وغیرہ نکال دی اور پھر قبر انور کو پوری طرح درست کر دیا اور جو کچھ اوپر گر گیا تھا' اسے صاف کر دیا' پھر باہر نکلے' قبرِ انور کو ڈھانپا اور پھر دیوار بنائی۔ انتہیٰ۔

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ جب ولید بن عبد الملک کے دور میں قبرِ انور کی دیوار گر گئی تو انہوں نے تعمیر کا ارادہ کیا' انہیں ایک قدم دکھائی دیا' وہ ڈر گئے اور خیال کیا کہ یہ قدم حضور ﷺ کا ہے' کوئی بتانے والا نظر نہیں آ رہا تھا' اتنے میں حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے بخدا یہ حضور ﷺ کا قدم مبارک نہیں بلکہ حضرت عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

پچھلی روایت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس تعمیر کا سبب خود وہ دیوار تھی جو گر گئی تھی اور یہ اس بارش کی وجہ سے گری تھی جس کا گذشتہ روایت میں ذکر ہے۔

علامہ آجری کی روایت اس کے خلاف ہے' حضرت ہشام کہتے ہیں' مجھے میرے والد نے بتایا کہ لوگ قبرِ انور تک پہنچ جایا کرتے تھے چنانچہ عمر بن عبد العزیز نے حکم دیا تو دیواریں اونچی کر دی گئیں تا کہ کوئی پہنچ نہ پائے اور جب دیوار گری تو پنڈلی سمیت ایک پاؤں دکھائی دیا' حضرت عمر بن عبد العزیز ڈر گئے' اتنے میں حضرت عروہ آ گئے اور بتایا کہ یہ حضرت عمر کا پاؤں اور پنڈلی ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر خوش ہو گئے۔

حضرت رجاء بن حیوہ بتاتے ہیں کہ ولید بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو لکھا' وہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجرے خرید چکے تھے' انہیں حکم دیا کہ انہیں گرا دو اور مسجد میں شامل کر دو' یہ حکم ملنے پر آپ ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے اور پھر گرا دینے کا حکم دیا۔ میں نے لوگوں کو اتنا روتے کبھی نہیں دیکھا تھا اور پھر اس کے ارادے کے مطابق بنانا شروع کر دیا۔ جب قبرِ انور پر گھر بنانے کے لئے دیواریں گرائیں تو تینوں قبریں نظر آنے لگیں' ان پر پڑی ریت وغیرہ اُتر چکی تھی جس سے حضرت عمر بن عبد العزیز ڈر گئے اور ارادہ کیا خود اُٹھ کر اسے برابر کر دوں۔ میں نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے' اگر آپ اُٹھیں گے تو دوسرے لوگ بھی اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ آپ کسی ایک شخص سے کہہ دیں' وہ درست کر دے گا' مجھے اُمید تھی کہ مجھے ہی کہہ دیں گے' انہوں نے کہا اے مزاحم! اُٹھو اور اسے درست کر دو۔ (یہ ان کے غلام تھے)۔

حضرت رشید ابو المظفر گازرونی (شارح المصابیح) کہتے ہیں' میں نے کئی علماء سے مبارک قبروں کو چھپانے کے متعلق پوچھا یعنی اس- دیوار کرنے کے بارے میں پوچھا جس میں دروازہ بھی نہیں تھا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وصال ہونے کو تھا تو انہوں نے وصیت کی کہ ان کا جنازہ اُٹھا کر نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کے سامنے لے جایا جائے اور پھر اُٹھا کر بقیع میں دفن کر دیا جائے اور جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی وصیت پوری کرنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے خیال کیا کہ آپ انہیں یہیں دفن کریں گے چنانچہ انہیں منع کیا اور ان سے جھگڑے جب عبد الملک یا کسی اور کا دور آیا تو انہوں نے قبریں بند کر کے ڈھانپ دیں۔

حضرت عثمان بن عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عروہ نے کہا: میں نے قبرِ انور کے بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے بحث کی کہ مسجد کی توسیع کے بارے میں کوئی جھگڑا کھڑا نہ کریں لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی اور کہنے لگے کہ امیر المؤمنین کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔ میں نے کہا: اگر ضروری ہی ہے تو حجرے کے پیچھے جگہ بنا دو۔

ابن زبالہ کے مطابق حضور ﷺ کا گھر وہی تھا جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ٹھہری ہوئی تھیں۔ اور اس میں سیاہ پتھر لگے تھے۔ اس کی چار دیواریں تھیں' قبلہ والی دیوار لمبی تھی' شرقی اور غربی دیواریں برابر اور شامی جانب

(شمالی) والی دیوار کم لمبائی والی تھی' دروازہ شام کی طرف تھا جسے سیاہ پتھروں اور چونہ سے بند کر دیا گیا تھا پھر اس کے گرد حضرت عمر بن عبد العزیز نے یہ عمارت بنائی جو دکھائی دیتی ہے۔انہوں نے اس کا ایک کونہ بھی بنا دیا تا کہ لوگ اسے قبلہ نہ جان لیں اور مسجد رسول ﷺ میں سے اس جہت کی طرف نماز نہ پڑھ سکیں۔اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اللہ یہودیوں کو تباہ فرمائے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔'' پھر یہ بھی فرمایا: ''الٰہی ! میری قبر کو بت کی حیثیت نہ دینا کہ پوجا کی جانے لگے الحدیث'' کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے گرد والی دیوار اور نئی بنائی جانے والی مشرقی دیوار کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ تھا' مغربی جانب ایک ہاتھ' قبلہ کی طرف ایک بالشت اور شام والی جانب (شمالی) کھلی جگہ ہے۔اس کھلی جگہ میں کپڑے دھونے کا ٹوٹا ہوا برتن اور لکڑی کا پیمانہ موجود تھا۔عبد العزیز بن محمد کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ بنانے والے ان چیزوں کو نکالنا بھول گئے تھے۔انتہٰی۔

ابو غسان کہتے ہیں: میں نے اس کھلی جگہ کے بارے میں بات کرنے والے سے سنا' جو قبرِ انور کی جانب بنائی گئی ہے کہ وہاں کپڑے دھونے کا ایک برتن' ایک لکڑی اور سہارا لگانے کا لوہا ہے' محمد بن یحییٰ کہتے ہیں: عبد الرحمٰن بن ابو الزناد کہتے ہیں کہ یہ وہ برتن تھا جسے کاریگروں نے وہیں چھوڑ دیا۔ابو غسان کہتے ہیں کہ میں نے خود اس تکون جگہ میں دیکھا کہ وہاں کوئی چیز نہ تھی' ایک شخص کا خیال تھا کہ اس نے یہ برتن دیکھا تھا اور اس کے ہاتھ بھی کوئی شے رکھی تھی لیکن میں نے تو کچھ نہیں دیکھا اور نہ ہی مجھے کسی ایسے شخص کا علم ہے جس نے اس سامان کو اُٹھا لیا ہو' نہ ہی اس تکون میں میں نے کوئی دروازہ دیکھا اور نہ ہی دروازے کی جگہ دیکھی البتہ مجھے ابن ابی فدیک نے بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے گھر کا وہ دروازہ دیکھا جو شام کی جانب تھا۔انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ جب تعمیر کے وقت ہم نے دیکھا تو کوئی دروازہ نہ تھا اور نہ ہی دروازے کی جگہ تھی اور نہ شام والی تکون کوئی کپڑے دھونے کا برتن تھا جس کا ذکر کیا گیا۔

عنقریب تیئیسویں فصل میں آ رہا ہے' ابن عاث نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حجرہ مبارکہ کی گرنے والی دیوار تعمیر کرتے وقت' دیوار گرنے کی وجہ سے ایک ٹوٹا ہوا پیالہ دیکھا تھا' اسے بغداد پہنچا دیا گیا' اگر یہ بات صحیح ہے تو اُمید ہے کہ یہی برتن مراد ہے۔

پہلے ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں' اس سے پتہ چلتا ہے کہ مبارک قبروں کی جگہ چھتی ہوئی تھی اور ان کی چھت مسجد کی چھت کے نیچے تھی جیسے وضاحت سے آ رہا ہے اور جب مسجد کی چھت کھلی تو انہوں نے اس تکون اور حجرہ مبارکہ کے درمیان نظر ڈالی تھی جبکہ حجرہ کے اندر نہیں دیکھا تھا' اس کی دلیل ابو الجزاء سے یہ آ رہی ہے کہ انہوں نے کہا: اہلِ مدینہ شدید قحط سے دو چار ہو گئے تو انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی' انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور دیکھو اور اس جگہ میں سے آسمان کی طرف سوراخ کر دو' اس کے اور چھت کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہونا چاہئے' انہوں نے ایسے ہی کیا تو بارش ہو گئی لیکن چوبیسویں فصل میں ابن رشد سے ہے کہ انہوں نے اپنے بیان میں کہا:

ایک خوش شخص نے مجھے بتایا کہ ان کے دور میں مسجد کے نیچے چھت نہ تھی اور میرا خیال ہے کہ یہ مسجد میں آتشزدگی کے بعد کی بات ہے کیونکہ آئندہ آنے والی مؤرخین کی کلام میں یہ بتایا گیا ہے کہ آتشزدگی کے بعد صرف مسجد کی چھت تھی' حجرہ کی نہ تھی پھر پتہ چلا کہ ابن رشد کا دور آتشزدگی سے بہت پہلے کا ہے کیونکہ ان کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی تھی پھر جس عمارت کو ہم نے دیکھا اس میں آتشزدگی کے بعد چھت دیکھی تھی اور اس سے پہلے کی چھت کی آثار بھی تھے۔واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۱

حجرہ مبارکہ میں مبارک قبروں کی ترتیب اور ایک قبر کی خالی جگہ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہونگے قبر شریف کو گھیرنے والے فرشتوں کے بارے میں روایات' قبرِ انور کی تعظیم اور اس کے ذریعے بارش کی دُعاء

سنیے: ابن عسا کر نے مبارک قبروں کی کیفیت بتائی ہے اور اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے' اس سلسلے میں سات روایتیں درج کی ہیں' اس سے پہلے ان کے شیخ ابن نجار نے ان کا ذکر کرتے ہوئے صرف چھ روایتیں ذکر کی ہیں۔

مبارک قبروں کی ترتیب میں حضرت نافع کی روایات

(۱) قبروں کی پہلی ترتیب

پہلی روایت نافع بن ابونعیم رحمہ اللہ تعالیٰ یہ ہے کہ قبر رسول اللہ ﷺ' قبر ابوبکر صدیق اور قبرِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور قبلہ کی طرف ہے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر رسول اللہ ﷺ کے دونوں کندھوں کے سامنے ہے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں کے سامنے ہے جس کی صورت یہ ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میں کہتا ہوں کہ یہ وہ روایت ہے جس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے' زین مراغی کہتے ہیں کہ حضرت رزین اور یحییٰ اسی پر یقین رکھتے ہیں اور رزین کے کلام میں یونہی ہے' انہوں نے عبد اللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کی اور اپنی پہلی روایت کے بعد حجرہ مبارکہ کی دیوار کے گرنے کا قصہ بیان کیا ہے' لکھا ہے: میں نے ان مبارک قبروں کو دیکھا' حضور ﷺ کی قبر شریف تو آگے تھی (قبلہ کی طرف) حضرت ابوبکر کی قبر ان کے پیچھے تھی اور حضرت عمر کی قبر حضرت ابوبکر کے پیچھے تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضور ﷺ کے کندھوں کے پاس تھا اور حضرت عمر کا سر حضرت ابوبکر کے کندھوں کے پاس تھا۔ رہے یحییٰ تو ان کے کلام میں میں نے اس بارے یقین سے نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے بھی دوسروں کی طرح روایات کا اختلاف بتایا ہے' چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں: ''مجھے ہارون بن موسیٰ نے بتایا کہ میں نے اپنے والد کو حضرت نافع بن ابونعیم وغیرہ مشائخ وغیرہ سے روایت کرتے سنا کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور۔'' اور پھر پہلی ہی بات کہہ دی۔ پھر میں نے یحییٰ کی کتاب کے ایک نسخہ میں مبارک قبروں کا بنا ہوا یہی نقشہ دیکھا' انہوں نے کہا: مبارک قبروں کی یہ صورت ہے جیسے محدثین نے حضرت عروہ بن زبیر سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہوئے بتایا ہے اور پھر وہ کچھ لکھا جو چھٹی صفت میں آ رہا ہے۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے واقدی کے طریقہ پر حضرت ابوبکر بن عبد اللہ بن ابو سبرہ سے لکھا ہے جنہوں نے حضرت عمر بن عبد اللہ بن عروہ سے روایت کی کہ انہوں نے عروہ اور قاسم بن محمد سے سنا' دونوں کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصیت کی کہ انہیں حضور ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے چنانچہ ان کے لئے لحد کھودی گئی اور ان کا سر حضور ﷺ کے کندھوں کے پاس رکھا گیا اور پھر لحد کو قبرِ رسول ﷺ سے ملا دیا گیا چنانچہ ان کی قبر وہاں ہے پھر عامر بن عبد اللہ بن زبیر سے روایت کی' انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر کا سر حضور ﷺ کے کندھوں کے قریب ہے اور حضرت عمر کا سر حضرت ابوبکر کو کھ کے نزدیک ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر کے بارے گذشتہ روایت اور اس روایت میں قدرے فرق ہے۔

حضرت قاسم بن محمد کی روایت

(۲) قبروں کی دوسری ترتیب

ابو داؤد اور حاکم نے حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی' کہتے ہیں کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوا اور ان سے عرض کی: ماں جی! مجھے حضور ﷺ اور آپ دو صحابیوں کی قبروں کے بارے میں وضاحت سے بتایئے چنانچہ انہوں نے تینوں قبروں کے بارے میں بتایا کہ نہ وہ زمین سے اُبھری تھیں اور نہ ہی زمین کے برابر' ان پر بطحاء کی سرخ مٹی ڈالی گئی تھی۔ حاکم نے اس روایت میں یہ زیادتی کی ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو آگے دیکھا' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضور ﷺ کے کندھوں کے درمیان تھا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضور ﷺ کے مبارک قدموں میں تھا' ابن عساکر یہ صورت بتاتے ہیں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میں کہتا ہوں کہ حاکم نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عثمان بن نسطاس کی روایت

(۳) تیسری ترتیب

یہ ترتیب حضرت زبیر بن بکار نے ابن زبالہ سے نقل کی ہے' حضرت عثمان بن نسطاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے گھر کو گرا دیا تو میں نے حضور ﷺ کی قبرِ انور دیکھی جو زمین نے چار انگلی اُٹھی ہوئی تھی اور اس پر سرخ رنگ کے کنکر پڑے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر حضور ﷺ کے پیچھے تھی اور اس کے پیچھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر تھی' میں نے دیکھا کہ حضرت عمر کی قبر اس سے نیچی تھی' انہوں نے مجھے ویسے ہی صورت بنا کر دکھائی جیسے انہیں حضرت عثمان نے بنا کر دکھائی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ جس نسخہ کو میں نے دیکھا ہے' اس میں ابن زبالہ نے تصویر نہیں دی لیکن ابن عساکر نے یہ صورت بنائی ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میں کہتا ہوں کہ ابن زبالہ ضعیف ہیں' اسحاق بن عیسیٰ' داؤد بن ابی ہند کی بیٹی کے بیٹے ہیں' سچے ہیں لیکن کبھی غلطی کرتے ہیں' عثمان بن نسطاس مدنی' عبید کے بھائی اور آل کثیر بن صلت کے غلام ہیں' ان کی پیروی کی جاتی ہے' مقبول ہیں ورنہ بات میں رنگ بدلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ابوبکر آجری نے کتاب "صفۃ قبر النبی ﷺ" میں اسحاق بن عیسیٰ' سے' انہوں نے ابن نسطاس سے روایت کی ہے لیکن اس میں تصویر کا ذکر نہیں پھر ابن حجر نے آجری اور اسحاق کے درمیان واسطہ نہیں بتایا اور یہ روایت' ضعیف ہونے کے باوجود اس لائق ہے کہ اسے تاویل کر کے پہلی روایت کے ساتھ ملا دیا جائے۔ کیونکہ انہیں قریب قریب ہونے کا مقام دینا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت منکدر بن محمد کی روایت

(۴) چوتھی ترتیب

ابن زبالہ کے مطابق حضرت منکدر اپنے والد محمد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور یوں ہے' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ان کے پیچھے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ان کے پیچھے حضور ﷺ کے قدموں کے نزدیک ہے' ابن عساکر نے اس کی صورت یہ لکھی ہے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میں کہتا ہوں کہ اسے ضعف کے باوجود دوسری صورت سے ملایا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا قول: "ابوبکر ان کے پیچھے ہیں۔" اس لحاظ سے سچا ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے کندھوں کے نزدیک ان کا سر ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعے حضرت عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت

(۵) پانچویں ترتیب

حضرت عمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیں حضور ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبروں کے متعلق بتایا، یہ قبریں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہیں، نبی کریم ﷺ کا سرِ انور مغرب کی طرف ملا ہوا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضور ﷺ کے مبارک قدموں کے قریب ہے اور حضرت عمر کی قبر حضور ﷺ کے پیچھے ہے، ان کے علاوہ ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ یہ ہے ان کی قبروں کی صورت جیسے کہ ابن ابی اویس نے یحییٰ بن سعید اور عبداللہ بن ابوبکر سے، انہوں نے عمرہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سن کر بتایا لیکن یحییٰ نے صورت نہیں بنائی۔

ابن زبالہ نے ایسی ہی روایت کی ہے، انہوں نے ابن عساکر سے لے کر بتائی اور پھر کہا کہ ان کی صورت یہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	

میں کہتا ہوں کہ یحییٰ کی روایت کا رد وہ روایت کرتی ہے جس میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کے لئے جگہ کم تھی لہٰذا بنیاد میں ان کے لئے لحد بڑھائی گئی۔ صحیح بخاری میں بھی قول عروہ ہے کہ "یہ عمر ہی کا مرقدم ہے۔"

حضرت قاسم بن محمد سے ایک اور روایت

(۶) چھٹی صورت

ابن زبالہ کے مطابق حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ماں جی! مجھے حضور ﷺ اور ان کے دونوں صحابہ کی قبریں دکھایئے چنانچہ انہوں نے پردہ اُٹھا دیا، دیکھا تو وہ نہ اونچی تھیں، نہ ہی زمین کے برابر، ان پر بطحاء کی سرخ مٹی ڈالی ہوئی تھی، دیکھا تو حضور ﷺ کی قبر

شریف ان دونوں کے آگے تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں پاؤں حضورﷺ کے سرِ انور کے قریب تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر ان کے قدموں کے قریب تھا' ابن عساکر نے کہا کہ اس کی صورت یوں ہے:

	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود قاسم بن محمد کی گذشتہ روایت سے ٹکر کھاتی ہے لیکن صحیح وہی ہے اور جو عنقریب حجرہ مبارکہ کے تعارف میں آ رہا ہے وہ اس کو تسلیم کرنے میں روکاوٹ ہے' میں نے اسے کتاب یحییٰ کے ایک نسخے میں دیکھا ہے' جس میں بحوالہ طاہر یہ ترتیب لکھی ہے:

	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر ابن یحییٰ طاہر نے کہا کہ انہوں نے قاسم بن محمد سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ پھر ابن فراس (اس نسخہ کو نقل کرنے والوں میں سے ایک) نے کہا کہ میں نے طاہر بن یحییٰ سے کہا مجھے اپنے قلم سے حضورﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مبارک قبروں کی صورت بنا دیں تو انہوں نے یہ صورت بنائی تھی' انتہیٰ۔

حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت

(۷) ساتویں ترتیب

یہ اس روایت کی بناء پر ہے جو پہلی فصل میں بارش والی رات میں دیوار کے گرنے سے متعلق ہے جسے عبداللہ بن محمد بن عقیل نے اپنے ایک قول میں بیان کیا تھا کہ: ''میں اندر داخل ہوا اور نبی کریمﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور تھوڑی دیر ادب سے ٹھہرا' قبریں دیکھیں تو حضورﷺ کی قبر تھی پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر آپ کے قدموں میں تھی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر ان کے قدموں میں' ان دونوں قبروں پر حصباء کی مٹی ڈالی گئی تھی' ابن عساکر کے مطابق اُس کی صورت یہ تھی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

میں کہتا ہوں کہ اسی روایت کو رزین نے عبد اللہ بن عقیل سے روایت کیا اور اسی طرح لیتے آئے لیکن انہوں نے کہا: میں نے قبریں دیکھیں تو حضورﷺ کی قبرِ انور آگے تھی' اور پھر پہلی روایت ذکر کی' وہ اس روایت کے خلاف ہے لیکن وہ قابلِ بھروسہ ہے کیونکہ یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود بعید بھی ہے جیسے حجرہ مبارکہ کے تعارف میں آ رہا ہے خصوصاً جیسے پہلے گذرا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے دو حصے کر دیئے گئے تھے' اس پر دلیل تو ہے مگر کمزور اور وہ طبقات ابن سعد میں ہے' مالک بن اسمٰعیل (شاید آل زبیر کے غلام تھے) نے کہا: میں مصعب بن زبیر کے ہمراہ اس گھر میں داخل ہوا جس میں حضورﷺ' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مبارک قبریں تھیں' میں نے دیکھا تو مستطیل تھیں۔ انتہٰی۔

علامہ آجری کی روایت ایک آٹھویں ترتیب بتاتی نظر آتی ہے کیونکہ انہوں نے اس پہلی خبر کے بعد یہ الفاظ لکھے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر درمیان میں تھی لیکن انہوں نے حضرت عمر کی قبر کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وسطہ کی ضمیر اگر البیت کی طرف لوٹتی ہے تو پھر واضح ہے اور اگر یہ نبی کریمﷺ کی طرف لوٹتی ہے تو یہ آٹھویں ترتیب ہوگی لیکن ضرورت ہے کہ اس میں ذرا تاویل کر کے کسی اور روایت کے مطابق کر دیا جائے اور جو ابو یعلیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضرت ابوبکر آپ کی دائیں طرف تھے اور عمر آپ کی بائیں طرف' تو اس میں تاویل کی جا سکتی ہے جیسے ابن حجر نے کہا۔

اب صرف دو پہلی روایتیں رہ جاتی ہیں اور ان میں صرف اولیت بتانا ہوگی لیکن پہلی روایت زیادہ مشہور ہے اور حاکم کے دوسری روایت کو صحیح کہنے کا مقصد' اسی کو اولیت دینا ہے' یہ سب سے صحیح روایت ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قبریں زمین سے اونچی نہ تھیں جبکہ یحییٰ نے کہا' مجھے ہارون بن موسےٰ نے بتایا کہ انہیں بہت سے اہلِ مدینہ علماء نے جتلایا کہ یہ مبارک قبریں زمین کے برابر تھیں اور ان پر بطحاء کی سرخ مٹی ڈالی گئی تھی۔ ابن زبالہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت لکھی کہ رسول اللہﷺ کی قبرِ انور مربع شکل کی تھی اور آپ کا سرِ انور مغرب کی طرف رکھا گیا تھا۔

رہا وہ جو صحیح بخاری میں سفیان تمار نے کہا کہ انہوں نے نبی کریمﷺ کی قبرِ انور زمین سے اونچی دیکھی' اسی میں ابونعیم نے یہ زیادہ کیا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں بھی ایسی ہی تھیں اور پھر ابن سعد نے یہ الفاظ

لکھے: ''میں نے نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مبارک قبریں زمین سے اونچی دیکھیں (جیسے اونٹ کی کوہان ہوتی ہے) تو یہ روایتیں ہماری گذشتہ روایت سے نہیں ٹکراتیں کیونکہ یہ سفیان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں پیدا ہوئے لہٰذا انہوں نے آخر میں قبر شریف دیکھی چنانچہ احتمال ہے (بیہقی کے مطابق) کہ اولاً قبر شریف اونچی نہ ہو اور پھر جب دیوار گری تو اسے اونچا کر دیا گیا' دیکھئے یحییٰ نے عبداللہ بن حسین سے روایت کی' انہوں نے کہا: میں نے ولید بن ہشام کے دور میں نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور دیکھی تو وہ اونچی تھی' ایک روایت میں لکھا کہ قبرِ انور پر مٹی اور کنکر ملے جلے رکھے تھے' بلند تو تھی لیکن بہت زیادہ نہیں' اس پر کنکر اور مٹی بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ ابن سعد کے مطابق قبرِ انور پر مٹی بالشت بھر تھی۔

زمین کے برابر قبر ہونے کے متعلق مسلم کی فضالہ بن عبید سے حدیث ملتی ہے کہ انہوں نے ایک قبر کو برابر کرنے کو کہا تھا اور پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا' آپ انہیں برابر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

ایک قبر کی جگہ باقی ہے

چوتھی روایت میں گذرا ہے کہ ان تین مبارک قبروں کے علاوہ ایک قبر کی جگہ خالی ہے' اسے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت تائید دیتی ہے کہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو اس وقت پیغام بھیجا جب وہ قریب المرگ تھے کہ رسول اللہ ﷺ اور اپنے بھائیوں کے پاس دفن ہونا' انہوں نے کہا کہ میں آپ کے گھر میں تنگی پیدا کرنا نہیں چاہتا' یونہی آپ نے حضرت حسن کو اجازت دی تھی کہ ان کے پاس دفن ہوں لیکن بنو امیہ نے روک دیا تھا' یونہی بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو وصیت فرمائی کہ مجھے ان کے پاس دفن نہ کرنا یعنی نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے پاس' ہاں میری ساتھی اُمہات المؤمنین کے پاس دفن کرنا۔ اسماعیلی نے اس میں یہ اضافہ کیا کہ: سیدہ کے گھر میں ایک قبر کی جگہ تھی لیکن صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دفن ہو سکتے ہیں؟ اس پر انہوں نے کہا تھا کہ میں یہاں دفن ہونا چاہتی تھی لیکن آج میں اپنے مقابلہ میں ترجیح دیتی ہوں۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ شاید آپ کے اجتہاد میں تبدیلی آ گئی تھی یا اس لئے کہ انہوں نے یہ بات حضرت عمر سے قصہ جمل سے پہلا کہی تھی پھر اگرچہ آپ حضور ﷺ کی دنیا و آخرت میں زوجہ تھیں' تاہم حیاء رکاوٹ بن گئی۔

ابن التین کہتے ہیں: قصہ عمر میں آپ کا یہ فرمان بتاتا ہے کہ وہاں صرف ایک قبر کی گنجائش تھی لہٰذا یہ آپ کے اس قول کے مخالف ہے: ''مجھے ان کے پاس دفن نہ کرنا'' کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دفن کی جگہ تھی اور ان دونوں روایتوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہے: پہلے آپ کا خیال تھا کہ وہاں صرف ایک قبر کی گنجائش ہے اور جب حضرت عمر وہاں دفن ہو گئے تو انہیں معلوم ہو گیا کہ ایک اور قبر کی جگہ باقی ہے۔

حضرت یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضور ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ دفن ہوں گے اور ان کی یہ چوتھی قبر ہوگی۔

سنن ترمذی میں ہے کہ: تورات میں حضرت محمد ﷺ کی تعریف لکھی ہے اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پاس دفن ہوں گے، وہ کہتے ہیں، ابومودود نے کہا کہ اس گھر میں ایک قبر کی جگہ موجود تھی۔

طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دونوں ساتھیوں کے ہمراہ دفن ہوں گے تو یہ چوتھی قبر ہوگی۔

زین مراغی کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اُتریں گے، شادی کریں گے اور ان کے ہاں اولاد ہوگی پھر پینتالیس سال تک یہاں ٹھہریں گے، پھر وہ فوت ہوں گے تو میرے پاس دفن ہوں گے چنانچہ میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر سے ابوبکر اور عمر کے درمیان اُٹھیں گے۔

ابن نجار کے مطابق اہل سیرت کا کہنا ہے کہ گھر میں شرقی طاقچہ میں ایک قبر کی جگہ ہے، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطابق حضرت عیسےٰ علیہ السلام وہیں دفن ہوں گے۔

فرشتے، حضور ﷺ کی قبرِ انور کو گھیرے رہتے ہیں

عنقریب ہم حجرہ مبارکہ کی معین جگہ کے بیان میں لکھیں گے کہ اس کے مشرقی تیسرے حصہ پر ریت کا ڈھیر تھا جس کی بناء پر وہ جگہ باقی گھر سے نمایاں معلوم ہوتی تھی اور اس سے قبل عمارت میں شام سے قبلہ کی طرف اسی جہت میں ایک دیوار کی دلیل ملتی ہے اور شاید یہی وہ جگہ ہے (جسے طاقچہ کہا گیا)۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب بھی فجر طلوع ہوتی ہے تو ستر ہزار فرشتے اُتر کر قبرِ انور کو گھیرے میں لے لیتے ہیں، اس پر پر بچھا دیتے ہیں، نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے ہیں اور جب شام ہوتی ہے تو اوپر چڑھ جاتے ہیں اور اسی دوران نئے فرشتے آ جاتے ہیں جو یہی کچھ کرتے ہیں اور پھر جب (قیامت کو) زمین پھٹے گی تو حضور ﷺ ستر ہزار فرشتوں میں باہر نکلیں گے۔ دارمی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیان میں ہے: ستر ہزار رات اور ستر ہزار ہی دن کو ہوتے ہیں۔

مسجد نبوی میں آواز بلند کرنا جائز نہیں

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول پہلے گذر چکا کہ: ''ہماری اس مسجد میں آوازیں بلند نہ کی جائیں۔'' ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے: کسی بھی نبی کے پاس اس کی زندگی اور وصال کے بعد، آواز اونچا کرنا مناسب نہیں۔

ابن زبالہ و یحییٰ کے مطابق حضرت عبد العزیز بن ابو حازم اور حضرت نوفل بن عمارہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا گاڑی جانے والی میخ اور اس دیوار میں ٹھونکے جانے والے کیل کی آواز سنتیں جو مسجد نبوی کے گرد تھی تو انہیں پیغام بھیج دیا کرتیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ کہتے ہیں کہ اسی بچاؤ کی وجہ سے اگر کہیں کوئی کام ہوا تو صرف کبھی طہارت خانہ پر ہوا' گھر پر نہیں (کہ اس کی آواز سے آپ کو تکلیف نہ ہو)۔

قحط سالی کے دنوں میں اہل مدینہ کا طریقہ

ابن زبالہ کے مطابق حضرت عبد العزیز نے کہا: اہلِ مدینہ سخت قحط سالی میں گرفتار ہوئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی' انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور دیکھو اور آسمان کی جانب اس میں سوراخ کر دو' درمیان میں کوئی چھت وغیرہ نہیں ہونی چاہئے' انہوں نے یونہی کیا چنانچہ بارش ہو گئی' گھاس پھوس خوب اُگ آئی اور اونٹ موٹے ہو گئے اور گوشت سے بھر گئے چنانچہ اس سال کا نام "عام الفتق" پڑ گیا۔

علامہ زین مراغی کہتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کی آج تک عادت چلی آتی ہے کہ قحط سالی کے موقع پر وہ سوراخ کھول دیتے ہیں' وہ حجرہ کے قبۂ مبارکہ کے نیچے سوراخ کھولتے ہیں' جو قبلہ کی طرف ہے اگرچہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان مسجد کی چھت حائل ہوتی ہے۔

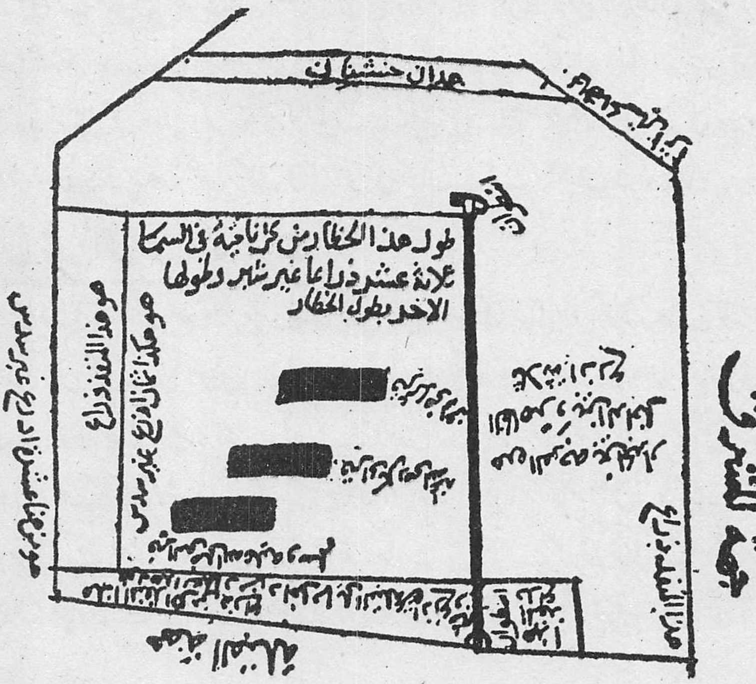
میں یہاں بتاتا ہوں کہ آج کل ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس دروازے کو کھولتے ہیں جو حجرہ کے گرد مقصورہ شریف میں سے چہرۂ انور کے سامنے ہے اور وہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۲

حجرہ شریف کیسا؟ اس کے گرد پانچ کونی دیوار اور اپنا مشاہدہ

علامہ اقشہری کے مطابق حضرت ابو غسان کہتے ہیں کہ جب مسجد کی چھت کی لکڑیاں ٹوٹ گئیں اور اس طرف سے مسجد کی چھت اکھاڑی گئی تو میں نے باہر کی دیوار اور وہ گھر دیکھا جو اس کے اندر تھا' میں نے مسجد کی چھت کے درمیان سے دیکھا تو گھر کے گرد والی دیوار نظر آئی اور جو کچھ اس میں تھا' اس کا معاینہ کیا' ساری صورت حال کا مشاہدہ کیا اور اس میں رکھے پیمانے سے پیمائش کی۔ ان دنوں ابو البختری بن وھب بن رشد مدینہ کے حاکم تھے' یہ ۱۹۳ھ کا واقعہ ہے۔

ابو زید کہتے ہیں' اس کی صورت یوں تھی اور پھر اقشہری نے اپنی کتاب "منسک القاصد الزائر" میں اس کی یہ صورت بنائی:

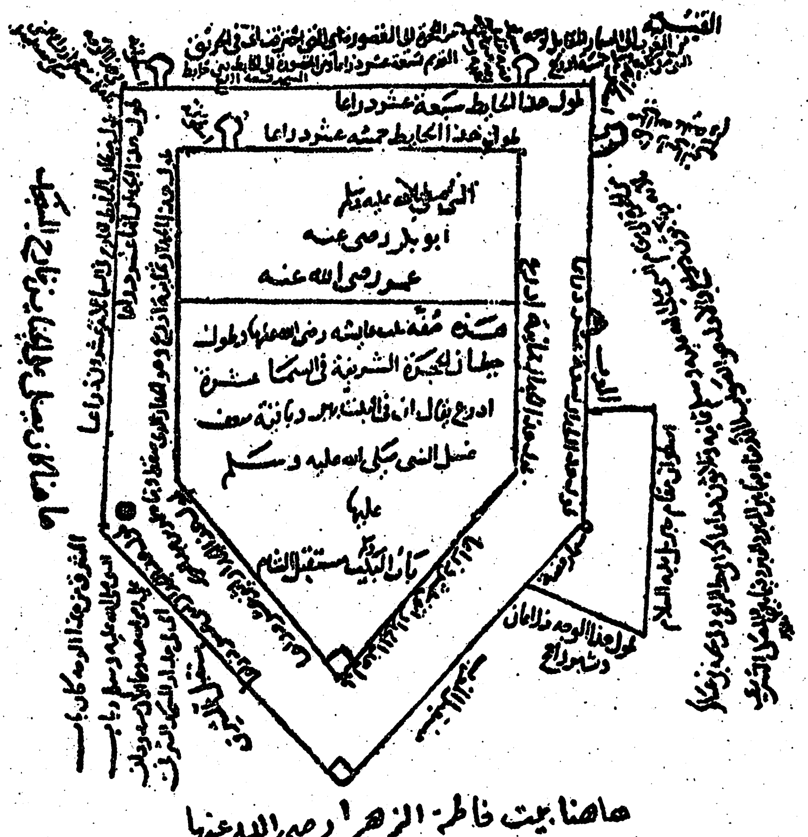


اس تصویر میں جو پیمائش بتائی گئی ہے' اس کے اور ابن زبالہ کی گذشتہ پیمائش کے درمیان مخالفت ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ جو دیوار گھر کے گرد ہے' اس کے اور مشرق کی طرف دکھائی دینے والی دیوار کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ ہے اور اس تصویر میں یہ خلا تین ہاتھ لکھا گیا ہے اور پھر اس تصویر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ فاصلہ ان دونوں کے درمیان قبلہ کی طرف بھی مختلف ہے' ایک میں تو ہاتھ سے بھی کم ہے یعنی صرف ایک بالشت جیسے ابنِ زبالہ کے کلام میں ہے اور ایک میں ایک ہاتھ ہے۔

یہ ہم آگے بتا رہے ہیں کہ حجرہ شریف کی وہ صورت جسے ہم نے اس کے کھلنے کے وقت دیکھا تھا' پہلی تصویر کے قریب ہے جسے ابن زبالہ نے بیان کیا ہے اور پھر حال یہ ہے کہ اس کے اندر کی طرف تبدیلی ہو چکی ہے چنانچہ وہ اصل صورت میں نہیں ہے حالانکہ ابن زبالہ نے ابو البختری کی وہ تعمیر دیکھی تھی جس میں حجرہ شریف سے ملنے والی مسجد کی چھت کھولی گئی تھی چنانچہ اپنی کتاب میں لکھا: ''ابو البختری جب ہارون امیر المؤمنین کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے تو ۱۹۳ھ میں مسجد کی چھت کھولی گئی تھی جس میں سات ٹوٹی ہوئی لکڑیاں پائی گئیں چنانچہ ان کی جگہ صحیح لکڑیاں ڈال دی گئیں۔'' اھ

لگتا ہے کہ انہوں نے اسے دیکھا نہیں تھا جیسے ابو غسان نے دیکھ لیا تھا اس عمارت کے بارے میں ابو غسان کی عبارت یہ ہے: مسجد کی لکڑیوں میں سے' حجر شریف کے اوپر والی ابو البختری کے دور میں ٹوٹ گئی تھیں چنانچہ انہوں نے

چھت اکھاڑنے کو کہا۔اس کے بعد ابن زبالہ کی گذشتہ بات دہرا دی' علاوہ ازیں ابنِ زبالہ اور یحییٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں حجرہ اور اس کے گرد والی دیوار کی طرف اشارہ کیا تھا لیکن جو نسخہ میں نے دیکھا' اس میں تصویر موجود نہیں تھی البتہ ابن النجار نے اپنی کتاب میں یہ تصویر دیدی ہے اور میرا خیال ہے کہ انہیں ایسا نسخہ مل گیا تھا جس میں وہ موجود تھی چنانچہ ابن عساکر نے اپنی کتاب ''تحفۃ الزائر'' اور ''المراغی'' نے اپنی تاریخ میں ان کی پیروی کی ہے لیکن جس صورت میں ہم نے حجرہ شریف دیکھا' یہ اس سے بہت مختلف ہے' پہلے ہم ان کی بتائی تصویر دکھاتے ہیں اور پھر وہ تصویر دکھائیں گے جسے ہم نے دیکھا ہے اور پھر وہ تصویر جس پر حجرہ مبارکہ آج بھی موجود ہے۔ میں نے تصویر دیتے وقت ابن نجار کی اس تصویر کو سامنے رکھا ہے جو علامہ مراغی نے بنائی ہے کیونکہ میں نے انہی کی بنائی کو نقل کیا ہے' وہ کہتے ہیں: ''حضرت عمر بن عبد العزیز نے حجرہ شریف کی بنیاد پانچ کونوں پر رکھی تا کہ نماز میں ان کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہو سکے کیونکہ حضور ﷺ نے اس سے ڈر دلایا ہے چنانچہ ابن نجار کے مطابق حجرہ اور اس کے گرد والی دیوار کی صورت یوں ہے' واللہ اعلم:



یہ تصویر ابن زبالہ کی گذشتہ تصویر کے مخالف ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ آپ کا گھر مربع شکل کا ہے جو

سیاہ پتھر اور چونے سے بنا تھا' پھر اسی شکل کو سامنے رکھ کر حضرت عمر بن عبد العزیز نے پانچ کونی عمارت بنائی تھی کیونکہ جیسے آپ دیکھ رہے ہیں' انہوں نے پانچ کونی تصویر بنائی تھی لیکن جو کچھ چھت کھلنے کے وقت ہم نے دیکھا ہے' یہ اس کے خلاف ہے۔ہم نے دیکھا تو گھر مبارک مربع شکل میں تھا' جسے صاف اور ملائم سیاہ پتھروں سے بنایا گیا تھا' ان کا رنگ خانہ کعبہ کے پتھروں جیسا تھا' وہاں ایسا رعب اور انس ہوتا ہے کہ اہلِ ذوق ہی کو پتہ چل سکتا ہے۔پھر باہر والی دیوار اور مغربی اندر والی دیوار میں ہم نے تو فاصلہ بالکل نہیں دیکھا بلکہ سوئی گاڑنے کی جگہ بھی نہیں دیکھی' نہ ہی اندر والے گھر کا کوئی دروازہ دیکھا اور نہ ہی دروازے کی کوئی جگہ نظر آئی' نہ ہی شامی جانب اور نہ کسی اور طرف اور گھر مبارک کے پیچھے شام کی طرف' گھر اور دکھائی دینے والی دیوار کے اندر خالی جگہ مثلث شکل کی دیکھی تھی اور اس کی پیائش دستی ایک ہاتھ تھی' یہ پیائش گھر کے شمالی حصے سے اس کے سامنے والے کونے تک تھی اور یہ وہی کونہ ہے جس سے شکل مثلث کے دو زاویے نکلتے ہیں۔وہاں ایک ستون بھی ہے جو ستون مربعۃ القبر اور ستونِ وفود کی لائن میں شامی دیوار سے ملا ہوا ہے' اس ستون کا کچھ حصہ اس شامی دیوار کے اندر داخل ہے' ان کے اوپر لوہے کے طاقچے لگے ہوئے ہیں' جن کے نیچے سہارے کے لئے کھجور کے تنے لگائے گئے ہیں جن کا ایک سرا تو اوپر کی طرف ہے اور دوسرا دکھائی دینے والی دیوار کے شمالی کونے پر ہے جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ آتشزدگی کے موقع پر آگ کے اثر سے ستون پھٹ جانے پر لگائے گئے تھے۔یہی وہ ستون ہے جس کا پہلی تصویر میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہ گھر کی شامی دیوار کے اخیر میں ہے جو مشرق میں ہے لیکن ہم نے اسے یوں نہیں دیکھا بلکہ یہ شامی دیوار کے تقریباً درمیان میں ہے البتہ تعمیر کے نگران اور اس کے ساتھیوں نے مجھے بتایا تھا کہ جب گھر کی شامی دیوار گری تھی تو اندر کی طرف اس ستون کے مقابل دیوار کی بنیاد نظر آئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شام سے شروع ہو کر اپنے مقام قبلہ کی طرف جاتی تھی تو گویا یہ مشرق کی طرف گھر کی انتہاء تھی' اور لگتا ہے کہ جب دیوار گری تھی تو اتنا حصہ اس میں اضافہ کیا گیا تھا۔

ناظرین سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مشرق سے دیوار کا باقی حصہ تعمیر نہیں گیا بلکہ یہ اسی مذکورہ دیوار کے سرے سے متصل ہے اور اس کی صورت یہ ہے دونوں دیواروں میں کسی کا پتھر دوسری دیوار میں نہیں گیا (داڑھا نہیں لگایا گیا) اور نہ اسے یوں ملایا گیا کہ ایک دیوار معلوم ہو سکے اور خود میں نے دیکھا تھا کہ مشرق سے ملنے والی دیوار نئی بنی تھی کیونکہ اس کے پتھروں کا رُخ مشرقی دیوار سے ہٹا ہوا تھا جبکہ حجرہ مبارکہ کی دوسری دیواریں ایسی نہ تھیں بلکہ ان کے اندر اور باہر صاف پتھر لگے ہوئے تھے تاہم میں نے شامی دیوار کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ دیوار گراتے وقت میں اپنے بچاؤ کی وجہ وہاں نہیں جا سکا تھا۔اس سے ظاہر ہوا کہ مشرق کی طرف سے گھر مبارک ابن شبہ کے کہنے کے مطابق تھا' بعد میں اسے بنایا گیا' کسی تاریخ دان کو اس کا پتہ نہیں چل سکا۔

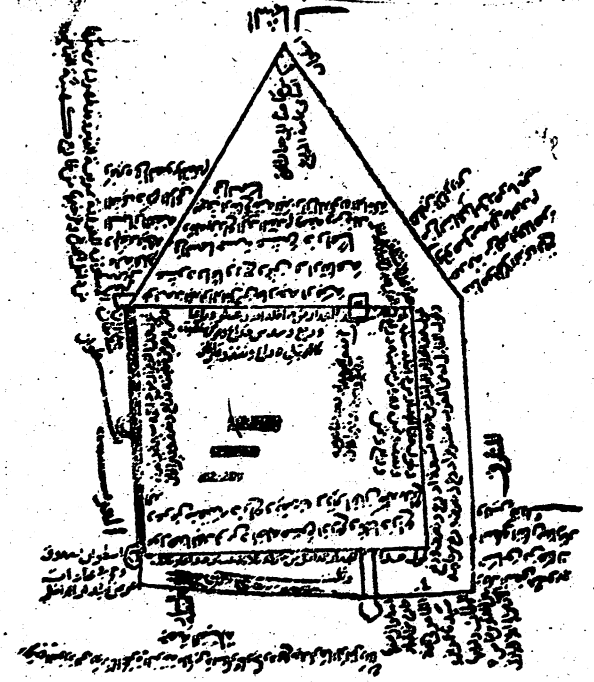
یہ احتمال بھی ہے کہ وہ دیوار وہی ہو جسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مبارک قبروں کے درمیان بنایا تھا چنانچہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر دو حصوں میں تقسیم تھا'

ایک میں تو قبرِ انور تھی اور دوسرے میں آپ خود رہتی تھیں۔ان دونوں حصوں کے درمیان دیوار تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ احتمال میرے نزدیک اوّلیت رکھتا ہے۔واللہ اعلم۔

پھر گھر کی مشرقی دیوار اور دکھائی دینے والی باہر کی دیوار میں خلاء مختلف ہے جیسے تنگ گلی ہوتی ہے چنانچہ شام کی طرف اس کی ابتداء میں ایک ہاتھ کا فاصلہ ہے جس میں انسان پہلو کے بل گزر سکتا ہے اور جب قبلہ کی طرف قریب ہو جاتا ہے تو یہ تنگی اور بڑھ جاتی ہے چنانچہ وہاں سے ایک بچہ بھی گذرے تو پہلو کے بل گذر سکے گا کیونکہ وہاں یہ فاصلہ ہاتھ کا ایک تہائی (٦ انچ) رہ جاتا ہے جبکہ ابن شبہ کہتے ہیں کہ یہ فاصلہ تین ہاتھ تھا چنانچہ ان کی یہ بات اس کی تائید کرتی ہے کہ مشرقی داخلی دیوار میں تبدیلی ہو چکی ہے۔صرف اسی دیوار کو دیکھتے وقت یہ بات صاف نظر آتی ہے' دوسری دیواروں میں یوں نہیں۔

ہم نے بھی گھر کی قبلہ والی دیوار اور قبلہ والی باہر کی دیوار میں تنگ گلی سی دیکھی ہے جس کا فاصلہ مختلف ہے' مشرق کی طرف سے شروع کریں تو فاصلہ ایک ہاتھ ہے اور جب آپ کے چہرۂ انور کے قریب ہوں تو یہ فاصلہ بالشت بھر ہے اور جب مغربی جانب دو دیواروں کے ملنے کی جگہ پہنچیں تو اس سے بھی کم ہو جاتا ہے اور یہ راستہ اتنا رہ جاتا ہے کہ اس میں سے گذرنا ممکن نہیں کیونکہ وہ ستون جو باہر کی دیوار میں ہے اور حضرت عمر کے چہرے کے مقابل کھڑا ہونے والے زائر کو نظر آتا ہے' اس کا کچھ حصہ اندر کی طرف نظر آتا ہے اور اس کے سامنے اتنی ہی چوڑی دیوار ہے جس سے دونوں دیواروں کا درمیانی خلا بند ہو جاتا ہے' گویا کہ یہ حصہ دیوار گر جانے کی وجہ سے سہارے کے لئے تیار کیا گیا یا اس لئے کہ وہاں سے کوئی گذر نہ سکے۔اللہ تعالیٰ اسے بنانے والے کو بہترین جزا دے۔



حجرہ مقدسہ کے باہر والی دیواروں کی پیمائش

رہا باہر والی دیوار کا ایک کونے سے دوسرے تک طول جو باہر سے دکھائی دیتی ہے تو قبلہ والی دیوار کے اس کونے سے جو مغرب کی طرف ہے' اس کونے تک جو مشرق کی طرف ہے' سترہ ہاتھ ہے صرف ذرا سا کم ہے اور یہ ابن نجار کی تصویر کے مطابق ہے۔ یونہی قبلہ کی طرف سے غربی دیوار کا طول مقامِ جبریل کی طرف تقریباً ساڑھے سولہ ہاتھ ہے' یہاں مقام جبریل سے شام کی طرف مقامِ جبریل کے قریب اڑھائی ہاتھ کا موڑ ہے اور یہ سارا فاصلہ انیس ہاتھ بنتا ہے اور ابن نجار کی تصویر میں یہی مراد ہے لیکن یہ فاصلہ وہم پیدا کرتا ہے کہ شاید مقام جبریل ان انیس ہاتھ میں داخل نہیں لیکن ایسا نہیں۔ پھر مقام جبریل سے گھوم جانے والی دیوار کا طول شمالی کونے تک ساڑھے بارہ ہاتھ سے قدرے زیادہ ہے' مشرقی دیوار کا طول جو قبلہ کی طرف سے شمالی کنارے کی طرف جاتی ہے' اس کا طول ساڑھے بارہ ہاتھ سے قدرے زیادہ ہے اور اس دیوار سے مڑنے والی دیوار کا طول اس کونے سے شمالی کونے تک تقریباً چودہ ہاتھ ہے اور تین آخری دیواروں کی پیمائش ابن نجار کی پیمائش سے مختلف ہے۔ رہا اونچائی کی طرف طول تو یہ تیرہ ہاتھ اور ہاتھ کا ایک تہائی ہے' کئی کونوں میں یہ قدرے زیادہ ہے اور پھر دیوار کی اپنی چوڑائی ایک ہاتھ سے قدرے زائد ہے۔

اقشہری نے لکھا ہے کہ ابو غسان کے مطابق دیوار کی اونچائی ہاتھ کا چھٹا حصہ کم تیرہ ہاتھ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے اوپر کچی اینٹ کا پردہ دیکھا ہے جو آدھا ہاتھ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نیا بنا ہے اور اس وقت بنا جب پہلی آتشزدگی ہوئی اور حجرے کی چھت ڈالی گئی لہٰذا ہمارے بتائے اور ابو غسان کے بتائے کے درمیان کوئی مخالفت نہیں۔

رہا اندر کی دیوار کی اونچائی تو شام کی طرف سے میں نے اس کا اندازہ باہر سے لگایا تھا' وہ گویا پندرہ ہاتھ تھا اور اس زمین کی اونچائی' جو شام کی طرف دو دیواروں کے درمیان ہے' حجرہ کی زمین پر ایک پورا ہاتھ اور تقریباً چوتھائی ہاتھ ہے اور اس کے باوجود باہر کی دیوار' اندر کی دیوار سے قدرے زیادہ یا برابر ہے اور اس کا سبب' باہر والی زمین کا اندر کی دو دیواروں کی درمیانی زمین سے ڈیڑھ ہاتھ سے قدرے زیادہ بلند ہونا ہے اور اس کے ساتھ شام کی طرف مثلث کے اندر پتھر اور چونا یوں اُٹے پڑے ہیں کہ اس میں ان کے لئے بنیاد نکالنا ممکن نہیں تھا۔

ابن نجار اور ابن عساکر کے کلام میں موجود مراغی کے خط سے پتہ چلا ہے کہ باہر کی دیواروں کی اونچائی تئیس ہاتھ تھی اور جو کچھ ہم دیکھ آئے ہیں' یہ اس کے خلاف ہے اور شائد ان کا اس سے مقصد حجرہ مقدسہ کے گرد والی زمین سے مسجد کی چھت کے درمیانی والی پیمائش بتانا تھا حالانکہ حضرت عمر بن عبد العزیز بالاتفاق یہاں تک نہیں پہنچے تھے بلکہ اس کے اوپر لکڑی کی جالی تھی جو مسجد کی چھت سے ملی ہوئی تھی اور پردہ اُٹھانے سے نظر آتی تھی اور گویا ابن نجار کو وہم ہوا کہ وہ دیوار چھت کے ساتھ لگی ہوئی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں: حضرت عمر بن عبد العزیز نے نبی کریم ﷺ کے حجرے پر دیوار بنائی جو مسجد کی چھت سے زمین تک تھی جس کی وجہ سے حجرہ اس کے درمیان آ گیا۔

ان کے کلام کا یہ مطلب لینا زیادہ مناسب ہے کہ انہوں نے مسجد کی چھت سے زمین تک تعمیر کی تھی لیکن اس میں اوپر کی جالیاں بھی شامل تھیں اور یونہی جو انہوں نے پیمائش کے بارے میں کہا ہے' اس کا مطلب بھی یہی لیا جائے گا کیونکہ اس جالی کا ان کے کلام میں ذکر موجود ہے کیونکہ انہوں نے بتایا ہے کہ جمال اصفہانی نے نئے سرے سے حجرہ کو مرمر سے مضبوط کیا اور پھر کہا: اس کے لئے صندل اور آبنوس کی لکڑی سے جالی بنائی اور اسے گرداگرد لا کر چھت سے ملا دیا یعنی اس مذکورہ دیوار کے سرے تک لے گئے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید وہ پہلے شخص ہیں جس نے یہ جالی تیار کی کیونکہ اس کا ذکر پہلے مؤرخین کی کلام میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے حجرہ مقدسہ کی چھت پر خیمہ کی طرح موم جامہ کیا ہوا کپڑا تھا اور اس پر چھت تھی اور اس کپڑے کے نیچے چھوٹا سا دروازہ تھا جس پر بند شیشہ تھا اور سطح کی چھت میں خوخہ کے اوپر ایک اور خوخہ (چھوٹا دروازہ) تھا جو اس خوخہ کے عین اوپر تھا اور اس کے اوپر بھی شیشہ لگا تھا جسے تالا لگا ہوا تھا پھر مسجد کی چھت اور سطح مسجد کی دوسری چھت کے درمیان دو ہاتھ کا خلاء تھا۔

میں کہتا ہوں کہ حجرہ سے ملنے والی مسجد کی جس چھت کا انہوں نے ذکر کیا ہے تو اسے ہم نے دیکھا کہ وہ موجود ہے جس پر لوہے کا تالا لگا ہے اور شمع جلانے کی جگہ کو مسجد کے متولی نے نئے سرے سے ہمارے دور میں بنایا ہے جبکہ مسجد جل چکی تھی اور وہ قبہ بھی بنایا گیا جو نیلے رنگ کے قبہ کی جگہ بنایا گیا۔

رہا وہ روشن دان جس کا ذکر انہوں نے حجرہ کی چھت میں کیا وہ اس موم جامہ کردہ کپڑے کے نیچے ہے جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا اور یہ پہلی آتشزدگی سے پہلے کا واقعہ ہے اور جب اس کے بعد یہ چھت دوبارہ تعمیر ہوئی تو اس میں روشن دان نہ تھا۔

کلامِ مطری سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں ایک روشن دان کے علاوہ اور کچھ نہ تھا جو چھت میں موجود ہو' کیونکہ انہوں نے کہا: دو چھتوں کے درمیان حجرے کی چھت پر تختیاں لگی ہیں جن میں سے بعض کو بعض کے ساتھ جوڑ دیا گیا تھا اور پھر ان پر مومی کپڑا ڈال دیا گیا جن پھر تالا لگایا گیا کہ جب اسے کھولا جاتا تو نبی کریم ﷺ کے گھر کی دیوار اور اس دیوار کے اندر جانا ممکن ہو جاتا جسے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بنایا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس شیشے کے بارے میں جو کچھ انہوں نے کہا' وہ صحیح نہیں کیونکہ اس سے حجرے کے درمیان نیچے اُترنا برابر تھا حالانکہ مطری اور ان کے پیروکار اس بات پر متفق ہیں کہ آتشزدگی کے بعد حجرے کی چھت وہی مسجد کی چھت تھی اور یہ بھی اس کے خلاف ہے جو ہم نے دیکھا۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۲

حجرہ مقدسہ کی تعمیر اور اس میں داخلہ کی صورت اور مرمر کا استعمال

علامہ اقشہری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ابو عمرو احمد بن ابو محمد ہارون بن عاث نفری کہتے ہیں کہ مدینہ شریف (یا کہا' مدینہ اسلام) میں ایک حادثہ رونما ہوا تھا' انہوں نے سن رکھا تھا کہ چالیس سال ہوئے حجرہ مبارکہ میں ایک دھما کہ ہوا چنانچہ خلیفۂ وقت کو اس سلسلے میں لکھا گیا۔ انہوں نے فقہاء سے مشورہ کیا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ مسجد کے خادموں میں سے کوئی فاضل شخص اس میں داخل ہو چنانچہ انہوں نے بدر ضعیف کو منتخب کیا' وہ ایک فاضل شخص تھے' رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے اور بنو عباس سے تعلق تھا' انہیں اندر داخل کر دیا گیا' انہوں نے دیکھا کہ مغربی دیوار گر چکی تھی' یہ باہر والی دیوار کے اندر کی طرف نیچی تھی' اس کے لئے مسجد کی مٹی سے اینٹیں تیار کی گئیں چنانچہ خلیفہ نے پہلی صورت پر از سرِ نو اسے تعمیر کرا دیا۔ وہاں ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو دیوار گرنے سے ٹوٹ گیا تھا جسے دیوار کی کچھ مٹی کے ساتھ بغداد پہنچا دیا گیا اور جس دن وہ بغداد پہنچا' لوگ استقبال کے لئے آئے اور اسے دیکھنے کے لئے بے شمار لوگ جمع ہو گئے' بھیڑ کی وجہ سے کاروبار بند ہو گیا اور خرید و فروخت تک رُک گئی۔ ابن عاث نے ۶۱۳ھ میں کوچ کیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ "تقریباً چالیس سال ہوئے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ ۵۷۰ھ یا اس سے ذرا پہلے کا ہے۔ ابن عاث نے اسے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے جس سے میں نے نقل کیا ہے تو گویا یہ واقعہ "مستضئ باللہ بن مستنجد باللہ" کے دور کا ہے۔ انتہی۔

یہ گرنے والی دیوار شاید مشرقی تھی جو عمارت کے اندر کی طرف تھی' اسے مغربی کہہ دیا گیا' اس لئے کہ یہ اس دیوار سے متصل تھی جو باہر کی طرف تھی تو یہ وہی واقعہ ہے جس میں یہ مذکورہ دیوار بنائی گئی اور اسے پہلی جگہ سے ذرا تبدیل کر دیا گیا تھا لیکن اس کا سرا رہنے دیا گیا جیسے پہلے اس کی طرف اشارہ ہو چکا' اسے پتھر سے بنایا گیا تھا' وہاں کچی اینٹیں نہ لگی تھیں' صرف دیوار کے اوپر لگائی گئی تھیں اور شاید مسجد کی مٹی سے اینٹیں بنانے سے مراد یہی لیا لیکن کلامِ نجار میں یہ بھی ہے کہ حجرہ شریفہ میں اس کے دور ۵۵۴ھ تک کسی کا اندر داخل ہونا ثابت نہیں' ان کی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب "الدرۃ الثمینہ" میں لکھا ہے: یقین کیجئے کہ ۵۴۸ھ میں انہوں نے حجرہ مبارکہ میں دھماکے کی آواز سنی تھی۔ اس وقت قاسم بن مہنی حسنی امیر مدینہ تھے۔ لوگوں نے اسے اس واقعہ کی اطلاع دی تو اس نے کہا: کسی شخص کو اس میں داخل ہونے کی ضرورت ہے کہ وہ دیکھے' اندر کیا ہوا ہے' انہوں نے ایسے شخص کے بارے میں سوچا جو اس کام کو صحیح طریقے سے کر سکے چنانچہ عمر نسائی کا نام سامنے آیا' یہ موصل کے شیخ الشیوخ صوفی تھے۔ ان کے بارے

میں بتایا گیا کہ انہیں پیشاب وغیرہ کی شکایت ہے جس کی وجہ سے انہیں بار بار طہارت خانہ میں جانا پڑتا ہے لیکن انہوں نے انہیں تجویز کر لیا چنانچہ وہ کہنے لگے: مجھے مہلت دیجئے کہ میں اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لوں۔

کہتے ہیں کہ آپ نے کھانا پینا چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ انہیں موقع دیکھنے اور باہر آنے تک مرض سے رہائی ملی رہے۔ پھر انہوں نے انہیں خوخہ سے اس باڑ میں اُتارا جسے حضرت عمر بن عبد العزیز نے بنایا تھا' وہاں سے آپ حجرہ مبارکہ میں شمع لئے داخل ہو گئے' دیکھا تو مبارک قبروں پر چھت کی مٹی گری ہوئی تھی چنانچہ داڑھی سے صفائی کر دی' کہتے ہیں کہ آپ کی داڑھی خوبصورت ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اندر جانے آنے کے دوران انہیں بیماری سے بچائے رکھا۔ یہ بات میں نے بہت سے لوگوں سے سنی۔ واللہ اعلم۔

مطری کی پیروی میں علامہ مراغی نے لکھا: لوگوں نے انہیں رسی باندھ کر دو چھتوں کے درمیان سے نیچے اُتارا' وہ حضور ﷺ کے کمرے والی دیوار اور اس سے باہر والی دیوار کے درمیان اُترے اور شمع لئے دروازے کی طرف گئے جہاں سے اندر داخل ہو گئے اور مبارک قبروں کے پاس پہنچ گئے' وہاں دیکھا تو تھوڑا سا ملبہ پڑا تھا' یا تو چھت سے گرا تھا یا پھر دیواروں سے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ روایت ابن نجار کے مطابق نہیں چنانچہ علامہ مراغی نے اسی پر اپنے اعتراض کی بنیاد رکھی ہے جس کا ذکر آ رہا ہے۔

پھر ابن نجار نے کہا کہ ماہِ ربیع الآخر ۵۵۴ھ کو خلیفہ قاسم کے دور میں لوگوں نے حجرہ مقدسہ سے خوشبو آئی محسوس کی اور جب بڑھ گئی تو لوگوں نے امیرِ مدینہ سے شکایت کی۔ اس نے اندر اُترنے کا حکم دیا چنانچہ خواجہ سرا بیان اسود داخل ہوئے جو حجرہ کے خادم تھے' ان کے ساتھ مسجد کے متولی صفی موصلی بھی تھے اور امیر مدینہ سے اجازت لے کر ہارون شادی صوفی بھی اندر گئے۔ امیر نے انہیں بہت سا مال دیا اور جب وہ اندر گئے تو دیکھا کہ ایک بلی اوپر سے گر کر مر گئی تھی اور پھول چکی تھی' انہوں نے اسے نکال دیا۔ وہ حجرہ اور باہر والی دیوار کے اندر تھے۔

علامہ مراغی کہتے ہیں: انہوں نے دیکھا کہ اس جالی سے بلی گری ہے جو چھت کے اوپر تھی' وہ اس دیوار اور حضور ﷺ کے مبارک حجرے کی دیوار کے درمیان تھی۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ وہ گیارہ ربیع الآخر بروز ہفتہ اندر داخل ہوئے تھے اور اس تاریخ سے آج تک یہاں تک کوئی نہیں جا سکا۔ انتہی۔

یہ بات علامہ اقشہری کی ابن عاث سے نقل کے خلاف ہے کیونکہ اس کے مطابق یہ واقعہ ۵۷۰ھ کے لگ بھگ ہوا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے اور ان کے سوا کہیں اور نہیں ملا چنانچہ ہر ایک نے ویسے ہی نقل کر دیا جیسے ان تک پہنچا۔

زین مراغی' ابن نجار کا نقل کردہ واقعہ لکھنے کے بعد لکھتے ہیں: اس نقل میں غور کی ضرورت ہے کیونکہ مبارک

قبروں تک پہنچنا مشکل ہے خصوصاً اس صورت میں جب سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعمیر کردہ دیوار باقی ہو اور اگر کہیں یہ مل جائے کہ وہ دیوار نکال دی گئی یا دروازے وغیرہ سے اندر جانے کا کوئی راستہ تھا تو یہ بات ٹھیک ہو گی ورنہ محلِ نظر ہے۔

میں کہتا ہوں' یہ محلِ نظر تو تب ہو سکتا ہے جب ابن نجار نے یہ کہا ہو کہ وہ دو دیواروں کے درمیان نازل ہوئے تھے اور وہاں سے حجرے کے دروازے تک گئے تھے لیکن ان کے کلام میں تو ایسی کوئی بھی بات نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہم نے ان سے نقل کیا ہے' اس کا مقصد یہ ہے کہ حجرہ شریف میں روشن دان تھا (سوراخ تھا) اور اسی کے مقابل مسجد کی چھت میں بھی تھا' وہ تو اوپر سے حجرہ کی چھت تک اُترے تھے پھر وہاں سے حجرے تک لہٰذا اعتراض نہ رہا علاوہ ازیں جس دیوار کے متعلق انہوں نے اشارہ کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بنائی تھی اور وہ کہتے ہیں کہ اس کا نشان نہیں ملتا' صرف اس کا سرا دکھائی دیتا ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں شام کی طرف سے قبلہ تک دیوار تھی اور دروازے کا بھی ہمیں کوئی نام ونشان نہیں ملا جیسے ہم پہلے بتا چکے۔

باقی رہی یہ بات کہ حجرہ کو سنگِ مرمر لگا کر مضبوط کیا گیا تھا تو کلامِ ابن زبالہ میں اس کا ذکر نہیں ملتا البتہ یحیٰ کے کلام میں اس کا ذکر موجود ہے کیونکہ ان کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے حضرت فاطمہ بنت حسین اور ان کے شوہر حضرت حسن بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نکال کر اس گھر کو گرایا جانے لگا تو حضرت حسن نے اپنی اولاد میں سب سے بڑے لڑکے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور تاکید کی کہ تعمیر کے قریب ٹھہرے رہنا اور دیکھتے رہنا فلاں قسم کا پتھر وہ بنیادوں میں لگاتے ہیں یا نہیں؟ وہ دیکھتے رہے' انہوں نے بنیادیں اونچی کر دیں لیکن وہ پتھر نہیں لگایا۔ حضرت جعفر نے اپنے والد کو بتایا کہ انہوں نے وہ پتھر نکال دیا ہے۔ یہ سن کر وہ سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے' یہ وہ پتھر تھا کہ نبی کریم ﷺ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں تشریف لاتے تو اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے' یا فرمایا کہ حضرت فاطمہ اس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھا کرتی تھیں۔ اس بات میں یحیٰ کو شک رہا اور حضرت علی بن موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بتاتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسی پتھر پر حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جنم دیا تھا۔

علامہ یحیٰ کہتے ہیں' میں نے حسین بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا تھا' ہم میں سے کوئی بھی ان سے افضل نہ تھا' انہیں جب بھی کوئی جسمانی تکلیف ہوتی تو اس پتھر کو تکلیف والے مقام پر لگاتے۔ ہم عرصہ تک اس پتھر کو دیکھتے رہے' اسی دوران مسجد بنانے والے کاریگر فوت ہو گئے اور جب قبرِ انور پر مرمر لگایا گیا تو ہمیں نظر نہیں آیا' وہ پتھر قبرِ انور کے متصل تھا اور چوکور حصے کے قریب۔ یحیٰ کی کتاب کے ایک راوی کہتے ہیں کہ یہ کاریگر حضرت اسحاق بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' خلیفہ متوکل نے انہیں مکہ و مدینہ کی تعمیر کے لئے بھیجا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ خلیفہ متوکل کی خلافت ۲۳۲ھ سے شروع ہوئی اور وفات شوال ۲۴۷ھ کو ہوئی۔ یہ تھا ابن نجار کا

ماخذ جہاں سے انہوں نے یہ نقل کیا کہ متوکل نے اپنے دور میں حضرت اسحاق بن مسلمہ کو حکم دیا تھا (یہ مکہ و مدینہ میں اس کی طرف سے تعمیر پر مقرر تھے) کہ حجرہ مبارک کو مرمر لگا کر مضبوط کر دیں تو انہوں نے کر دیا پھر مقتفی کے دور خلافت ۵۴۸ھ میں ان کے دادا بنو زنگی کے وزیر جمال الدین نے بنائی تھی اور اس کے گرد کھڑے اور بیٹھے پتھر لگائے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے بعد مرمر کو نئے سرے سے لگانے کا ذکر کسی بھی مؤرخ نے نہیں کیا البتہ ہمارے دور کے تعمیری نگران جناب شمس محسنی خواجگی بن زمن نے اسے سلطان قائتبائی کے حکم سے لگایا تھا اور قبلہ کی جانب مغرب کی طرف سے ابتداء ہی میں، ساقی رنگ کی تختی تھی جسے سفید واضح مرمر نے گھیر رکھا ہے، اس کے اندر دینار سے بڑا ٹکڑا اس تختی کے ظاہری حصے پر چونے سے چپکا ہوا تھا، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ نفیس قسم کا چمکدار گوہر ہے پھر تعمیر کے نگران نے مجھے دکھایا کہ وہ شہد کے رنگ کا پتھر ہے جس کی سرخی، زردی مائل تھی، انہوں نے بتایا کہ میں تو اسے حجر الیرقان سمجھتا ہوں۔نگران کو خدشہ تھا کہ اسے پہلے کی طرح کیسے چپکایا جائے گا چنانچہ پہلے مرمر کو کھرچنے کا حکم دیا اور اسے اس میں لگانے کو کہا، انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس پتھر کو اپنے مقام پر لگا دیا۔

میں نے کسی بھی مؤرخ کو نہیں دیکھا کہ اس نے اس مرمر کے بارے میں بتایا ہو جو حجرہ شریف کے گرد زمین میں لگایا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اس وقت دکھائی دیا جب زمین پر مرمر لگایا جا رہا تھا کیونکہ یحیٰی کے کلام میں اس پتھر کے بارے میں (جسے متبرک سمجھا جاتا تھا) بتایا جا چکا ہے کہ حضرت حسین بن عبد اللہ نے اس سے کنکریاں دور کیں، عمارت میں نہیں لگایا اور میں نے اسے اس وقت سے نہیں دیکھا جب سے حجرے کو مرمر سے پختہ کیا گیا تھا، اس سے پتہ چلا کہ انہوں نے زمین پر بھی مرمر لگایا گیا تھا ورنہ وہ پتھر چھپ نہ جاتا۔

رہا مصلّٰے مذکور پر سنگ مرمر لگانا تو میں نہیں جانتا کہ اسے کب لگایا گیا البتہ ابن زبیر کے سفر نامے میں اس کا ذکر موجود ہے، رہا وہ پتھر جو محراب عثمانی اور اس کے گرد لگا ہوا ہے تو اس کا قدیم حصہ (یعنی پہلی آتشزدگی کے بعد) وہ ہے جو محراب اور قدرے اس کے گرد ہے جسے مرمر لگایا گیا ہے اور سلطان ملک ظاہر جقمق نے ۸۶۰ھ کی پہلی دہائی میں قبلہ کی دیوار میں بیل بوٹے لگانے کا حکم دیا چنانچہ اسے محراب سے ملا دیا گیا اور جو عمارت ہم نے دیکھی ہے، اس میں اس کا اکثر حصہ نیا بنا دیا گیا ہے۔وہ بیل بوٹے جو اوپر والے حصے میں تھے، اسے تبدیل کر دیا گیا اور اس کی جگہ سونے کے پانی سے نئے نقش و نگار کئے گئے جو آج تک موجود تھے لیکن دوسری آتشزدگی میں یہ سب کچھ بھی زائل ہو گیا پھر اسے منارۂ رئیسیہ بناتے ہوئے پہلے سے بھی خوبصورت کر دیا گیا، ساتھ ہی حجرہ مبارکہ کے اردگرد مرمر لگایا گیا، مصلّٰے شریف کے محراب پر بھی سنگ مرمر لگا دیا گیا پھر مواجہہ شریف کے بالمقابل ان ستونوں پر بھی مرمر لگایا گیا جب انہوں نے دوسرا قبہ بنایا تھا چنانچہ مقصورہ کے اندر اور باہر سے اسے پتھر لگا دیا گیا اور آج مسجد میں مرمر کا جتنا بھی کام نظر آ رہا ہے وہ ہمارے دور کے سلطان اشرف قائتبائی کا کرایا ہوا ہے (اللہ ان کے مددگاروں کو عزت دے اور ان کا اقتدار بڑھائے) واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۴

سرِ انور کی طرف صندوق' مواجہہ شریف کے سامنے "مقام فضہ" حجرہ مبارکہ میں مقامِ جبریل' حجرہ پر پردہ اور خوشبو لگانا

مجھے معلوم نہیں کہ سر انور کے سامنے صندوق کب رکھا گیا' کیسے اوپر والا چھوٹا ستون سجایا گیا تاہم اس نئی تعمیر میں پتہ چلا کہ پہلی آتشزدگی سے پہلے وہ موجود تھا کیونکہ تعمیر کے نگران نے اسے اکھاڑ دیا تھا تاکہ اسے مضبوط بنایا جاسکے چنانچہ اس نے صندوق کو خوب سجا دیا اور اسی سبب سے وہاں کے ستون کی بنیاد بھی درست کر دی اور جب انہوں نے صندوق اکھاڑا تو پہلے انہیں صندوق کے پائے نظر آئے جن میں آتشزدگی کا اثر دکھائی دے رہا تھا' لگتا تھا کہ انہوں نے اسی پر نیا صندوق رکھ دیا تھا اور وہ جلا ہوا اسی میں سمو دیا تھا اور دوبارہ اسی طرح بنا دیا تھا۔

مجد شیرازی نے اس صندوق اور پائے کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے: حجرہ شریف کے مغربی پہلو میں آبنوس سے بنا صندوق ہے جس میں صندل کا استعمال ہوا ہے اور اس پر چاندی کا خول ہے' وہ حضور ﷺ کے سرِ انور کے سامنے ہے' اس میں ایک ستون ہے' صندوق پر لکڑی کا پایہ ہے۔ یہ صندوق پانچ بالشت لمبا اور تین بالشت چوڑا ہے اور اوپر کو بلندی چار بالشت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب معلومات میں نے ابن جبیر کے سفر نامے سے لئے ہیں سوائے اس کے جو اس پر " قائم" لگا ہے چنانچہ اسی سے مجد نے یہ بات نکالی کہ یہ نیا ہے۔ ابن جبیر کا یہ سفر ۵۸۰ھ کو ہوا تھا جس سے پتہ چلا کہ اس دور میں آتشزدگی سے پہلے وہ صندوق موجود تھا اور یہ جو انہوں نے لکھا ہے کہ یہ صندوق سرِ انور کے سامنے ہے' یہ غلط ہے کیونکہ ہمیں اس دور کی تعمیر میں پتہ چلا ہے کہ وہ قبلہ والی اندر کی دیوار کے سامنے ہے اور آگے آ رہا ہے کہ چہرۂ مبارک دیوار کی جانب ہے لہٰذا سرِ انور اس صندوق سے ذرا سا ہٹ کر ہے۔

علامہ مجد رحمہ اللہ کے پاس اس سلسلے میں حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت ہے' حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ جب حاضری دیتے اور حضور ﷺ پر سلام پیش کرتے تو روضۂ مبارکہ سے متصل ستون کے ساتھ کھڑے ہوتے اور پھر سلام عرض کرتے اور بتاتے کہ رسول اللہ ﷺ کا سرِ انور یہاں ہے اور اس کا مقصد ہم بتا چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

صندوق مذکور کی پونے دو ہاتھ اونچائی' دستی ہاتھ کی پیمائش کے مطابق تھی اور صندوق کے اوپر والا حصہ مرمر کے نفیس سرے کے برابر تھا' اس مذکور "قائم" (صندوق کے اوپر) کی بلندی تین ہاتھ تھی' یہ پانچ پہلو تھا جس کا ایک حصہ دوسرے سے پیوستہ اور جڑا ہوا تھا اور اس ستون کے ظاہری اس حصے کو گھیرے ہوئے تھا کہ اصل ستون جس پر موجود تھا

کیونکہ ستون کا کچھ حصہ اس عمارت میں شامل تھا جو باہر کی دیوار کے ساتھ متصل تھا اور اگر یہ اطراف تمام ستون کو گھیرتے تو پانچ سے بڑھ جاتے اور اس کی شکل آٹھ پہلو ہو جاتی۔ اس پر سیاہ ہندی لکڑیاں لگی تھیں اور اس کے طول وعرض میں ہر پہلو پر چاندی کی چادر تھی جو نہایت سلیقہ سے لگی تھی۔

رہا وہ صندوق تو اس میں تبدیلی نہ آئی تھی' سارے پر چاندی چڑھائی گئی تھی اور یہ دوسری آتشزدگی میں جل گیا تھا' انہوں نے چاندی سے سجا ہوا دیکھا چنانچہ اسی جگہ نیا صندوق رکھا اور جہاں اس پر ''قائم'' (ڈاٹ) تھا وہاں سنگ مرمر لگا جس پر بسم اللہ شریف' درود وسلام اور صحابہ وغیرہ کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لکھا تھا۔

رہا میخ کا معاملہ جو آپ کے چہرۂ انور کے سامنے تھی تو اس کے متعلق یہ گذر چکا کہ مغرب سے اس پہلو میں ابتداء سے پانچ ہاتھ کے فاصلے پر تھی' میں نے پیمائش کی تو ہاتھ کا چھٹا حصہ پیمائش کم نکلی' شاید یہ فرق ہاتھوں کے مختلف پیمانوں کی وجہ سے نکلا۔ اس ''مسمار'' (میخ) کی ابتداء بھی مجھے معلوم نہ ہو سکی' پہلے مؤرخین سے صرف اتنا پتہ چل سکا کہ اس کے اوپر قندیل (روشنی کرنے کے لئے) رکھی جاتی تھی لیکن مطری نے لکھا: قندیل کے نیچے والی چیز جو حجرہ شریف کے سامنے سلام کرنے کی جگہ کے سامنے تھی' یہ مسجد شریف میں آتشزدگی سے پہلے تھی کیونکہ آپ کے چہرۂ انور کے سامنے صرف ایک قندیل ہوتی تھی اور جب تجدید ہوئی تو کئی قندیلیں وہاں رکھی گئیں' آج کل چہرۂ انور کے سامنے کھڑا ہونے کی جگہ کی علامت چاندی کی وہ میخ ہے جو سرخ پتھر میں لگی ہے۔ انتہی یہی وہ جگہ ہے جس کے بارے میں آتشزدگی کے بعد علم حاصل ہوا نیز یہ وجہ بھی ہے کہ ابنِ جبیر نے اسے اپنے سفر نامے میں ذکر کیا ہے اور ابنِ جبیر' ابن نجار سے پہلے کے ہیں' انہوں نے حجرہ شریف کی تعریف کرتے ہوئے کہا: قبلہ کے پہلو میں حضورﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے چاندی کی میخ تھی لوگ اس کے سامنے کھڑے ہو کر سلام عرض کرتے۔ انتہی۔

پھر ابن جوزی نے ''مثیر الغرام الساکن'' میں روایت کی کہ ابن ابو ملیکہ کہتے تھے جو حضورﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑا ہونا چاہتا ہے تو اسے قبرِ انور کے پاس قبلہ میں موجود قندیل کو اپنے سر پر رکھنا چاہئے اور پھر ابن جوزی نے کہا: اور وہاں قندیل کے بارے زیادہ معلوماتی چیز وہ میخ ہے جو حجرہ کی دیوار میں ہے کہ کھڑا ہونے والا جب اس کے مقابل ہوتا ہے تو قندیل اس کے سر پر ہوتی ہے۔ انتہی۔

یحیٰی نے اپنی کتاب میں لکھا: ابن ابی ملیکہ کہتے تھے' جب تم قندیل کو اپنے سر پر رکھو گے اور دیوار میں موجود مرمر کو اپنے چہرہ کے سامنے لاؤ گے تو عین حضورﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے ہو گے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ میخ اسی مرمر میں تھی' اسی لئے ابن نجار نے کہا: آج کل وہاں ایک واضح علامت ہے جو چاندی کی ایک میخ ہے جو نبی کریمﷺ کے حجرہ کی دیوار میں ہے' انسان جب اس کے سامنے آتا ہے تو قندیل اس کے سر پر آجاتی ہے اور انسان حضورﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے ہوتا ہے۔ انتہی۔

ابنِ جماعہ سے پہلے میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ مناسک میں اس کا ذکر کیا ہو اور جو ابن صلاح کے مناسک

میں ہے' ذکر قندیل ہے جو احیاء سے لیا گیا ہے جسے زیارت کرنے والے کے سر کے برابر ہونا چاہئے انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے نقل کیا' ان کی کلام سے یہ نکلتا ہے کہ وہاں کھڑے ہونے والے اور اس ستون کے درمیان (جو سر انور کے قریب غربی کنارے میں ہے اور جسے ستون صندوق کہتے ہیں) چار ہاتھ کا فاصلہ ہو تو یہ چیز میخ کے پتہ دینے میں زیادہ قریب آتی ہے اگرچہ انہوں نے واضح طور پر نہیں لکھا لیکن اقشہری کے لکھے سے میں نے لیا ہے کہ: مجھے امام عالم رضی الدین ابو احمد ابراہیم بن محمد بن ابوبکر (یہ مکہ میں مقامِ ابراہیم پر امام ہوتے تھے' ان کا وصال ۹ ربیع الاوّل ۷۲۲ھ میں ہوا) اور شیخ وزیر ابو عبد اللہ محمد بن ابوبکر محمد بن عیسیٰ مومنانی' یہ دونوں کہتے تھے کہ ہمیں امام ابو عمر و عثمان بن عبد الرحمٰن بن صلاح سہروردی نے کہا: ''پھر مقدس ذات کی زیارت کرنے والا قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور اس میخ کے سامنے والی دیوار سے تین چار ہاتھ آگے آئے' جو حجرہ کی طرف سے قبلہ کی دیوار میں لگی ہوئی ہے۔''

یہ مضمون میں نے اقشہری کے ہاتھ کے لکھے سے نقل کیا ہے لیکن ابن اصلاح کے ہاں یہ نہیں ملا اور جو ابن عساکر نے اپنی ''تحفہ'' میں ابنِ صلاح کی طرف سے نقل کیا ہے (یہ ان کے شاگرد ہیں) وہ وہی ہے جو ہم پہلے بتا چکے۔ ابن عساکر نے ابراہیم طبری کے ذریعہ ابن صلاح سے نقل کرتے ہوئے خلط ملط کر دیا ہے کیونکہ ابن صلاح کی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی تھی اور ابن صلاح کا دور پانے والے ابراہیم مذکور کے والد تھے جو رضی طبری کے نام سے مشہور تھے کیونکہ ان کے والد کی پیدائش ۶۳۳ھ میں ہوئی تو گویا ابن صلاح کے ساتھ دس سال کی سانجھ تھی تو پھر ابراہیم کا لڑکا ابن صلاح سے بلاواسطہ روایت کیسے کر سکتا ہے؟

علامہ اقشہری اپنی پہلی تحریر کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ میخ ۷۲۰ھ میں گر گئی اور پھر رجب ۷۲۴ھ میں دوبارہ یہاں لگائی گئی۔

میں کہتا ہوں کہ میخ یہاں سے اس وقت اکھاڑی گئی جب حجرہ مبارکہ پر بوقتِ تعمیر مرمر لگایا گیا پھر بعینہٖ اپنی جگہ پر وہاں لگے ہوئے سرخ پتھر میں لگائی گئی' پھر دوسری آتشزدگی میں یہ اپنے مقام سے گر گئی تو اس کی جگہ ایک اور میخ لگا دی گئی اور اہلِ مدینہ میں سے کسی کو اس بارے میں اختلاف نہیں کہ یہ جگہ چہرۂ انور کے سامنے ہے اور جب حجرہ مبارکہ کے اندر سے مشاہدہ کیا جائے تو موقع پر یہی کچھ دکھائی دیتا ہے ہاں البتہ یحییٰ کے کلام میں میں نے دیکھا تو اس کے خلاف وہم پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ بتاتے ہیں کہ جو جگہ چہرۂ انور کے سامنے آتی ہے وہ تو نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کی دیوار میں لگے درمیانی ستون کے درمیان ہے' اس جگہ اور ستون کے درمیان دو بالشت اور تین انگشت کا فاصلہ ہے اور حضور ﷺ کے اہلِ بیت میں سے جس نے بھی اسے پایا ہے' وہ نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو اسی جگہ کے قریب کھڑے ہوتے' وہاں علامت تھی جس سے وہ قبرِ انور کا پتہ لگا لیتے اور جب سے میں جانتا ہوں وہ نشانی وہیں تھی اور جب مسجد تعمیر کرنے والے عمر نے خلیفہ متوکل کے دور میں قبرِ انور پر مرمر لگایا' تب یہ ختم ہوئی' اور کہا موسےٰ بن جعفر کہتے تھے کہ جو بھی اس مقام پر اپنا دایاں رخسار ایک طرف کو کر کے کھڑا ہو وہ حضور ﷺ کے چہرۂ انور کے سامنے

ہو گا اور حضرت علی بن حسین (زین العابدین) رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہیں کھڑے ہوا کرتے تھے۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ جس درمیانی ستون کی طرف انہوں نے اشارہ کیا وہ قبرِ انور کی دیوار سے قبلہ کے پہلو میں دکھائی دیتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام پیش کرنے والا یہیں کھڑا ہوتا ہے، اس دیوار اور مذکور میخ کے درمیان تین ہاتھ یا اس سے زیادہ فاصلہ ہوتا ہے۔ پھر کہا ہے کہ جس جگہ کا انہوں نے ذکر کیا، اس کے اور مذکورہ ستون کے درمیان دو بالشت اور تین انگشت کا فاصلہ ہے لہٰذا یہ اس میخ سے دو ہاتھ دور ہو گا حالانکہ ہم نے حجرہ کے اندر سے اس ستون کا مشاہدہ کیا ہے، وہ اس کی انتہاء سے قریب ہے اور وہ یوں کہ جو وہاں دفن ہو اور اس کا چہرہ اس جگہ کے برابر ہو جس کا ذکر یحییٰ نے کیا ہے تو اس کے پاؤں حجرہ کی مشرقی دیوار میں ہوں گے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے تو اس صورت میں یہ بہت بعید ہو گا کہ چہرۂ انور اس جگہ کے سامنے ہو، علاوہ ازیں جو انہوں نے موسیٰ بن جعفر سے نقل کیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس مذکورہ مقام پر کھڑے ہونے والے کا، چہرۂ انور کے سامنے آنا صرف اس صورت میں ہو گا جب وہ دایاں رخسار قبرِ انور کی دیوار کے ساتھ لگا کر ایک پہلو ادھر کر کے کھڑا ہو اور اس صورت میں ایک زیارت کرنے والا مغرب کی جانب متوجہ ہو تو اپنا مقصد پا سکتا ہے اور یہ اس لئے کہ قبلہ والی دیوار قدرے ٹیڑھی ہے جیسے گذشتہ تصویر میں ہم اس کا اشارہ کر چکے لہٰذا اس کا تقاضا یہ نہیں کہ بغیر چہرۂ پھیرے خود اس جگہ کی طرف متوجہ ہونے والا چہرۂ انور کے سامنے ہو جائے بلکہ چہرۂ انور کے سامنے کھڑا ہونے والا صرف اسی صورت میں چہرہ انور کی سمت میں ہو گا جب وہ مذکور میخ کے برابر ہو گا اور یحییٰ کے ذہن میں یہ ہے کہ زیارت کرنے والا مذکورہ شکل میں اپنا چہرہ قبرِ انور کے ساتھ لگائے تو میخ والی جگہ اس کے سامنے ہو گی چنانچہ اسی لئے انہوں نے اپنی گذشتہ تحریر کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ذکر کیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مقصورہ شریف والی وہ جالی جو حجرہ کے گرد ہے کبھی اس میخ کو دیکھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، ہاں دھیان ہو تو الگ بات ہے، اس سے زائر کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور بات کھل کر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوسرا صرعہ (کواڑ) ہے جو مقصورہ کے قبلہ کی طرف والے دروازے سے شروع ہوتا ہے جو قبرِ انور کے سامنے دائیں طرف ہے چنانچہ جو اس نشان کے سامنے ہو گا وہ اس کے برابر ہو گا اور اس میخ پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے اور اس کا سرا گول ہے، تعمیر کے متولی نے ایک اور میخ بھی بنوائی جس کے سرے پر چاندی لگوائی تھی لیکن یہ قبلہ کی اس جانب تھی جو مغرب کی طرف صندوق کی جہت کے قریب تھی، اس میخ کا سرا قبہ کی طرح پہلو دار تھا لہٰذا یہ پہلی میخ سے نہیں ملتی پھر متولی نے دو اور میخیں بنوائیں جو پہلی میخ کے قریب ہی قبلہ کی جانب غربی پہلو کے ابتداء میں تھیں لیکن مجھے ان کے بنانے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی اور یہ تینوں میخیں دوسری آتشزدگی میں جل گئی تھیں۔

رہی وہ جگہ جو مقامِ جبریل کے نام سے معروف ہے اور ستونِ مربعۃ القبر کے قریب ہے تو پہلے آ چکا کہ وہاں میخ موجود تھی جو حجرہ سے مربعہ کی شمالی جانب مڑ کر تھی تو یہ مقام جبریل بتانے کے لئے علامت تھی تاہم اب ہم نے نہیں

دیکھی' میں نے مسجد کے خادموں اور پتھر لگانے والوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو یہاں کچھ دکھائی نہیں دیا اور اس جگہ کا نام مقامِ جبریل رکھنے وجہ مربعۃ القبر پر گفتگو کے موقع پر گذر چکی ہے اور مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ نام اسے کیوں دیا گیا ہاں ابن جبیر نے حجرہ کی اس جگہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس پر پردہ لٹکایا ہوا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہاں جبریل علیہ السلام اُترا کرتے تھے لیکن ابن شبہ نے اپنی کتاب میں مقامِ جبریل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:
ابوغسان نے کہا کہ جس جگہ کو آج لوگ مقامِ جبریل کہتے ہیں' اس کی علامت یہ ہے کہ تم اس دروازے سے نکلو جو بابِ آل عثمان کہلاتا ہے تو نکلتے وقت تم اپنی داہنی طرف تین ہاتھ ایک بالشت کے فاصلے پر (جو زمین سے ایک ہاتھ ایک انگشت) ایک بڑا پتھر دیکھو گے جو مسجد کی دیوار میں لگے پتھر سے بڑا ہے' یہ اس جگہ کی علامت ہو گا۔

وہ کہتے ہیں' حضرت مالک بن انس کہتے تھے کہ اس مضمون کے بعد ابن شبہ کی کتاب میں اگلا مضمون موجود نہیں لہٰذا نہیں جانتا کہ وہ کیا تھا لیکن اس سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ اس مقامِ جبریل میں اختلاف ہو گا کہ کیا وہ ستون مربعہ کے نزدیک مسجد میں داخل ہو گا یا بابِ آلِ عثمان کے نزدیک خارج ہو گا' آج کل اسی کو بابِ جبریل کہتے ہیں اور شاید اسے باب جبریل کہنے کی وجہ یہی ہے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ سلطان محمد بن عبد اللہ بن سلیمان ربعی (ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کی اولاد میں سے تھے) کے عہد میں مجھے جنازہ کی جگہ سے خدشہ تھا چنانچہ سلطان کے حکم سے اسے بنا دیا گیا اور مقامِ جبریل کی علامت کے لئے اس میں پتھر لگایا گیا' اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کا نقش بنایا اور نشان قائم کیا تاکہ مقامِ جبریل کی پہچان ہو سکے جبکہ مقامِ جبریل' مسجد میں دائیں طرف ہے۔

جب یہ بات حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے اس بارے میں روشنی ڈالی اور اسے انوکھا کام جانتے ہوئے ناپسندیدہ قرار دیا' پھر اس کی جگہ ایک لمبا سخت پتھر لگا دیا گیا جس میں کوئی علامت نہ تھی' یہ پتھر مسجد کے پتھروں کی مخالف جانب میں تھا۔انتہٰی۔

احتمال یہ ہے کہ ابن زبالہ نے اپنے اس قول: ''مقامِ جبریل مسجد کے اندر اس کی دائیں جانب'' سے گذشتہ پہلی جگہ مراد لی ہو جو حجرہ شریف کے اندر ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ ان کے نزدیک دروازہ کو اپنی پہلی جگہ سے اسی کے سامنے آگے کر دیا گیا ہو جس کی وجہ سے مقامِ جبریل مسجد کے اندر ہو گیا ہو اور اس مقام کے سامنے ہو' پھر اس کی ترجیح کے لئے ظاہر ہے کہ مقامِ جبریل کے بارے میں اصل بات وہی ہے جو ہم بنو قریظہ سے غزوہ میں صاحبِ ''الاکتفاء'' سے بتا آئے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام اسی دن زرہ پہنے آئے اور جنازگاہ میں آ کر کھڑے ہو گئے' حضرت جبریل علیہ السلام کے چہرہ پر گرد و غبار کا اثر دکھائی دے رہا تھا۔اھ چنانچہ یہی وہ وجہ ہے جس کی بناء پر اسے مقامِ جبریل کہا گیا کیونکہ اس وقت جنازگاہ کے لئے دروازہ نہ تھا۔

بیہقی کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تھے ہم گھر

میں تھے کہ ایک شخص نے آ کر سلام کہا' حضور علیہ صورتِ گھبراہٹ میں اُٹھ کھڑے ہوئے' میں بھی آپ کے پیچھے ہو لی' یکا یک حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے آ گئے آپ نے فرمایا: یہ جبریل ہیں جو مجھے کہہ رہے ہیں کہ میں بنو قریظہ کی طرف جاؤں۔ واللہ اعلم۔

حجرہ نبوی پر پردہ

رہا حجرہ مبارکہ پر پردہ تو اس کے بارے میں ابن نجار کہہ چکے ہیں: حجرہ مبارکہ اسی صورت میں رہا' آخر حسین بن ابوالھیجاء نے (جو مصری حکمرانوں کے وزیر تھے) سفید کپڑے کا پردہ بنایا' اس پر نقش و نگار بنوائے جس پر سفید اور زرد ریشم سے لکھائی کرائی اور اس پر سرخ ریشم کا پردہ چڑھایا گیا' اس پر مکمل سورۂ یٰسین لکھوائی۔

کہتے ہیں کہ اس پر اس نے قرضہ کی بہت سی رقم خرچ کر دی پھر اسے حجرہ مبارکہ پر لٹکانے کا ارادہ کیا تو امیر مدینہ قاسم بن مہنی نے انہیں روک دیا اور کہا کہ خلیفہ مستضیء بامر اللہ کے اجازت کے بغیر نہ لگاؤ چنانچہ انہوں نے اسے لٹکانے کے لئے بغداد کو ایک شخص بھیجا' اجازت مل گئی چنانچہ دو سال تک اسے لٹکائے رکھا پھر خلیفہ کی طرف سے بنفشہ رنگ کا ریشم سے بنا پردہ آ گیا جس پر بیل بوٹے بنے تھے اور چوفیرے لکھائی کی ہوئی تھی: ابوبکر' عمر' عثمان اور علی پھر ایک کنارے پر امام مستضیء بامر اللہ کا نام لکھا تھا اور پھر اسے حضرت علی کی کوفہ میں شہادت گاہ پر اٹکا رہنے دیا گیا اور پھر اس کے بعد یہ پردہ لٹکایا گیا۔

جب امام ناصر الدین خلیفہ بنے تو انہوں نے سیاہ ریشم کا پردہ بنوایا' اس پر سفید ریشم سے بیل بوٹے بنوائے چنانچہ اسے اس پر لگا دیا گیا اور جب ان کی والدہ الجھۃ نے حج کیا اور واپس عراق آئیں تو انہوں نے بھی سیاہ ریشم کا پردہ تیار کیا جو پہلے پردے کی شکل کا تھا اور جب مکمل ہو گیا تو اسے اسی پردے کے اوپر لٹکا دیا گیا چنانچہ ہمارے اس دور میں حجرہ مبارکہ پر یکے بعد دیگرے تین پردے موجود ہیں۔ انتہیٰ۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ابن ابی الھیجاء وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خلیفہ المستضی بامر اللہ کے دور میں حجرہ مقدسہ پر پردہ ڈالا تھا' ان کی خلافت کا دور ۵۶۶ھ ہے اور انتقال ۵۷۵ھ ہے جبکہ علامہ رزین کے کلام میں اس روایت کی مخالفت موجود ہے کیونکہ انہوں نے محمد بن اسماعیل سے نقل کرتے ہوئے اپنی کلام میں کہا تھا: جب امیر المؤمنین ہارون کا دور تھا تو میں بھی ان کے ساتھ خیزران کو گیا' انہوں نے مجھے مسجد نبوی اور قبرِ انور کو خوشبو لگانے کا حکم دیا اور ان پر پردہ ڈالنے کو کہا۔ انتہیٰ۔

''عتبیہ'' میں میں نے دیکھا جو پردہ ڈالنے کی اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے' انہوں نے اول کتاب میں لکھا: مالک سے کہا گیا' تم نے یہ کہا ہے کہ حضور علیہ کی قبرِ انور کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس کی چھت پر پردہ کیسے ڈالا جاتا ہے تو کہا گیا کہ اس پر کھردرا اونی کپڑا ڈالا جاتا ہے۔ اس نے کہا: مجھے اس اونی کپڑے سے تعجب نہیں' اسے دیکھنے کی

ضرورت ہے۔ انتہٰی۔

ابنِ رشد نے اپنے بیان میں کہا کہ مالک نے رسول اللہ ﷺ کی قبرِ انور کی چھت کھولنے کو ناپسند کیا اور خیال کیا کہ اسے محفوظ کرنے کے لئے ڈھانپ دینا چاہئے اور یہ خیال نہ کیا کہ اسے کھردرے اونی کپڑے سے ڈھانپ دینا ہی کافی ہے' گویا انہوں نے سوچا کہ اسے گھروں کی طرح پردہ سے ڈھانپ دیا جائے۔ مجھے ایک بھروسہ والے شخص نے بتایا کہ آج کل مسجد کی چھت کے نیچے کوئی چھت نہیں ہے۔ انتہٰی اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ملائی جا سکتی ہے کہ کعبہ پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کعبہ کی تعظیم پائی جاتی ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کا تو ہمیں حکم ملا ہوا ہے اور آپ کی قبر کی تعظیم بھی تو آپ ہی کی تعظیم ہے۔ یہ دلیل جواز تعظیم کے لئے اس سے زیادہ اہم ہے جو علامہ سبکی نے سونے کی قندیلیں بنانے کے بیان میں دی ہے کیونکہ وہاں ان کی دلیل بھی یہی ہے جبکہ یحیٰی اور ابن زبالہ حجرہ مبارکہ پر پردہ ڈالنے کی بحث میں نہیں پڑے اور شاید اس لئے کہ یہ معاملہ ان دونوں کے بعد شروع ہوا باوجودیکہ ابن زبالہ نے منبر شریف پر پردہ ڈالنے کا ذکر تو کیا ہے اور دروازوں پر پردہ ڈالنے کی بات بھی کی ہے اور یہ نقل کیا ہے کہ خانہ کعبہ کا غلاف اور پردہ مکہ لے جانے سے پہلے مدینہ میں لایا جاتا تھا اور مسجد کے اخیر میں اسے پھیلا دیا جاتا تھا اور پھر اسے مکہ کو لے جایا جاتا لیکن حجرہ انور کے غلاف کی بات نہیں کی۔

اس کے بعد انہوں نے حجرہ مبارکہ اور مسجد کو خوشبو لگانے کا ذکر کیا چنانچہ کہا: "امیر المؤمنین مدینہ موسیٰ کی والدہ ۱۷۰ھ میں خیزران آئیں تو انہوں نے حکم دیا چنانچہ مسجد کو خوشبو لگائی گئی۔ خوشبو لگانے کا کام اس کی لونڈی مونسہ کی نگرانی میں ہوا' اس پر ابراہیم بن فضل بن عبید اللہ بن سلیمان (ہشام بن اسماعیل کا غلام) نے اسے کہا: کیا تم لوگ بعد والوں سے آگے بڑھ جانا چاہتے ہو اور ایسا کام کرتے ہو جو پہلے لوگوں نے نہیں کیا؟ مونسہ نے پوچھا' وہ کونسا کام ہے؟ اس نے کہا: تمہیں ساری قبر پر خوشبو لگانی چاہیے چنانچہ انہوں نے یونہی کیا جبکہ اس سے پہلے اس کے دو تہائی یا اس سے بھی کم پر لگائی جاتی تھی پھر اس نے اشارہ کیا تو انہوں نے ستونِ توبہ اور اس ستون پر بھی لگائی جو مصلّائے نبی ﷺ کے نزدیک بطور علامت موجود ہے چنانچہ انہوں نے دونوں کو خوشبو لگا دی اور نیچے تک لے گئے۔ انتہٰی اور اگر اس دور میں حجرہ پر خوشبو لگانے کا وجود ہوتا تو اس کا بیان بھی کرتے۔

یہ بھی یاد رہے کہ سلطان صالح اسماعیل بن ملک ناصر محمد بن قلاون نے ۷۶۰ھ کی دہائی میں مسلمانوں کے بیت المال کی رقم سے مصر میں ایک گاؤں خریدا اور اسے سالانہ خانہ کعبہ کے غلاف تیار کرنے کے لئے مقرر کیا' علاوہ ازیں حجرہ مبارکہ اور منبر شریف پر ہر پانچ سال بعد ایک مرتبہ غلاف ڈالنے کو کہا تھا۔ اسے علامہ زین مراغی نے بھی ذکر کیا ہے البتہ حجرہ مقدسہ کے غلاف کے بارے میں اس نے ہر چھ سال بعد ایک مرتبہ ڈالنے کا ذکر کیا ہے' اسے سیاہ ریشم سے تیار کیا جاتا اور سفید ریشم سے اس پر لکھائی کی جاتی' اس پر سونے چاندی سے بیل بوٹے بنائے جاتے جو گردا گرد ہوتے لیکن منبر کے غلاف پر سفید ٹکڑے لگائے جاتے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مدت جو انہوں نے حجرہ کے متعلق بتاتی ہے' لگتا ہے کہ اس پر عمل ان دونوں کے دور میں ہوتا رہا ہوگا لیکن ہمارے اس دور میں تو دس سال کے لگ بھگ کا عرصہ گذرنے کے باوجود بھی اس پر عمل نہیں ہو سکا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جب بھی کوئی مصر کا والی بنا ہے' وہ غلاف بھیجنے کا اہتمام ضرور کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر غلاف کعبہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہی سلطان صالح وہ شخص ہے جس نے ایک شہر سندبیس کا ایک حصہ خریدا تھا' اس کا دو تہائی بیت المال کے وکیل کے ذریعہ خریدا اور اسی مقصد کے لئے وقف کر دیا لیکن حجرہ مقدسہ کا غلاف تیار نہیں کرتا تھا اور شاید دو تہائی کے علاوہ ایک تہائی (جس کا ذکر نہیں کیا) حجرہ مبارکہ کے غلاف سے متعلق رکھتا ہو جیسے ہم پہلے ذکر کر چکے اور یہ احتمال بھی ہے کہ غلاف بادشاہوں کی طرف سے آتے ہوں' وقف والے مال سے نہ آتے ہوں پھر ان کی عادت یہ تھی کہ جب بھی نیا غلاف آ جاتا تو خادموں کے نگران' اُترا ہوا غلاف ان خادموں میں تقسیم کر دیتے اور کچھ دوسرے لوگوں کو دیتے' اس کی ایک جانب سلطانِ مصر کے ہاں بھیج دی جاتی اور حجرہ مبارکہ کے غلاف کو بیچنے کا مسئلہ اسی طرح ہے' جیسے غلافِ کعبہ کا اور قدیم سے اس میں علماء کا اختلاف چلا آیا ہے۔اس مسئلہ میں ہمارے سامنے دونوں طرف کے دلائل موجود ہیں۔

حافظ صلاح الدین خلیل علائی کہتے ہیں کہ اب اسے فروخت کرنے میں کوئی شبہ نہیں رہا کیونکہ غلاف سے بھی مقدم سامان کو امام کا وقف کر دینا اس عبارت کے بعد اور علم ہونے پر ثابت ہو چکا ہے لہٰذا اسے واقف (وقف کرنے والا) قرار دیا جائے گا۔انتہی۔واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۵

حجرہ مبارکہ وغیرہ کے اردگرد سونے اور چاندی کی قندیلیں لٹکانا

آپ کے علم میں ہونا چاہئے کہ میں نے کسی کے کلام میں نہیں دیکھا کہ اس کام کی ابتداء کب ہوئی تھی البتہ ابن نجار نے لکھا ہے: قبلہ اور حجرہ کے درمیان زائرین کے سروں پر مسجد کی چھت میں' جہاں وہ ٹھہرتے ہیں' چالیس سے زیادہ بڑی چھوٹی قندیلیں لٹکی ہوتی ہیں جن میں چاندی کی کچھ تو نقش و نگار والی ہیں اور کچھ سادہ' دو ان میں سے شیشے کی ہیں' ایک سونے کی ہے اور ان میں ایک چاندی کا چاند بھی ہے جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے۔یہ بادشاہوں اور رعب والے امیر لوگوں کی طرف سے بھیجی گئی ہوتی ہیں۔انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ سونے اور چاندی کی قندیلیں بھیجنے کا یہ سلسلہ بادشاہوں اور رعب والے صاحب حیثیت لوگوں کی طرف ہمارے سے اس دور میں بھی یونہی جاری ہے۔

میں نے شیخ علامہ ناصر الدین العثمانی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کچھ چیزیں دیکھی ہیں جنہیں انہوں نے قاضی طیبۃ الزین عبد الرحمٰن بن صالح کے لکھے سے نقل کیا جس میں ان کا چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر سال آتی تھیں چنانچہ ایک سال میں پندرہ قندیلوں کا ذکر کیا' ایک میں تیرہ کا اور ایک میں اکیس قندیلیں لائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے اس دور میں آنے والی قندیلیں سالانہ اکثر بیس سے زیادہ آیا کرتی ہیں اور کوئی پکی تعداد نہیں بتائی جاسکتی کیونکہ یہ مختلف لوگوں کی طرف سے بطور نذرانہ پیش کی جاتی ہیں اور گویا یہاں جب زیادہ لگ جاتی ہیں تو ان میں سے کچھ مسجد کے اندر دوسرے حصوں میں لگا دی جاتی ہیں چنانچہ وہاں بہت سی جمع ہو جاتی ہیں۔حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں کہ ۸۱۱ھ میں سلطان ناصر نے حسن بن عجلان کو سلطنت حجاز کے لئے روانہ کیا کہ اس دوران ثابت بن نفیر کی موت واقع ہو گئی' جس نے اس کی جگہ اپنے بھائی عجلان بن نغیر منصوری کو مقرر کر دیا۔ان پر جماز بن ھبہ بن جماز جمازی نے حملہ کر دیا' یہ امیر مدینہ تھا' اس نے خدام کو بلا بھیجا لیکن انہوں نے اس کے پاس آنے سے انکار کر دیا' وہ مسجد شریف میں داخل ہوا اور حجرہ مبارکہ کے غلاف کو پکڑ لیا اور خدامِ مسجد سے نو ہزار درہم اس شرط پر مانگا کہ وہ حرم کا مال نہیں لے گا لیکن وہ رُک گئے۔اس نے ان کے نگران کو مارا اور مسجد کا سامانِ رکھنے کی جگہ کا تالا توڑ ڈالا۔

جو کچھ میں نے دیکھا ہے ایک دستاویز تھی جس پر مدینہ شریف کے چیدہ چیدہ لوگوں کے دستخط تھے جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ جماز بن ھبہ امیر مدینہ تھا چنانچہ ثابت بن نغیر کو مدینہ کے امیر بنانے کی دستاویز دکھائی دی اور ان کی نظر تمام حجاز کے لئے حسن بن عجلان پر تھی (کہ اسے حاکم بنایا جائے) اس پر جماز بن ھبہ مخالفت اور سرکشی کا اظہار کر دیا اور فسادیوں کا ایک گروہ اکٹھا کر کے اہل مدینہ کے کچھ گھر برباد کر دئے پھر کافی لوگوں کو لے کر مسجد میں آیا اور وہاں موجود قاضیوں' مشائخ اور خادموں کے نگران کی ہاتھوں اور زبان سے توہین کی' ان پر تلوار چلائی اور سامان والے مکان کا دروازہ توڑ دیا' وہاں سے سونے چاندی کی وہ قندیلیں لوٹ لیں جو دنیا بھر سے صرف رضاء خدا و رسول کے لئے لوگوں نے کئی سال سے بھیج رکھی تھیں' بہت سی نفیس اشیاء' انگوٹھیاں' چراغوں میں ڈالا جانے والا تیل' تراویح میں استعمال ہونے والی شمعیں' کفن اور بے شمار درہم لوٹ لئے جن سے ایک وادی کو بھرا جاسکتا تھا پھر حجرہ مبارکہ کی طرف بڑھا' قبر انور کا غلاف اور اس کے گرد لٹکی قندیلیں اُتارنے کے لئے سیڑھی منگوائی لیکن اسے توفیق نہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے ایسا نہیں کرنے دیا پھر خادموں کے کمروں سے حجرہ مبارکہ کے دروازوں کے پردے لے لئے' اسی دوران ایک دن اور رات کے لئے مسجد نبوی میں نہ تو اذان ہوئی' نہ اقامت کہی گئی اور نہ ہی جماعت ہو سکی۔اس نے اپنے ساتھیوں اور قریبی لوگوں کو حکم دیا کہ لوگوں کے گھر لوٹ لیں' خوبصورت اونٹنیاں پکڑ لیں اور پھر اس کے بعد وہاں سے بھاگ گیا۔

جب حسن بن عجلان کو حجاز پر حکومت کا حکم موصول ہوا تو اس نغیر کے بیٹے عجلان کو بلایا اور اسے مدینہ کا امیر مقرر کر دیا اور سب سے پہلے اسے ان کے بھائی کی دستاویزات دکھائیں اور ان سے تعارف کرایا۔انتہٰی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس نے سامان والے کمرے (اسٹور) سے گیارہ خوشخان (برتن) مال

سے بھرے دو بڑے صندوق اور ایک چھوٹا صندوق' پانچ ہزار کپڑے کے ٹکڑے ٹوٹے' ایک اور خادم پر سختی کی اور اسے دور کر دیا گیا اتنے میں عجلان بن نغیر آئے' ان کے ہمراہ آل منصور بھی تھے چنانچہ امن کا اعلان کر دیا گیا پھر ان کے بعد احمد بن حسن بن عجلان آئے اور ان کے ساتھ ایک لشکر آیا' یہ لوگ مکہ سے آئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے اپنے شیخ علامہ ناصر الدین مراغی کے قلم سے لکھی تحریر دیکھی جسے انہوں نے قاضی طیبة الزین عبد الرحمٰن بن صالح سے نقل کیا تھا' لکھا ہے کہ جو کچھ قبہ میں تھا اور جماز بن ھبہ نے اسے پکڑ لیا تھا' وہ چاندی کی قندیلیں تھیں جن کا وزن ۲۳ قنطار اور ایک تہائی قنطار تھا' یہ اس کے علاوہ تھا جو رفوف برتن میں تھا' دو سونے بھرے صندوق تھے پھر باقی چیزوں کی تفصیل لکھی جو یوں تھی۔خوشخانہ پر مہر تھی جسے کھولا نہیں گیا تھا' ظاہر ہے کہ اس میں سونا تھا' ان قندیلوں کا وزن جو رفوف (کپڑا) میں تھیں ایک تہائی قنطار کم چار قنطار تھا' صندوق میں نو قندیلیں تھیں جو سونے کی تھیں' علاوہ ازیں ایک بند صندوق تھا۔انتہٰی۔

ہمیں یہ اطلاع ملی کہ اس نے اس کا بہت سا حصہ دفن کر دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑ لیا چنانچہ وہ قتل ہوا اور دیگر لوگ بھی قتل ہوئے جو مال دفن کرتے وقت اس کے ساتھ تھے اور آج تک اس جگہ کا پتہ نہ چل سکا۔

حافظ ابن حجر نے ۸۱۲ھ میں اس کے قتل کے بارے میں لکھا: کہ اسی سال جماز بن ھبہ بن جماز بن منصور حسینی بھی قتل ہوا تھا جو امیر مدینہ تھا' اس نے مدینہ کا جمع شدہ مال پکڑا اور وہاں سے دور لے گیا۔ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ وہ دشمنوں سے جنگ میں قتل ہو گیا۔انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ اسے ایک عرب نے رات کو ہلاک کر دیا تھا۔

میں نے ''قائمہ'' میں دیکھا جس کا ذکر گزرا جس میں یوں لکھا ہے: حجرے میں رکھی سونے کی قندیلوں کا وزن نو قنطار تھا پھر اس کے بعد سلطان کی والدہ کی طرف سے ایک قندیل آئی جس کا وزن ایک ہزار مثقال تھا پھر سلطان کی ہمشیرہ کی طرف سے بھی ایک قندیل آئی جس کا وزن پندرہ سو مثقال تھا علاوہ ازیں چار بڑی قندیلیں تھیں جن میں سے ایک میں چار چھوٹی تھیں' دوسری میں دو چھوٹی قندیلیں' تیسری میں کئی قندیلیں بند کی ہوئی تھیں اور چوتھی میں ایک قندیل تھی' ان سب کا وزن تین ہزار سات سو بیس مثقال تھا۔

ظاہر یہ ہے کہ ان کے قول: ''من قناديل الذهب'' کے بعد ''و الفضّة'' کا لفظ رہ گیا ہے اور اس ''قائمہ'' میں بھی چاندی کی قندیلیں ایک سو ستر رطل تھیں جسے بیبق نے اپنے ہاتھ سے رکھا تھا۔انتہٰی۔

پھر امیر غزیر بن ھیازع بن ھبہ حسینی جمازی نے اس سٹور سے ۸۲۴ھ میں کچھ حصہ اس گمان پر لیا گیا قرضہ لے رہا ہے جس کی وجہ سے مدینہ کے ایک قاضی آزمائش میں پھنس گئے پھر اس عزیز کو حفاظت سے قاہرہ میں لے جایا گیا اور وہ قیدی میں مر گیا۔

یہ قندیلیں بڑھتی چلی گئیں اور ۲۷ ذی الحجہ ۸۶۰ھ رات کو برغوث بن بتیر بن جریس حسینی نے ان پر ڈاکہ ڈالا

اور مشہور مقام ''دار الشباک'' میں رات کو داخل ہو گیا' یہ باب الرحمہ کی ایک جانب تھا' وہاں رہائشی کوئی نہ تھا' وہ مسجد کی دیوار پر چڑھ گیا اور مسجد شریف میں موجود باری میں سے مسجد کی چھت پر چڑھ گیا اور وہاں سے چل کر اس جگہ پہنچا جو حجرہ مبارکہ کی چھت کے برابر تھا اور بہت سی قندیلیں اتار لیں' شائد اس نے کئی مرتبہ میں یہ اکٹھی کی تھیں' مسجد میں موجود کسی شخص کو پتہ چل سکا اور نہ ہی نگران معلوم کر سکے البتہ قریبی گھر کی ایک لڑکی نے گھر کی چھت سے دو شخص دیکھے جو ''دار الشباک'' کے اوپر کی طرف کوئی بڑی وزنی چیز اُٹھائے جا رہے تھے اور اس کی آواز آ رہی تھی۔ صبح ہوئی تو اس نے مسجد کے دربان کو اطلاع دی لیکن اس نے سنی اَن سنی کر دی کیونکہ وہاں کوئی تھا ہی نہیں اور پھر یہ کسی کی عقل و فکر میں بھی نہیں آیا لیکن اللہ کے ارادے میں اسے ذلیل کرنا لکھا جا چکا تھا اور اللہ اس پر ناراض ہو چکا تھا چنانچہ کسی شخص نے امیر مدینہ کو اطلاع کر دی کہ اس شخص کے پاس بہت سا مال ہے اور اسے کوئی نہیں جانتا چنانچہ پکڑ کر امیر نے اسے اپنے پاس روک لیا اور پھر قید کر دیا چنانچہ رات ہوئی تو وہ نکل گیا پھر مدینہ میں سونے چاندی کی کھڑکیوں کی فروخت کا چرچا ہو گیا جس پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

پھر ربیع الاوّل ۶۱ ھ کو پتہ چلا کہ برغوث ینبع میں ہے اور اس کے پاس سونے کی قندیلوں کے بہت سے ٹکڑے ہیں۔ نگرانوں نے حجرہ کی تلاشی لی' انہیں معلوم ہوا کہ بہت سی قندیلیں چوری ہو چکی ہیں' اب انہیں صورتِ حال کا علم ہوا لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ سراج نفطی کی بیٹی پر الزام لگا کہ اس نے برغوث کی مدد کی ہے اور وہ اس کے باپ کے گھر سے وہاں داخل ہوا کیونکہ وہ قبلہ کی طرف مسجد کے قریب تھا لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو اس جرم سے بری کر دیا۔ اس وقت مدینہ میں زین الدین موجود تھا' اس نے وہاں ایک مجلس لگائی' مدینہ کے نامور لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے ینبع کے امیر کو لکھا کہ برغوث کو پکڑ لے اور ہمارے پاس بھیج دے چنانچہ اس نے اسے قبضہ میں لے لیا جس پر اس نے یہ بات مان لی کہ یہ چوری اسی نے کی ہے اور دبوس بن سعد حسینی اس کے ہمراہ تھا اور یہ بھی بتایا کہ وہ مذکورہ عورت کے گھر سے داخل ہوا تھا اور ایک خادم نے اس کی مدد کی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حق ظاہر فرمایا کہ وہ ''دار الشباک'' سے داخل ہوا تھا اور دبوس نامی شخص اس کا مددگار اور اس کام میں شریک تھا۔

امیر ینبع نے اسے مدینہ بھیجنا ضروری نہ سمجھا بلکہ شاہی حکم کی انتظار میں اسے اپنے پاس چھوڑے رکھا۔ اس کے بعد امیر مدینہ نے دبوس اور اس کے قریبی کچھ لوگوں کو روک لیا۔ اس نے اس بات کو پسند نہ کیا لیکن اس کے کچھ ساتھیوں نے چوری مان لی اور کچھ سونا چاندی سامنے لا رکھا۔ اس کے بعد برغوث ینبع کی قید سے بھاگ گیا لیکن اللہ نے اس کا رُخ مدینہ کی طرف کر دیا چنانچہ وہ وہاں پہنچا تو امیر کو اطلاع دی گئی' اس نے اسے روک لیا پھر دبوس اور ساتھیوں سمیت اسے قید کر دیا لیکن وہ بھاگ گئے پھر اللہ تعالیٰ نے دبوس کے علاوہ دوسروں کو گرفتار کرا دیا چنانچہ ایسی جرأت کرنے والے کے قتل کا موقع آ پہنچا اور امیرِ مدینہ نے برغوث اور اس کے ساتھی رکاب کو قتل کر دیا پھر دبوس کو گرفتار کر لیا اور اسے بھی قتل کر دیا۔

مجھے برغوث کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے کہا تھا: میں بھاگا تو جب بھی میں مدینہ کے علاوہ کسی اور جانب کا رُخ کرتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے کوئی مجھے روک رہا ہے اور جب مدینہ کی طرف رُخ کرتا تو کوئی روکاوٹ نہ ہوتی اور یوں لگتا جیسے کوئی مجھے پیچھے سے ہانکے جا رہا ہے اور آخر میں یہاں آ پہنچا۔

رہا ہمارے اس دور میں حجرہ مبارکہ کے اردگرد قندیلوں کی تعداد تو ۸۸۱ھ کی ابتداء میں سلطان اشرف کے شیخ الحرم الامیر اینال اور قاضیوں کو حکم دینے پر حساب وکتاب لگایا گیا تو پتہ چلا کہ سونے کی جتنی چیزیں لٹک رہی تھیں' ان میں اٹھارہ قندیلیں تھیں' قندیل کا کچھ حصہ تھا' چار مشکیزے' دو پیالے اور دو کنگن تھے' ان سب کا وزن سات ہزار چھ سو پینتیس قفلہ تھا' ان میں ایک بڑی قندیل تھی جو چہرۂ انور کی جہت میں تھی جس کا وزن چار ہزار چھ سو قفلہ تھا' یہ سلطان کلرجہ شہاب الدین احمد نے بطور ہدیہ دی تھی' علاوہ ازیں کئی چاندی کی چیزیں لٹک رہی تھیں' ان میں تین سو چوالیس قندیلیں تھیں' بہت سا اور بھی سامان تھا جس کا وزن چھیالیس ہزار چار سو پینتیس قفلہ تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے ۸۶۲ھ میں بھی امیر بردبک تاجی کے ہاتھوں اندازہ لگایا گیا تھا' ان دونوں مقداروں کو سامنے رکھنے پر پتہ چلا کہ جو حساب پہلی تاریخ میں لگایا گیا تھا' اس میں سونا ایک ہزار ایک سو پچاس قفلہ زیادہ تھا اور چاندی تیرہ ہزار سات سو پچاسی قفلہ زیادہ تھی' یہ زیادتی سال ۶۳ھ سے ۷۹ھ کے آخر تک میں تھی۔

وہاں اور بھی لٹکنے والی چیزیں تھیں جو ان گذشتہ چیزوں کے علاوہ تھیں' چاندی کے تابوت میں شیشے کی قندیل تھی' چار تانبے کی قندیلیں تھیں' ایک فولادی تھی جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور اس پر لکھا ہوا تھا کہ الناصر محمد بن قلاوون نے اسے اس سال اپنے ہاتھ سے لگایا جب حج کیا تھا پھر ۸۰ھ کو شیخ اینال کے دور میں کچھ سامان آیا جو پہلے سامان میں شامل نہیں تھا یہ سونے کی قندیلیں تھیں جن کا وزن ایک سو پچیس قفلہ تھا اور چاندی کی بتیس قندیلیں تھیں جن کا وزن بارہ سو پچھتر قفلہ تھا' پھر ۸۱ھ میں سونے کی قندیل آئی جس کا وزن ایک سو بیالیس قفلہ تھا' علاوہ ازیں چوبیس چاندی کی قندیلیں تھیں جن کا وزن نو سو پچاس قفلہ تھا' پھر سال ۸۲ھ میں اکتیس قندیلیں آئیں جن کا وزن ایک ہزار پچپن قفلہ تھا لیکن سونے کی کوئی چیز نہ آئی۔ سال ۸۳ھ میں سونے کی صرف ایک قندیل آئی جس کا وزن بیس قفلہ تھا' چاندی کی پچیس قندیلیں تھیں' جن کا وزن گیارہ سو پینتیس قفلہ تھا' سال ۸۴ھ میں چاندی کی انیس قندیلیں تھیں جن کا وزن سات سو پینتالیس قفلہ تھا' اس سال سونے کی کوئی چیز نہیں آئی چنانچہ امیر اینال کے دور میں جو کل سامان آیا وہ سونے کی کل چار قندیلیں تھیں جن کا وزن دو سو ستاسی قفلہ تھا اور چاندی کی ایک سو انتیس قندیلیں تھیں جن کا وزن پانچ ہزار چھ سو پچپن قفلہ تھا اور جب انہوں نے ۸۸۱ھ میں حجرہ شریفہ کی تعمیر شروع کی تو تمام وہ لٹکی ہوئی چیزیں اُتار لیں جو اس کے گرداگرد لٹک رہی تھیں اور اس قبہ میں رکھ دی گئیں جو مسجد کے صحن میں تھا کیونکہ تعمیر کے متولی جناب شمسی کا حکم تھا اور پھر اپنی مقرر تاریخ تک وہیں رہیں اور آج حجرہ مبارکہ کے گرد ۸۱ھ سے ۸۴ھ کے آخر تک نئی چیز آنے کے علاوہ کوئی بھی چیز لٹک نہیں رہی پھر تعمیر کے متولی نے۔ سلطان کے لئے مسجد اور مدینہ شریف کی اصلاح کی چنانچہ کچھ سامان دوسری آتشزدگی

سے پہلے مصر پہنچا دیا پھر آتشزدگی کی وجہ سے جلی ہوئی قندیلیں دیکھیں جو گر گئی تھیں پھر متولی نے ان میں سے کچھ چھت کو سنہرا کرنے کے لئے خرچ کیں جو نئے سرے سے بنائی گئی تھی۔ پھر اسی قبہ کے پاس اخراجات کے لئے انتظام کیا گیا تو تیرہ ہزار دینار جمع ہو گئے۔

اتفاقاً امیر مدینہ حسن بن زبیری منصوری اسلحہ اور تنی تلواریں لئے بہت سے لوگ لے کر آیا اور اسی حالت میں مسجد کے اندر چلا گیا' یہ واقعہ ۶ ربیع الاوّل ۹۰۱ھ کو بوقتِ ظہر رونما ہوا اور حرم شریف کے خزانہ دار کو سٹور کی چابیاں لانے کے لئے کہا لیکن اس نے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اس نے اسے خوب مارا پھر خود سٹور کے دروازے پر پہنچا' ہتھوڑا منگوایا اور تالا توڑ کر اس میں سے نقدی' قندیلیں اور چاندی کا سارا سامان باہر نکال لیا پھر اس کی تین گانٹھیں باندھیں پھر دو گھوڑوں اور ایک خچر لادا نیز سامان سے بھرے تھیلے بوجھ اٹھانے والوں کی پیٹھوں پر لاد دئے اور اپنے قلعہ کی طرف چلا گیا اور ڈھلائی کرنے والے کو بلایا اور ان قندیلوں کو ڈھال دینے کا حکم دیا۔ کہتے ہیں کہ یہ کام اس نے مدینہ کی امارت سے توجہ ہٹا کر کیا تھا کیونکہ وہ سید شریف محمد بن برکات کا نائب تھا جسے سلطان اشرف نے حجاز کے معاملات پر مقرر کر رکھا تھا' وہ اپنا حصہ اس سے لیتا تھا جو اس کے پاس ٹیکس اور صدقات وغیرہ آتے تھے' اہلِ مصر نے کچھ ٹیکس اسے دینے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس نے حملہ کر دیا تھا۔

مسجد نبوی میں لٹکنے والی چیزوں کا حکم

رہا مسجد نبوی میں لٹکی ہوئی چیزوں وغیرہ کا حکم جیسے صندوق وغیرہ تو وہ یونہی ہے جیسے خانہ کعبہ میں لٹکی چیزوں اور ان کے زیور بنانے کا حکم ہے۔ علامہ سبکی نے کعبہ کی قندیلوں اور ان کے زیور بنانے پھر ان قندیلوں کے بارے میں جو حجرہ شریفہ کے گرد ہیں' گفتگو کی ہے اور اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "**تنزیل السکینہ علی قنادیل المدینہ**" ہے۔ انہوں نے بخاری کی حدیث ذکر کی ہے جس کے اندر کعبہ میں لگے سونا چاندی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے اپنے مقام پر برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے' پھر حضرت ابوبکر نے بھی یہی حکم دیا اور پھر حضرت عمر نے اسی کی طرف رجوع کیا تھا جیسے ابنِ شبہ نے لکھا ہے' حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ یہ دو وہ شخص ہیں جن کی میں پیروی کروں گا۔ کہتے ہیں کہ یہ حدیث کعبہ کے مال' یہاں بھیجے والے تحفے تحائف جو نذریں بھیجی جاتی ہیں اور مال جیسا بھی ہوتا ہے' کے بارے میں نہایت عمدہ ہے۔

ابن بطال کہتے ہیں' حضرت عمر کا ارادہ یہ تھا کہ اس مال کو مسلمانوں کے نفع کے لئے استعمال کر لیا جائے اور پھر جب انہیں پتہ چلا کہ حضور ﷺ نے اس سے پہلو تہی فرمائی ہے تو آپ رک گئے اور واللہ اعلم شاید آپ نے اسے خرچ کرنا اس لئے چھوڑا تھا کہ جو کچھ کعبہ میں لگایا گیا یا فی سبیل اللہ یہاں بھیجا گیا' یہ وقف مال ہوتا ہے لہٰذا اس میں تبدیلی ممکن نہیں ہوتی' اسے باقی رکھنے میں اسلام کی تعظیم ہے اور دشمن کے لئے خوف کا عنصر ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں' اس کے پیچھے ابن حجر نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ترک کا مقصد قریش کو تسلی دینا تھا جیسے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر کعبہ کی بنیاد ترک کی تھی۔اس کی تائید مسلم شریف کی سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت شدہ اس حدیث قدسی سے ہوتی ہے کہ: اگر آپ کی قوم کفر سے ابھی ابھی مسلمان نہ ہوئی ہوتی تو میں کعبہ کے خزانے راہِ خدا میں خرچ کرتا اور اس کا دروازہ سونے کا بنا دیتا۔الحدیث۔چنانچہ یہ دلیل قابلِ بھروسہ ہے۔

میں کہتا ہوں' کہا یہ جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس سبب کی بناء پر یہ مال خرچ کرنا ترک کر دیا' اسی سبب کی وجہ سے حضرت ابوبکر نے بھی ترک کیا پھر حضرت عمر نے پہلے تو ارادہ کیا کہ اسے خرچ کر دوں لیکن پھر رُک گئے پھر اس کے بعد بھی اسے ترک کیا جاتا رہا تو یہ اس کے ترک پر گویا اجماع ہو گیا لہٰذا ہمیں اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔واللہ اعلم۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں' اس بات میں غلطی کھانا نہیں چاہئے کہ اسے حرم کے فقراء میں خرچ کیا جائے کیونکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب حرم یا مکہ کو ہدیہ دیا جائے اور جب خود کعبہ کے لئے ہدیہ آئے تو اسے اسی پر خرچ کیا جائے جیسے اس کی تعمیر میں خرچ کرے اور پھر ایسے وقت میں دیکھا جائے گا کہ اگر ایسے مال اسی مقصد کے لئے رکھے گئے ہیں تو اسی میں خرچ ہوں گے اور اگر ایسا نہیں تو پھر جس مقصد کے لئے آئے ہیں جس کے لئے رکھے گئے تھے مثلاً بخور جلانے کے لئے آئی چیز' پردے میں خرچ نہ ہو سکے گی۔

رہی اس میں لگی قندیلیں اور پتھر تو اس میں سے ان پر خرچ نہ ہو سکے گا بلکہ یہ اپنے حال پر رہیں گی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول: ''میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں اس میں سونا اور چاندی کی چیزیں نہیں رہنے دوں گا۔'' اس میں دو صورتیں ہیں تو اس سلسلے میں ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ اس وقت اس کی صورت کیا تھی اور جو یہ کہتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے بیت پر سونے کا کام ولید نے کیا تھا تو یہ اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ دورِ جاہلیت میں سونا استعمال کیا گیا ہو جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک رہا ہو۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ تقی فاسی نے لکھا ہے: ''اسی سال (۶۵ھ کو) ابن زبیر نے کعبہ کی تعمیر کرنے کو کہا۔'' اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے سکہ پگھلا کر بنایا جس میں وَرس کا استعمال کیا جبکہ کعبہ پر اور اس کے ستونوں پر سونے کا استعمال کیا اور چابیاں بھی ایسی ہی بنائیں اھ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ سب سے بہتر دلیل ہے۔

پھر علامہ سبکی نے رافعی سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: کعبہ پر سونے چاندی کا استعمال جائز نہیں اور نہ ہی اس کی قندیلیں لٹکانا جائز ہے۔

پھر آپ نقل کرتے ہیں کہ کعبہ اور مسجد پر سونے چاندی کا استعمال اور اس کی قندیلیں لٹکانا' تو اس میں دو صورتیں ہیں جو ''الحاوی'' وغیرہ میں لکھی ہیں' ایک یہ کہ یہ جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم پائی جاتی ہے جیسے قرآن

کریم اور جیسے کعبے پر ریشم کا غلاف چڑھایا جاتا ہے لیکن ان میں سے زیادہ واضح بات اس سے رُک جانا ہے کیونکہ پہلے بزرگوں سے اس سلسلے میں کوئی چیز ثابت نہیں۔

پھر علامہ رافعی کے کلام پر اعتراض کیا اور کہا: کعبہ اور مسجد کو ایک جیسا کہنا مناسب نہیں کیونکہ جو تعظیم کعبہ کی کی جاتی ہے' وہ دوسری مسجدوں کی نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس پر ریشم کا غلاف چڑھانا بالاتفاق جائز ہے لیکن مسجدوں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اس میں اختلاف کا بیان مشکل ہے اور منع کرنے کو ترجیح دینا اس سے بھی مشکل ہے اور ایسا کیوں ممکن ہے جبکہ اس اُمت کے ابتدائی دور میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ دیکھئے ولید کے دور میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعمیر مسجد کے نگران بنے اور بغیر رجوع کے مسجد کی چھت پر سونے کا کام کیا بلکہ بعد میں آپ خلیفہ بن گئے اور انہوں نے جامع مسجد بنو امیہ میں سے سونا اتارنے کا ارادہ کیا تو آپ سے کہا گیا تھا کہ اس سے تو کھرچنے کی قیمت بھی وصول نہ ہو سکے گی چنانچہ آپ نے اسی طرح رہنے دیا جبکہ کعبہ پر لگی چیزوں سے تو بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے' اگر یہ فعل حرام ہوتا تو آپ اسے اپنی خلافت ہی کے دور میں اُتار دیتے اور جب آپ نے اسے جوں کا توں رہنے دیا حالانکہ ہر سال حج کرنے والے لوگ آپ کے ساتھ بھی تھے تو یہ بات یقینی ہوگئی کہ ان کا استعمال جائز ہے۔ یہ بات کعبہ کے غلاف وغیرہ پر سونے کا کام کرنے کے بارے میں ہے اور سونے کا پانی چڑھانے کے بارے میں اختلاف ہونا منع نہیں کیونکہ اس میں مال ضائع ہو جاتا ہے اور باقی مسجدوں میں بھی سونے کا پانی چڑھانے اور سونے کے استعمال میں اختلاف کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں قاضی حسین رحمہ اللہ نے مسجد میں سونے وغیرہ کی قندیلیں لگا کر زیب و زینت دینا حلال قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس (سونے لگانے) کا حکم اس زیور جیسا ہے جس کا استعمال جائز اور مباح ہے اور یہ بات رافعی کے قول سے زیادہ واضح ہے کیونکہ ان دونوں کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں' اس کا استعمال تو صرف مردوں کے لئے حرام ہے یونہی اس کا کھانا پینا وغیرہ حرام ہے جبکہ مسجدوں میں قندیلیں وغیرہ لگانے میں ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ ہر مسجد میں یہ بات قربِ الٰہی (عبادت) کی نیت سے کی جاتی ہوگی۔

باقی رہی علامہ رافعی کی یہ بات کہ سلف صالحین سے اس سجاوٹ کا ثبوت نہیں ملتا' عجیب وغریب ہے کیونکہ اتنا کہہ دینے سے یہ حرام نہیں ہو جاتی اور جس نے سونے چاندی کے برتن بنانے کو حرام لکھا ہے (اور ہے بھی صحیح) تو وہ اس لئے کہ نفس انسانی حرام چیزوں کے استعمال کی خواہش رکھا کرتا ہے اور اس کا یہی حکم ہے اور جب یہ چیزیں مسجد کے لئے بنائی جائیں تو نفس اس کی خواہش نہیں رکھتا' یہ تو برتن کہلاتی ہی نہیں پھر حرام کیسے ہوئیں؟

وہ کہتے ہیں' حنبلی حضرات کو میں نے دیکھا کہ وہ اسے مسجد کے لئے حرام قرار دیتے ہیں' انہیں برتنوں میں شامل کرتے ہیں یا پھر برتنوں پر قیاس کرتے ہیں' یہ بات صحیح نہیں اور پھر جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ تمام مسجدوں میں قندیلیں اور سونے کا استعمال حلال ہے تو اس میں شک ہی نہیں کہ وہ تین مسجدوں (مکہ' مدینہ' بیت المقدس) کے لئے تو

حلال ضرور ہی قرار دیں گے اور جو حضرات روکتے ہیں' وہ ان تین مسجدوں کا نام ہی نہیں لیتے لیکن ان کی عمومی بات ان کو بھی شامل ہوتی ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس اختلاف کو ترتیب دی جائے چنانچہ ان تین مسجدوں کے علاوہ میں دو صورتیں ہیں' صحیح یہ ہے ان میں سونے وغیرہ کا استعمال جائز ہے' مسجد بیت المقدس میں ان سے بہتر ہے اور مکہ و مدینہ کی مسجدوں میں ان سے بھی بہتر ہے پھر ان مسجدوں میں اس بارے میں کس کو فضیلت حاصل ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے' بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسجد مدینہ کو افضلیت حاصل ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کے پڑوس میں ہے اور جو کچھ اس میں لگا ہے' اس سے تعظیم کا ارادہ ہوتا ہے تو یہ ساری باتیں صرف بحث مباحثہ ہیں لیکن صحیح وہی ہے جو ہم نے نقل کر دیا۔

پھر یہ ساری بحث اس صورت سے متعلق ہے جب یہ چیزیں وقف نہ ہوں اور اگر سونے چاندی سے بنی چیزیں یہاں وقف کر دی جائیں تو پھر قاضی حسین اور علامہ رافعی کہتے ہیں کہ ان میں زکوٰۃ لازم نہیں لیکن رافعی حرام کہنے کو ترجیح دیتے ہیں تو پھر ان کی طرف سے یہ ترجیح کیسی؟ کیونکہ اس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ ان کا وقف صحیح قرار پائے' ہاں ممکن ہے کہ رافعی کی مراد یہ ہو' جب تم صحیح ارادہ کی بناء پر وقف کرو تو اس وقت ہم صحیح وقف پر اس کی بنیاد رکھیں گے۔ پھر کہا کہ یہ حکم اس سلسلے میں مسجدوں سے تعلق رکھتا ہے' رہا حجرہ مبارکہ تو قندیلوں کا اس میں معلق کرنا ایک عرصہ سے عادت بن چکا ہے اور اس میں شک نہیں کہ حجرہ مبارکہ اس سلسلے میں دوسروں سے بہتر ہے اور جنہوں نے مسجدوں میں اختلاف کا ذکر کیا ہے انہوں نے اس بات کا ذکر نہیں کیا' یہاں تو بے شمار عالم اور صالح لوگ حاضری دیتے رہتے ہیں لیکن کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا تو پہلے دلائل کے ساتھ یہی ایک دلیل ان کے جائز ہونے کے لئے کافی ہے' پھر دلائل تلاش کئے جائیں تو کسی میں اس سے منع ثابت نہیں ہوگا۔

کہتے ہیں کہ ہم تو جواز کا یقین رکھتے ہیں اور حجرہ مبارکہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر ہے اور اس کا اردگرد' پھر اشارہ کیا ہے کہ اس کا اردگرد یا تو اسی گھر میں شمار ہوتا ہے یا دوسرے حجروں میں جو مسجد میں داخل ہیں۔

فرماتے ہیں کہ آپ کے حجرہ میں آپ کے "جائے دفن" کو تمام مسجدوں سے فضیلت حاصل ہے بلکہ کعبہ پر بھی لہٰذا اگر ان کا استعمال مسجدوں اور کعبہ میں منع بھی ہو تو یہاں منع نہیں ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ یہاں ہم نے کسی کو انکار کرتے نہیں دیکھا لہٰذا جو شے اس جگہ اس کی عزت کی خاطر وقف ہوگی تو اس کا وقف صحیح ہوگا اور اگر صرف اسے ھدیہ قرار دیا جائے تو بھی صحیح ہوگا جیسے کعبہ کے لئے ہدیہ کا معاملہ ہے یونہی یہاں کے لئے بھیجی نذر کا حکم ہے' یہ نبی کریم ﷺ کا حق ہے اور آپ تو بلاشبہ زندہ ہیں' حکم تو صرف یہ ہے کہ آپ کے وصال سے وہ چیزیں ملکیت میں شمار نہیں ہوتیں جو پہلے ملکیت میں تھیں' وہ تو آپ کے بعد صدقہ بن گئیں' رہی یہ قسم تو اس کا آپ کی ملکیت میں ہونا منع نہیں اور یہی وہ بات ہے جو بہت سے لوگوں کے ذہن میں ہے کیونکہ سب یہی کہتے ہیں کہ "یہ چیز نبی کریم ﷺ کے لئے ہے۔"

اس کے بعد علامہ رافعی کے حوالے سے علامہ سبکی نے یحییٰ کی ذکر کردہ وہ روایت ذکر کی ہے جو مسجد میں خوشبو سلگانے سے تعلق رکھتی ہے بتایا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس خوشبو سلگانے کے لئے چاندی کا برتن لایا گیا جس میں تصویریں تھیں انہوں نے ایک مؤذن حضرت سعد کو دیا اور فرمایا اسے جمعہ کے دن اور ماہ رمضان میں سلگائیں چنانچہ وہ حضرت عمر بن خطاب کے ہوتے ہوئے سلگایا کرتے تھے۔الحدیث۔

پھر فرمایا: یہ جو فقہاء نے خوشبو سلگانے کے برتن کے بارے اجماع شرط کیا ہے اس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ کام حرام نہیں لیکن عرف یہ بتاتا ہے کہ اسے بھی "استعمال" ہی شمار کرتے ہیں تو اب یا تو یہ حدیث ضعیف ہو گی یا پھر انہوں نے اسے مسجد کی تعظیم قرار دیا ہے لہٰذا قندیلیں تو اولاً تعظیم بنتی ہیں کیونکہ ان میں "استعمال" نہیں ہوا کرتا۔

پھر فرمایا: حجرہ مبارکہ کی کسی شے کو اس کی تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں اور نہ مسجد میں جائز ہے کیونکہ انہیں باقی رہنے کے لئے تیار کرایا جاتا ہے اور ان کا مقصد بھی باقی رکھنا ہی ہوتا ہے خواہ انہیں کوئی وقف کرے یا صرف بطور ہدیہ دے۔

فرماتے ہیں مجھ سے سوال ہوا تھا کہ انہیں مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو میں نے انکار کر دیا تھا اور اسے برا جانا تھا یہ بات ہم دنیا کے شہنشاہوں کو کیسے بتائیں گے نبی کریم ﷺ کے حرم کی تعمیر کے لئے ہم نے ان کی قندیلیں بیچ ڈالی ہیں حالانکہ ہمارے مال کی ان کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ ہم تو ان پر اپنا آپ قربان کرنے کو تیار ہیں وہ لوگ تو فخر سے تعمیر میں حصہ لیتے رہے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس بارے میں بہت سے علماء نے بات کی ہے اس میں بحث کی گنجائش ہے لیکن ہمیں اس سے غرض نہیں ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ کعبہ پر ریشم کا غلاف چڑھانے کے بارے میں اجماع موجود ہے رہا مذکورہ چیزوں کے ذریعے آرائش وخوبصورتی کرنا تو یہ اس شخص سے ثابت نہیں جو اس فعل کو دلیل بناتا ہے نیز حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ان اشیاء کو چھوڑ دینا تو اس میں کئی عذر بیان کئے جا سکتے ہیں جنہیں یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں۔

ادھر شیخ موفق نے سونے کے برتن استعمال کرنے کے حرام ہونے پر اجماع نقل کیا ہے حالانکہ قندیلیں بھی تو برتن ہیں اور اس میں شک بھی نہیں اور ہر شے کا استعمال اس کی حیثیت کے لحاظ سے ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ چیزوں کو لٹکا کر ان کا استعمال ایک خوبصورتی ہے حالانکہ ان سے تعمیر کا حرام ہونا تسلیم شدہ ہے۔

۱۔ جمال گازرونی مدنی نے کچھ ایسی اشیاء کا ذکر کیا ہے کہ ان سے سبکی کی تائید ہوتی ہے۔

ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ○ (سورۂ نور: ۳۶)

"ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔"

انہوں نے کہا کہ یہ گھر حضور نبی کریم ﷺ کے ہیں۔ تُرْفَعُ کا معنیٰ ہے ان کی تعظیم کی جائے ان کی شان بلند

کی جائے اور انہیں مزین کیا جائے اور ان کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں سونے کی قندیلیں لٹکائی جائیں' انہیں ہر قسم کی پلید چیزوں سے بچایا جائے اور ستھرا کیا جائے۔

میں کہتا ہوں' ان کا یہ قول ''ان کی خوبصورتی یہ ہے کہ ان میں سونے کی قندیلیں لٹکائی جائیں۔'' تو اس میں بحث کی گنجائش ہے کیونکہ جو انہیں حرام سمجھتا ہے' وہ تسلیم ہی نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔

۲۔ ایک یہ ہے' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسجد نبوی میں سونے کی قندیلیں لٹکانے کی روایت ملتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شاید یہ ان کے دشمنوں کی مخالفت کا نتیجہ ہے ورنہ میں نے تو کسی تالیف میں نہیں دیکھا' اگر اس کی کوئی بنیاد ہوتی تو تاریخ مدینہ لکھنے والے حضرات اسے ضرور ذکر کرتے۔

۳۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ولید کے حکم پر تعمیر کرتے ہوئے سب کچھ لگایا تھا لیکن کسی نے اسے برا نہیں کہا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔

۴۔ ان میں سے ایک یہ ہے' انہوں نے یہ روایت بتائی کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے مسجد بیت المقدس بنائی تو اسے بہت خوبصورت بنایا اور اس میں قندیلیں لگائیں اور یہ قاعدہ ہے کہ پہلے لوگوں کو شرعی چیزیں اس وقت تک ہماری بھی شریعت ہوں گی جب تک انہیں منسوخ نہ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں' حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے اس میں سونے کی قندیلیں لٹکانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو برتنوں کے حرام قرار دئے جانے کی بناء پر یہ روایت منسوخ ہو گی کیونکہ یہ بھی تو برتن ہیں اور جو سکی نے انہیں برتن قرار نہیں دیا تو یہ قابلِ تسلیم نہیں۔

۵۔ ان میں سے ایک ثعلبی کی روایت ہے: اتیان المساجد یوم القیٰمۃ اور اس میں ہے کہ ''ان کے امام انہیں دھکیل لے جائیں گے' انہیں تعمیر کرنے والے' خوبصورت کرنے والے اور سونے کا استعمال کرنے والے' ان سے لٹکے ہوں گے۔'' الحدیث۔

میں کہتا ہوں' انہوں نے یہ روایت قرطبی سے لی ہے جیسے ایک نسخے میں میں نے دیکھا ہے' میں نے قرطبی کی طرف بھی رجوع کیا لیکن انہوں نے صرف یہ لکھا ہے کہ ''اسے تعمیر کرنے والے اس سے لٹکے ہوں گے۔''

۶۔ ایک روایت سعید بن ربان سے ہے کہ ابو ہند نے کہا: تمیم داری شام سے مدینہ کو قندیلیں' زیتون' کپڑوں کے تھان' ایک یا دو سونے کی قندیلیں لے کر آئے' مدینہ پہنچے تو جمعہ کی رات تھی' ایک غلام کو حکم دیا جس کا نام براد تھا' وہ اُٹھا' گانٹھ کھولی اور قندیلیں لٹکا دیں' ان میں پانی اور زیتون بھرا پھر فتیلے رکھے' جب سورج غروب ہو گیا تو براد کو جلانے کا حکم دیا' اس نے جلا دیں' رسول اللہ ﷺ مسجد کی طرف تشریف لائے' دیکھا تو وہ جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ پوچھا یہ کام کس نے کیا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کی یا رسول اللہ!

تمیم داری نے! فرمایا تم نے اسلام روشن کیا اور مسجد کو زیور پہنایا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے دنیا و آخرت روشن کر دیگا۔

میں کہتا ہوں' یہ روایت بھی انہوں نے قرطبی سے لی ہے لیکن میں نے اس میں انکے یہ الفاظ نہیں دیکھے: "ایک یا دو سونے کی قندیلیں' اور نہ ہی یہ قول دیکھا: "تم نے مسجد کو زیور پہنایا ہے۔"

۷۔ ان میں سے ایک یہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام میں داخل ہو رہے تھے تو انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے' بڑا لشکر اور گھوڑے ہمراہ لائے' سونے چاندی کا اسلحہ تھا' ریشمی لباس پہنے تھے اور شاہان روم و فارس جیسی ٹھاٹھ باٹھ سے استقبال کیا۔ حضرت عمر نے پوچھا: معاویہ! یہ کیا کیا ہے؟ یہ زیب و زینت اور تکبرانہ سلسلہ کیا ہے؟ آج تو میں بڑا عجیب کام دیکھ رہا ہوں' آپ نے تو سخت راہ اپنائی ہے۔ انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! اس سے کفار کے دل جلیں گے' ان پر قہر برسے گا' رن کانپے گا ان کے قدم لڑکھڑائیں گے' ہمارا یہ کام ان پر غلبہ ہے' اس میں ان کی ذلت ہے اور اسے دیکھ کر وہ اپنے آپ کو ہلکا جانیں گے اور جب وہ ہماری مسجدیں دیکھیں گے کہ سونے سے سجی ہیں تو ان کے دلوں پر رعب چھا جائے گا کہ ان کی چھتیں سونے چاندی کی قندیلوں سے بھرپور ہیں' الحدیث۔

اس کے آخر میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر خاموش ہو گئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ خبر تاریخ دانوں نے لکھی ہے اور ایسی خبریں دلیل نہیں بنا کرتیں' پھر مسجدوں کے بارے میں اتنی بڑی بات میں نے کہیں نہیں دیکھی اور پھر میں نے بعض نسخوں میں یہ بھی دیکھا ہے کہ اس روایت کو علامہ ذہبی سے منسوب کیا گیا ہے' ایسا تاریخ الاسلام میں ہوا ہے' ایک اور نسخے میں یہ نسبت ذکر نہیں کی گئی' اسے دیکھنے کے لئے تاریخ الاسلام کی طرف رجوع کیجئے' اگر اس میں یہ زیادتی موجود نہیں ہے تو جہاں تک میرا خیال ہے کہ کسی متعصب شخص نے یہ چیزیں اپنی طرف سے اس میں شامل کر دی ہیں کہ اس کی دلیل مکمل ہو سکے کیونکہ اس مسئلہ میں کئی طرح کے تعصب موجود ہیں جبکہ علامہ گازرونی کا مقصد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف قندیلیں لگانے کا ثبوت پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہی چیزیں بیان کر رہے ہیں جن سے یہ ثبوت مل سکے اور جب اس متعصب نے دیکھا کہ ان کے سوا اس کی دلیل پوری نہیں ہوتی تو اس نے یہ سب کچھ ملا دیا اور اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ اگر یہ موجود بھی ہوں اس کی دلیل پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ صحیح سند متصل نہیں ہے اور جو شخص نبی کریم ﷺ کی سیرت اور آپ کے حالات میں غور کرتا ہے تو اس کے سامنے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ انہیں یہ باتیں پسند نہیں تھیں۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر۲۶

پہلی آتشزدگی جس میں یہ سارا سامان جل گیا' مسجد اور اس کی چھت کا بیان' قبلہ والے حصہ کی چھت' آتشزدگی کا سبب اور تاریخ

تاریخ دان کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں آتشزدگی یکم رمضان ۶۵۴ھ جمعہ کی رات' رات کے ابتدائی حصے میں واقع ہوئی تھی۔ ابوشامہ کے مطابق آگ کی ابتداء شمال مغربی کونے سے ہوئی اور اکثر مؤرخین کے نزدیک اس کا سبب یہ تھا کہ مسجد نبوی کے ایک خادم ابوبکر بن اوحد فراش (جھاڑو دینے والے) وہاں موجود سٹور میں داخل ہوئے' آگ ہمراہ تھی ان سے غفلت ہوگئی اور وہ سٹور میں پڑی کسی چیز کو لگ گئی' جسے وہ بجھا نہ سکے چنانچہ ابوبکر فراش' سٹور اور اس میں موجود سارا سامان جل گیا۔

علامہ قطب قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں اور دوسرے باب کی تیسری فصل میں مذکورہ آگ کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام "عروۃ التوثیق فی النار والحریق" یہ وہی آگ تھی جو اسی سال مدینہ پاک میں دکھائی دی تھی۔ اس کتاب میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب حکمتیں بیان کی ہیں کیونکہ آپ اس وقت مکہ میں موجود تھے' اس میں آپ نے وہی کچھ بتایا ہے جو مؤرخوں کے حوالے سے ہم پہلے بتا چکے۔ چنانچہ لکھا ہے: ایک سچے شخص نے مجھے لکھا پھر موقع پر موجود سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے آتشزدگی کا سبب یہ بتایا کہ مسجد کے ایک خادم مسجد کے آخری دروازے کے اندر مغربی جانب موجود اسٹور میں مسجد کے مناروں کی قندیلیں نکالنے گئے ضرورت کی چیزیں تو لے لیں لیکن وہ قندیلوں کے ایک پنجرے پر لگی جلتی آگ چھوڑ آئے' اس میں کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی تھا' اسے آگ لگ گئی' انہوں نے جلد بجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بچھونوں' پنجروں اور چھڑیوں کو لگ گئی پھر شعلے تیز ہوئے اور اتنے بڑھے کہ مسجد کی چھت تک جا پہنچے۔ انتہیٰ علامہ ذہبی کی "العبر" میں لکھا ہے کہ یہ آگ خادم کے چراغ سے لگی تھی۔

تاریخ دان کہتے ہیں کہ آگ چھت میں تیزی سے بھڑک اٹھی' امیر مدینہ آئے تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے جنہوں نے اسے بجھانے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ اسے روک نہیں سکے' بہت کم حصے سے بجھا سکے' اتنے میں اس نے ساری چھت کو گھیر لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ جل گیا' ایک لکڑی تک بھی نہ بچ سکی۔

میں کہتا ہوں' شاید ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مکمل لکڑی نہ بچی ورنہ جب حجرہ مبارکہ سے دیوار گرنے

کے بعد چیزیں نکالی گئیں تو بہت سی لکڑیاں نکلی تھیں۔

قطب قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسجد کا سارا سامان جل گیا تھا' منبر شریف' دروازے' محفوظ شدہ سامان' جالیاں' چھوٹے مقصورے' صندوق اور ان میں کی کتابیں' حجرے کا غلاف' یہ کوئی سَتّر پردے تھے۔

آتشزدگی میں حکمت الٰہیہ

اس کے بعد حضرت قطب قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آتشزدگی کی حکمتیں اور راز بتائے ہیں کہ یہ زیب و زینت حضورﷺ کو پسند نہ تھی' ایک یہ حکمت بھی تھی کہ جب تینوں مسجدیں ان آنکھوں سے دیکھی جائیں تو کوئی انہیں روضۂ انور پر بڑھا نہ سکے بلکہ یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہاری اور عظمت کی صفت ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے اور آخر وہی واحد اور قہار ہے' کعبہ شریف اور بیت المقدس میں بھی تو اس سے پہلے آگ لگ چکی تھی اور پھر اس دور میں حجازِ مقدس کی بڑی آگ کے معجزے کے بعد (جو حضورﷺ نے بتا دی تھی) مسجد نبوی میں یہ واقعہ گذر گیا' لوگوں نے گریہ زاری کی تو آپ کے پڑوسی اس سے بچ گئے اور وہ حرم شریف کے پاس پہنچنے سے پہلے بجھ گئی تھی جیسے گذرا۔ اہل مدینہ کے خیال میں اس آگ کے رُک جانے سے پتہ چلتا ہے کہ حضورﷺ کی برکت سے آخرت میں بھی ان سے آگ دور رہے گی چنانچہ یہ بات بھی ظاہر کرنے کے لائق تھی (اس لئے آگ لگی)۔

علامہ اقشہری نے ایسے اشعار لکھے ہیں جن میں بتایا ہے کہ آگ صرف ان زیب و زینت کی چیزوں کو لگی جن سے روکا گیا ہے اور جو حق تھیں' وہ بچ گئیں' جھوٹی چیزوں کو جلنا ہی تھا' فرماتے ہیں: مجھے حافظ صالح شیخ ابراہیم بن محمد کنانی نے کچھ اشعار سنائے' یہ خود اور ان کے والد بھی مؤذن تھے' وہ کہتے ہیں کہ آتشزدگی کے بعد ایک دیوار میں یہ اشعار لکھے تھے:

> "حرم نبوی کسی شک والی چیز کی بناء پر نہیں جلا تھا اور یہ آتش زدگی کوئی بڑی بات بھی نہیں' اصل بات یہ تھی کہ شیعوں کے ہاتھوں مسجد میں بہت کچھ ہو چکا تھا جسے آگ لگا کر راکھ کر دیا گیا۔"

میں کہتا ہوں کہ علامہ مجد نے اسے یوں لکھا ہے:

> "نبی کریمﷺ کا حرم کسی ایسے واقعہ کی بناء پر نہیں جلا جس میں کوئی خدشہ ہوا ورنہ ہی اس میں شرم کی کوئی بات ہے' یہ شیعہ تھے جنہوں نے مسجد میں ایسے کام کر رکھے تھے' اللہ تعالیٰ نے آگ کے ذریعے سب کچھ صاف کر دیا۔"

پھر ان دونوں شعروں کے بعد دو اور اشعار لکھے:

> "رافضیوں سے کہہ دو کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ہر بیوقوف بھی تم سے برائی کا کام لے لیتا ہے' حرم شریف کو آگ صرف اس وجہ سے لگی ہے کہ تم صحابہ کو گالیاں دیتے ہو۔"

میں کہتا ہوں' اس کی وجہ یہ تھی کہ مسجد اور مدینہ پر شیعہ لوگوں کا غلبہ تھا' قاضی اور خطیب انہی کے تھے اور پھر ابن فرحون نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ان کے دیکھتے کوئی شخص اہلِ سنت کی کتابیں نہیں پڑھ سکتا تھا۔

تاریخ دان بتاتے ہیں کہ اس آگ میں صرف وہ قبہ بچا تھا جسے سلطان الناصر دین اللہ نے مصحف عثمانی اور متعدد بڑے صندوقوں کی حفاظت کے لئے بنایا تھا' یہ ۶۰۰ھ کے بعد بنائے گئے تھے جو اب تک (یعنی ان کے زمانے میں) اسی طرح موجود ہیں' اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ قبہ مسجد کے درمیان تھا اور دوسری وجہ مصحف عثمانی کا اس میں ہونا تھا۔اس مذکورہ قبہ کی تعمیر ۵۷۶ھ میں ہوئی تھی۔

کہتے ہیں کہ مسجد کے باقی ستون بچ گئے' یہ گویا کھجور کے تنے تھے' جب ہوا چلتی تو یہ پھر جایا کرتے' کچھ ستونوں سے سکہ پگھل گیا تو وہ گر پڑے' حجرہ مبارکہ سے اوپر والی چھت حجرہ مبارکہ پر گر گئی چنانچہ یہ دونوں مل کر حجرہ شریف کے اندر اور مبارک قبروں پر گر گئے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: حجرہ کی چھت کا کچھ حصہ گر پڑا اور یہ سب کچھ لوگوں کے سونے سے پہلے ہوا چنانچہ لوگ صبح کو اُٹھے اور نماز پڑھنے کے لئے جگہ صاف کر دی پھر رمضان المبارک میں خلیفہ معتصم باللہ ابو احمد عبد اللہ بن مستنصر باللہ کو اطلاع دی گئی چنانچہ موسم حج ہی میں وہ کاریگر اور سامان لے کر پہنچے' عراقی سوار لائے تھے اور یوں ۶۵۵ھ میں تعمیر شروع کر دی گئی۔

آتشزدگی کے بعد تعمیر کا آغاز

علامہ مطری کہتے ہیں کہ کاریگروں نے جب تعمیر شروع کی تو ارادہ کیا کہ مبارک قبروں پر گری دیواروں کو ہٹانے کا کام پہلے کر لیا جائے لیکن انہیں جرأت نہ ہوئی چنانچہ امیر مدینہ منیف بن شیحہ' مسجد کے مجاوروں اور خادموں کی رائے یہ ہوئی کہ امام مستعصم خود آ کر جائزہ لیں اور جو ضرورت ہو اسے پورا کریں چنانچہ انہوں نے اسے خط لکھا اور جواب کی انتظار کرنے لگے لیکن چونکہ تارتاریوں نے انہیں پریشان کر رکھا تھا' اس لئے ان کا جواب نہ آیا' تارتاریوں نے وہاں کے عاملوں کو بھگا دیا گیا تھا چنانچہ انہوں نے کام وہیں روک دیا' وہاں کوئی نہ گیا اور نہ ہی اس کی فکر کی اور نہ ہی اسے شروع کر سکے۔

علامہ مجد شیرازی کہتے ہیں کہ کام وہیں چھوڑ دیا گیا اور کوئی شخص یہ عظیم کام نہیں کر سکا جس کے ارادے ہی پر قدم لڑکھڑانے لگ جائیں اور پھر یہ کام کسی سے بھی نہ ہو سکا۔

میں کہتا ہوں' اس زمانے میں یہ کام ترک کرنے پر مجھے سخت تعجب ہے چنانچہ میں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ'' رکھا جس میں میں نے بیان کیا کہ طریقۂ ادب میں واجب یہ ہے کہ اس عظیم نبی سے اظہارِ محبت کے لئے (جن کی تعظیم اور قبر انور کی تعظیم ہر اُمتی پر لازم ہے) لازم یہ تھا حجرہ مبارکہ سے وہ سب کچھ دور کر

دیا جاتا جو حجرہ مبارکہ کے اندر تھا۔ میری اس کتاب کے بعد وہ تعمیر ہوئی جو آگے بیان ہو رہی ہے' میری پہلی تالیف اس معاملہ کا سبب نہیں تھی جیسے آگے آئے گا حتیٰ کہ متولی تعمیر سے مجھے اس وقت پتہ چلا جب حجرہ کی دیوار کا کچھ حصہ گر گیا اور جب انہوں نے باہر والی دیوار میں سوراخ ڈالا تو دونوں دیواروں کے درمیان کھلی جگہ میں میں نے دیکھا' جو حجرہ کے پچھلی طرف تھی' میں نے دیوار گرنے کا یہاں ایک ہولناک منظر دیکھا جو قد انسانی جتنے ڈھیر کی صورت میں تھا' اس سے مجھے معلوم ہوا کہ پہلے لوگوں نے اسے صرف اس بناء پر چھوڑا تھا کہ اس کو زائل کرنے سے ہتک عزت ہوگی چنانچہ وہ رُک گئے۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ میں تو اسے ہلکا سا کام جانتا تھا کہ ادب کے ساتھ یہاں سے سامان نکالا جا سکتا ہے' دیکھا تو یہ ایک ہولناک کام تھا اور سب سے بڑا کام مسجد کی اوپر والی چھت اور دو چھتوں کے درمیان والی عمارت کا تھا جو ستونوں پر کھڑی تھی چنانچہ میں نے دعا کی تھی اسے نکالتے وقت میں نہ دیکھ پاؤں چنانچہ میں نبی کریم ﷺ کے عین سامنے کھڑا ہو گیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے صرف اسی شے کی توفیق دے جس پر وہ راضی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہاں جانے کا موقع ہی نہیں دیا۔

علامہ مطری ان کے قول ''نہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور نہ ہی اسے شروع کیا'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

انہوں نے اس کے اوپر دوبارہ چھت ڈال دی جو ان ستونوں کے اوپر تھی جو حجرہ شریفہ کے اردگرد تھے کیونکہ وہ دیوار حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضور ﷺ کے گھر کے گرد اور ان ستونوں کے درمیان بنائی تھی' چھت کے اوپر تک نہیں پہنچی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ علامہ مطری ان لوگوں کے نقشِ قدم پر چلے جو ان کے بعد ہوئے چنانچہ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ آتشزدگی کے بعد حجرہ مبارکہ کی چھت نہیں ڈالی گئی کیونکہ جو چھت ستونوں کے اوپر تھی وہ مسجد کی چھت تھی جس کا تقاضا یہ تھا کہ انہوں نے مسجد کی چھت کو حجرہ مبارکہ کی چھت بنا دیا اور انہوں نے ذکر کیا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز والی دیوار پر انہوں نے جالیاں لگا کر مسجد کی چھت سے ملا دیا اور سب سے پہلی جگہ جہاں سے انہوں نے تعمیر شروع کی وہ مسجد کی چھت کا وہ حصہ تھا جو حجرہ مقدسہ کے برابر آتا تھا۔ اس میں اس کے بارے میں مخالفت پائی جاتی ہے جس کا ہم نے آنے والی تعمیر میں مشاہدہ کیا کیونکہ انہوں نے اس کے اندر والی دیوار پر مربع شکل کی چھت دیکھی اور وہ باہر سے مشرق و مغرب میں ملی ہوئی تھی' یہ باہر والی دیوار کے سرے سے بالشت بھر قریب تھی اور جب اسے کھولا گیا تو گری دیوار کے آثار دکھائی دیے اور پتہ چلا کہ اس کی لکڑیاں اندر والی دیوار میں تھیں' اب اس نئی چھت کو انہوں نے پہلی پر نہیں بنایا کیونکہ یہ کام سُترہ گرانے کے بغیر ہونے کا نہیں تھا اور نہ ہی لکڑیوں کے سروں کی جگہ کے اصلاح کے بغیر ممکن تھا لہٰذا ادب و احترام کی وجہ سے انہوں نے اسے ویسے ہی رہنے دیا اور دیوار کے سترہ کے اوپر ہی وہ چھت ڈال دی اور اس پر ہلکا پھلکا سترہ ڈال دیا اور پھر اس چھت پر انہوں نے پردہ لگایا جو باہر والی دیوار کے اوپر جالیوں میں دھاگے سے بندھا تھا' اس چھت پر مٹی نہیں لگائی گئی تھی' اس پر ایک ایسی چھت تھی جسے

ساج ہندی کی بڑی موٹی تختیوں کے ذریعے مضبوط بنایا گیا تھا اور ایک دوسرے کو لکڑی کے پائے لگا کر مضبوطی سے باندھ دیا گیا تھا' اس کے چار حصے کئے تھے جن میں سے ہر حصہ ایک بڑا دروازہ معلوم ہوتا تھا پھر ان میں سے ہر دو ٹکڑوں کے سروں پر لوہے کی سلاخیں لگا کر جوڑ دیا گیا تھا اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جوڑ دیا گیا تھا اور اس ساج کی لکڑی کو اُٹھانے کے لئے اس کے تین تین ٹکڑوں کو گانٹھ دیا گیا تھا پھر ان تختوں کے کناروں کو باہر سے نظر آنے والی دیوار تک پہنچا دیا گیا تھا' ان تختیوں میں نہ تو انہوں نے تیل لگایا' نہ نقش و نگار بنایا اور نہ ہی اس پر کچھ لکھا البتہ بڑھئی نے اس کے ایک کونے پر اپنا نام کھود دیا تھا اور یونہی مسجد کی وہ چھت جو حجرہ مبارکہ کے برابر تھی اور جو اس چھت سے ملی ہوئی تھی' یہ بھی ساری کی ساری ساج کی لکڑی سے بنی تھی جس پر نہ تیل تھا اور نہ ہی نقش و نگار' اس کے درمیان میں ایک طباق تھا جس پر تالا لگا تھا' اوپر شمع تھی' یہ اس وقت تک رہا جب تک دوسری آتشزدگی کے بعد دوسرا قبہ نہیں بنا دیا گیا اور پھر حجرے کی اندر کی دیوار پر شام کی جانب تختیاں تھیں جو دیوار کے سرے سے مسجد کی چھت تک تھیں۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ انہوں نے اس چھت کو اُٹھاتے وقت اس کے نیچے کی طرف لکڑیوں کے دو حصے دیکھے جو دونوں ہی کھائے جا چکے تھے' صرف ایک بچا تھا اور اس کے باوجود اس نے اسے اُٹھا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس دور کے لوگوں کو بہتر جزاء دے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کام اس وقت کیا گیا تھا جب مسجد کی چھت دوبارہ بنائی گئی تھی۔

اب ہم پھر اسی کی طرف آتے ہیں جو انہوں نے پہلے مضمون کے بعد لکھا ہے: انہوں نے کہا اس سال میں (۶۵۵ھ) انہوں نے حجرہ مبارکہ اور اس کے اردگرد قبلہ والی اور مشرقی دیوار سے باب جبریل تک چھت ڈالی جسے پہلے باب عثمان کہا جاتا تھا' یونہی مغربی جانب میں تمام ریاض الجنہ اور منبر پر چھت ڈال دی۔ اس کے بعد سال ۶۵۶ھ شروع ہوا جس کے ماہِ محرم میں واقعۂ بغداد ہوا' تاتاری اس پر غالب آ گئے اور انہوں نے خلیفہ کو اس کے اہلِ خانہ سمیت قتل کر دیا۔

میں بتاتا چلوں کہ یہ ایک عظیم واقعہ تھا' میں نے اسے اپنی کتاب ''الوفاء'' میں ذکر کیا اور پھر دوسرے باب کی دوسری فصل میں وہاں لکھا جہاں حجاز کی آگ کا ذکر کیا تھا پھر علامہ ذہبی کا ذکر کیا ہوا وہ واقعہ بھی لکھا جس میں اس آگ کا ذکر ہے جس نے بغداد کو گھیر لیا تھا اور خلفاء کی قبروں تک کو جلا دیا تھا' اس سے ایک سال پہلے وہ لوگ غرق بھی ہو گئے تھے۔ یہ اللہ عظیم و مالک کے کام ہیں۔

گذشتہ مضمون کے بعد علامہ مطری لکھتے ہیں: مصر سے ہر قسم کے آلات آ گئے' اس وقت والئی مصر الملک المنصور نور الدین علی بن الملک المعز عز الدین ایبک صالحی تھا پھر والئی یمن الملک المظفر شمس الدین یوسف بن منصور عمر بن علی بن رسول کی طرف سے آلات اور لکڑی پہنچ گئی۔ انہوں نے ابھی باب السلام (جسے پہلے باب مروان کہتے تھے) تک کام کیا تھا کہ اس دوران شاہ مذکور معزول ہو گیا (یعنی ذی القعدہ ۶۵۷ھ کے آخر میں) اور ان کی جگہ ان کے والد کا غلام

الملک المظفر سیف الدین قطز المعزی والی بنا جس کا اصل نام محمود بن ممدود تھا' اس کی والدہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی ہمشیرہ تھی اور اس کا باپ اس کا چچا زاد تا تاریوں کے غلبہ پر قید ہو گیا تھا جسے دمشق میں بیچ دیا گیا اور اِس بیع کے نتیجے میں مصر منتقل ہو گیا اور پھر ۶۵۸ھ میں بادشاہ بنا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ۱۸ ذی القعدہ ۶۵۷ھ بروز ہفتہ' والی بنایا گیا اور ماہِ رمضان ۶۵۸ھ میں جالوت کے چشمہ کا واقعہ ہوا جہاں اللہ نے اسلام اور اہلِ اسلام کو غلبہ دیا لیکن وہ اپنی حکومت کا ایک سال بھی پورا نہ کر پایا بلکہ اس واقعہ کے ایک ماہ بعد مصر میں داخل ہوتے ہی قتل کر دیا گیا چنانچہ اس سال مسجد شریف میں تعمیر کا کام باب السلام سے باب الرحمہ تک ہوا جسے پہلے باب عاتکہ کہتے تھے اور ادھر باب جبریل سے باب النساء تک ہوا جو پہلے دور میں باب ریطہ بنت ابو العباس سفاح کے نام سے مشہور تھا' اسی سال کے آخر میں الملک الظاہر رکن الدین بیبرس صالحی شاہِ مصر بنا جسے بند قداری کہتے تھے۔ اس نے اپنے دور میں مسجد کی چھت کا باقی حصہ مکمل کیا' جو باب الرحمہ سے مسجد کے شمال تک تھا اور دوسری طرف باب النساء تک مکمل کیا' یوں یہ چھت پہلے کی طرح چھت بنا دی گئی جیسے آتشزدگی سے پہلے تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ الظاہر رُکن الدین خلیفہ بنا تو اس نے پورا اہتمام کیا' لکڑی' لوہا اور سکّہ وغیرہ منگوا لیا' ترپین کاریگر بھیجے جن کے کھانے پینے کا بندوبست کیا اور سفر پر جانے سے پہلے انہیں نان و نفقہ دیا پھر ان کے ہمراہ الامیر جمال الدین محسن صالحی وغیرہ کو بھیجا اور ضرورت کے مطابق آلات وخرچہ کی امداد مسلسل جاری رکھی' مسجد میں کام جاری رہا اور انہوں نے مشرقی و غربی دونوں چھتیں (یعنی جو مسجد کے صحن کے دائیں اور بائیں جانب تھیں) نئے سرے سے بنا دیں۔ یہ کام ۷۰۵ھ یا ۷۰۶ھ میں ہوتا رہا' یہ سلطان الملک الناصر محمد بن قلاوون صالحی کی خلافت کا ابتدائی دور تھا چنانچہ دونوں چھتوں کو ایک کر دیا گیا جیسے شمالی چھت تھی اسی کے مطابق بنایا گیا کیونکہ یہ الملک الظاہر نے یونہی تعمیر کی تھی۔

پھر ۷۲۹ھ میں سلطان مذکور نے قبلہ والی چھت کے ساتھ آخر میں دو برآمدے بنانے کا حکم دیا جن سے چھت وسیع ہو گئی اور فائدہ مند رہی۔

میں کہتا ہوں کہ پھر اس میں خلل پیدا ہو گیا تو الملک الاشرف برسبائی نے ذوالقعدہ ۸۳۱ھ میں مقبل قدیدی کے ہاتھوں قرض کے خرچہ پر تعمیر کروائی جیسے مجھے حرم کے ایک شیخ نے بتایا تھا۔ میں نے یونہی اس کا نام اس تختی پر دیکھا جو قبلہ والی چھت میں (جو مسجد کی کھلی جگہ سے ملتی تھی) سامنے لکھا دیکھا اور وہ ایک ہی چھت تھی جو مسجد کی چھت کے نیچے والے حصے کے برابر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم مسجد کے اگلے حصے کی چھت ان دو برآمدوں سے اونچی تھی' اس کا ایک دروازہ تھا جس میں داخلہ کے لئے دونوں چھتوں کے درمیانی مشرق کی طرف ملنے والے دونوں برآمدوں کے شروع میں ایک راستہ تھا۔

اسی سلطان اشرف نے شام والی جانب کی چھت کا کچھ حصہ بنوایا جو منارہ سنجاریہ سے ملتی تھی اس کے بعد

سلطان بقمق کے دور کے اندر ریاض الجنہ کی چھت اور مسجد کی دوسری چھت میں خرابی ہوئی تو اس نے ۸۵۳ھ میں امیر بردبک الناصر و معمار وغیرہ کے ہاتھوں اسے نئے سرے سے بنوا دیا۔

پھر سلطان الملک الاشرف قایتبائی کے عہد میں مسجد کی چھتیں درست کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس بارے میں ان کا حکم آیا جیسے آگے ان کی طرف اشارہ آ رہا ہے کہ وہ جناب خواجگی شمسی شمس الدین بن زمن تھے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ ۸۷۹ھ میں امیر جدہ کے ساتھ حاضر ہوئے' تعمیر کے کام کو ترتیب دیا اور ان کے ساتھ چل پڑے چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف کے ستون گرا دیئے اور برآمدوں کی چھت بھی گرا دی کیونکہ انہوں نے اسے گرانا مناسب سمجھا تھا' کچھ ستون توڑ کر دیکھا تو کسی میں سکہ بالکل نہیں تھا اور کسی میں کچھ موجود تھا چنانچہ اسی سال اسے تیار کر دیا نیز مسجد کی وہ دیوار گرائی جو مشرق کی طرف منارۂ سجاریہ سے ملتی تھی' اسے دروازہ کی سیڑھی سے گرایا اور یہ دوسرا دروازہ ہے جو ظاہر دکھائی دینے والے دروازے کے اندر ہے اسے قبلہ کی طرف سے چبوترہ کے کنارے تک گرایا' یہ شامی چھت کا آخری حصہ تھا۔اس کی مقدار دستی ستائیس ہاتھ تھی' اسے اوپر سے نیچے تک گرا دیا اور پہلی بنیاد تک لے گئے۔اس قدیم منارہ کی بنیاد میں ایسا پھٹا ہوا حصہ نظر آیا کہ جس کی وجہ سے گراتے وقت وہ ایسے' ملتی تھی جیسے ابھی گر جائے گی چنانچہ اس شگاف میں انہوں نے بہت سا ڈھلا ہوا سکہ بھر دیا اور مسجد کی جو دیوار اور ستون انہوں نے گرائے تھے' ان میں بھی سکہ بھرا تھا جو ڈھالا گیا تھا۔تعمیر کے ماہر نے بتایا کہ دیوار میں خرابی کی وجہ یہ تھی کہ شور کی وجہ سے سکہ ڈھل جاتا ہے چنانچہ ان کا ارادہ بنا کہ اسے مٹی اور چونا ملا کر ملائم پتھروں سے بنا دیں چنانچہ انہوں نے یہ کام اس پوری دیوار میں کیا اور یونہی وہ ستون بھی بنائے پھر مسجد کے اندر اور باہر سے پتھر کو چونا سے جوڑ دیا گیا اور اس چھت کو اوپر اُٹھا دیا جو منارہ کے سامنے گری دیوار کی ایک جانب تھی اور اسے بھی پہلے کی طرح تعمیر کر دیا پھر کچھ ایسے معاملات سامنے آئے جن کی وجہ سے تعمیر میں تاخیر ہوگئی چنانچہ ۸۸۰ھ میں کام رُک گیا پھر خواجہ شمسی بن زمن امیر جدہ کے ہمراہ جمادی الاولیٰ ۸۸۱ھ کو مدینہ میں آئے اور خود تعمیر کی نگرانی کی چنانچہ ریاض الجنہ کی اوپر والی چھت کو بلند کیا اور قبہ شریف سے متصل حصے کو بھی بلند کر دیا' پھر منبر کی غربی جانب والے اس حصے کو بھی اوپر کیا جو اس کے برابر تھا کیونکہ اس کی بہت سی لکڑیاں ٹوٹ چکی تھیں اور وہ چھت (مسجد کے اگلے حصے کی چھت) لکڑی کے شہتیروں پر تھی جو ستونوں کے سروں پر چوڑائی میں پڑے ہوئے تھے جیسے مسجد سے ملنے والی نچلی سمت چھت بھی ایسے شہتیروں (یا بڑے تختوں) پر پڑی ہوئی تھی۔اب متولی کی رائے یہ ہوئی کہ انہیں لکڑی کی بجائے اینٹوں کے ستونوں سے تبدیل کر دیں جیسے مسجد کی کھلی جگہ کے گرد گویا پل بنا ہوا تھا (ڈاٹ) ان کی رائے میں یہ لکڑیوں سے بہت مضبوط ہو گی اور دیرپا ہو گی اور ساتھ ہی یہ بھی تھا کہ نچلی چھت کے تختے ستونوں کے سروں پر رکھے تھے لیکن انہوں نے اس میں مضبوطی دیکھی چنانچہ اسے چھت کے اس حصے میں لگایا جسے بلند کیا تھا اور اس چھت کی لکڑیاں اس ڈاٹ پر رکھ دیں چنانچہ وہ مقام اوپر والی چھت کے قریب والے حصے سے بلند ہو گیا چنانچہ اب اس طرف دونوں چھتوں کے درمیان

چلنے والا بالکل سیدھا یا تھوڑا سا جھک کر چل سکتا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہاں زیادہ جھک کر چلنا بھی مشکل تھا اور وہ ڈاٹیں اس جگہ رکھی تھیں جو ان ستونوں کی لائن کے برابر تھی جو ریاض الجنہ کے قبلہ میں تھی اور جس کے اول میں مصلّٰی شریف تھا اور مشرق کی طرف سے دیکھیں تو اس ستون تک تھیں جو مغرب سے منبر کے ساتھ ملتا تھا اور اس پر بھی جو دوسری صف کے برابر تھا اور یہ اسطوانہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صف تھی جو اس صف کے برابر تھی جو مشرق سے مغرب تک تھی نیز اس کے اوپر تھی جو تیسری صف کے برابر تھے اور یہ بھی مشرق سے مغرب تک ستون محرس کی صف تھی۔ رہی وہ جو ستون وفود کی صف کے برابر تھی تو اس پر وہ دیوار تھی جو نچلی اور اوپر والی چھت کے درمیان پردہ کی حیثیت میں تھی' اس میں ایک دروازہ تھا جس سے دونوں چھتوں کے درمیان جا سکتے تھے چنانچہ یہ دیوار انہوں نے گرا دی اور اس کی بنیاد مضبوط کر دی اور اس پر بھی لکڑیوں کے کنارے رکھ دئے چنانچہ یہ تین برآمدے وہی تھے جن کی اونچی چھت اور اردگرد کے ان ستونوں کی چھت سے بلند تھی جو مقصورہ شریف سے متصل تھے اور ان ستونوں تک جاتے تھے جو منبر سے ملے ہوئے تھے اور ان دو برآمدوں کی چھت جو ریاض الجنہ اور قبلہ والی دیوار کے درمیان بشمول اس چھت کے جو حجرہ شریف سے لے کر مشرقی دیوار تک ہے' نیز مسجد کی اگلی طرف سے منبر کے مغربی جانب والی چھت تک' ساری کی ساری اس سے نیچی ہو گئی۔

پھر انہوں نے بہت سی بکھری لکڑیاں دیکھیں جو چالیس کے قریب تھیں اور اوپر والی چھت میں لگی تھیں' وہ ٹوٹ چکی تھیں' انہیں تبدیل کر دیا اور ان میں سے کچھ کے ساتھ نیلے رنگ کی لکڑیاں لگا دیں اور چھت کھولے بغیر انہیں مضبوطی سے لگا دیا' اور اس نیچی چھت کو اکھاڑ دیا جو مشرقی برآمدے میں پاؤں مبارک کی طرف ملتی تھی اور باب جبریل سے باب النساء تک کے برآمدے کی چھت کے ایک جانب تھی اور درمیانے برآمدے میں اس چھت سے ملتی تھی جو اس برآمدے سے ملتا تھا۔ جسے انہوں نے پچھلے سال بنایا تھا اور اسے دوبارہ بنا دیا اور وہ نیچی چھت اُکھاڑ دی جو اس جگہ کے برابر تھی جہاں چہرۂ مبارکہ کے سامنے زائرین کھڑا ہوتے تھے' یہ سب سے قدیم چھت تھی لیکن اس کے باوجود وہ اسے اُکھاڑتے وقت کسی اور مقام کو اُکھاڑنے سے زیادہ تھک گئے تھے کیونکہ یہ بہت مضبوط اور پختہ تھی کہ پہلے لوگوں کے ہاتھوں سے بنی تھی اور میرے خیال میں انہوں نے اس پر سلطان بیبرس کا لکھا ہوا نام پڑھا تھا' انہوں نے اسے دوبارہ بنایا اور شام والے چھتے حصے کی مرمت کی پھر انہوں نے چھت کے کچھ حصے کو روغن کیا جو حجرہ کے گرد اس مقصورہ کے اندر کی طرف تھی جسے آج کل حجرہ کہتے ہیں اور اس دوران انہوں نے چھت کو اُکھاڑا نہ تھا پھر یہ سب کچھ دوسری آتشزدگی میں جل گیا تھا جس کا ذکر انیسویں فصل میں آ رہا ہے اور جب دوبارہ چھت ڈالی تو مسجد کی ساری چھت ایک ہی بنا دی جیسے آگے آ رہا ہے۔

فصل نمبر ۲۷

حجرہ شریف کے عین اوپر نیلا گنبد' سبز گنبد اور مقصورہ کا ذکر

نیلے رنگ کا قبہ:

مسجد نبوی میں پہلی آتشزدگی سے پہلے اور بعد حجرہ مبارکہ پر گنبد نہ تھا بلکہ نبی کریم ﷺ کے حجرہ مبارکہ کے چوفیرے' مسجد کی چھت میں تقریباً اڑھائی فٹ اونچا چبوترہ بنایا گیا تھا جو اینٹوں سے بنا تھا تاکہ مسجد کی دوسری چھت سے' حجرہ مبارکہ کی چھت نمایاں ہو سکے جیسے ابن نجار وغیرہ نے لکھا ہے۔ پھر ۶۷۸ھ کو الملک المنصور قلاوون صالحی کے دور میں قبہ (گنبد) تعمیر کیا گیا' یہ لکڑی سے بنا تھا' نیچے سے مربع اور اوپر سے ہشت پہلو تھا' اسے ستونوں کے اوپر کھڑا کر دیا گیا تھا اور اس پر لکڑی کی تختیاں لگائی گئی تھیں اور ان کے اوپر سکے کی پلیٹیں لگائی گئیں' اس میں ایک طاق رکھا کہ جب اس میں سے انسان دیکھے تو مسجد کی نچلی چھت نظر آئے اور اس پر موم میں بھیگا کپڑا لگایا گیا پھر چھت پر اس قبے کے گرد قریب ہی سکے کی پلیٹیں بچھائی گئیں' اسے اور قبہ کو لکڑی کی جالی نے گھیر رکھا تھا جو پختہ اینٹوں کی جگہ بنی تھی اور اس کے نیچے دو چھتوں کے درمیان لکڑی کی جالی تھی جس نے اس چھت کو گھیر رکھا تھا جس میں چھوٹا دروازہ تھا جس پر موم میں بھیگا کپڑا لگا تھا۔ تاریخ مدینہ لکھنے والے کسی مؤرخ نے اسے بنانے والے پر زیادہ بحث نہیں کی البتہ "الطالع السعید الجامع اسماء الفضلاء والرواۃ باعلی الصعید" (جو کمال احمد بن برہان عبدالقوی ربعی کے حالات میں لکھی گئی ہے جو قوس کے وزیر تھے) میں میں نے دیکھا کہ انہوں نے سرور عالم ﷺ کی قبر انور پر یہ قبہ بنایا تھا اور مقصد صرف بھلائی اور ثواب تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس نے بڑھئی لوگوں کو روضۂ انور سے اونچا کر کے اور لکڑے کے کام میں آواز پیدا کر کے بے ادبی کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اسی سال اس کے اور کچھ دوسرے والیوں میں بحث مباحثہ ہو گیا جس میں کمال کو مارنے کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ پیٹا گیا۔ اس موقع پر اسے بے ادب کہنے والے نے کہا کہ یہ اسی بے ادبی کی سزا ہے' امیر علم الدین شجاعی نے اس کا پیچھا کیا اور اس کا گھر برباد کر دیا' وہاں سے سنگ مرمر اور مال و دولت اُٹھا لے گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ اس وقت مدرسہ منصوریہ میں تھے۔

اس کی تائید' حضرت انس بن مالک کی ابو داؤد میں ذکر شدہ روایت سے ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی طرف تشریف لے گئے اور گنبد دیکھا جو بلند تھا' فرمایا: یہ کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ یہ فلاں شخص کا ہے جس کا تعلق انصار سے ہے' آپ خاموش ہو گئے اور یہ بات دل میں رکھی اور جب اس کا مالک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور لوگ بھی تھے) تو آپ نے چہرۂ انور پھیر لیا' ایسا کئی مرتبہ ہوا تو اس شخص کو ناراضگی کا احساس ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے ذکر کیا کہ آپ ناراض محسوس ہوتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ آپ باہر نکلے تو تمہارا یہ گنبد دیکھا ہے چنانچہ وہ

شخص گیا اور گنبد گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔

گنبد بنانے کی اصل

ایک دن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے تو وہ گنبد نہ دیکھا۔ پوچھا: گنبد کہاں گیا؟ صحابہ نے عرض کی کہ گنبد والے نے ہمیں بتایا تھا کہ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا ہے تو ہم نے اسے وجہ بتائی جس کی بناء پر اس نے گرا دیا ہے۔ اس پر فرمایا: "ہر مال ایک وبال ہے' ہاں جہاں خرچ کرنا ضروری ہو' وہاں خرچ کرنا چاہئے۔"

الملک الناصر حسن بن محمد بن قلاوون کے دور میں یہ گنبد نئے سرے سے بنایا گیا لیکن سکہ کی پلیٹیں اپنی جگہ سے اکھڑ گئیں چنانچہ بارشوں کے نقصان کا اندیشہ ہوا چنانچہ الملک الاشرف شعبان بن حسین بن محمد کے دور میں اسے مضبوطی سے بنا دیا گیا۔ یہ ۷۶۵ھ کی بات ہے۔

پھر ۸۸۱ھ میں کچھ لکڑیوں کو نقصان پہنچا چنانچہ متولی شمس بن زمن نے اسے لکڑیاں لگا کر مضبوط کر دیا' اردگرد والی سکے کی وہ پلیٹیں اکھڑوا دیں جو چھت اور جالی کے درمیان تھیں' دیکھا تو عرصہ گذر جانے کی وجہ سے اور بارشوں کے پانی کی نمی پہنچنے کے باعث' ان لکڑیوں میں سے کچھ کھائی جا چکی تھیں چنانچہ انہیں درست کیا اور دوبارہ بناتے وقت اس میں بہت سا سکہ استعمال کیا' کچھ تو مسجد کے سٹور سے لیا تھا اور کچھ مصر سے آیا تھا نیز روضۂ انور کے گرد والے جنگلے کو بھی از سرِ نو بنایا۔ بارشوں کے پانی کی نمی حجرہ مبارکہ کی چھت تک پہنچ چکی تھی کیونکہ نمی کے آثار واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے اور اس کا اثر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی تیار کردہ دیوار کے اوپر لگی ہوئی جالیوں پر نظر آ رہا تھا کہ انہیں گھن لگ چکا تھا چنانچہ متولی نے انہیں درست کر دیا اور بارشوں نے حجرہ شریف کے پردے کو بھی نقصان پہنچایا حتیٰ کہ اس کا کچھ حصہ گل گیا اور پھر دوسری آتشزدگی میں یہ سب کچھ جل گیا چنانچہ اب ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان دنوں موجود سفید گنبد کی بنیاد ان ستونوں پر رکھیں جو زمین پر اینٹوں سے مضبوط بنائے تھے' یہ ستون انہوں نے ان ستونوں کے برابر بنائے جن کے درمیان مقصورہ شریف کی جالی تھی اور پھر شام والی جانب کچھ ستون نئے بنائے جو اس تکونی حصے کے قریب تھے جو حجرہ مبارکہ کے پاس تھے' اسے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بنایا تھا' یہاں ایک اور ستون بنایا اور جب اس کی بنیاد کھودی گئی تو تکون کی مشرقی جانب ایک قبر دکھائی دی جس کی لحد میں کچھ ہڈیاں تھیں اور اگر یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر میں دفن ہوئیں تو یہ قبر انہی کی ہو گی۔

کچھ ستون بدل دئے گئے اور ان کی جگہ ستون بنائے گئے جن میں سے ایک کے قریب ایک اور ستون کھڑا کیا گیا اور ان دونوں کو آپس میں ملا دیا گیا تا کہ اوپر سے انہیں ایک کیا جا سکے' پھر مسجد کی مشرقی دیوار اور ان ستونوں کے درمیان تنگی دکھائی دی کیونکہ وہاں ستون اکٹھے ہو گئے تھے چنانچہ ان کے درمیان ڈیڑھ ہاتھ کا فاصلہ ڈالا گیا کیونکہ انہوں نے اس دیوار کو گرا دیا اور اسے باب جبریل تک از سرِ نو تعمیر کیا لیکن باب جبریل کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کیا۔

پھر گنبد مبارک میں اوپر شگاف پڑ گیا جس میں ترمیم کا کچھ فائدہ نہ تھا چنانچہ سلطان نے شجاعی شاہین جمالی کو اس بارے میں سوچنے کو کہا اور منارۂ رئیسیہ کو بھی بنانے کا حکم دیا جس کی نگرانی شیخ حرم کے ذمہ لگائی۔ مشورہ کے بعد اس بارے میں اس کی رائے یہ تھی کہ منارہ کے اوپر کے حصے کو گرا دیا جائے اور اسے قدرے گھٹا دیا جائے چنانچہ اس کے نیچے تختیاں لگا دیں تا کہ کوئی چیز روضہ مبارکہ پر نہ گر سکے پھر اس کا اوپر والا حصہ گرایا گیا اور اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط بنا دیا گیا' اس سلسلے میں مصر سے چپس منگوائی گئی اور اسے شامل کر لیا گیا چنانچہ یہ بہت خوبصورت اور مضبوط بن گیا اور جب مکمل ہو گیا تو وہ چھت زائل کر دی گئی۔ یہ واقعہ ۸۹۲ھ کا ہے۔

حجرہ مبارکہ کو گھیرنے والا مقصورہ (جالی)

رہا وہ مقصورہ شریف جو حجرہ شریفہ پر ستونوں کے درمیان حجرہ کی دیوار اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے گرد تھا اسے سلطان بیبرس رکن الدین نے بنایا تھا اور وہ یوں کہ جب ۶۶۷ھ میں اس نے حج کیا تو ارادہ کیا کہ حجرہ شریف پر لکڑی کا جنگلہ بنا دے (وہ یہی مقصورہ تھا) چنانچہ اس نے اپنے ہاتھ سے رسّی کے ذریعے حجرہ شریفہ کا چوفیرا ماپ لیا' یہ پیائش اپنے ساتھ لے گیا اور جنگلہ بنوا دیا جسے ۶۶۸ھ کو بھیجا اور اس کے گرد لگوا دیا' اس میں قبلہ' مشرق اور مغرب کی طرف تین دروازے رکھے' اسے ان ستونوں کے درمیان کھڑا کیا جو حجرہ سے ملتے تھے لیکن شام کی طرف نہیں تھے کیونکہ اس طرف سے انہوں نے حضور ﷺ کے مقام تہجد تک اضافہ کیا تھا۔ پھر ۶۹۷ھ میں اس مقصورہ کے اندر ایک اور دروازہ نکالا گیا جو دو برآمدوں کے پاس شمال میں کھلی جگہ پر تھا' پہلی آتشزدگی سے پہلے اس پر اونچی چھت تھی جسے لکڑی کے کواڑ نے گھیرا ہوا تھا' پھر یہ دروازہ نکالا گیا اور مسجد کی کھلی جگہ کی طرف سے اس کے سامنے ہلکی سی چھت بھی تھی جو پہلی چھت سے بالکل قریب چھ ہاتھ کے فاصلے پر تھی' اس میں بھی دھوپ سے بچاؤ کے لئے لکڑی کا پردہ تھا۔ اس کے نیچے ملائم مرمر تھا جو اس مرمر جیسا تھا جس کا پہلے ذکر آ چکا' اسے حضرت عمر بن عبد العزیز کی دیوار کے گرد زمین پر مقصورہ کے اندر زمین پر بچھایا گیا تھا۔ یہ کام سلطان الظاہر جقمق کے دور میں ۸۵۳ھ کو ہوا۔

زین مراغی کہتے ہیں کہ جو جنگلے رُکن الدین بیبرس نے بنوائے تھے اور جو دوہرے قد انسانی جتنے تھے' جب سال ۶۹۴ھ آیا تو سلطان زین الدین کتبغا نے اس کے گرد جالی لگا دی جسے مسجد کی چھت سے ملا دیا۔ انتھیٰ۔

پھر متولی نے بھی اس مقصورہ کا کچھ حصہ بنوایا جو پہلی عمارت میں روضہ مبارکہ سے ملا ہوا تھا اور پھر دوسری آتشزدگی میں جل گیا تھا چنانچہ اس کے بدلے انہوں نے قبلہ کی طرف تانبے کی جالیاں لگا دیں اور ان کے اوپر تانبے کی زرد جالی لگوائی' یہ حجرہ مبارکہ کو گھیرنے والی لکڑیوں کے درمیان تھی پھر حجرے کے باقی حصوں پر' جو شام کی طرف ہے اور مشرق و مغرب میں متصل ہے' لوہے کی بنی جالیاں لگائیں اور ان کے اوپر تانبے ہی کا پردہ لگایا' اس سے پہلے لوہے کی یہ جالی کسی نے نہیں لگائی تھی' تکون کے پیچھے فاصلہ چھوڑ کر لگائی' اس میں دو دروازے تھے' ایک تو تکون کی دائیں طرف اور

ایک بائیں طرف ہے' یہ جالی اس حجرہ کے درمیان آ گئی جو شام اور اس کے مقابل کے درمیان واقع ہے' اب اسے ہی حجرہ شریف کہا جاتا ہے اور اسی کے دروازوں کو حجرہ کے دروازے کہا جاتا ہے اور اس پر لٹکی قندیلوں کو حجرہ کی قندیلیں کہہ دیتے ہیں۔

بدر بن فرحون کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مغرب کی طرف اس مقصورہ سے متصل ایک مقصورہ تھا اسے ہٹا دیا گیا: وہ کہتے ہیں: پہلے لوگوں سے غفلت ہو گئی چنانچہ انہوں نے حجرہ مبارکہ پر ایک بڑا مقصورہ بنایا جس کا مقصد غروب آفتاب کی دھوپ سے بچانا تھا' یہ ایک بدعت و گمراہی تھی' اس میں شیعہ لوگ نماز پڑھتے کیونکہ انہوں نے صفیں کاٹ دیں اور کئی برے کام کئے جس پر اسے بنانے والا شرمسار ہوا' میں نے بھی ان میں سے ایک کو سنا جو اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر بلند آواز سے یوں اذان دے رہا تھا: حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ۔ یہاں وہ تدریس کرتے' ان کے علماء بیٹھتے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک شخص مسلط کیا' چنانچہ ایک رات اس کے دروازے اکھڑ گئے' لکڑیاں قوس بن گئیں اور صفیں آپس میں مل گئیں اور ان میں سے کچھ حجرہ میں چلی گئی (یعنی جو کچھ جنگلے میں تھا)' اس میں انہوں نے شام کی طرف دروازہ رکھا اور یہ ذو برآمدوں ہی کے ساتھ رکھا جسے ملک ناصر نے اضافہ کیا تھا۔ انتہی۔

مجھے ایک شیخ مدینہ نے بتایا کہ یہ مقصورہ ستونِ وفود کی شامی جانب تھا جو حجرے کی شامی جانب میں حجرے کے دروازے کی جانب تھا' آج کل شیعہ لوگ یہاں نماز پڑھتے ہیں' ابن نجار نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے بارے میں جو فرمایا ہے کہ: ''ان کے گھر کے گرد آج مقصورہ ہے جس میں محراب ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کے حجرہ کے پیچھے ہے۔'' تو اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آتشزدگی سے پہلے یہاں مقصورہ موجود تھا اور شاید مقصورہ بنانے کی یہی دلیل سلطان رُکن الدین کے سامنے تھی۔

علامہ مطری نے اس مقصورہ سے سلطان کی غرض بتاتے ہوئے لکھا ہے: ''الملک الظاہر کا خیال تھا کہ اس نے جو کیا' وہ حجرہ مبارکہ کی تعظیم کے لئے کیا تھا چنانچہ اس نے ریاض الجنہ کا وہ حصہ جو حضور ﷺ کے گھر سے متصل ہے' تھوڑا سا چھوڑ دیا اور اس میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا حالانکہ اس کی فضیلت اور اس میں نماز کی فضیلت تسلیم شدہ ہے اور اگر وہ اس کا عکس کرتے اور نبی کریم ﷺ کے گھر کی پچھلی طرف جو مشرقی جانب ہے اور جنگلہ کو آپ کے گھر سے ملا دیتے جو ریاض الجنہ سے ملا تھا تو یہ ہلکا کام ہوتا کیونکہ یہ مشرقی جانب نہ تو ریاض الجنہ میں شمار ہوتی ہے اور نہ ہی مسجد میں گنی جاتی ہے بلکہ یہ تو ولید کے زمانے میں اضافہ ہوا تھا۔

کہتے ہیں: آج تک میرے پاس یہ بات نہیں پہنچی کہ کسی اہل علم اور اہلِ صلاح نے' جو وہاں موجود تھا اور نہ ہی ایسے شخص نے اس جگہ کو چھوڑنے کے بعد' اس بات کو ناپسند کیا ہو یا اس کی سمجھ میں یہ بات آئی ہو اور اس کے دل میں کھٹکی ہو۔ یہ ایسی بات ہے جس میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ زین مراغی اس کے بعد لکھتے ہیں: یہ بات جاننے کے لائق ہے کہ سلطان ظاہر کے لئے اس کام کرنے کا

ثبوت موجود ہے (اس سے پہلے بھی یوں ہو چکا ہے) کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے بھی اس ریاض الجنہ کا کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا' اگرچہ وہ بہت ہی تھوڑا تھا۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں' جگہ چھوڑنے کی بنیاد اسے اچھی طرح یہ معلوم ہونا تھا کہ حجرہ مبارکہ کی وہ دیوار جو باہر کی دیوار کے اندر تھی' اس سے قبل وہ حضور علیہ السلام کے دور میں مسجد کی انتہاء تھی حالانکہ ہم حدودِ مسجد کے بیان میں جو کچھ پہلے بتا چکے ہیں وہ اس بات کا رد کرتی ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیں کہ یہ مسجد کی انتہاء تھی اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے جو یہ دیوار بنائی تھی تو اس کا مقصد قبر شریف کی حفاظت تھا اور اس لئے بنائی تھی کہ قبر شریف کی طرف منہ کرنا شمار نہ ہو سکے جیسے ہم پہلے بتا چکے جبکہ یہ مقصورہ اس کی ضد تھا۔ واللہ اعلم۔

علامہ بدر بن فرحون شیخ علی واسطی کے حالات میں لکھتے ہیں: ''مجھے جمال الدین (مطری) نے بتایا کہ شیخ علی نے الملک الناصر کو پیغام بھیجا: اگر تم میری ایک حاجت پوری کر دو تو میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تین حاجتیں پوری فرما دے گا' میری حاجت یہ ہے کہ تم حجرہ مبارکہ سے یہ جالی ہٹا دو یعنی یہ مقصورہ ختم کر دو۔ اسے یہ بات پہنچ گئی' وہ رُک گیا اور یہ جالی نہ ہٹائی۔

بدر بن فرحون کہتے ہیں: کاش اس نے یہ جالی ہٹا دی ہوتی کیونکہ جو جالی حجرہ مبارکہ کے گرد ہے' یہ مسجد کے ایک کٹے ہوئے حصے میں تھی اور اس نے ریاض الجنہ کا کافی حصہ چھوڑا تھا' پھر ہر دور میں یہ بنتی رہی اور تعمیر ہوتی رہی جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے اور اس میں ان کا کافی حصہ داخل کر دیا گیا یعنی جب بھی مقصورہ زائل کیا گیا۔

علامہ مجد شیرازی' مطری کے اس بیان کے بعد لکھتے ہیں: مطری کے بیان کی توجیہ بیان کی جائے گی ہاں ایک دروازہ ان لوگوں کے لئے ہمیشہ کھلا رہا جو یہاں داخل ہونا چاہیں یا زیارت کے لئے آئیں تو نماز کا ارادہ رکھنے والے کے لئے یہاں داخل ہونا اور ریاض الجنہ کے اندر پہلی صف میں کھڑا ہونا ممکن ہو۔ یہ بات پوشیدہ نہیں جنگلہ کو حجرہ کے قریب بنانے سے حجرہ کی بنیاد اصل ٹھکانہ سے خارج ہو جاتی ہے اور اس میں زائرین کے لئے نہایت تنگی کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے بالخصوص اس وقت جب خاص موسم میں لوگوں کی بھیڑ ہوتی ہے کیونکہ ایسے وقت میں تو اس وقت یہاں لوگوں کا دم گھٹنے لگتا ہے اور اگر یہ جنگلہ حجرہ مبارکہ سے ملا ہوتا تو پھر کیا حال ہوتا؟

یہ نہ کہا جائے کہ یہ حصہ زائرین کے لئے مشرق کی طرف سے وسیع تھا کیونکہ لوگ تو اسی طرف سے آیا کرتے ہیں' اس لئے کہ آپ کا سرِ انور اسی طرف سامنے ہے اور اس طرف سے آنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام پر سلام پہلے پڑا جا سکے' یہ نہ ہو کہ شیخین سے گزر کر آگے آنا پڑے' یہ بات بہت قابلِ غور اور صحیح ہے۔ پھر کہتے ہیں: اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں اور نہ ہی اس طرح ریاض الجنہ کی کوئی جگہ معطل ہوتی ہے بلکہ نمازیوں کی سستی بھی ہو تو معطل نہیں ہو سکتی اور پھر میں نے بہت سے نمازیوں کو دیکھا ہے کہ جمعہ کے دن جنگلے کے اندر نماز پڑھتے ہیں۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے' وہ ان کے دور کے لحاظ سے صحیح ہے کیونکہ یہ دروازہ ان دنوں ہر وقت

کھلا رہتا تھا' یہی بات ابنِ جماعہ نے بھی اپنی منسک میں لکھی ہے اور انہوں نے حوالہ دیا ہے کہ یہ صرف موسم میں بند ہوا کرتا تھا چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ''یہ جنگلہ ریاض الجنہ کی حجرہ شریف کے متصل جگہ چھوڑ کر بنایا گیا ہے چنانچہ حجرہ مبارکہ اور جنگلہ کی درمیانی جگہ موسم حج میں عورتوں کے اپنے بچوں کے ہمراہ ٹھہرنے کی جگہ ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات یہاں چھوٹے بچے پیشاب پاخانہ بھی تو کر سکتے ہیں اور ۷۳۲ھ میں جنگلہ بند رکھنے کے بارے میں میری الملک الناصر سے اس وقت بات ہوئی تھی جب وہ حج و زیارت کرنے آئے تھے چنانچہ وہ چپ ہو گئے تھے اور کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ یہ بات غور کرنے کی ہے انتہٰی۔''

چنانچہ اس کے بعد دروازہ ہمیشہ کے لئے بند رہا' اسے صرف اس وقت کھولا جاتا جب قندیلیں وغیرہ جلانا ہوتیں پھر یہاں اسی وجہ سے کوئی داخل بھی نہ ہوتا' صرف خادم' صفائی کرنے والے اور باوقار شخص داخل ہوا کرتا اور وہ بھی خدام کے شیخ کی اجازت سے' وہ رات ہی کو داخل ہوتے' اس سے یہ بات پکّی ہو گئی کہ زمین کا یہ ٹکڑا فارغ ہے پھر لوگ ستونِ سریر کے تبرک سے بھی محروم ہو گئے کیونکہ اس کی جگہ اس کے ستون کی شرقی جانب ہے یونہی اس جگہ ٹھہرنے سے بھی محروم ہو گئے جہاں پہلے بزرگ ٹھہرتے تھے' جو اس کے اور حجرہ شریف کے درمیان تھی یا قبرِ انور سے چار ہاتھ کے فاصلے پر تھی' یونہی قبر انور کے مربع حصے اور مقامِ جبریل سے بھی محروم ہو گئے جیسے ہم بتا چکے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے تبرک حاصل کرنا بھی رہ گیا کیونکہ یہ ساری چیزیں اسی مقصورہ مبارکہ کے اندر ہیں بلکہ یہی مقصورہ ان سے بھی بڑے کام کا سبب بن گیا اور وہ اس زمین پر ستون کھڑا کرنا ہے کیونکہ یہ عوام اور مسجد کے معاملات سے ناواقف کے نزدیک مسجد میں داخل نہیں بلکہ حجرہ میں شامل ہے چنانچہ وہ اس سے وہی معاملہ کرتے ہیں جو غیر مسجد کی جگہ سے کیا جاتا ہے اور جب لوگ اس میں شریک ہونے لگے تو میں نے واضح طور پر اسے حرام قرار دے دیا چنانچہ کسی نے اشارہ دیا کہ ان ستونوں پر گنبد بنا دیا جائے' بنیاد کی ضرورت نہیں اور پھر اس سے ہٹ بھی گئے حالانکہ میں اس وقت مصر میں تھا۔

دروازے بند رکھنے کا سبب یہ ہوا کہ شام کے قاضی نجم بن حجی نے جب حج کا ارادہ کیا تو یہاں لوگوں کی بھیڑ دیکھی جیسے ابن جماعہ اشارہ کر چکے' اس پر انہوں نے اسے بند کرنے کا فتویٰ دیا' حضرت ولی عراقی نے اس وقت اس کے خلاف فتویٰ دیا کہ اسے کھول دیں' جب وہ الحاج المصری کے ہمراہ آئے تھے۔ مجھے مشائخ حرم میں سے ایک نے بتایا تھا کہ یہ واقعہ ۸۲۲ھ کا ہے اور اب تک یونہی ہو رہا ہے جیسے ولی عراقی نے فتویٰ دیا تھا اور جب ولی نجم بن حجی دیوانِ انشاء کے والی بنے تو انہوں نے سلطانی رسموں کے پیش نظر ۸۲۸ھ میں اسے بند کرنے کا حکم دیا چنانچہ آج تک یونہی چلا آ رہا ہے۔

پھر میں نے علامہ مجد کے کلام پر حافظ جمال الدین بن خیاط یمنی کے قلم سے حاشیہ لکھا دیکھا' الفاظ یہ ہیں: ''شاہِ مصر و شام الملک الاشرف برسبائی کے دور میں ۸۳۰ھ کے بعد جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ مذکورہ جنگلے کے دروازے بند کر دئے گئے چنانچہ جنگلوں کے باہر ہی سے لوگ زیارت کرتے ہیں' حجرہ پر اور کوئی بھی داخل نہیں ہو سکتا' ان کا ارادہ یہ ہوتا

ہے کہ اس طرح احترام زیادہ ہے اور روضۂ مبارکہ اس طرح بہت ہاتھ وغیرہ لگانے والوں سے بچا رہتا ہے کیونکہ اکثر جاہل عرب وغیرہ قبرِ انور کے صندوق اور دیوار سے پیٹھ لگا دیتے ہیں اور اسی کو تبرک سمجھ لیتے ہیں حالانکہ بھلائی تو صرف ادب ہی میں ہوتی ہے انتہٰی۔"

میں کہتا ہوں' درست طریقہ یہ ہے کہ ان دروازوں میں سے کچھ کھول دیئے جایا کریں اور خاص طور پر اس وقت جب خاص موسم نہ ہو' یہ طریقہ مناسب نہیں کہ ایسی خرابی دور کرنے کے لئے وہ دروازے بند رکھے جائیں اور اس زمینی ٹکڑے کو بیکار کر دیا جائے' ضرورت یہ ہے کہ وہاں خادم کھڑے ہوں اور ادب نہ کرنے والوں کو روکا کریں۔علاوہ ازیں اس طرح فساد کی جڑ تو کٹ نہیں سکتی کیوں یہ کام (جاہلوں کا ہاتھ لگانا اور پیٹھ لگانا) آج بھی تو ان جنگلوں سے کئے جا رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ جس دیوار سے یہ معاملہ کیا جاتا ہے' یہ قبر تو ہے نہیں بلکہ قبر کی دیوار بھی نہیں بلکہ ایک اور دیوار ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہے جیسے اس مقصورہ نے اسے گھیرا ہوا ہے تو اگر اس طرح کرنے سے وہ جگہ معطل اور بیکار ہو جاتی ہے تو پھر اس سے ساری کی ساری مسجد کو بیکار کر دینا چاہئے جبکہ مسجد کو بیکار جاننا یا اس کے کسی حصے کو بیکار سمجھنا حرام ہے لہٰذا ایسا کام ممکن حد تک کرنا ہی نہیں چاہئے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ موسم میں کئی بار وہاں پلیدی دیکھی گئی تو اس کے جواب میں ہمارے شیخ شیخ الاسلام فقیہ العصر شرف الدین مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اس میں شک نہیں کہ یہ جگہ مسجد کا حصہ ہے تو اگر وہاں پلیدی کا ہونا' مسجد کو بیکار کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور بند کرنے سے مسجد کی حفاظت ہوتی ہے تو ساری مسجد کو بند کر دینا چاہئے کیونکہ مسجد کو بچانے اور قبر انور کو تعظیم دینے کا معاملہ ایک ہی حکم رکھتا ہے اور یہ اس دیوار کے متعلق بھی وہی حیثیت رکھتا ہے جو اس پر موجود ہے اور تعظیم کا طریقہ تو اس سے رُکنا ہے علاوہ ازیں دیوار کو ہاتھ لگانا اور چومنا ان امور سے نہیں جن میں کراہت پر اجماع ہو۔

جب ہمارے آقا السلطان الملک الاشرف قایتبائی ۸۸۴ھ کو زیارت کے لئے مدینہ منورہ آئے تو روضہ شریفہ میں میں ان کے ہمراہ تھا' میں نے ارادہ کیا کہ موسمِ حج کے علاوہ ان دو دروازوں میں سے کچھ کو کھول دینے کی بات کرتا ہوں لیکن میں نے دیکھا کہ یہاں آ کر وہ اس مقصورہ میں داخل ہونے کو برا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: مجھے زیارت کے لئے اس سے بھی دور کھڑا ہونا پڑے تو میں یہ بھی کرنے کو تیار ہوں اور وہ اسے تعظیم سمجھ رہے ہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ میرے ارادے کے موافق نہیں ہیں۔واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۸

ہمارے دور میں حجرہ مبارکہ کی ایسی تعمیر جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھی' یوں پہلی آتشزدگی کے نقصان کی صفائی ہوئی' جسم انور کس طرح رکھا ہے اور یہ بیان کہ اس عمارت میں حجرہ شریف کس حیثیت میں ہے

غور سے سنئے کہ حکومت اشرفیہ میں مسجد کی ایک چھت جسے نیا بنایا گیا تھا' اس کی کسی لکڑی میں ٹوٹنے کے آثار دکھائی دئے چنانچہ اشرف کے مقرر کردہ شاہین جمالی جدہ سے واپسی پر مدینہ میں آئے تو انہوں نے انہیں مسجد کی چھت دکھائی اور وہ پانچ کونی دیوار بھی دکھائی جو حجرہ مبارکہ کے گرد تھی کہ اس میں قدیم شگاف تھا جو غلاف اُٹھانے پر انتہائی مشرقی جانب شمالی پہلو میں دکھائی دیتا تھا چنانچہ انہوں نے غلاف اُٹھایا اور اس معاملہ میں کچھ سمجھداروں کو بلایا گیا' کچھ نے ٹھیک کرنا ضروری جانا اور کچھ نے کہا کہ یہ ضروری نہیں' میں بھی شاہین کے پاس بیٹھا تو انہوں نے کہا کہ یہ ضروری نہیں کیونکہ یہ شگاف دیوار کی لمبائی میں ہے' چوڑائی میں نہیں' یہ عرصے کا ہے اور اس میں چونا بھرا ہے اور اس پر چھت بھی نہیں جو بوجھ بنے جس سے ہمیں کوئی خدشہ ہو۔ میں ان کی اس بات سے تعجب میں پڑ گیا۔

پھر ۸۷۰ھ میں ہمارے آقا سلطان الاشرف نے مسجد کی تعمیر کی ضرورت محسوس ہوتی اور مسجد قباء کا منارہ گرنے کا پتہ چلا' ایسے کاموں پر جناب خواجگی شمسی بن زمن مقرر ہوتے تھے پھر مدینہ ﷺ کے اندر ان کے مدرسہ زمنیہ کی عمارت بھی ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں انجام پائی تھی چنانچہ سلطان نے مسجد نبوی کی تعمیر کا انتظام ان کے سپرد کیا' وہ ۸۷۹ھ کو مدینہ طیبہ آئے اور تعمیر کا کام ان کے ذمہ لگا کر مصر واپس چلے گئے۔

پھر عمارت کی تعمیر کے لئے سلطان کے مقرر کردہ شرقی شرف الدین انصاری کو متوجہ کیا گیا' الحاج کے ساتھی مکہ مکرمہ پہنچے وہ یہاں ایک مدت تک ٹھہرے اور تعمیر کا سامان اکٹھا کیا لیکن ۱۷ صفر کی شب ۸۸۱ھ میں فوت ہو گئے۔ کوئی معمولی تکلیف ہوئی تھی۔

پھر تعمیری کام کے لئے جناب شمسی بن زمن کو خط لکھے گئے' وہ جدہ میں تھے چنانچہ جمادی الاولیٰ ۸۸۱ھ کو وہ

مدینہ منورہ آئے اور بہت سے کاریگر ساتھ لائے اور خود ملاحظہ کرنے کے لئے یہاں ٹھہرے چنانچہ انہوں نے اوپر والی چھت درست کی نیز ایک اور چھت بنائی' نیلے رنگ کے گنبد کو مضبوط کیا جو حجرہ مبارکہ کے عین اوپر تھا' اسے چھت کے برابر بنایا' اس صندوق کی اصلاح کی جو سر انور کی طرف موجود ستون کے بالکل ساتھ تھا اور نیا قبہ بنایا۔

جب انہوں نے قدیم پایہ اور اس کے ماتحت صندوق اُتارا تو اس کے نیچے مذکور ستون کے پتھر نکلے جو ٹوٹے ہوئے تھے' وہ نگینوں کی طرح اندر سے خالی تھے اور مسجد کے قدیم تمام ستون ایسے ہی تھے' ان میں سکّہ اور لوہے کی سلاخیں تھیں' اہلِ مدینہ ان میں سے ہر ایک قطعہ کو ''خزرہ'' کہتے ہیں اور فلکہ بھی کہہ لیتے ہیں۔اب ان کی رائے یہ ہوئی کہ چھت کی لکڑیوں کو مذکور ستون کے سرے سے گھرا کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے مذکور ستون کے گرد لکڑیوں کی مرمت کی تاکہ اس ستون کے پھٹے ہوئے خزر کو توڑ دیں' یہ چھ تھے پھر جو صحیح ستون تھے انہیں معلق کیا تاکہ اس کے بدلے میں اسے اس کی جگہ داخل کر دیں اور پھر ان خزروں کو توڑ کر نکالنا شروع کیا لیکن یہ کام انہیں مشکل لگا اور انہیں سخت تکلیف اُٹھانا پڑی حتیٰ کہ حجرہ کی دیواریں کانپتی تھیں کیونکہ حجرہ اس ستون سے ملا ہوا تھا۔اس پر لوگوں نے چہ میگوئیاں کیں لیکن اس وقت کیں جب خزرہ کا کچھ حصہ وہ توڑ کر نکال چکے تھے۔وہ سکّے کو نکالتے وقت پتھر سے بھی زیادہ محنت کرتے تھے چنانچہ انہوں نے ایک میٹنگ بلائی جس میں مجھے بھی بلا بھیجا' میں پریشان ہو گیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ ایک شخص کا دل میری وجہ سے بھڑک اُٹھتا تھا اور اس کے دل میں یہ بات سما گئی تھی کہ میں اس کے ہاتھوں یہ کام ہوتے نہیں دیکھ سکتا حالانکہ پہلے وہ مجھ سے محبت رکھتا تھا پھر قدرے مجھ سے دور ہو گیا۔مجھے معلوم ہو گیا کہ اس ستون کی اصلاح سے ہٹ جانا ناممکن ہے کیوں کہ اس کا کچھ حصہ ٹوٹ چکا تھا اور اسے نکالا جا چکا تھا چنانچہ مجھے معلوم ہو گیا کہ اس میں غور وفکر کا وقت ختم ہو گیا' میں نے ایلچی کو جواب دیدیا اور ان کے پاس نہ گیا حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ بعض لوگ اس کے مخالف ہیں جس کی طرف اشارہ کیا گیا حالانکہ یہ معاملہ واضح تھا پھر فیصلہ کے قریب پہنچ کر وہ بکھر گئے' کچھ دن تک وہ اس معاملہ پر سوچ بچار کرتے رہے حتیٰ کہ اسے پورا کر لیا اور ان چھ خزرات کی جگہ انہوں نے مسجد قباء کے ستونوں سے توڑے ہوئے ٹکڑے لگا دئے چنانچہ یہ ان خزرات کے اندازے کے مطابق برابر ہو گیا' انہوں نے دوبارہ بناتے وقت اسے سکّے اور لوہے کی سلاخوں سے خوب مضبوط کر دیا۔

میں سمجھتا تھا کہ یہ ان کی طاقت سے باہر تھا اور میں تعجب کرتا تھا کہ باقی ستون اوپر سے قائم ہیں حالانکہ نیچے سے بھی انہیں اُٹھا دیا گیا تھا اور وہ پتھر اور سکّے کی وجہ سے پہاڑ جیسے ہو گئے تھے لیکن محمدی مدد نے اس میں ان کا ساتھ دیا۔

پھر تاریخی صندوق اور اس کے اوپر قائم کو اپنے اپنے مقام پر رکھ دیا گیا اور وہ مرمر توڑا جس کی وجہ سے حجرہ مبارکہ کی ظاہری دیوار نئی اور مضبوط بنائی گئی تھی اور جب شمالی کونے سے مشرقی کونے تک کا مرمر اُتار رہے تھے تو ایک شگاف دکھائی دیا' یہ قدیم شگاف تھا جسے پہلے لوگوں نے اینٹیں توڑ کر اور اس میں چونہ بھر کر بند کیا تھا اور پھر اس پر سفید

چونے کا پلستر کر دیا تھا۔ یہ سفید حصہ اس مرمر اور مذکورہ دیوار کے سروں سے پھٹ گیا' انہوں نے ارادہ کیا کہ سفیدی کے نیچے کا حال معلوم کریں چنانچہ سفیدی کھرچ ڈالی اور اس میں اینٹ کے روڑے اور چونہ نکال دیا۔ اس کے نکالنے پر حجرہ مبارکہ چوکور شکل دکھائی دیا جو پانچ کونی دیوار کے اندر کی طرف تھا' اس سے ان دیواروں کا جوڑ نظر آیا جو شام والی جانب اور مشرقی دیوار سے بنا تھا اور وہاں بھی شگاف دکھائی دیا' یہ شگاف حجرہ کی اندر والی دیوار میں اس جگہ تھا جہاں دونوں دیواریں ملتی تھیں' اس میں پورا ہاتھ داخل ہو جاتا یہ شگاف بھی قدیم تھا' اسے بھی پہلے لوگوں نے بند کیا تھا پھر دیر تک یونہی رہنے سے کھل چکا تھا۔

تیرہ شعبان ہفتے کی رات تھی کہ انہوں نے مقصورہ کے اندر مذکورہ دیوار کے پاس میٹنگ کی' وہاں قاضی اور مشائخ حضرات اکٹھے ہوئے' مسجد کے خادم اور ان کے شیخ الامیر اینال بھی آئے' مجھے بھی بلا بھیجا میں پہلے کی طرح شش و پنج میں پڑ گیا پھر وضو کیا' نماز استخارہ پڑھی اور اللہ سے دُعا کی کہ مجھے اس سلسلے میں راہِ راست پر چلنے کی توفیق دے' پھر وہاں گیا اور دیکھا کہ وہ اتفاق کر چکے تھے چنانچہ میں نے وہ کچھ دیکھا جس کا ذکر پہلے کر چکا' میں نے اندر کی طرف دیکھا تو وہ ہیبت اور انس محسوس ہوا جسے نہ تو بیان کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی سمجھ میں آنے والا تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ باہر کی دیوار کا شگاف اندر والی دیوار کے شگاف کی وجہ سے تھا جب وہ باہر والی دیوار کی طرف جھکی تھی اور گویا جب پہلے لوگوں نے اندر والی دیوار کا شگاف دیکھا (واللہ اعلم شاید انہوں نے اسے اس وقت دیکھا تھا جب آتشزدگی کے بعد انہوں نے حجرہ مبارکہ کی دیوار بنائی تھی) تو اندر کی دیوار کو ان لکڑیوں سے سہارا دیا جنہیں انہوں نے حجرہ کی مشرقی جانب دیوار کے اندر اور باہر کے سروں کے ساتھ رکھا تھا' باہر کی دیوار اوپر سے ایک طرف یوں جھک گئی تھی اس کا اوپر کا حصہ نیچے والے حصے کے برابر نہ رہ گیا تھا' یوں وہ دیوار بالکل سیدھی نہ رہ گئی تھی چنانچہ اسی وجہ سے شگاف پڑ گیا تھا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ کچھ لوگ تو چپ ہیں اور کچھ مشورہ دے رہے ہیں چنانچہ مجھے کعبہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے زیادہ بہتر معلوم ہوئی جس میں انہوں نے کعبہ کی صرف مرمت کا مشورہ دیا تھا' میرے ذہن میں یہ بھی تھا جتنا ادب یہاں ضروری ہے' وہاں نہیں چنانچہ میں نے تو کعبہ کی بناء کا حوالہ دیا لیکن کسی نے مجھ سے اتفاق نہ کیا پھر میں نے تعمیر کے ماہر انجینئر سے پوچھا (وہ اس معاملے میں ان سب سے زیادہ واقف کار تھا) کیا آپ کے اندازے کے مطابق دیوار کو گرنے سے بچانے کے لئے کچھ تاخیر ممکن ہے یا اگر پہلے کی طرح اسے مرمت کر دیا جائے تو کچھ وقت نکل سکتا ہے اگر ایسا ممکن ہے تو کچھ تاخیر کر لی جائے؟ کیونکہ اب تو اتنا کام ہی کیا جا سکتا ہے جتنی سر دست ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ مرمت اور شے ہے اور تسلی بخش کام اور ہے۔ پھر تعمیر کے متولی نے پوچھا کہ لکھا کیونکر جائے؟ اس پر قاضی زکوی شافعی ناظر نے کہا: کل گرانے والے گرانا شروع کر دیں اور سب کے دستخط لے لیں۔ متولی نے چپکے سے میرے سامنے اس کا انکار کیا اور اسے اُبھارا کر میری بات پر توجہ نہ دے۔

متولی نے اس کے بعد مجھے بتایا کہ قاضی نے خواب دیکھا ہے جس سے انہوں نے سمجھا کہ دیوار گرا دی جائے

اور پھر پکا ارادہ کرلیا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اس کے پاس بہادر جن اور دل کی ایسی مضبوطی موجود ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کسی نے اسے بتایا ہے کہ میں یہ کام اس کے ہاتھوں انجام پانا اچھا نہیں سمجھتا اور نہیں سمجھتا کہ یہ عظیم کام کرنے میں وہ کامیاب ہو جائے لیکن میں اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں' میں نے صرف یہ ارادہ کیا تھا کہ حضور ﷺ کا وہ ادب پورا کروں جو اللہ نے ان کے بارے میں ہم پر لازم کیا ہوا ہے۔

پھر اسی شعبان کی چودہ تاریخ کو انہوں نے باہر کی دیوار گرانا شروع کر دی چنانچہ انہوں نے مشرقی حصہ شمالی کونے تک گرا دیا اور یہ کونہ پانچ ہاتھ وسیع تھا نیز زمین سے اوپر کے کنارے تک چار ہاتھ تھا چنانچہ اس وقت معلوم ہوا کہ حجرہ مبارکہ والی دیوار کے اندر کی طرف جلا ہوا حصہ گرا تھا' وہاں ہم نے دیکھا کہ جلی ہوئی لکڑیوں میں سے تقریباً ہاتھ بھر کے ٹکڑے جلنے سے بچ گئے تھے۔

پھر ماہِ شعبان کی پندرہ تاریخ کو وہ اس کی صفائی کرنے آئے' ادھر متولی' ہمارے شیخ عارف باللہ سیدی شہاب الدین الاشیطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور ان سے عرض کی کہ برکت کی دُعاء کرنے کے لئے تشریف لائیں چنانچہ وہ مسجد کے باہر کی طرف سے آئے' اندر داخل نہ ہوئے اور وہیں فاتحہ پڑھی پھر کہا: اللہ کی برکت سے صفائی شروع کرو اور یہ کہہ کر چلے گئے۔ پھر بعد میں مجھے بتایا کہ مجھے انہوں نے کہا تھا کہ اسے گرانا ضروری ہے' میں نے ان سے کہا کہ پھر ضروری پر عمل کرو۔

جب وہ صفائی کے لئے اندر داخل ہوئے تو میں نے جلا ہوا اتنا ملبہ دیکھا کہ جسے کدال اور کسّی وغیرہ کے علاوہ صاف نہیں کیا جا سکتا تھا اور اس وقت مجھے پتہ چلا کہ آتشزدگی کے وقت موجود لوگ اسے کیوں نہ اُٹھا سکے' وہ ملبہ قد آدم جتنا بلند تھا اور یہ ملبہ اوپر والی چھت' چونا اور اینٹوں کا تھا اور اس دیوار سے گرا تھا جو حجرہ مبارکہ کو نمایاں کرنے کے لئے دیوار کے اوپر بنائی گئی تھی نیز وہ ملبہ تھا جو ستونوں پر رکھی لکڑیوں کے جل جانے سے بنا تھا۔

انہوں نے صفائی شروع کی' بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے' صفائی کرتے کرتے وہ زمین تک جا پہنچے اور وہاں انہیں مسجد میں پڑی کنکریوں جیسی کنکریاں نظر آئیں' فرق صرف یہ تھا کہ یہ کنکریاں زمینی تری کی وجہ سے سیاہ ہو چکی تھیں۔ میں نے دیوار کے باہر مرمر والی اور اندر والی زمین میں فرق دیکھا تو اندر والی زمین باہر والی سے ایک ہاتھ اور تہائی ہاتھ نیچی تھی اور اندر والی تعمیر سے پتہ چلا کہ وہ بائیسویں فصل میں مذکور صورت پر تھی کہ وہ پتھروں سے چوکور بنی تھی اور اوپر والی جگہ اُبھری ہوئی تھی اور اس کا مغربی کنارہ باہر والی دیوار کے اندر کی طرف کنارے سے بالکل ملا ہوا تھا اور دونوں کے درمیان سوئی گاڑنے کی جگہ بھی نہ تھی' نہ ہی کوئی دروازہ تھا اور نہ دروازے کا نشان' پھر شمالی کنارے سے ستون ملا ہوا تھا جس کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے' اس کا کچھ حصہ اس کنارے میں داخل تھا۔ اس میں آگ کا اثر تھا' وہ تھوڑا سا ٹوٹا ہوا تھا خصوصاً اوپر سے' یہ ستون مربعۃ القبر والے ستون کی قطار میں تھا' مشرقی جانب سے اس کے ساتھ ملا ہوا تھا۔

یہاں اندر کی دیوار میں وہ شگاف بھی دکھائی دیا جس کا پہلے ذکر آ چکا چنانچہ انہوں نے اس شگاف میں شمع داخل کی تو دیکھا کہ اس کے قبلہ والی دیوار میں، جو مشرق والی جانب میں تھی، ویسا ہی شگاف موجود تھا اور یہ بھی واضح ہوا کہ قبلہ کی جانب والی دونوں دیواروں کے درمیان والی عمارت قبلہ والی دیوار میں موجود ستون کے برابر تھی جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سلام پڑھنے والا کھڑا ہوتا ہے، اسے اس مذکورہ دیوار کے لئے سہارا بنایا گیا تھا اور وہ اس وقت جب اس میں شگاف پڑا تھا اور وہ لکڑیاں بھی دیکھیں جو سہارے کے لئے مشرق میں دیوار کے اندر اور باہر لگائی گئی تھیں۔ متولی نے شامی اور اس کے سامنے والی دیوار کے شگاف بھرنے میں تردد کیا۔ پھر اس دیوار (شام کی طرف والی اندر کی دیوار) کو گرانے کا عہد کیا چنانچہ اس چھت کو اونچا کرنا شروع کیا جو خود حجرہ مقدسہ کے اوپر تھی، اس وقت انہیں حجرہ مبارکہ کی پیائش کا پتہ چلا، اللہ تعالیٰ نے اس ملبے کی وجہ سے مبارک قبروں کو ڈھانپ دیا تھا پھر مجھے معلوم ہوا کہ جتنی ثابت قدمی اور ادب دکھانے کی یہاں ضرورت ہے، کہیں اور نہیں ہے چنانچہ میں یہ عہد کر کے واپس چلا آیا کہ جب تک یہ گرانے کا کام کر رہے ہیں، میں ان کے پاس نہیں جاؤں گا ہاں تعمیر کے وقت ضرور شامل ہونگا پھر وہ حجرہ کی داخلی دیوار میں موجود گنبد کو مضبوط کرنے کے لئے تیار ہوئے تو میں نے ناپسند کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس سے حجرے کے بڑے حصے کے گرنے کا اندیشہ ہے اور پھر پہلے جیسی مصیبت کی بھی فکر تھی۔

پھر گیارہ شعبان کو انہوں نے اس کا پختہ ارادہ کر لیا چنانچہ شامی اور مشرقی دیوار کو اندر کی طرف سے گرانا شروع کیا تو دیکھا کہ شامی دیوار کے مغرب کی طرف نیز قبلہ کی طرف اور یونہی غربی دیوار میں کچی اینٹیں لگی تھیں جن کی لمبائی ہاتھ سے زیادہ اور چوڑائی آدھا ہاتھ تھی جبکہ موٹائی چوتھائی ہاتھ تھی اور کچھ وہ تھیں جن کا طول، عرض اور موٹائی آدھا ہاتھ تھی لیکن مشرقی دیوار میں ایسی نہیں دیکھیں اور نہ ہی شامی اور قبلہ والی میں، کچھ لوگوں نے پہلے لوگوں کے ان اینٹیں لگانے پر اعتراض بھی کیا اور اسے کم عقلی جانا، کہنے لگے کہ دورِ ولید میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی نگرانی میں کام کرنے والے کاریگر کافر تھے چنانچہ وہ یہ دھوکا کر گئے حالانکہ یہ ان کہنے والوں کی جہالت تھی جبکہ پہلے ہم حجرہ مبارکہ کی تعمیر کے بارے میں کافی کچھ بتا چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے کہ حضرت عمر بن خطاب یا ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ حجرہ مبارکہ بنایا تھا جیسے ابن سعد نے لکھا اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ عمارت عمر بن عبد العزیز کے دور میں بنی تھی تو دیکھنا ہوگا کہ وہ لوگ بڑے پرہیزگار تھے، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے نبی کی قبر انور کی تعمیر کافروں پر چھوڑ دیتے کہ وہ ایسی عمارت دھوکے سے بنا سکتے۔

پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے بزرگوں نے جب حجرہ مبارکہ پتھروں سے بنایا کہ مضبوطی رہے اور دیرپا بن جائے جبکہ اس کے علاوہ باقی عمارت حضور ﷺ کے دور میں اینٹوں سے بنی تھی، چنانچہ اس وقت انہوں نے دیکھا کہ یہاں یہ اینٹیں لگانا نہ رہ جائیں لہٰذا انہوں نے پتھروں میں وہ اینٹیں لگائیں جو کافی مضبوط تھیں یہ پتھر چونے سے لگائے گئے تھے اور واقعی اگر وہ اس مضبوطی سے نہ بناتے تو اتنی لمبی مدت تک یہ عمارت کبھی نہ ٹھہری رہتی پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ

شگاف تو اس طرف پڑا تھا جدھر یہ اینٹیں لگی بھی نہ تھیں حالانکہ ہم پہلے بتا چکے کہ وہ جانب گر گئی تھی' دوبارہ تعمیر کی گئی اور کاریگروں کا مختلف ہونا اس بات کی شہادت دے رہا ہے حتیٰ کہ مشرقی دیوار اندر ہی سے پتھروں کے ساتھ بنی تھی اور اس شگاف کا عرض دیوار کے عرض سے کم تھا۔

جب شامی دیوار کو گراتے ہوئے وہ حجرہ مبارکہ کی زمین کی تہ تک پہنچے تو اس ملبے کو ہٹانا شروع کیا جس نے مبارک قبروں کو ڈھانپ رکھا تھا۔ یہ کام انہوں نے شعبان کی تئیس تاریخ کو شروع کیا تھا' وہ یہ کام غروب آفتاب تک کرتے رہے حالانکہ بہت سے لوگ لگے ہوئے تھے' مجھے معلوم ہوا کہ حجرہ میں لوگ بھر گئے تھے' انہوں نے کوئی جگہ صاف کرنے سے نہیں چھوڑی' ان کا خیال تھا کہ قبر انور حجرہ شریف کے تقریباً درمیان میں ہے' حالانکہ ایسا نہیں تھا جیسے ہم آگے بیان کر دیں گے۔ یہ ملبہ انہوں نے مغربی چھتے ہوئے حصے کے پاس رکھا جو اسی جانب میں چبوترے سے ملا ہوا تھا' متولی نے وہاں وہ چبوترہ بنا دیا جو وہاں دکھائی دیتا ہے۔

پھر قاضی زکوی نے متولی سے کیا ہوا تحریری معاہدہ پورا کر دیا جس پر اہل مدینہ نے تو دستخط کئے تھے لیکن میں نے نہیں کئے تھے' میرا عذر یہ تھا کہ اس سے قبل میں نے کبھی دستخط نہیں کئے۔ یہ معاہدہ انہوں نے مصر بھیج دیا اور پھر جب ماہ شعبان کی پچیس تاریخ تھی تو متولی نے مجھے پیغام بھیجا کہ صفائی کے بعد حجرہ مبارکہ کا مشاہدہ کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ اس دوران میں نے سنا' کوئی تو یہ کہتا پھرتا تھا کہ قبر شریف ظاہر ہو گئی اور کوئی کہتا تھا کہ انہوں نے تمام قبروں کا نشان نہیں پایا' شوق اور غلبۂ عشق نے مجھے وہاں جانے پر مجبور کر دیا پھر یہ بھی یاد آیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی کسی سے مبارک قبریں دکھانے کو کہا تھا' پھر اگلے لوگوں نے مبارک قبروں کی تعریف کی ہوئی تھی اور اس حجرہ کی پیمائش بھی لکھی تھی' یہ وہ باتیں تھیں جنہوں نے مجھے جانے پر مجبور کیا' میری حالت یہ تھی:

> "اگر مجنوں سے کوئی یہ کہہ دے فلاں زمین پر قبر لیلیٰ کی مٹی جا پڑی ہے تو وہ جتن لگا کر جلدی پہنچنے کی کوشش کرے گا کہ ایسی کوئی شے دیکھ سکے جسے لیلیٰ سے نسبت ہو' یوں وہ پھٹ جانے والے دل کو تسلی دے سکے گا۔"

میں نہا دھو کر تیار ہو گیا اور دل میں عظیم شخصیت سے ملنے کا خیال تھا' یہ سوچ رہا تھا' اس گھر کو چلا ہوں جہاں کرم ہی کرم اور بخشش کا سامان ہے' یہی تو ایک سہارا ہے' پھر یہ بھی خیال میں تھا:

> "میں تو بڑا گنہگار ہوں' میرے چہرے پر تو گناہوں کا پردا پڑا ہوا ہے' مجھے بتاؤ کہ میں محمد ﷺ سے کیسے ملاقات کروں؟"

پھر مجھے یہ شعر یاد آیا:

> "حبیب ﷺ اور ان کے قرب الٰہی کی وجہ سے جلد اللہ تعالیٰ مجھے دامنِ عفو میں لے لے گا کیونکہ ان کا عفو بہت وسیع ہے۔"

میں نے اللہ سے دُعا کی کہ اس عظیم مقام پر جا کر مجھے ادب کرنا نصیب ہو اور ان کی تعظیم کا مجھے صحیح طریقہ بتا دے اور میری یہ حاضری قبول فرماتے ہوئے مجھ سے راضی ہو جا' میرے گذشتہ سب گناہ بخش دے چنانچہ میں نے اجازت مانگی اور حجرہ مبارکہ کی پچھلی طرف سے اندر چلا گیا اور پھر وہاں سے ہلا نہیں' مجھے وہ خوشبو آئی جو زندگی بھر سونگھ نہیں سکا تھا' پھر ڈرتے اور حیاء کرتے ہوئے سب انبیاء سے اعلیٰ نبی پر سلام پیش کیا اور اس کے بعد آپ کے ساتھ لیٹے ان صحابہ کی خدمت میں سلام عرض کیا جن جیسا دنیا بھر میں کوئی صوفی نہیں' پھر ممکن حد تک دُعائیں کیں' زمین و آسمان کے رہنے والوں کے سردار علیہ السلام سے شفاعت فرمانے کی عاجزانہ درخواست کی اور ان لمحات کو زندگی بھر کے لئے غنیمت جانا' اللہ اسے جزائے خیر دے جس نے کہا:

"اگر تمہیں قرب کا موقع مل جائے تو غنیمت جانو اور جو کچھ حاصل کر سکتے ہو' کر لو کیونکہ میں نے قریب آنے کے کئی دروازے کھول رکھے ہیں اور زیارت کرنے والوں کے لئے میرا دروازہ بالکل قریب ہے۔

بلند مقام کے لئے صبح کی ہوائیں چل رہی ہیں لہٰذا خوشی سے بڑے پیالے پیتے جاؤ۔

جو وقت چلا جاتا ہے وہ لوٹ کر نہیں آیا کرتا' نہ ہی عزیزوں کے گھروں میں رہا جا سکتا ہے۔

دور ہونے سے پہلے بلند زمین کو غنیمت جانو کیونکہ چلے جانے والے کے لئے یہ بلند جگہ گھر نہیں بن سکتی۔

میں اس شخص سے کہہ رہا ہوں جو نجد سے گذرنے چلا ہے اور دوسرے گھروں کے مقابلے میں کامیاب ہوا ہے۔

نجد کے نرگسی پھولوں کی خوشبو سنبھال رکھو کیوں رات ہو گئی تو پھر یہ خوشبو نہیں مل سکے گی۔

جب شعبان کی بیس تاریخ لوٹ آئے تو رات دن پیتے چلے جاؤ۔

پھر چھوٹے برتنوں میں پینے کی ضرورت نہیں کیونکہ چھوٹے برتنوں میں وقت تھوڑا لگتا ہے۔"

جب میں نے جی بھر لیا تو میری آنکھوں نے اس گوشے سے فائدے حاصل کئے کہ میں مشتاق لوگوں کو اس کا تحفہ پیش کر سکوں اور اس کی پاکیزیں خبریں پیارے لوگوں تک پہنچا سکوں۔ میں نے حجرہ مبارکہ کو خوب غور سے دیکھا' زمین برابر تھی' میں نے مٹی ہاتھ میں لی تو وہ تر تھی اور اس میں ایسے کنکر تھے جو دو دیواروں کے درمیان موجود تھے جن کا ذکر پہلے آ چکا' انگلیوں سے ٹٹولنے پر دکھائی دیتے تھے لیکن ایک بھی قبر دکھائی نہیں دے رہی تھی' البتہ حجرہ مبارکہ کے درمیان میں قدرے اونچی جگہ تھی جس کے متعلق لوگوں کے ذہن میں تھا کہ وہ نبی کریم علیہ السلام کی قبر اطہر و انور ہے چنانچہ لوگ بطور تبرک اسی سے قدرے مٹی لیا کرتے تھے اور یہ بات وہم کی حد تک اس لئے جا پہنچی کہ وہاں کے لوگ حجرہ مبارکہ کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تھے حالانکہ وہ جگہ قبر ہرگز نہیں تھی' ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

قبر ہو کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ قبر انور قبلہ کی دیوار میں تھی کیونکہ انہوں نے اس شخص کا ردّ کرتے ہوئے فرمایا تھا جس نے یہ کہا کہ حضور ﷺ چوڑائی کے رُخ قبرِ انور میں داخل کئے گئے چنانچہ فرمایا:
"یہ بات خبروں میں سے فحش سی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی قبر انور تو دیوار کے قریب تھی اور لحد شریف دیوار کے نیچے تھی پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جنازہ قبر کی چوڑائی میں رکھا جاتا اور پھر چوڑائی میں اُتارا جاتا۔ اس سے پتہ چلا اقشہری کی یہ نقل صحیح نہیں تھی۔ انتہٰی۔

قبرِ انور پر پانی چھڑکا گیا

پھر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور پر پانی چھڑکا گیا' یہ چھڑکنے والے حضرت بلال بن رباح تھے جنہوں نے مشکیزے سے چھڑکا' سر انور سے شروع کیا اور مبارک پاؤں تک چھڑکتے گئے اور دیوار تک تر بتر کر دیا' آپ گھم نہیں سکتے تھے کیونکہ انہوں نے قبرِ انور اور قبلہ کی دیوار کے درمیان صرف کوڑے جتنی جگہ چھوڑ دی تھی۔

طبقات ابن سعد میں حضرت عبد الرحمٰن کی روایت ہے: کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور میں حضور ﷺ کی قبرِ انور کی دیوار گر گئی (آپ ان دنوں ولید کی طرف سے مدینہ کے امیر تھے) تو سب سے میں پہلے اُٹھا' قبرِ انور کو دیکھا تو آپ کے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دیوار کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ تھا جس سے مجھے پتہ چل گیا کہ انہوں نے آپ کو قبلہ کی طرف سے لحد میں نہیں ڈالا تھا اور اگر وہاں قبرِ انور اور قبلہ کی دیوار کے درمیان جگہ ہوتی بھی' جہاں سے آپ کو داخل کیا جا سکتا تو پھر بھی وہ قبرِ انور کی جگہ نہ ہوتی کیونکہ وہ قبلہ کی دیوار سے بہت دور تھی۔

ابن زبالہ اور یحییٰ کے مطابق دیوار حجرہ شریفہ کے گرنے کے قصہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت مزاحم کے حاضری دے کر باہر نکلنے پر پوچھا تھا: قبرِ انور کس صورت میں دیکھ آئے ہو؟ انہوں نے بتایا تھا کہ زمین کے برابر ہے۔ پھر پوچھا کہ ان دو حضرات کی قبریں کس شکل میں ہیں؟ تو انہوں نے بتایا تھا کہ بلند ہیں۔ اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا تھا: میں اس بات کا گواہ ہوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔

قبل ازیں ہم حجرہ مبارکہ کے اندر کی بابت جو کچھ بتا چکے ہیں اور جو اس کی پیمائش بتائی ہے' وہ کافی ہے پھر میں نے حجرہ مبارکہ کی زمین اور دیوارِ شامی کے اندر کی زمین اور باہر کی دیوار کے کونے کا حساب لگایا تو حجرہ مبارکہ کی زمین ڈیڑھ ہاتھ باہر والی زمین سے نیچی تھی اور یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ اندر کی کھلی زمین باہر والی مسجد کی زمین سے ایک ہاتھ اور تہائی ہاتھ نیچی تھی چنانچہ حجرہ مبارکہ کی داخلی جگہ مسجد والی جگہ سے تقریباً تین ہاتھ پست ہے۔ پھر میں نے دیواروں پر آتشزدگی کے اثرات دیکھے تو بعض دیواروں میں تین ہاتھ تک اور کسی میں دو ہاتھ تک اُونچے ملبے کے نشان نظر آئے اور یہی بات ملبہ نکالنے والوں نے مجھے بتائی تھی۔

اس کے بعد انہوں نے قبلہ والی دیوار سے مشرقی جانب ملنے والے حصے کو گرایا جو چار ہاتھ سے قدرے زیادہ تھا' یہ بھی حجرہ مبارکہ کی زمین تک جا پہنچے پھر انہوں نے کچھ غربی دیوار بھی گرائی جو شام کی طرف ملتی تھی تو وہ بھی حجرہ مبارکہ کی زمین تک جا پہنچے اور یہ پانچ ہاتھ تھی' یہاں تک کھودنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ گنبد کو مضبوط بنیادوں پر استوار کر سکیں جس کا وہ فیصلہ کر چکے تھے' اب حجرہ کی دیواروں میں سے صرف وہ رہ گئی تھیں جو قبلہ اور مغرب کی طرف تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے باقی رہ جانے والی دو دیواروں کو بھی پانچ پانچ ہاتھ تک گرا دیا' اب حجرہ کی بنیاد صرف اتنا حصہ رہ گیا تھا جو گرانے سے بچ گیا تھا۔ پھر گراتے وقت انہوں نے قبلہ والی دیوار کے شروع میں اُوپر کی طرف پرنالہ دیکھا جو دیوار کی بناء میں تھوڑا سا جل گیا تھا اور تقریباً ایک ہاتھ بچا تھا' یہ عرعر کی لکڑی سے بنا تھا' خوشبو بہت پیاری تھی' پرنالے میں پانی بہنے والی جگہ کی گنجائش چار یا پانچ انگشت بھر تھی گویا کہ وہ پہلے صرف حجرہ مبارکہ ہی کا پرنالہ تھا پھر پہلے لوگوں نے اسے اکھاڑ کر چھت کے لئے بنائے پردے اور دیوار کے سرے کے درمیان لگا دیا اور جب حجرہ مبارکہ کو دوبارہ بنایا گیا تو میری خواہش یہ تھی کہ اسے وہیں لگا دیا جائے' متولی نے مجھ سے وعدہ بھی کیا اور جب تعمیر مکمل ہونے کو تھی تو میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اسے شامی دیوار کے اوپر والے حصے میں لگا دیا ہے' وہاں' جہاں حجرہ مبارکہ کی اینٹیں باقی تھیں اور پھر اس پر انہی اینٹوں کی مٹی لگا دی گئی ہے۔

جب حجرہ مبارکہ کی تعمیر شروع ہوئی تو ان کا ارادہ یہ بنا کہ حجرہ شامی کی دیوار کے پیچھے والے ستون کو مسجد میں شامل کر دیں کیونکہ وہ پھٹ گیا تھا چنانچہ انہوں نے تکونی کھلی جگہ سے دیوار کی چوڑائی میں اسے شامل کر دیا جو مثلث شکل کا تھا۔

حجرہ مبارکہ کی دوبارہ تعمیر کا کام سترہ شعبان کو شروع ہوا تھا' اسی مذکورہ دیوار سے انہوں نے عمارت شروع کی اور غربی دیوار تک لے گئے' بنیاد میں انہوں نے حجرہ مبارکہ والے پتھر لگائے' پھر انہوں نے سوچا کہ جس گنبد کو پختہ بنانے کا انہوں نے سوچا ہے' اس کے لئے مربع بنیاد ہونی چاہئے کہ اس کا طول' عرض سے زیادہ نہ ہونے پائے جبکہ حجرہ کی پیمائش میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا' چنانچہ انہوں نے حجرہ شریف کے تیسرے حصے پر جو مشرق اور مبارک قدموں کی طرف ملتا تھا' گول بنیاد بنائی' اور جو مشرقی دیوار کا حصہ رہ گیا تھا' اسے حجرہ کی اندر والی دیوار سے ملا دیا چنانچہ وہ حصہ اندر لے آئے جو ان دونوں کے درمیان اوپر والی دیوار پر تھا' یونہی انہوں نے قبلہ والی دیوار سے کیا جو اندر اور باہر کی طرف تھی' اسے انہوں نے پورے طور پر بند کر دیا تھا حتیٰ کہ اندر کی عمارت کے گرد کوئی خلاء نہیں تھا البتہ شام کی طرف مثلث عمارت اور حجرہ کے درمیان خلاء تھا اور گنبد کی بلندی' گنبد اور مشرقی دیوار کے درمیان بھی فضاء بن گئی اور پھر حجرہ کے بقیہ حصہ پر انہوں نے گنبد رکھ دیا اور یہ وہ حصہ ہے جو مبارک سروں کی طرف مغرب سے ملتا ہے۔

کچھ حضرات نے ارادہ کیا کہ گنبد کو اینٹوں سے بنایا جائے جسے میں نے ناپسند کیا چنانچہ متولی نے بھی اس رائے عمل نہیں کیا اور اسے حجر اسود کی قسم کے پتھروں سے تیار کیا اور پھر اسے سفیدی کر دی۔ مجھے لوگوں نے بتایا اس گنبد کی'

حجرہ مبارکہ کی اندرونی زمین سے گنبد کے اوپر والے سرے تک' اونچائی (جہاں چاند گاڑا گیا تھا) معمول کے بارہ ہاتھ (۱۸ فٹ) تھی' یہ دستی ہاتھ کے مطابق اٹھارہ ہاتھ اور چوتھائی ہاتھ بنتی تھی اور پھر حجرہ مبارکہ کی زمین سے بھی اس حصے تک جس پر مذکورہ گنبد کی ایک دیوار بنائی گئی آٹھ ہاتھ معمولی سے قدرے زائد فاصلہ تھا اور یہ فاصلہ پہلے ہاتھ کے لحاظ سے گیارہ ہاتھ بنتا ہے اور گنبد کی مشرقی دیوار کی بلندی قبروں کی اس طرف سے جس پر وہ دیوار بنائی گئی معمول کا ایک ہاتھ اور دو تہائی ہاتھ تھی' یہ بلندی اڑھائی ہاتھ سے کچھ زیادہ بنتی ہے اور یوں گنبد کی دیوار اور حجرہ کی مشرقی دیوار کے درمیان وہی فاصلہ ہو گیا جو دو دیواروں کے درمیان تھا پھر دیوار کی چوڑائی میں ایک خلاء شامل کیا گیا جسے مغرب سے تو گنبد کی دیوار گھیرتی تھی اور مشرق سے حجرہ مبارکہ کی دکھائی دینے والی دیوار اور قبلہ کی طرف سے بھی اسے حجرہ مبارکہ ہی کی دیوار گھیرتی تھی اور شام کی طرف ایک پردہ تھا جسے گنبد کی دیوار اور مشرق سے حجرہ مبارکہ کی دیوار گھیرتی تھی۔ اس خلاء کی پیمائش جو گنبد کی نچلی گولائی کی سطح سے طول میں قبلہ سے شام کی طرف معمولی سات ہاتھ اور ہاتھ کا چھٹا حصہ تھی جو گیارہ ہاتھ بنتی تھی تاہم عرض میں اس کی پیمائش مختلف تھی چنانچہ قبلہ کی طرف معمولی اڑھائی ہاتھ تھی اور شام کی طرف تقریباً تین ہاتھ' رہی گنبد سے شام کی طرف والی دیوار تو پہلے گذر چکا کہ انہوں نے اس کے عرض میں اضافہ کیا تھا' خلاء سے اس کے پیچھے تک اور اسے بھی مختلف چوڑائی سے بنایا چنانچہ مشرق کی طرف والی دیوار مغرب والی سے آدھا ہاتھ زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے گنبد کے جوڑ کے نیچے سے اس طرف دیوار کی چوڑائی دستی طور پر تین ہاتھ رکھی تھی اور دوسری طرف اس کی چوڑائی اس سے تقریباً آدھا ہاتھ کم رکھی تھی بایں طور کہ ستونِ مذکور والی جہت مذکورہ کھلی جگہ میں اس دیوار کے باقی حصے سے نمایاں ہو گئی اور پھر اس دیوار کے اوپر انہوں نے حجرہ مبارکہ کی ایک دیوار سے بچی ہوئی اینٹوں سے تھوڑی سی دیوار بنائی' یہ اینٹیں بکھر گئی تھیں تاہم ان میں سے بہت سے اکٹھی کر لی گئی تھیں۔ پھر انہوں نے اس دیوار کے تقریباً درمیان میں ایک چھوٹا سا دروازہ رکھا اور جب صرف یہی دیوار رہ گئی تو اس دروازے سے انہوں نے بہت سے کنکر اندر رکھ دیئے جنہیں عقیق سے لے کر آئے تھے اور یہ مسجد ہی کے کنکروں کی جنس تھے' وہ اس لئے لائے کہ انہیں دھو کر مبارک قبروں کے اوپر ڈال دیں۔ میں نے ان میں سے کسی ایک کو بتایا دیا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور قبلہ والی دیوار سے ملی ہوئی ہے اور جو کچھ ہم چہرۂ انور کے سامنے موجود چاندی کے کیل کے بارے میں بتا چکے ہیں' اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ قبرِ انور کا اوّل حصہ مغربی دیوار سے دستی پیمائش کے حساب سے تقریباً دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے کیونکہ جب ہم دونوں غربی دیواروں کی چوڑائی نکال دیں (اندر اور باہر والی دیوار) جو کیل اور مغربی ظاہری دیوار کے ابتدائی حصے کے درمیان تین ہاتھ کے قریب ہے یہ دیوار پانچ ہاتھ ہے) تو باقی سر انور تک دو ہاتھ کے قریب فاصلہ رہ جاتا ہے چنانچہ اس شخص نے میری اس بات کو بہتر کہا اور جب وہ مبارک قبروں پر کنکر ڈالنے کے لئے اس دروازے میں داخل ہونے لگے تو وہ بھی ان کے ساتھ تھا' انہوں نے کنکریاں وہیں ڈالیں جہاں میں نے کہا تھا اور شروع کرتے وقت انہوں نے وہی صورت سامنے رکھی جو مبارک قبروں کی ہے یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضور ﷺ کے کندھوں کی پچھلی طرف اور

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھوں کی پچھلی طرف ہے چنانچہ دونوں قبروں پر انہوں نے یونہی کنکر ڈالے' ان میں کنکر ڈالنے والا ایک شخص حنفی تھا (متولی کا داماد) لہٰذا اس نے کوہان بنا دی اور یہ کام انہوں نے مذکورہ جگہ میں بہت سارا عود اور عنبر وغیرہ کئی قسم کی خوشبوئیں سلگانے کے بعد کیا' اس مقامِ پاک میں خوشبو سلگانے کا یہ کام عام طور کیا جاتا ہے' کسی نے کہا تھا:

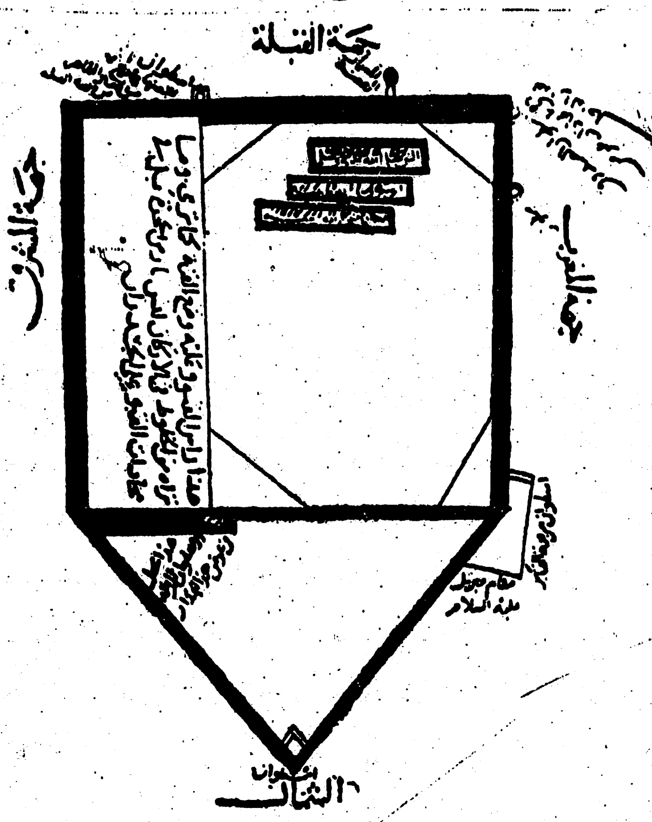
"رسولِ اکرم ﷺ کی خوشبو سے نسیم کو خوشبو ملتی ہے ورنہ کستوری' کافور اور تر و تازہ عود کی حیثیت ہی کیا ہے؟"

پھر بہت سے لوگوں نے اس چھوٹے دروازے سے کئی کاغذ لکھ کر اندر ڈالے تاکہ نبی کریم ﷺ کی شفاعت حاصل ہو اور حجرہ مبارکہ کی برکت سے حاجتیں پوری ہوسکیں اور اس کے بعد انہوں نے وہ دروازہ بند کر دیا اور باقی دیوار کی طرح اسے مضبوط کر دیا اور پھر گنبد شریف اور اس کی تمام دیواروں پر باہر کی طرف سے چونا لگا دیا چنانچہ وہ نہایت خوبصورت ہوگیا اور اس پر پاکیزہ جگہ کا انس و محبت نظر آنے لگا پھر انہوں نے اس کے اوپر کی طرف تانبے کا چاند لگا دیا جو دیکھنے والے کو سونا معلوم ہوتا تھا اور وہ پہلی مسجد کی چھت کے قریب تھا کیونکہ یہ گنبد اس کے نیچے تھا اور اس کے بعد انہوں نے باہر کی دیوار کا باقی رہ جانے والا شگاف بند کر دیا۔

اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا اور حجرہ مبارکہ کے کچھ حصے کی تعمیر کے وقت بھی وہیں تھا' میں نے بھی برکت حاصل کرنے کے لئے کام میں ہاتھ بٹایا تھا' اس کے علاوہ میں نے' امن و سلامتی کی وجہ سے کہیں اور حصہ نہیں لیا پھر میں نے اس بابرکت جگہ کے بارے میں کچھ بچگانہ اشعار لکھے جو وسیع کرم فرمانے والے' بلند مرتبہ حبیب' شفاعت فرمانے والے اور اس مضبوط ٹھکانے والے کی خدمت میں پیش کئے' جن میں سے پہلا یہ ہے:

"ذرا ان گھروں میں تو ٹھہرو' یہ حرم کے بلند مرتبہ لوگوں کے ہیں' اس ہمیشہ زندہ رہنے والی شخصیت کو سلام پیش کرو جن کا تعلق اضنم والوں سے ہے۔"

اس کام سے فارغ ہونے اور ظاہری دیوار کے ختم کرنے کی تاریخ اسی سال (۸۸۱ھ) ۷ شوال جمعرات تھی انہوں نے اس گنبد کی دیواروں' مسجد کی عمارتوں' مسجد کے منارہ' مسجد کی کچھ نئی چھتیں بنانے' اس پانی کا بندوبست کرنے (جو بارشوں کی وجہ سے مسجد کے گرد جمع ہو جاتا تھا) کے لئے بہت سا مال خرچ کیا اور لوگوں کے لئے سب سے زیادہ فائدہ مند کام مذکورہ پانی کو سنبھالنا تھا چنانچہ اس کا بہت زیادہ فائدہ پہنچا اور یہ سب کچھ سلطانی اشرفی دفتروں میں لکھا ہوا ہے۔ یہ سارا کام متولی جناب شمس کی زیرِ نگرانی انجام پایا اور یہ ہے وہ تصویر جس کے مطابق یہ عمارت بنی' حجرہ مبارکہ اور مبارک قبروں کی صورت کچھ یوں ہے۔



پھر دوسری آتشزدگی کے بعد اس دوسرے گنبد کی تعمیر کے موقع پر جو نیلگوں گنبد کی جگہ بنایا گیا' مغرب کی طرف مقام جبریل کے پاس حجرہ مبارکہ کی ظاہری دیوار کے متصل ایک ستون اور محراب بنائے گئے اور یونہی اس کے مقابل مشرق میں بھی ستون اور محراب بنائے گئے۔

فصل نمبر۲۹

اس عمارت کے بعد ہمارے دور میں آتشزدگی اور اس کے اثرات

اس مضمون کا میں یہاں الحاق کر رہا ہوں اور ساتھ وہ کچھ بھی لکھوں گا جس کا پہلی فصلوں میں اشارہ کر چکا ہوں کیونکہ اس وقت میں اپنی اس کتاب کا مسودہ تیار کر چکا تھا' میں عمرہ کے لئے ماہِ رمضان ۸۸۶ھ کی پہلی تاریخ کو مکہ مکرمہ چلا گیا تھا کہ اسی دوران' سچے دوستوں کی طرف اس آگ کے بارے میں کئی خط آئے اور پھر جس نے یہ موقع آنکھوں سے دیکھا تھا' اس نے بھی' سامنے بیٹھ کر بتایا کہ یہ عظیم اور پریشان کن واقعہ گذر گیا ہے کہ رمضان شریف کی تیرہ تاریخ کو

رات کے اوّل تہائی حصہ کے آخر میں مسجد نبوی شریف آگ کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔

ہوا یوں کہ اذان پڑھنے والوں کے رئیس اور صدر المدرسین شمسی شمس الدین محمد بن خطیب اس وقت منارہ رئیس (مشرق میں) میں کلمہ شریف کا ذکر کر رہے تھے' دوسرے مؤذن اپنے اپنے مناروں پر چڑھ چکے تھے کہ اچانک گھٹائیں چھا گئیں اور آسمانی بجلی اس دھماکے سے کڑکی جس سے سوئے ہوئے بیدار ہو گئے' ایک انگارا سا گرا جس سے منارہ کا چاند اُڑ گیا اور مسجد میں جا گرا' اس سے آگ کے شعلے نکل رہے تھے پھر منارہ کا سرا پھٹ گیا' وہ رئیس بے ہوش کر فوراً وصال کر گئے' دوسرے مناروں والوں نے انہیں آواز دی تو اُس نے کوئی جواب نہ دیا ان میں سے ایک نے پتہ چلایا تو فوت ہو چکے تھے' آسمانی بجلی کڑک کے بعد مسجد کی اوپر والی چھت' منارہ رئیسیہ اور حجرہ مقدسہ والے گنبد کے درمیان گری اور ڈھال جتنا شگاف ڈال دیا' آگ اس پر اور نچلی چھت پر لگ گئی' خادموں نے روزانہ کے وقت سے پہلے ہی دروازے کھول دیئے' ابھی روشنی بھی نہ کی تھی اور آواز دی کہ مسجد میں آگ لگ چکی ہے۔

یہ سن کر امیر مدینہ اور اس کے گھر والے مسجد میں آ گئے' کچھ لوگ آگ بجھانے کے لئے پانی لے کر اوپر چڑھ گئے۔ آگ کے شعلے تیزی سے دونوں چھتوں پر بھڑک رہے تھے' انہوں نے شمال اور مغربی حصوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا' لوگ آگ بجھانے سے عاجز آ گئے' جب بھی ارادہ کرتے' شعلے اور تیز ہو جاتے چنانچہ سوچا کہ اسے کاٹنے کے لئے سامنے والے چھت کے حصے کو گرا دیا جائے لیکن آگ فوراً وہاں پہنچ گئی اور پوری مسجد میں زبردست اندھیرا چھا گیا' بہت سے لوگ برداشت نہ کر سکے اور مسجد سے نکل بھاگے اور یوں وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ اور لوگ مسجد کی چھت سے شمال کی طرف بھاگے' پانی والے ڈولوں کی رسیوں کے ذریعے مسجد کے باہر پانی پلانے کی جگہوں اور گھروں میں اُتر گئے اور کچھ گر کر ہلاک ہو گئے۔ کچھ لوگ مسجد کے سوراخوں سے اُترنے کے لئے دوڑے جن میں کچھ ہلاک ہو گئے' کچھ نے مسجد کے صحن میں پناہ لی اور ساتھ وہ لوگ بھی تھے جن کے اور مسجد کے دروازوں کے درمیان آگ گئی۔ ان لوگوں میں ہمارے شیخ اور عالم صدر المدرسین شمسی شمس الدین محمد بن مسکین عوفی بھی تھے۔ وہ چند دن کے بعد فوت ہو گئے کیونکہ دھوئیں کی وجہ سے انہیں سانس مشکل سے آتا تھا اور بخار کی شکایت تو پہلے ہی سے تھی۔

خادموں میں سے زینی شند نائب خازن دار الحرم بھی فوت ہو گئے' کچھ لوگ جلے ہوئے ملبے کے نیچے دب کر فوت ہو گئے' یہ فقیر اور سوڈان کے رہنے والے تھے۔ آگ کی وجہ سے فوت ہونے والے کل افراد دس سے کچھ زیادہ تھے اور جو بچ رہے' ان کا بچ جانا حیران کن تھا کیونکہ آگ اتنی عظیم تھی کہ آگ کا گہرا دریا معلوم ہوتی تھی' ہر طرف چیخ و پکار تھی اور زبانیں منہ کو آ رہی تھیں۔ اس کے شعلے دور ہی سے اثر کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد میں موجود کھجور کے درختوں پر بھی اثر کیا پھر ان میں سے کچھ حصہ منارہ رئیسیہ پر جا لٹکا تو وہ بھی جل گیا' آگ نے رئیس شمس الدین محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے کپڑوں کو جا لیا تو وہ فوت ہونے کے بعد جل گئے۔

آگ بڑے بڑے شعلے برسا رہی تھی اور وہ شعلے مسجد کے قریبی گھروں پر بھی گر رہے تھے لیکن نقصان نہیں

کرتے تھے ایک شعلہ سامان پر بھی گرا لیکن وہ سامان جل نہ سکا پھر مسجد کی چھت کے نیچے سے کتابوں کے بعض ذخیرے لا کر مسجد کے صحن میں رکھے گئے' آگ کے شعلے وہاں بھی پہنچے اور انہیں جلا دیا۔ بہت سارے لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے مرغابی جیسے سفید رنگ کے پرندے دیکھے جو آگ کے گرد گھوم رہے تھے جیسے وہ لوگوں کے گھروں سے شعلوں کو روک رہے ہوں۔

پھر امیر مدینہ شریف السید الشریف زین الدین فیصل جمازی نے بتایا کہ ایک سچ گو عربی شخص نے ۱۲ رمضان کی رات کو خواب دیکھی کہ آسمان میں ٹڈیاں بکھری ہوئی ہیں' ان کے پیچھے آگ لگی ہوئی ہے کہ اتنے میں نبی کریم ﷺ آگ کو پکڑ لیتے ہیں' فرماتے ہیں کہ میں اسے اپنی اُمت سے روک رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اُمت کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے۔

یہ تھی اہلِ مدینہ کو ملنے والی عظیم دہشت اور حیرت جس میں انہوں نے اس آگ کو ہولنا کی دیکھی اور بھیانک منظر دیکھا' لوگوں نے سمجھ لیا کہ وہ آج ہلاک ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ شعلے پہنچنے پر گھروں سے نکل گئے' کچھ بقیع کی طرف والے باب مدینہ سے نکل گئے اور کچھ اس دروازے سے نکل گئے جو مصلّٰے کی طرف تھا' وہ خیال کر رہے تھے کہ آگ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

حضرت شمس عثمانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پورے مدینہ میں ہر طرف رونے اور چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں اور لوگ گڑگڑا کر دُعائیں کر رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آگ کا معاملہ عجیب تھا' سنی چیز دیکھی ہوئی کے برابر نہیں ہوتی' پوری مسجد تنور بن گئی تھی آن کی آن میں آگ نے مسجد کی چھت کو گھیر لیا' دروازے' کتابوں کے صندوق' وغیرہ سب جل کر راکھ ہو گئے صرف وہ بچ گیا جو جلد نکال لیا تھا لیکن وہ بہت تھوڑا تھا' مسجد کے صحن والا گنبد بھی جلنے سے بچ گیا۔ پہلی آتشزدگی میں بھی بچ گیا تھا۔ میں نے اپنی کتابیں الگ تھلگ ایک کمرے میں رکھی تھیں جہاں میں رہتا تھا' یہ کمرہ مسجد کے آخر میں تھا' مجھے اس کے جلنے کی اطلاع دی گئی' اسی میں یہ اصل کتاب بھی تھی' علاوہ ازیں اور نفیس قسم کی کتابیں بھی تھیں' یہ کوئی تین سو جلدیں تھیں' اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا اور میں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اسے محسوس بھی نہ کیا' ان کتابوں سے زیادہ مجھے مدینہ سے تعلق اچھا لگتا ہے اور پھر یہ بھی اس کا احسان ہے کہ میں اس وقت اس ہولناک موقع پر موجود نہ تھا کیونکہ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب میں حرمِ مکہ میں پہنچ چکا تھا حالانکہ رمضان میں میں کبھی مدینہ منورہ سے نہ نکلا تھا بلکہ شب و روز مسجد نبوی میں اوّل سے آخر تک رہتا تھا اور یہ تھا وہ سبب جس کی وجہ سے مجھے اس پریشانی سے نجات مل گئی۔

جب حجرہ مبارکہ کے برابر والی اوپر کی چھت پر شعلے بھڑکے تو گنبد سے سکہ پگھل گیا' اس کی لکڑیاں جل گئیں' اوپر چھت کے برابر والا نچلا حصہ بھی جل گیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز کی لگوائی وہ جالی بھی جل گئی جس کے اوپر غلاف تھا اور نہ معلوم کتنا کچھ نچلے گنبد پر آ گرا جس کی نئی تعمیر کا بیان گذر چکا ہے۔ صبح ہوئی تو لوگوں نے گنبد پر گرے ملبے سے

آگ بجھانا شروع کی اور دن بھر بجھاتے رہے چنانچہ گنبد شریف صحیح سلامت رہا حالانکہ اس میں کچھ وہ سفید پتھر بھی لگا ہوا تھا جو آگ کو بہت جلد پکڑ لیتا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا عظیم معجزہ تھا کیونکہ مسجد کے بہت سے ستون سکہ پگھل جانے سے گر کر ٹوٹ پھوٹ گئے تھے' یہ سیاہ سکے سے تیار کئے ہوئے تھے' اس کے باوجود یوں ٹوٹے جیسے چونے کے پتھر ہوتے ہیں۔ان کی تعداد ایک سو بیس سے کچھ زیادہ تھی اور جو بچ گئے تھے' ان پر آگ کا اثر واضح دکھائی دیتا تھا نیز وہ ستون بھی سلامت رہے جو حجرہ مبارکہ کے ساتھ متصل تھے۔اللہ ہی نے حجرہ مبارکہ محفوظ رکھا جس پر وہ لائق حمد وثناء ہے اور پھر وہ مقصورہ جل گیا جو حجرہ مبارکہ کے گرد تھا نیز منبر بھی جل گیا اور ریاض الجنہ میں رکھا صندوق بھی جل گیا جو مصلّٰی کے سامنے تھا' ساتھ ہی اس کے اوپر والا محراب بھی جل گیا' مسجد کے اکثر ستون گر گئے' جو بچ رہے وہ بھی گرنے کے قریب تھے' منارۂ رئیسیہ کا اوپر والا حصہ بھی جل گیا' پھر انہیں خطرہ تھا کہ کچھ اور بھی گر جائے گا لہٰذا انہوں نے باقی میں سے تہائی حصہ گرا دیا۔

اس کے بعد انہوں نے سلطان مصر ہمارے آقا الاشرف' شاہِ حرمین قایتبائی کو ۱۶ رمضان کے دن اطلاع بھیجی اور نائب نگران کی رائے یہ تھی کہ مسجد کے سٹوروں کے دروازے بند کر دیئے جائیں اور وہ سٹور بھی بند کر دیا جائے جس میں چراغ جلانے کا تیل رکھا تھا۔ان کی رائے یہ تھی سلطان کے احکام پہنچنے تک ملبہ اسی طرح رہنے دیا جائے کیونکہ اسے ہٹانے میں لوگوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ تھا۔سب کی رائے یہ تھی کہ مسجد کا اگلا حصہ صاف کر دیا جائے اور حجرہ مبارکہ کے اردگرد کا حصہ چھوڑ دیا جائے کیونکہ قندیلوں کے گرنے کا اندیشہ تھا حالانکہ وہ ملبہ تھوڑا سا تھا' انہوں نے اس کے گرد اینٹوں کا پردہ لگا دیا۔مسجد کے اگلے حصے کا ملبہ انہوں نے باب الرحمہ کے آخر میں لا رکھا۔اس کام میں امیر شہر' قاضیوں' اشراف لوگوں' عورتوں اور بچوں سمیت بے شمار لوگوں نے رضا کارانہ طور پر حصہ لیا' صرف وہ خواتین اس میں حصہ لینے سے رہ گئیں جو سخت پردہ دار تھیں۔

پھر پہلے منبر کی جگہ پر انہوں نے اینٹوں سے منبر بنا دیا اور اسی وقت سے مصلائے نبوی کے سامنے نمازیں پڑھنا شروع کر دیں' باب جبریل کے علاوہ مسجد میں داخل ہونے کے لئے چھوٹے دروازے لگا دیئے کہ لوگ مسجد میں داخل ہو سکیں' ان کے علاوہ باقی سب دروازے بند کر دیئے' خادموں نے مسجد میں خیمے گاڑ دیئے کیونکہ مسجد میں سائے کا انتظام نہ تھا' کچھ اہلِ خیر نے اپنی طرف سے کئی قندیلیں جلانے کا انتظام کر دیا حالانکہ سٹور میں کافی تیل موجود تھا البتہ اسے نکالنا مشکل تھا کیونکہ اسے بند کر دیا گیا تھا' حجرہ مبارکہ کے گرد اور چہرۂ انور کے سامنے جہاں زائرین کھڑے ہوتے تھے' وہاں پڑے ملبے میں آگ جلتی رہی' ایک دھواں دیکھنے والے شخص نے بتایا کہ اس مقام شریف سے وقفے وقفے کے بعد دھواں دکھائی دیتا تھا۔

پھر شوال کے دوران قاضیٔ مالکیہ حضرت شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواب دیکھی کہ انہیں کوئی کہہ رہا ہے: حجرہ مبارکہ سے آگ بجھا دو یعنی اس مقام سے جہاں سے اس کے اردگرد انہوں نے صفائی کرنا چھوڑ دی تھی؛

انہوں نے تلاش کی تو آٹھ جگہوں پر آگ موجود تھی لہٰذا اسے بجھا دیا پھر انہوں نے سوچا کہ جب تک ملبہ صاف نہیں کیا جائے گا' آگ کی بنیاد یونہی موجود رہے گی چنانچہ انہوں نے اسے صاف کرنے کا تہیہ کر لیا حالانکہ نائب ناظر مکمل طور پر خاموش تھے۔

اس کام کے لئے انہوں نے قابلِ بھروسہ خادموں' فقہاء اور فقراء کو مقرر کر دیا' بہتر تھا کہ اس کام کو اولیت دیتے لیکن کیا کیا جائے کہ ہر کام کے لئے روکاوٹ ہوتی ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں کیا کرنے والا ہے اور جب انہوں نے صفائی کی تو سر انور کی طرف رکھے جانے والے صندوق' غلاف کا ایک پہلو اور کچھ بچھونے صحیح سلامت تھے کیونکہ ان پر ملبہ گر گیا تھا اور وہ قندیلیں بھی مل گئیں جن کی وجہ سے اس مقام کی صفائی سے ڈر لگتا تھا پھر حجرہ مقدسہ کے گرداگرد مقصورہ شریف کی جگہ اینٹوں سے دیوار کر دی' اس میں جالیاں لگا دیں' سوراخ رکھ دیئے اور دروازے لگا دیئے۔ یہ خرچہ ایک خاتون وغیرہ نے برداشت کیا' معماروں نے آدھی اجرت لی حالانکہ خزانے میں کافی رقم موجود تھی پھر اس عورت وغیرہ نے حجرہ مبارکہ کے لئے سفید کپڑے کا غلاف بھی پیش کیا جو اس پر ڈال دیا گیا۔

اس واقعہ میں اہلِ بصیرت کے لئے ایک سبق موجود تھا کہ وہ ایک عظیم کام کے ذریعے لوگوں کو ڈراتا ہے چنانچہ اس نے اس کے لئے حضور ﷺ کا گھر منتخب کیا جو "نذیر" کے نام سے مشہور ہیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اُمت کے سارے اعمال آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جب ہمارے برے اعمال پیش ہوتے ہیں تو اس آگ کے ذریعے ڈرایا جاتا ہے جو پیش ہوتی ہے تو اسے اس کا حکم ملتا ہے۔اس واقعہ کے بعد میں ہمیشہ خوفزدہ رہا کیونکہ پوری نصیحت حاصل نہیں کر سکا' اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا۝ (سورۃ الاسراء:۵۹)

"اور ہم ایسی نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو۔"

نیز فرمایا:

ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ۝ (سورۃ زمر:۱۶)

"اس سے اللہ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو' اے میرے بندو! تم مجھ سے ڈرو۔"

گویا زبان خداوندی آواز دیتی ہے کہ دیکھ کر اور سن کر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ کیا رکتے اور باز نہیں آتے ہو؟ اس عظیم مقام کو نہیں دیکھتے ہوا سے عظیم تعلق حاصل ہے' بڑا مرتبہ و مقام رکھتا ہے' جب تم گناہگار لوگوں کے گناہ یہاں پہنچتے اور تم جیسے غافل لوگوں کی پلیدی پہنچتی ہے تو میں نے آسمان سے آگ کا دریا اتار دینا ہوتا ہے کہ اسے یہاں سے صاف کر دے اور تمہیں گناہوں پر برقرار رہنے سے ڈرائے' تم جانوں پر بوجھ والے کام نہ کرو' تمہاری نظریں' اللہ کی عام قدرت کا ملاحظہ کریں' تمہیں پہلے سے عبرت کا سبق دیا جائے اور اس سے قبل ہی تم اپنے کئے پر افسوس کرو اور جو اس ڈرانے کے باوجود نہیں رُکتا اور اس عظیم آگ کی روشنی سے ہدایت حاصل نہیں کرتا' تو اسے دیکھنا

چاہئے کہ قدیم آگ کے بعد میں نے کیا کیا پھر اسے غور کرنا چاہیے کہ اس دردناک عذاب کے مقابلے میں تمہاری کمزوری کس قدر ہے؟

مکہ میں سیلاب

یہ عجیب بات تھی کہ ابھی یہ ملبہ اُٹھا کر مسجد کی پچھلی طرف ڈالا بھی نہیں گیا تھا کہ ہر طرف سے حاجی لوگ زیارت کے لئے آ گئے اور انہوں نے بھی یہ بڑا سبق آموز موقع دیکھ لیا' انہوں نے اپنی آنکھوں سے ملبے کے بنے ٹیلے دیکھ لئے اور پھر اس سے اگلے سال ذوالقعدہ ہیں کہ ابھی حاجی مکہ میں داخل بھی نہ ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں عظیم سیلاب بھیجا جس نے دو پہاڑوں کا درمیانی حصہ بھر دیا' ابوابِ کعبہ سے اوپر ہو گیا اور کعبہ کے اندر داخل ہو گیا اور قد انسانی سے بھی اوپر آ گیا' بہت سے گھر گرا دئے' کہتے ہیں کہ یہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے اور اس کی وجہ سے اس قدر مالی و جانی نقصان ہوا جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔انہوں نے مسجد کی صفائی کے بعد دیکھا کہ صرف اس مسجد کے ملبہ کے نیچے اسی کے قریب لوگ ہلاک ہو چکے تھے' کچھ سو سے زیادہ تھے۔اس سے قبل میں نے دور جاہلیت و اسلام میں اتنا زبردست سیلاب لکھا نہیں دیکھا۔

انہوں نے ملبہ اُٹھانے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ یہ حاجیوں کے آنے سے پہلے اُٹھایا نہیں جا سکے گا' مسجد حرام میں ٹیلے بن چکے تھے' اتنے میں حاجی آنا شروع ہو گئے اور ان سب نے آنکھوں سے یہ سماں دیکھا۔وہ ذات کتنی پاکیزہ ہے' ہر کام اسی کے قبضہ میں ہے' کئے کام کے بارے میں اس سے سوال کرنا ممکن نہیں' البتہ باقی ساری مخلوق سے وہ خود سوال کر سکتا ہے۔

سیلاب مکہ پر اہلِ رودس نصرانیوں کی خوشی

جب اس سیلاب کی اطلاع نصاریٰ کے شہر رودس میں پہنچی تو وہ بہت خوش ہوئے انہوں نے خوبصورت کپڑے وغیرہ پہنے اور ناقوس بجائے۔ابھی یہ دن گذرا بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے عظیم زلزلے بھیج دئے جس سے ان کے شہر کی فصیل گر گئی' گرجا تباہ ہوا اور بہت سارے مکان برباد ہو گئے' اس کے علاوہ بے شمار لوگ ہلاک ہو گئے' زلزلے کئی دن تک چلتے رہے۔مجھے ان کے بارے میں اسکندریہ سے آنے والے سچے لوگوں کے خطوں سے پتہ چلا' انہوں نے بتایا کہ انہیں یہ اطلاع ان لوگوں نے دی جو سوار ہو کر رودس سے آئے تھے' وہ اس وقت وہاں سے نکلے کہ زلزلے مسلسل جاری تھے۔وہ لوگ زندہ بچ جانے والوں کو شہر سے باہر پہنچا کر لوگوں کو ملبے کے نیچے سے نکال رہے تھے۔آپ لوگ ان معجزاتِ نبویہ کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں' یہ الٰہی نشانیاں تھیں۔

سلطانِ مصر کو آتشزدگی کی اطلاع پہنچی

جب پیغام لے جانے والا شخص مصر پہنچا اور شاہِ مصر کو اطلاع ہوئی تو اسے یہ خبر ناگوار گذری چنانچہ فوری طور پر

اس نے صفائی کرنے کے احکام جاری کیے۔اس نے دیکھا کہ اگر اللہ اس کی تعمیر کا اسے اہل بنا دے تو یہ بڑا عظیم کام ہو گا اور ناموری کا باعث ہو گا' یہ اللہ کی طرف سے اس کے لئے ایک عزت ہو گی' یہ اس کے اعمالنامے میں درج ہو جائے گی جس سے اسے فائدہ پہنچے گا چنانچہ اس نے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے ایک افسر سیفی امیر سنقر جمالی کو سو سے زیادہ لوگ دے کر بھیجا جن میں معمار' بڑھئی' آری چلانے والے' تیل کا استعمال کرنے والے' پتھر گھڑنے والے' کھدائی کرنے والے' لوہے کا کام کرنے والے اور مرمر لگانے والے لوگ شامل تھے' بہتر سے زیادہ گدھے اور اونٹ بھیجے۔ان کے ساتھ اپنے بھائی اشرفی شجاعی شاہین اور امیر قاسم' فقیہ' شیخ حرم بیس ہزار دینار لے کر پہنچے' سلطان نے طور ینبع اور مدینہ میں اوزار وغیرہ بھیجنے کے لئے تیار رکھے۔پھر مدینہ شریف میں کام کرنے والے پہلے متولی الجناب العالی الخواجگی شمسی شمس الدین بن زمن کو ربیع الاوّل کے دوران بھیجا۔ان کے ہمراہ دو سو اونٹ' ایک سو گدھے اور تین سو سے زائد پہلے والے کاریگر بھیجے جن میں بوجھ اُٹھانے والے' سفیدی کرنے والے' جالیاں لگانے والے اور دیگر کاریگر بھیجے اور سفر پر روانہ ہونے سے پہلے انہیں کچھ سفر خرچ دیا' اس نے خشکی اور بحری راستوں کے ذریعے سامان بھیجنا جاری رکھا' شاید ہی کوئی سستی ہوئی ہو چنانچہ انہوں نے پوری کوشش سے کام شروع کر دیا۔

سب سے پہلے انہوں نے منارۂ رئیسیہ گرایا جسے آگ سے نقصان پہنچا تھا اور بنیادوں تک کھو دیا پھر مسجد کی دیوار کو باب السلام کے نزدیک ستون سے قبلہ کی دیوار کے آخر تک گرا دیا اور ساتھ ہی اس سے متصل مشرقی دیوار باب جبریل تک گرا دی اور وہ دیوار بھی گرا دی جو مغرب میں منارہ سے شروع ہو کر باب الرحمہ تک جاتی تھی۔منارۂ رئیسیہ نئے سرے سے بنایا اور مسجد کی مذکورہ دیوار بنا دی' مسجد کے عرض میں تھوڑا سا اضافہ کیا اور محراب عثمانی کو وسیع کر دیا' مسجد کے اگلے حصہ کی چھت ایک کر دی اور اس سے قبل منارے چھوٹے کر کے ان پر اینٹوں سے ستون بنا کر' اوپر لکڑیوں کی چھت ڈال دی تھی اس سے پہلے مذکورہ ستون مسجد کی چھت سے یوں ملے ہوئے تھے جیسے مشرق و مغرب اور شام کے بقیہ حصہ والے ملے تھے پھر ستون کے دوسرے ملا کر محراب عثمانی کے اوپر ستونوں کے سروں پر گنبد بنایا تا کہ اس گنبد کو مضبوط کیا جا سکے اور پھر اس ستون کو وہاں سے نکال دیا جو اس ستون کی سیدھ میں تھا جو مصلّائے نبوی کے سامنے موجود تھا' یہ اس کے اور محراب عثمانی کے درمیان واقع تھا پھر حجرہ مبارکہ کے عین اوپر اس کے گردا گرد عظیم گنبد بنایا جو مسجد کی زمین پر بنے ستونوں اور اینٹوں سے بنی برجیوں پر رکھا گیا' یہ اس نیلگوں گنبد کی جگہ تھا جو آتش زدگی میں جل گیا تھا' وہ نیلگوں گنبد ستونوں کے سروں پر تھا جیسے ستائیسویں فصل میں آ چکا اور وہاں ہم نے بیان کر دیا تھا کہ کچھ ستون بنانے کی وجہ سے مسجد میں تنگی پیدا ہو گئی تھی چنانچہ انہوں نے مسجد کی مشرقی دیوار کی چوڑائی جتنا باہر نکال دیا لیکن باب جبریل کو وہیں باقی رہنے دیا۔

پھر حجرہ مبارکہ کی مثلث کی جانب میں ایک اور ستون بنایا تا کہ وہ بنیاد مضبوط ہو سکے جس پر اس طرف گنبد رکھا تھا۔اس گنبد کے لئے انہوں نے گہری بنیاد کھودی جس کی وجہ سے وہ قبر نظر آنے لگی جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے پھر دو ستون اور برجیاں ان دو ستونوں کی جانب زیادہ کر دیں جو چہرۂ انور کے سامنے موجود ہیں' اس سلسلے میں انہوں نے چہرۂ انور کے سامنے والی جگہ کی تنگی کی پرواہ نہیں کی جو مقصورہ وغیرہ میں ہوئی تھی کیونکہ انہیں گنبد گر جانے کی فکر دامنگیر تھی اور جب انہوں نے منارۂ رئیسیہ گرایا تو اس میں ایک سٹور سا بنا دیکھا جس میں پہلے لوگوں نے پہلی آتشزدگی کے بعد قرآنِ کریم کے جلے ہوئے کاغذ رکھ دیئے تھے اور اوپر سے اسے بند کر دیا تھا چنانچہ یہ کاغذ وغیرہ لے کر انہوں نے اس گنبد کے اوپر وہاں رکھ دیئے جہاں گنبد ختم ہوا تھا' اسی وجہ سے وہاں شگاف بننا شروع ہو گیا تھا لہٰذا ان سے کہا گیا کہ یہ شگاف ان کاغذوں ہی کی وجہ سے پڑا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۝ (سورۂ حشر:۲۱)

''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا' پاش پاش ہوتا' اللہ کے خوف سے۔''

یہ سن کر انہوں نے وہ اوراق وہاں سے نکال لئے۔ اس فیصلہ سے میں بہت حیران ہوا۔

ایک اور عجیب بات یہ ہوئی کہ میں نے تعمیر شروع ہونے سے قبل اپنی والدہ اور اہل وعیال کے پاس مصر جانے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا لہٰذا میں ان موقعوں پر موجود نہ تھا' اللہ نے میری قسمت میں والدہ اور اہل سے ملنا لکھا تھا' میرے آنے کے دس راتوں بعد والدہ فوت ہو گئیں' میں سولہ سال سے اپنی بیوی سے نہ مل سکا پھر اللہ نے احسان فرمایا اور میں مدینہ میں واپس آیا' مجھے جلی کتابوں کی جگہ ضروری کتابوں کی ضرورت تھی۔ آ کر میں نے دیکھا تو وہ گنبد اور مسجد کا اگلا حصہ تعمیر کر چکے تھے اور مشرق سے شام کی جانب تک انہوں نے گنبد کی لکڑیاں لگا دی تھیں' چھت کی جگہ انہوں نے چبوترہ سا بنا دیا تھا نیز حجرہ مبارکہ اور قبلہ والی دیوار کے درمیان ہلکا سا گنبد بنا دیا تھا اور اس کے گرد تین اور بنائے تھے جنہیں ''مجاریذ'' کہتے تھے' ان گنبدوں کی محرابوں اور نئے منارہ رئیسیہ کے درمیان انہوں نے ہوا اور روشنی کے لئے روشن دان بنا لئے تھے' اس منارہ کا دروازہ مغرب کی طرف تھا جسے انہوں نے شام کی طرف منتقل کر دیا اور پھر اس کے سامنے زمین پر چار سیڑھیاں بنا دیں نیز اس کی ایک جانب سامان رکھنے کی جگہ (خزانہ) بنا دیا پھر پہلے دروازے والی جگہ میں ایک ایسی جگہ بنا دی جہاں خطیب خطبۂ جمعہ دینے سے پہلے بیٹھ سکے۔ وہ وہاں خالی وقت میں بیٹھتے پھر باب السلام کی طرف اندر کی جانب انہوں نے دو قبے بنائے۔ یہ دروازہ انہوں نے سفید و سیاہ مرمر سے بنایا تھا اور بہت سجایا ہوا تھا' دوسرے قبے بھی ایسے ہی تھے' مسجد کے اگلے حصے کی زمین نیچی کر دی اور وہ مصلّٰی شریف کی جگہ کے برابر ہو گئی' اس کے لئے انہوں نے وہاں رکھے صندوق کی جگہ محراب بنا دیا اور اسے مرمر سے خوبصورت بنایا' اسی طرح محرابِ عثمانی کو بھی خوبصورت کر دیا' حجرہ مبارکہ اور اس کے اردگرد پر مرمر لگا دیا اور قبلہ والی دیوار پر بھی مرمر لگایا' وہ عمارت دور کر دی جسے اہل مدینہ نے مقصورہ کی جگہ پر بنایا تھا جس نے حجرہ مبارکہ کو گھیرا ہوا تھا اور قبلہ کی طرف تبدیلی کرتے ہوئے تانبے کی بالیاں لگا دیں اور اس کی اوپر والی جگہ پر تانبے کی بنی ہوئی جالی لگا دی پھر حجرہ کے باقی حصے پر شام کی طرف لوہے کی

جالی لگائی جو حجرہ کی مثلث کی داہنی طرف ذرا فاصلے پر تھی' اس کی بائیں جانب دو دروازے تھے۔ پھر منبر اور مؤذنوں کے لئے مرمر کا چبوترہ بنایا نیز باب الرحمہ اور باب النساء کی طرف آخر میں بھی دو چبوترے بنائے جن میں سے ایک چھتے ہوئے غربی حصے میں اور دوسرا مشرقی جانب تھا' انہیں شامی چبوترہ سے نیچا رکھا مسجد کا سہارا دیا اور مشرقی دیوار کو بناتے وقت کتابوں کے لئے الماریاں' اوپر کی طرف بڑے بڑے روشن دان اور گول کھلے سوراخ رکھے جن سے کھلی روشنی داخل ہو سکے حالانکہ اس سے قبل دیواروں کی اوپر والی جانب صرف ایک جالی تھی پھر اسی طرح کے روشن دان قبلہ والی دیوار میں بھی رکھے' ان طاقوں کی ابتداء میں اینٹیں لگائیں۔اس کی ضرورت اس لئے پڑی کہ مسجد کے اگلے حصے کے ستون چھت سے ملے ہوئے تھے اور وہاں ڈاٹ نہیں تھے' صرف دو برآمدوں کے درمیان کھلی جگہ تھی جسے الناصر نے بنایا تھا اور مسجد کے اگلے حصے میں گرنے والے ستون بہت سے تھے کیونکہ گرانے کے وقت دو چھتوں کے درمیان والی محرابیں گر گئی تھیں لہٰذا انہوں نے مشورہ کیا یہ ستون چھوٹے بنا کر انہیں محرابوں کے ذریعے چھت سے ملا دیا جائے' اس طرح یہ ڈاٹیں روشنی پہنچائیں گی چنانچہ طاقوں کی جگہ انہوں نے یہ بنا دیں۔پھر مسجد کے متولی نے ان گھروں کی تعمیر شروع کی جو مسجد کے قبلہ کی جانب تھے اور جنہیں ''دور العشرہ'' کہا جاتا تھا تاکہ سلطان کے نام سے مدرسہ بنا دیں۔ان میں بھی اس نے متعدد جالیاں لگانے کا پروگرام بنایا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ارادہ تبدیل کر دیا' اس نے پتھر لگا کر سب جالیاں بند کر دیں اور دیوار جیسا بنا دیا پھر وہ روشن دان بھی بند کر دئے جو قبلہ کی دیوار میں رکھے تھے' صرف ایک رہنے دیا جو اس قبہ کے عین اوپر تھا جو محراب عثمانی پر بنایا گیا تھا پھر اس میں اور باقی روشن دانوں میں شیشہ اور تانبے کی جالیاں لگا دیں۔

پھر متولی نے سرائے بنائی جسے ''حصن عتیق'' کہتے تھے اور اس کی شامی جانب مدرسہ جو بانیہ اور مکان بنایا جسے ''دار الشباک'' کہتے تھے (یہ سب کچھ باب الرحمہ اور باب السلام کے درمیانی حصے میں بنایا گیا) یہ اس دیوار کے گرانے کے وقت بنایا گیا۔اس دیوار میں تین حصوں کے اندر جالیاں لگانے کے لئے کشادہ جگہ چھوڑی' یہ کشادگی تین مقامات پر چھوڑی گئی کیونکہ تیسری کشادگی باب السلام میں داخل ہونے والے کی دائیں طرف تھی اور اس جگہ تھی جہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا چھوٹا دروازہ تھا' اسے انہوں نے مسجد کی طرف بطور دروازہ بنایا اور یونہی دو ان کشادگیوں کی جگہ باب السلام کے درمیان انہوں نے مسجد کی طرف دو دروازے نکالے' یہ تین دروازے صرف مسجد کی طرف تھے نہ کہ مدرسہ کی طرف جو مسجد کے سٹور سے شروع ہوتا تھا اور پانچویں کشادگی (جو حضرت ابوبکر کے خوخہ سے تیسری تھی) کے لئے بھی انہوں نے مسجد کی طرف دروازہ رکھا اور ان کشادگیوں کے اوپر والے طبقہ میں تانبے کی جالی لگا دی جو صرف روشنی کے لئے تھی۔

جب متولی نے مسجد کے قبلہ والی دیوار میں جالیاں لگانے کا ارادہ کیا تھا تو اس طرف انہیں منتقل کرنے سے پہلے لوگوں نے ان پر اعتراض کر دیا تھا اور بات بڑھ گئی تھی چنانچہ متولی نے سلطان کو لکھا اور علماءِ مصر سے اس بارے میں فتویٰ مانگا تھا چنانچہ بہت سے علماء نے انہیں اس طرف منتقل کرنے کا فتویٰ دیا تھا تو اس نے اسے مان لیا تھا اور جو قرآن

وغیرہ ضائع ہو گئے تھے ان کی جگہ اور دیدئے اور ان میں سے کچھ میرے ہاتھ بھیجے تھے چنانچہ میں نے بہت سے قرآن درست کر لئے پھر اس نے ضرورت کا سامان بھیجنے کا وعدہ کیا اور توفیق ہونے پر امیر کبیر فخری کے پاس بھیجا جو مسجد کے نگران اور خدام مسجد کے شیخ تھے۔ وہ علم اور اہلِ علم حضرات سے محبت رکھتے تھے' قرآن کی تلاوت سے عشق تھا' اس سلسلے میں ان جیسا کوئی شخص نہ دیکھا گیا' وہ قرآنوں کی حفاظت خود کرتے یا خادموں سے کراتے' پھر چھوٹی کرسیاں بنوائیں جن پر ریاض الجنہ میں قرآن رکھے جاتے اور دن کی نمازوں میں وہ خود پڑھتے اور دوسرے لوگ بھی پڑھا کرتے۔ اس طرح وہ بہت مفید رہیں۔

جب مسجد تعمیر کے آخری مرحلے میں پہنچی تو انہوں نے سرائے اور مدرسہ بنانے کی طرف توجہ دی اور ان دونوں کی ایک جانب ایک منارہ کی بنیاد رکھی جو باب الرحمہ کے ساتھ ملتا تھا پھر اس ''حصنِ عتیق'' نامی سرائے کے علاوہ ایک اور سرائے تعمیر کرنا شروع کی نیز اس سرائے کے سامنے ایک حمام بنایا جس کی زمین انہوں نے باب السلام پر موجود وضو خانے کے نگران سے اجرت پر لی پھر مسافر خانہ' تنور' چکی اور کھانا پکانے کی جگہ (مطبخ) تعمیر کرنا شروع کی۔ سلطان نے حج سے واپس آکر مکان خریدنے شروع کئے اور انہیں وقف کر دیا تاکہ اس کی آمدن مدینہ شریف پر خرچ ہو اور اہلِ مدینہ میں بانٹی جائے اور پھر اس سے دستر خوان کا انتظام کیا جائے جیسے حضرت خلیل علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ساٹھ ہزار دینار دئے جیسے ہم نے تینتیسویں فصل میں ذکر کیا چنانچہ یہ مکان انہوں نے اسی لئے خریدے' یہ ایسا کام تھا جسے اس سے قبل کوئی نہ کر سکا۔ اس سے پہلے عرصہ سے مدینہ منورہ میں کوئی حمام بھی نہ تھا' نہ ہی چکی موجود تھی' یہ لوگ ہاتھ والی چکی سے کام لیتے تھے۔

پھر شاہ نے اپنے بااعتماد لوگوں کو لکھا کہ ان مکانوں کے لئے مکمل طور پر محصول کا بندوبست کریں اور ان کے لئے محصول کی حد ساڑھے سات ہزار ''اردب'' سالانہ ہونی چاہیے (اردب چوبیس صاع کا اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کلثوم شاہ نے اس وقف کے بعد مصر میں مکان بنائے تاکہ ان سے اس وقف کو طاقت دے سکیں پھر اس نے مدینہ کے ٹیکس بند کر دئے اور وہاں کے امیر کو معاوضہ دینا شروع کر دیا۔

مسجد نبوی کی تمام چھتیں رمضان المبارک کے آخری دنوں میں ۸۸۸ھ کو مکمل ہو گئیں جبکہ مسجد کی تعمیر بعد میں ہوئی' صرف چند عمارتیں رہ گئیں جن کا ذکر ہو چکا اور مدرسہ اشرفیہ مکمل نہ ہوا۔

سال ۸۸۹ھ میں پینٹ کرنے والوں کی ایک جماعت آئی' انہیں' سلطان اشرف نے مصر سے بھیجا تھا۔ انہیں اس لئے بھیجا گیا کہ مسجد کی ایک چھت کو لاجوردی رنگ کر دیں' اس کام کے لئے انہیں سیڑھیاں دیں چنانچہ انہوں نے یہ کام احسن طریقے سے کیا۔ پھر اس نے ایک بزرگ بہاؤ الدین کو بھیجا' اس کے ساتھ سواروں کی ایک جماعت تھی جو اُس کے خاص تھے' وہ اسی سال ۷ ذی القعدہ کو پہنچے' ان کے ہمراہ مدرسہ اشرفیہ کے لئے وقف شدہ شرعی کتابوں کے لدے ہوئے اونٹ تھے' بہت سے اونٹوں پر دانے' آٹا اور دیگیں لدی تھیں جو لنگر تیار کرنے کے لئے بھیجی گئیں اور کچھ آلات بھی

تھے جو ینبع میں رکھے ہوئے تھے چنانچہ دستر خوان لگا دیا گیا اور اہل مدینہ میں سے ایک کو اس کے اہل خانہ کی گنتی کے لحاظ سے کافی کچھ دیا گیا' ہر شخص کو سات مصری اردب دیئے گئے' اس میں چھوٹے بڑے' آزاد اور غلام کا فرق نہیں رکھا گیا اور باہر سے آنے والوں کے لئے روٹی اور ہر دن کے کھانے کا بندوبست کیا گیا' پھر مدرسہ کا انتظام کیا اور مرمر لگانے والوں کو ان کی بقایا مزدوری دی گئی' انہیں ان کی مزدوری سے بھی زیادہ رقم دی گئی اور ان پر خاص مہربانی کی گئی چنانچہ لوگوں نے ان کے لئے دعائیں کیں۔

اس عمارت میں کام کرنے والے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ جو کچھ وہاں خرچ ہوا اور مدرسہ کی تعمیر کے شروع کرنے پر نقد رقم' آلات خریدنے کی رقم اور چوپائے وغیرہ خریدنے کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار دینار خرچ ہوئے تھے لیکن کام پھر بھی مکمل نہ ہوا تھا اور پھر جب کام مکمل ہو گیا تو سلطان کو اطلاع ملی کہ متولی نے یہ رقم صحیح طور پر خرچ نہیں کی بلکہ غفلت سے کام لیا ہے اور وہ گنبد جسے انہوں نے حجرہ مبارکہ کے عین اوپر بنایا تھا' وہ پھٹ گیا تو اس کی مرمت کی لیکن وہ پھر پھٹ گیا' مرمت فائدہ مند نہ ہو سکی' ایک یہ شکایت تھی کہ منارۂ رئیسیہ ایک طرف کو جھک گیا ہے' ایسی ہی اور شکایات بھی تھیں اس پر شاہ کی طبیعت بدل گئی اور وہ متولی پر ناراض ہو گئے۔ پھر اس کام پر شجاعی شاہین جمالی کو مقرر کیا کیونکہ وہ با عزت اور بہترین رائے دیتے تھے پھر انہیں خدام کا شیخ بنایا' نگران بنایا اور لنگر کی نگرانی پر مقرر کر دیا چنانچہ وہ ۸۹۱ھ کو مدینہ شریفہ پہنچے اور لوگوں کو غور و فکر کے لئے جمع کر لیا پھر سمجھداروں سے مشورہ لیا' آخر طے یہ ہوا کہ منارۂ رئیسیہ کو گرا دیا جائے اور گنبد کا اوپر والا حصہ بھی گرا دیا جائے۔

جب منار گرایا گیا تو پتہ چلا کہ اصل خرابی بنیاد گہری نہ کھودنے کی وجہ سے پیدا ہوئی چنانچہ انہوں نے پانی تک بنیاد کھود دی اور بنیاد میں بھرنے کے لئے سیاہ رنگ کے سخت پتھر منگوائے پھر بنیاد اس شاندار طریقے سے بھری کہ اس سے پہلے ایسی کوئی بنیاد نہ بھر سکی تھی' اس میں دروازہ پہلی جگہ ہی رکھا' زمین میں موجود درجیں بند کر دیں' رہا گنبد تو اس کے نیچے ایسی چھت ڈال دی کہ گنبد گراتے وقت حجرہ مقدسہ پر کوئی سامان نہ گر سکے اور پھر اسے گرانے اور تعمیر کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا' حجرہ مبارکہ کا غلاف نہ اُٹھایا اور نہ ہی مسجد میں کام کرنے والوں کے لئے اس طرف راستہ رکھا البتہ مشرقی جانب سطح مسجد پر جانے کے لئے راستہ بنایا پھر منارہ کی جگہ کے درمیان پردہ کر دیا جو مسجد اور منار کے درمیان حائل تھا' ایسے لگتا تھا کہ یہاں کوئی عمارت نہیں' پھر منار کو کاریگروں کے لئے مشق کرنے کی جگہ نہیں بننے دیا۔

اب گنبد نہایت خوبصورت اور مضبوط بن چکا تھا' اس کی تعمیر میں انہوں نے مصر سے چپس منگوا کر لگوائی اور اسے تعمیر میں استعمال کیا' انہوں نے اینٹیں پختہ کرنے کا بھی انتظام کیا اور عادت کے مطابق انہوں نے کافی کاریگر لگائے' اس سے پہلے اتنا کام کرنے کی کسی کو توفیق نہ ہو سکی اور ہر ایک کو وہی توفیق ملتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔

ابن نجار نے مسلمان خلفاء کی مسجد نبوی میں خدمات کا بیان کرتے ہوئے لکھا: بنو عباس کے خلفاء مدینہ منورہ پر امراء مقرر کرتے رہے اور مسجد نبوی میں سے کوئی چیز گر جاتی تو اسے درست کرنے کے لئے امداد کرتے رہے' یہ سلسلہ

سلطان الناصر دین اللہ تک بدستور جاری رہا جو اپنے دور کے خلیفہ تھے' وہ ہر سال تعمیر مسجد کے لئے ایک ہزار دینار دیتے رہے پھر کاریگر' بڑھئی اور نقش و نگار کرنے والے لوگ بھیجتے رہے' علاوہ ازیں بغداد سے بھی امداد بھیجتے رہے پھر لوہا' سکہ اور دیگر آلات بھی بڑی مقدار میں بھیجتے رہے' مسجد کی تعمیر مسلسل جاری رہتی حتیٰ کہ ایک انگلی کی جگہ بھی ایسی نہیں جس پر انہوں نے کام نہ کیا ہو۔

میں کہتا ہوں کہ ابن نجار کی وفات سے ذرا بعد مدینہ منورہ کا کنٹرول شاہان مصر کے ہاتھ چلا گیا وہ ہمیشہ اس مسجد شریف کی تعمیر کا اہتمام کرتے رہے' سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اس کام کے لئے کمر بستہ رہے اور تعمیراتی سلسلے میں سب سے بہترین شخص سلطان قایتبائی ثابت ہوئے جو ہمارے اس دور کے حکمران ہیں' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ کام انہی سے لیا اور یہ مرتبہ انہی کو ملا اور جو کچھ ہم چھبیسویں فصل میں لکھ چکے ہیں' اس میں غور کرنے والے کو پتہ چلے گا کہ پہلی آتشزدگی کے بارے میں جو کچھ ہم نے مؤرخین سے لے کر پہلے شخص کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے مسجد کیسے تعمیر کرائی' اس نے کتنی مدت پائی اور کس حیثیت کے تھے اور پھر ہمارے دور کے شاہ سے اس کا مقابلہ کریں تو اسے کہنا پڑے گا کہ ہمارے سلطان بڑے بلند ہمت ہیں اور قابلِ فخر ہیں اور انہیں وہ کام کرنے کا فخر حاصل ہے جو پہلے کوئی اور نہیں کر سکا' گویا یہ پہلے وقت کے سلطان ہیں' اگرچہ یہ پچھلے شمار ہوتے ہیں۔ہم نے حجاز میں ان کی خدمات کا جائزہ لیا ہے جو نہایت اچھی ہیں' ان کے صرف چند خصوصیات بتائی ہیں۔ یہ سب کچھ ہم نے تینتیسویں فصل میں بیان کیا ہے۔

خاتمہ

حضرت نور الدین شہید کی طرف سے حجرہ مبارکہ کے گرد خندق کھود کر اس میں سکہ وغیرہ بھرنے کا ذکر اور اس کی وجہ؟

دیکھئے' مجھے علامہ جمال الدین اسنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تصنیف کردہ ایک رسالہ کو دیکھنے کا موقع ملا' جس میں انہوں نے نصاریٰ کو حکومت دینے سے منع کیا ہے' کچھ لوگوں نے اس رسالے کا نام ''الانتصارات الاسلامیہ'' رکھا ہے' میں نے اس پر ان کے شاگرد علامہ زین مراغی کے ہاتھ کا لکھا تقریباً یوں دیکھا ہے: ''نصیحۃ اولی الالباب فی منع استخدام النصاری کتاب یہ ہمارے شیخ علامہ جمال الدین اسنوی کتاب ہے'' لیکن انہوں نے اس کا نام نہیں لکھا چنانچہ میں نے ان کی موجودگی میں یہ نام لکھا تو انہوں نے اسے پسند کیا۔انتہیٰ۔

میں نے اس میں دیکھا تو لکھا تھا: نصاریٰ کو یہ بات سوجھی کہ عادل بادشاہ نور الدین شہید کے دور میں ہم کوئی عظیم کام کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنا نور اسلام پورا کرے گا خواہ کافر برا جانیں۔

واقعہ یہ ہے کہ سلطان نور الدین رات تہجد میں گزارتے اور اپنے وظائف میں لگے رہتے' ایک دن تہجد کے بعد

وہ سو گئے' خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ دو نیلگوں آنکھوں والوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ مجھے ان دونوں سے بچاؤ' آپ گھبرا کر اُٹھے پھر وضو کیا' نفل پڑھے اور سو گئے' پھر وہی خواب آئی' بیدار ہوئے' نوافل پڑھے اور پھر سو گئے' تیسری مرتبہ پھر زیارت ہوئی چنانچہ بیدار ہوئے اور کہا' اب نیند باقی نہیں رہی۔

ان کا ایک وزیر تھا' بڑا نیک' نام جمال الدین موصلی تھا' آپ نے رات ہی میں ان کے پاس پیغام بھیجا اور پھر سارا واقعہ بتایا۔ اُنہوں نے کہا: اب بیٹھنا کیسا؟ آج ہی نبی کریم ﷺ کے شہر مدینہ چلئے اور اس خواب کو چھپائے رکھئے چنانچہ رات کے باقی وقت میں انہوں نے تیاری کی اور ہلکی پھلکی سواریاں لے کر بیس افراد کے ہمراہ روانہ ہوئے' وہ وزیر بھی ہمراہ تھے' بہت سا مال ساتھ لیا اور سولہ دن بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ شہر کے باہر ہی غسل کیا اور مدینہ پاک میں داخل ہوئے' ریاض الجنہ میں نفل پڑھے اور زیارت کی' پھر بیٹھ گئے' کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وزیر نے اس وقت کہا' جب لوگ مسجد میں آ چکے تھے کہ سلطان زیارت کے ارادے سے آئے ہیں اور بہت سا مالِ صدقہ لے کر آئے ہیں لہٰذا ہر ایک کو خط لکھ دو چنانچہ اہلِ مدینہ کو دعوتی خط لکھ دیئے گئے اور سلطان نے انہیں اپنے پاس بلا لیا' جو بھی آتا جاتا آپ اس میں وہ نشانی دیکھتے جاتے جو حضور ﷺ نے بتائی تھی لیکن ایسا کوئی نہ تھا جس میں وہ نشانی دکھائی دیتی' آپ ہر ایک کو مال دیتے جاتے اور واپس جانے کی ہدایت کرتے۔ آپ نے کہا کوئی صدقہ لینے سے رہ تو نہیں گیا؟ انہوں نے کہا، نہیں، آپ نے کہا: پھر بھی سوچ لو' انہوں نے کہا' دو مغربی لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں رہا اور وہ تو کسی سے کچھ لیتے ہی نہیں' وہ بہت نیک ہیں' غنی ہیں اور محتاجوں کو بہت سا صدقہ دیتے رہتے ہیں۔

سلطان کی سمجھ میں بات آ گئی' کہنے لگے: انہیں میرے پاس لے آؤ' انہیں لایا گیا تو دیکھتے ہی دل میں کہا کہ یہ تو وہ ہیں جن کی طرف حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے اور حکم فرمایا ہے کہ میری مدد کرو اور مجھے ان سے بچاؤ۔ سلطان نے ان سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اہلِ مغرب ہیں' ہم حج کرنے آئے تھے اور اس سال ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پڑوس میں رہیں گے۔ آپ نے کہا: سچ سچ بتا دو! انہوں نے اسی بات پر اصرار کیا۔ آپ نے پوچھا کہ ان کا گھر کہاں ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ حجرہ مبارکہ کے قریب ہی سرائے میں رہتے ہیں۔ آپ نے ان دونوں کو وہیں روکا اور خود ان کے گھر پہنچے' دیکھا تو اس میں بہت سا مال پڑا تھا' دو انگوٹھیاں تھیں اور ایک تھیلے میں کتابیں تھیں' اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

اہلِ مدینہ نے ان کی بہت تعریف کی اور بتایا کہ یہ ہمیشہ روزے سے رہتے ہیں' ریاض الجنہ میں پابندی سے نماز پڑھتے ہیں' روزانہ زیارت نبی کریم ﷺ کرتے اور روزانہ بقیع کی حاضری دیتے ہیں اور ہفتہ میں ایک بار قباء کو جاتے ہیں' کسی سائل کا سوال ردّ نہیں کرتے' صبح کو اس قحط کے سال میں انہوں نے اہل مدینہ سے دوستی کا حق ادا کیا ہے۔

یہ سن کر سلطان نے صرف سبحان اللہ! کہا اور اپنی خواب کا اظہار نہیں کیا اور خود ان کے گھر میں چکر لگایا' ایک جگہ سے انہوں نے گھاس وغیرہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک سرنگ نظر پڑی جو گہری کھودی گئی تھی اور جو حجرہ مبارکہ کی طرف

سیدھی جاتی تھی۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے' سلطان نے آ کر ان سے کہا سچ سچ بتا دو اور پھر انہیں شدید مارا پیٹا۔ انہوں نے مانا کہ وہ نصرانی ہیں اور نصاریٰ نے انہیں مغربی حاجیوں کے روپ میں بھیجا ہے' بہت سارا مال بھی دیا ہے اور انہیں ایک عظیم کام کا حیلہ کرنے کو کہا ہے اور اسے خود گھڑا ہے' ان کا خیال ہے کہ اللہ انہیں اس کام میں کامیاب کرے گا' وہ کام آپ کی ذات تک پہنچنا ہے اور وہ یہ کام ابلیس کے یہ سجا کر دکھانے پر کر رہے ہیں کہ آپ کا جسم منتقل کر سکیں گے چنانچہ وہ حجرہ مبارکہ کے قریب مسافر خانہ میں ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں جس کا ذکر ہوا۔

یہ دونوں رات کو مٹی کھودتے' دونوں کے پاس مغربی طرز کے تھیلے تھے' جو مٹی جمع ہو جاتی اسے ہر ایک اپنے اپنے تھیلے میں ڈال کر بقیع کی زیارت کے بہانے ادھر نکل جاتے اور قبروں کے درمیان ڈال دیتے اور یہ کام مدت سے کر رہے تھے اور جب حجرہ مبارکہ کے قریب پہنچے تو آسمان کانپ گیا اور خوب چمکا' زمین میں ایسا زلزلہ آیا' لگتا تھا کہ پہاڑ اکھڑ جائیں گے۔

سلطان اگلی صبح کو آئے' وہ دونوں وہیں تھے اور اعتراف کر چکے تھے اور جب انہوں نے اعتراف کر لیا اور ان کو پورا پتہ چل گیا اور یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انہیں اس کام کا اہل بنایا ہے' کسی اور کو نہیں تو بہت زور سے روئے اور ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا چنانچہ اس جالی کے نیچے قتل کر دئے جو حجرہ مبارکہ کے ساتھ تھی یہ بقیع کی طرف تھی۔

پھر سلطان نے بہت سا سکّہ لانے کا حکم دیا اور پورے حجرہ مبارکہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دیا اور ڈھال کر اس میں سکہ بھر دیا چنانچہ حجرہ مبارکہ کے گرد پانی تک سکہ کی دیوار بنا دی اور یہ کام کر کے وہ اپنے ملک میں چلے گئے اور نصاریٰ کو کمزور کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم بھی دیا کہ کسی کافر کو کسی بھی کام میں استعمال نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی حکم دیا کہ ان کے اوزار توڑ دئے جائیں۔ انتہٰی۔

علامہ جمال مطری نے بھی اس طرف مختصر سا اشارہ کیا ہے لیکن حجرہ مبارکہ کے گرد خندق اور اس میں سکہ بھرنے کا ذکر نہیں کیا لیکن اس سال کا ذکر کیا ہے جس میں یہ واقعہ ہوا تھا حالانکہ کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی' چنانچہ انہوں نے شہر کے گرد حفاظتی دیوار کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ: سلطان نور الدین محمود بن زنگی بن اقسنقر ۵۵۷ھ کو مدینہ منورہ میں ایک خواب دیکھنے کی وجہ سے آئے' جس کا ذکر ایک شخص نے کیا اور خود میں نے اسے فقیہ علم الدین یعقوب بن ابوبکر سے سنا جن کے والد مسجد میں آتشزدگی کے رات جل گئے تھے' انہوں نے ایک بڑے شخص سے سن کر بتایا کہ سلطان مذکور نے ایک ہی رات میں رسول اللہ ﷺ کی تین مرتبہ زیارت کی' ہر بار انہوں نے فرمایا کہ اے محمود! مجھے ان دو نیلگوں آنکھوں والوں سے بچاؤ جو تمہارے سامنے ہیں۔ انہوں نے اپنے وزیر کو صبح ہونے سے پہلے بلایا اور اسے یہ خواب سنائی تو اس نے کہا: یہ ایسا کام ہے جو مدینۃ النبی ﷺ میں ہوا' آپ کے سوا اسے کوئی سنبھال نہیں سکتا لہٰذا انہوں نے تیاری کر لی اور جلدی سے ایک ہزار اونٹ سوار اور گھوڑ سوار لے چلے' مدینہ میں داخل ہوئے تو کسی کو پتہ نہ چل سکا' وزیر ساتھ ہی تھا۔ آپ نے زیارت کی اور مسجد میں بیٹھ گئے' کسی کو معلوم نہ تھا کہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وزیر نے آپ سے پوچھا: اگر وہ

دو شخص آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں پہچان لیں گے؟ سلطان نے کہا: ہاں چنانچہ انہوں نے صدقہ لینے کے لئے لوگوں کو بلایا' ان میں بہت سا سونا اور چاندی تقسیم کر دی اور کہا کہ مدینہ میں کوئی شخص باقی نہیں رہنا چاہیے' چنانچہ صرف دو آدمی رہ گئے جو مجاور تھے اور اندلس سے آئے تھے' وہ مسجد سے باہر حجرہ مبارکہ کے قبلہ کی طرف آلِ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے جسے آج کل ''دار العشرہ'' کہتے ہیں' انہیں صدقہ لینے کے لئے بلایا لیکن انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا: ہمارے پاس کافی کچھ ہے' ہم کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ آپ نے انہیں بلانے پر اصرار کیا لہٰذا انہیں لایا گیا۔ انہیں دیکھ کر وزیر سے کہا: یہ وہی ہیں' اس پر ان سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو اور ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پڑوس میں رہنا چاہتے ہیں۔ آپ نے کہا: سچ سچ بتا دو' بار بار سوال کیا اور آخر سزا دینے کا ارادہ کیا' انہوں نے اقرار کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں' انہیں ان کے بادشاہ نے بھیجا ہے کہ اس حجرہ میں موجود شخص کو نکال لے جائیں۔ پھر سلطان نے دیکھا کہ انہوں نے سرنگ نکالی ہے جو مسجد کے قبلہ والی دیوار کے نیچے زمین میں ہے اور دونوں حجرہ تک پہنچنا چاہتے ہیں' وہ مٹی نکال کر اپنے گھر کے قریب ایک کنوئیں میں ڈالتے ہیں جس میں رہتے ہیں چنانچہ سلطان نے مسجد کے باہر نبی کریم ﷺ کے حجرہ کی مشرقی جانب موجود جالی کے پاس ان کی گردنیں اُڑا دیں اور پھر دن ڈھلے انہیں جلا دیا گیا اور سلطان شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ انتہٰی۔

علامہ مجد نے بھی یہ واقعہ مطری کی طرح لکھا ہے' وہ لکھتے ہیں: مسجد نبوی کے حوادث میں سے ایک وہ ہے جسے مشائخ و علماءِ مدینہ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور پھر واقعہ لکھا' یونہی زین مراغی نے مطری سے نقل کیا ہے اور یہ زیادہ بتایا کہ سلطان نور الدین کے وزیر موفق خالد بن محمد بن احمد قیسرانی شاعر تھے۔ انتہٰی۔

زین مراغی نے اسے ذہبی سے لیا ہے' وہ اس موفق کے بارے میں لکھتے ہیں: موفق الدین ابو البقاء' یہ صدر تھے' بہت عقلمند اور نیک تھے' بڑے رعب دار تھے' سلطان نور الدین کے وزیر تھے' ان کا وصال حلب میں ہوا' سال ۵۸۸ھ تھا۔ انتہٰی۔

علامہ زین نے اپنے شیخ اسنوی کی مخالفت کی ہے اور وزیر کا نام جمال الدین اسنوی بتایا ہے اور موفق کے سلطان نور الدین کے وزیر ہونے سے یہ لازمی نہیں کہ اس خواب کے وقت بھی وہی وزیر ہو کیونکہ احتمال یہ ہے کہ اس خواب سے قبل یا بعد میں ہوا ہو۔ یہ جمال الدین موصلی وہی ہیں جنہیں جواد اصفہانی کہتے ہیں' ان کا ذکر وہاں آچکا ہے جہاں حجرہ پر مرمر لگانے کا ذکر ہوا تھا' وہاں ان کے بارے میں آچکا ہے کہ وہ بنو زنگی کے وزیر تھے کیونکہ آپ نور الدین شہید کے والد کے وزیر تھے جو زنگی کہلاتے ہیں' پھر ان کے لڑکے غازی کے وزیر بنے' نور الدین شہید کا دور بھی پایا اور اس واقعہ کا زمانہ پایا تو ظاہر یہی ہے کہ وہ ان کے وزیر ہوں گے اور وہی اس واقعہ میں مراد ہیں۔

یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ میں اس شخص کے کلام پر جس نے نور الدین شہید کا ذکر کیا ہے' واقف نہیں ہو سکا حالانکہ یہ واقعہ عظیم ہے اور یہ امام یافعی کے ذکر کردہ حالاتِ نور الدین شہید کی یاد دلاتا ہے کہ شیوخ (اکابر) میں سے

ایک عارف کے بارے میں آتا ہے: وہ اولیاء کے چالیس کے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور صلاح الدین تین سو اولیاء کے طبقہ میں ان کے نائب تھے۔انتہی۔

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ میں نے دور اسلام سے قبل اور آج تک کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے لیکن خلفاءِ راشدین اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کوئی حکمران سیرت کے لحاظ سے حضرت نور الدین جیسا عادل حکمران نہیں دیکھا۔انتہی۔

اتفاق کی بات ہے کہ ۵۶۰ھ کے بعد بھی حضرت نور الدین شہید کی خواب جیسا ایک واقعہ ہوا ہے جسے ابن نجار کی تاریخ بغداد سے زین مراغی نقل کیا ہے' انہوں نے بتایا کہ ابو القاسم عبد الحلیم بن محمد مغربی کے مطابق ایک بے دین نے عبیدی حاکم مصر کو اشارہ کیا کہ نبی کریم ﷺ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو مدینہ سے نکال کر مصر لے آئے اور یہ بات بنا سنوار کر کہی اور یوں کہا اگر تم ایسا کرلو گے تو جہان بھر سے لوگ مصر کی طرف کھنچے چلے آئیں گے اور یہ بات اہلِ مصر کے لئے بڑی عزت کا باعث ہوگی چنانچہ اس حاکم نے کوشش کر کے تھوڑی ہی مدت میں مصر کے اندر ایک جگہ بنائی اور اس پر بہت بڑی رقم خرچ کی۔ کہتے ہیں کہ پھر اس نے ابو الفتوح کو وہ پاکیزہ جگہ کھودنے کے لئے بھیجا۔وہ جب مدینہ منورہ میں پہنچا اور بیٹھ گیا تو اہلِ مدینہ میں سے کئی لوگ اس کے پاس آئے جو اس کے مقصد سے واقف ہو گئے' ایک قاری بھی وہاں موجود تھا جسے زلبانی کہتے تھے' اس نے مجلس میں یہ آیت پڑھی:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ (تا) اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ (سورۂ توبہ' ۱۲ تا ۱۳)

"اور اگر عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے لڑو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں' اس اُمید پر کہ شاید وہ باز آئیں۔کیا اس قوم سے لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ انہی کی طرف سے پہل ہوئی ہے' کیا ان سے ڈرتے ہو؟ تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔"

یہ سن کر لوگ بھڑک اُٹھے' لگتا تھا کہ ابو الفتوح اور اس لشکر کے ساتھیوں کو مار ڈالیں گے' اس جلد بازی سے انہیں صرف اس بات نے روکا کہ وہ بھی انہی شہروں کے تھے۔

جب ابو الفتوح نے یہ دیکھا تو کہنے لگا کہ: اللہ زیادہ اس لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے' بخدا اگر میرے حاکم سے مجھے جانی خطرہ نہ ہوتا تو میں اس جگہ (روضۂ منورہ) کا ارادہ نہ کرتا اور پھر کھانسی سے اسے ایسی بے چینی ہوئی کہ وہ کسی طرح اس ذلت سے جان چھڑائے۔ ابھی وہ دن پورا بھی ہونے نہیں پایا تھا کہ اتنی شدید آندھی آئی جس کی قوت سے لگتا تھا کہ زمین میں زلزلہ آ جائے گا' چنانچہ اونٹ پالانوں اور گھوڑے زینوں سمیت لڑکھڑا گئے جیسے گیند زمین پر بے قرار ہوتا ہے اور بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے۔اس پر ابو الفتوح کے سامنے یہ بات کھل گئی اور حاکم کا خوف جاتا رہا کیونکہ اب اس کام سے رُکنے کے لئے اس کو بہانہ مل گیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن عذرہ نے ابن سعدون قیروانی کی کتاب: ''تاسی اھل الایمان فیما جری علیٰ مدینۃ القیروان'' میں نقل کیا ہے کہ: پھر حاکم بامر اللہ نے مدینۃ الرسول ﷺ کی طرف اس شخص کو بھیجا جو نبی کریم ﷺ کی قبرِ انور کو کھود ڈالے چنانچہ وہ مسجد کے قریبی گھر میں داخل ہوا اور زمین میں قبرِ انور تک پہنچنے کے لئے سرنگ کھودی اور بیل دیکھے' ایک شخص چلا رہا تھا کہ تمہارے نبی کی قبر کھودی جا رہی ہے' لوگوں نے تلاش کی' انہیں ڈھونڈ ڈالا اور اسی وقت قتل کر دیا۔ انتہٰی۔

اسی موقع کی مناسبت سے یہ روایت بھی سنئے جسے محبّ طبری نے ''الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ'' میں لکھا: مجھے ہارون بن شیخ عمر بن زعب (ایک ٹھوس شخصیت' بھلائی' نماز اور عبادت میں مشہور) نے اپنے والد شیخ عمر بن زعب (ایک بڑی شخصیت) سے روایت کی کہ انہوں نے بتایا کہ میں مدینہ منورہ میں ٹھہرا ہوا تھا اور خدام النبی ﷺ کا شیخ تھا کہ دیکھا تو وہاں حضرت شمس الدین صواب لمطی ملے (وہ ایک نیک شخص تھے' فقیروں کے ساتھ بھلائی کرتے اور شفقت سے پیش آتے) میرے اور ان کے درمیان انس و محبت تھی' ایک دن مجھ سے کہا کہ میں تجھے ایک عجیب بات بتاتا ہوں' میرا ایک ساتھی تھا جو امیر مدینہ کے پاس بیٹھا کرتا تھا' مجھے اس جس بات کی ضرورت پڑتی' وہ مجھے اس کے بارے میں بتایا کرتا' ایک دن ایسا ہوا کہ وہ آیا اور کہنے لگا کہ آج ایک عظیم واقعہ گذرا ہے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ حلب سے کچھ لوگ آئے ہیں' انہوں نے امیر کو اس شرط پر بہت سی رقم دی ہے کہ انہیں حجرہ مبارکہ کھولنے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو وہاں سے نکالنے دیا جائے' اس نے یہ شرط منظور کر لی ہے۔

صواب کہتے ہیں کہ مجھے اس بات کا شدید غم ہوا۔ اسی دوران امیر کی طرف سے مجھے بلاوا آ گیا' میں نے کہا' آ رہا ہوں' امیر نے کہا: اے صواب! آج رات تمہارے پاس آئیں گے اور مسجد کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے' تم دروازہ کھول دینا اور جو کچھ وہ چاہیں کرنے دینا' رکاوٹ نہ ڈالنا۔ صواب کہتے ہیں کہ میں نے حکم بجا لانے کا یقین دلایا اور وہاں سے نکل آیا' آج سارا دن میں حجرہ مبارکہ کے پیچھے مسلسل روتا رہا' آنسو رک نہیں رہے تھے اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ مجھے کیا ہوا ہے۔

رات بیت رہی تھی' ہم نے عشاء کی نماز پڑھ لی' لوگ مسجد سے چلے گئے تو ہم نے دروازے بند کر دیئے' تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ امیر کے سامنے والا دروازہ کھٹکھٹایا گیا یعنی باب السلام اور امیر اس وقت ''حصنِ عتیق'' (باب السلام کے قریب) ٹھہرا ہوا تھا۔ صواب کہتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھول دیا' میں ایک ایک کر کے شمار کرتا گیا' وہ چالیس آدمی تھے۔ جن کے پاس گرانے اور کھودنے کے اوزار تھے اور شمع بھی تھی' بخدا' ابھی منبر شریف تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ زمین نے انہیں ساز و سامان سمیت نگل لیا اور ان کا نام و نشان تک نہ رہا۔

صواب کہتے ہیں' امیر کو خبر پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ اس نے مجھے بلایا اور پوچھا کہ اے صواب! وہ لوگ نہیں پہنچے؟ میں نے کہا ہاں آئے ہیں لیکن ان کے ساتھ یہ واقعہ گذر گیا ہے' کہنے لگا: دیکھو' کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا' درست کہہ

رہا ہوں' یقین نہیں آتا تو اُٹھ کر دیکھو' کوئی باقی بچا ہے یا ان کا کوئی نشان رہ گیا ہے؟ اس نے کہا کہ بات یہیں رہنی چاہیے اور اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو میں تمہارا سر قلم کر دوں گا۔ میں وہاں سے نکل آیا۔

محب طبری کہتے ہیں' میں نے ہارون سے یہ حکایت سن کر محفوظ رکھی اور پھر کچھ لوگوں کو بتائی' ان میں ایک ایسا شخص تھا جس کی بات پر میں یقین کرتا تھا۔ وہ بولا کہ ایک دن میں شیخ ابو عبداللہ قرطبی کے پاس مدینہ میں تھا اور شیخ شمس الدین صواب انہیں یہ واقعہ سنا رہے تھے' میں نے ان کی زبانی اپنے کانوں سے خود سنا تھا۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں: ابو محمد عبداللہ بن ابو عبداللہ بن ابو محمد مرجانی نے بھی مختصر طور پر یہ واقعہ اپنی ''تاریخ المدینہ'' میں لکھا ہے' انہوں نے بتایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا یعنی جلیل القدر امام ابو محمد عبداللہ مرجانی سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد ابو محمد مرجانی سے سنا' انہوں نے حجرہ کے خادم سے سنا۔ ابو عبداللہ مرجانی کہتے ہیں: پھر میں نے بھی خادمِ حجرہ سے سنا لیکن انہوں نے واقعہ بتا کر کہا تھا کہ پندرہ آدمی داخل ہوئے تھے (یا بیس کہا) جو اوزار لے کر آئے تھے ابھی وہ ایک یا دو قدم ہی چلے تھے کہ زمین انہیں نگل گئی۔ انہوں نے خادم کا نام نہیں بتایا۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۳۰

مسجد میں کنکر بچھانا' تھوکنا' خوشبو لگانا' دھونی سلگانا اور دیگر احکامِ مسجد

مسجد نبوی میں کنکر بچھانے کے بارے میں

ابو داؤد' ابو الولید سے بیان کرتے ہیں' فرمایا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسجد میں روڑے بچھانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ایک دن ہمارے ہاں بارش ہوئی' زمین تر بتر ہو گئی' لوگ اپنے کپڑوں میں روڑے لے کر آتے اور اپنے پاؤں میں بچھا لیتے' حضور علیہ السلام نے نماز پڑھ لی تو فرمایا: یہ کتنی اچھی بات ہے؟ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے دور میں مسجد کے اندر روڑے بچھائے جایا کرتے تھے؟ اس کی تائید اصحابِ سنن سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا رُخ کرتی ہے لہٰذا کنکروں پر ہاتھ نہ پھیرے۔''

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام سے ہر مسئلہ پوچھا اور کنکر کو ہاتھ لگانے کے بارے میں بھی پوچھا: آپ نے فرمایا: صرف ایک مرتبہ یا فرمایا کہ ایسا نہ کرو!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ کنکر اس شخص کو برا جانتا ہے جو اسے مسجد سے اُٹھا کر لے جاتا

ہے۔

یحییٰ کے مطابق سلف صالحین میں سے ایک بزرگ کہتے تھے کہ وہ جب اپنے کپڑے یا جوتے میں لگا کنکر لے کر مسجد سے نکل آتے تو انہیں حکم ہوتا کہ اسے مسجد میں چھوڑ آؤ۔

سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب کنکر مسجد سے نکالے جاتے ہیں تو اسی جگہ واپس کرنے تک وہ چلاتے رہتے ہیں۔

برہان بن فرحون کہتے ہیں' حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا کہ ایک شخص مسجد سے نکلتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کنکر اس کے ماتھے پر لگا رہ گیا ہے: کیا لازم ہے کہ وہ اسے مسجد میں چھوڑ کر آئے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ لازم نہیں' میں اسے وہیں پھینک دینے کی اجازت دیتا ہوں۔اس پر سوال کرنے والے نے کہا: اے ابو عبداللہ! لوگ کہتے ہیں کہ جب کنکر مسجد سے نکال لئے جائیں تو واپس لے جانے تک وہ چلاتے رہتے ہیں۔اس پر امام مالک نے فرمایا: اسے چیخنے دو اور گلہ پھاڑنے دو! سائل نے کہا: کیا اس کا بھی گلہ ہوتا ہے؟ فرمایا: تو پھر چیختا کیسے ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کنکروں کے بارے میں حضرت نفیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: ''اسے مسجد میں چھوڑ آؤ ورنہ قیامت کے دن میں تم سے جھگڑا کروں گا۔''

شیخ الخدام حضرت ظہیر الدین بن عبداللہ اشرفی کہتے ہیں کہ ۷۱۵ھ کو حج کے دنوں میں شام سے میرے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا' میں نے پچھلے سال حج کیا' تھوڑی سی مٹی اور کنکر اٹھا لایا' مسلسل مجھے وہ خواب میں ملتی رہی اور کہتی رہی: مجھے میرے مقام پر چھوڑ آؤ' تو نے مجھے عذاب میں ڈالا ہے' اللہ تمہیں عذاب میں ڈالے' یہ دیکھو میں اسے لے چلا ہوں چنانچہ انہوں نے ایک تھیلی میں سے نکال کر دکھائی اور پھر ہم نے اسے مسجد میں جا رکھا۔انتہٰی۔

مورخین کے کلام سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں کنکر ڈالنے کا سلسلہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں شروع ہوا چنانچہ یحییٰ کے مطابق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد تعمیر کرتے وقت فرمایا: سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم مسجد میں کیا بچھائیں؟ انہیں بتایا گیا کہ کنکر یا ٹاٹ بچھا لیتے۔انہوں نے کہا' تو پھر یہ وادی بڑی مبارک ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرمایا: عقیق برکت والی وادی ہے' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے کنکر بچھا دئے۔

حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی حضرت عمر بن خطاب کے پاس آئے' مسجد میں کنکر نہ تھے۔انہوں نے کہا کہ تمہارے پاس کوئی وادی نہیں؟ حضرت عمر نے کہا' کیوں نہیں۔انہوں نے کہا' تو پھر وہاں سے کنکر لا ڈالو۔حضرت عمر نے فرمایا کہ اس وادی مبارک (عقیق) سے کنکر لا کر بچھا دو۔انتہٰی۔

ابن زبالہ کے مطابق حضور ﷺ کے عہد میں مسجد نبوی کے اندر چھڑکاؤ کیا جاتا تھا پھر ابوبکر اور پھر حضرت عمر

کے دور خلافت کے اکثر حصے میں بھی کیا جاتا رہا' لوگ مسجد میں کھنگار ڈال دیتے اور تھوکتے' جس سے پھسلن ہو جاتی' اسی دوران ابن مسعود ثقفی آئے اور حضرت عمر سے کہا' تمہارے قریب کوئی وادی نہیں ہے؟ انہوں نے کہا' ہاں موجود ہے۔انہوں نے کہا: تو پھر کسی کو حکم دیجئے کہ کنکر لے آئے تاکہ مسجد میں بچھا دئے جائیں' تھوک وغیرہ سے بچاؤ رہے گا۔حضرت عمر نے حکم فرما دیا۔

یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود بتا رہی ہے کہ صحابہ کرام مسجد میں تھوک دیا کرتے تھے۔

مسجد میں تھوکنے کا حکم

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ فرمایا: ''مسجد میں تھوکنا بڑی غلطی ہے اور تلافی کے لئے اسے دفن کر دینا ضروری ہے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ آپ نے مسجد میں کھنگار دیکھا تو فرمایا: ''جس نے یہ تھوکا ہے' قیامت میں سامنے آئے گا تو اس کے منہ پر دکھائی دے گا۔''

حضرت عبداللہ بن قسیط رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوع حدیث لکھتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اس مسجد میں تھوکا نہ کرو۔''

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں تھوکنا بڑی برائی ہے اور اسے دفن کرنا نیکی کا کام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے کہ مسجد کو کھنگار سے اسی طرح صاف رکھنے کی ضرورت ہے جیسے جلد کو آگ سے بچانے کی ضرورت ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام نووی نے ''تحقیق'' اور ''شرح المہذب'' میں مسجد میں تھوکنے کو حرام قرار دیا ہے' ہمارے کچھ اصحاب نے اس سے کراہت کا مفہوم نکالا ہے اور کچھ نے کراہت تحریم بنائی ہے' ایک عالم کا کہنا ہے کہ مسجد میں تھوکنا اس وقت برائی بنتا ہے جب اسے دفن نہ کرے کیونکہ یوں وہ مسجد میں ایک طرح کی پلیدی ڈال رہا ہوتا ہے جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔علامہ قطبی کہتے ہیں: یہ مطلب نکالنے کی تائید حدیث ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے جسے مسلم نے روایت کیا ہے کہ: میں نے اُمت کے برے کاموں میں کھنگارنے کو شامل کیا ہوا ہے بشرطیکہ کھنگار کو دفن نہ کر دیا جائے اور اسے برائی صرف اسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب یہ مسجد میں پھینکا جائے اور پھر اسے دفن بھی نہ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں' پہلی روایت یہ بتا رہی ہے کہ یہ کام ایک خطا اور کوتاہی ہے اور اسے دفن کر دیں تو کوتاہی کی تلافی ہو جاتی ہے جیسے زنا کی پلیدی کو جلد دور کر دیتی ہے تو اس دوسری روایت کا مطلب بھی یہی نکالنا چاہئے کیونکہ اس بارے میں اطلاع اس بات کی ہے جو ثابت ہو چکا ہے لیکن ابن شبہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی'

فرماتے ہیں: میں نے حضرت واثلہ بن اسقع کو دیکھا' وہ مسجد دمشق میں گئے' اس میں نماز پڑھی پھر بائیں پاؤں کے نیچے تھوکا اور پھر بعد میں کھرچ دیا۔ میں نے واپسی پر ان سے کہا: آپ صحابی رسول ﷺ ہو کر مسجد میں تھوکتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی میں نے یونہی کرتے دیکھا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ حدیث وارد ہے' فرمایا: جو شخص میری اس مسجد میں داخل ہو پھر تھوکے یا کھنگارے تو گہرا گڑھا کھودے اور دفن کر دے' اگر ایسا موقع نہیں تو پھر کپڑے سے پونچھ کر اسے باہر لے جائے۔ یہ حدیث اگر صحیح ثابت جاتی ہے تو اس مذہب شافعی کے لئے دلیل بن جائے گی۔

اگر یہ کہا جائے کہ حدیث بخاری اسے قوت دیتی ہے' حضرت انس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی طرف پڑا کھنگار دیکھا تو آپ کو بہت برا لگا اور چہرے پر ناراضگی کے آثار دکھائی دئے' آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسے کھرچ دیا پھر فرمایا: کوئی تم میں سے جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اللہ سے راز و نیاز کی بات کر رہا ہوتا ہے (یا فرمایا) اس کا ربّ اس کے اور قبلہ کے درمیان جلوہ فرماتا ہے لہٰذا تمہارا یہ کام نہیں کہ قبلہ کی طرف تھوک دو' یا تو بائیں طرف تھوکو یا پھر اپنے قدم کے نیچے تھوک دو' پھر اپنی چادر لے کر اس میں تھوکو اور کپڑے میں مل کرو اور پھر فرمایا: کیا یوں کیا نہیں جا سکتا؟

یونہی حضرت ابونضرہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی طرف کھنگار دیکھا' سخت ناراض ہوئے لگتا تھا کہ صحابی کے خلاف دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دیں گے لیکن فرمایا: قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا نہ کرو کیونکہ ادھر اللہ تعالیٰ توجہ فرما رہا ہوتا ہے' نہ ہی دائیں طرف تھوکو کیونکہ دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے تھوک آئے تو بائیں طرف تھوک دے یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے اور اگر بائیں طرف کوئی موجود ہو تو پھر اپنے کپڑے میں تھوکے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے کپڑے میں تھوکا اور پھر کھرچ دیا تھا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد میں تھوک لینا جائز ہے' صرف نماز میں قبلہ اور داہنی جہت میں تھوکنے سے پرہیز رکھے' اسے لازم ہے کہ دفن ضرور کر دے۔

ہم کہتے ہیں۔ حدیث کا انداز یہ بتاتا ہے کہ نمازی کو تھوکنے کا طریقہ آنا چاہیے' مسجد میں تھوکنے سے غرض نہیں جبکہ مسجد میں تھوکنے کا مسئلہ پہلی حدیث کے انداز سے معلوم ہو رہا ہے لہٰذا اسے چھوڑنا مناسب نہیں۔

حضرت قفال رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ میں (جہاں مسجد میں کھنگارنے کی حدیث لکھی ہے) ایک فائدہ مند بات لکھی ہے' وہ فرماتے ہیں' اس حدیث پاک مطلب یہ ہے کہ دماغ سے کھنگار آئے تو یوں کرے اور جب سینے (پھیپھڑے) سے آئے تو یہ پلید ہوتا ہے لہٰذا اسے مسجد میں دفن نہیں کرنا چاہیے۔

ابوداؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے' بتاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ ایک دن خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اسی دوران مسجد کے قبلہ رُخ کھنگار دیکھا' لوگوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور پھر اسے' میرا خیال ہے کہ ابن عمر نے کہا: آپ نے زعفران منگوایا اور اس جگہ مل دیا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے چہرہ کے سامنے جلوہ فرماتا ہے لہٰذا اپنے

سامنے تھوکا نہ کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دن نماز پڑھی اور مسجد کے قبلہ میں کھنگار دیکھا' نماز پڑھ کر ایک چھڑی پکڑی اور اسے دور کر دیا پھر خوشبو منگوائی اور اس جگہ لگا دی اور پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے' فرمایا: اے لوگو! جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے سامنے تھوکا نہ کرے' نہ ہی دائیں طرف کیونکہ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

مسجد میں خوشبو لگانے کی ابتداء

حضرت ابوالولید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ مسجد میں زعفران کا استعمال کیونکر ہوا؟ انہوں نے کہا' نبی کریم ﷺ نے مسجد میں کھنگار دیکھا تو فرمایا کہ یہ کتنا برا کام ہے' یہ کس نے تھوکا ہے؟ چنانچہ کھنگارنے والا آیا اور اسے کھرچ دیا اور پھر اوپر زعفران مل دیا۔اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یہ اس سے بھی اچھا کام کر دیا۔

یحییٰ یہی روایت ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں: میں نے ابن عمر سے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ یہ زردی (زعفران) مسجد کے قبلہ میں کب سے برتی گئی؟ انہوں نے کہا ہاں حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی' نماز سے فارغ ہو کر قبلہ کی طرف کھنگار دیکھا اور پھر اگلی روایت بتاتے ہوئے کہا: تب سے لوگوں نے یہ کام شروع کر دیا۔یوں اس کی ابتداء ہوئی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے قبلہ کی طرف کھنگار دیکھا' ناراض ہوئے اور چہرۂ انور سرخ ہو گیا۔یہ دیکھ کر ایک انصاری عورت نے اُٹھ کر اسے کھرچ دیا اور اس جگہ خوشبو لگا دی' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' یہ کتنا اچھا کیا ہے!

حضرت ابونضرہ کہتے ہیں کہ جس نے کھنگار تھوکا تھا' وہ تھوڑا سا زعفران لائے اور اس جگہ پر مل دیا' حضور ﷺ یہ دیکھ کر خوش ہوئے' ایک اور سند سے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی دیوار پر کھنگار دیکھا' اسے کپڑے پر لگا دیا اور مسجد سے باہر لے آئے پھر وہاں خوشبو لگا دی یا فرمایا زعفران لگا دیا یا فرمایا کہ خوشبو دار گھاس ورس لگا دی۔

حضرت قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبلہ کی طرف تھوکا اور اس پر غمگین ہو گئے' ان کی بیوی نے پوچھا: کیا بات ہے' غمگین کیوں ہو؟ کیا کوئی بات نہیں' میں نماز پڑھ رہا تھا کہ قبلہ کی طرف تھوک دیا ہے۔وہ مسجد کو گئیں' اسے دھویا پھر خوشبو تیار کر کے وہاں لگا دی چنانچہ یہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے قبلہ کی طرف خوشبو لگائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس مسجد میں تشریف لائے' ہاتھ میں کھجور کے گچھے کی پچھلی لکڑی تھی' ہماری اس مسجد میں قبلہ کی طرف کھنگار دیکھا تو اس لکڑی سے اسے کھرچ دیا' پھر

ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم میں کون چاہتا ہے کہ اللہ اس سے توجہ ہٹا لے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ تو کوئی بھی نہیں چاہتا۔ فرمایا جب بھی تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اس کے سامنے جلوہ فرمائی کرتا ہے لہٰذا نہ تو اپنے آگے تھوکا کرو اور نہ ہی داہنی طرف البتہ بائیں طرف بائیں پاؤں کے نیچے تھوکا کرو' پھر جلدی کی صورت میں فرمایا کہ یوں کپڑے سے صاف کرو اور پھر کپڑے کو لپیٹ کر دکھایا' پھر فرمایا کہ عنبر لاؤ! ایک نوجوان کھڑا ہوا جس نے گھر جا کر اصرار کیا اور ہتھیلی پر خوشبو لے آیا۔ حضور ﷺ نے اسے اس لکڑی کے نوک پر لگایا اور اس سے کھنگار کا نشان صاف کر دیا۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ اس وقت سے تم نے مسجدوں میں خوشبو لگانا شروع کی۔

یہ لیجئے' حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہموار زمین پر موجود مسجد بنو حرام میں نماز پڑھی تو قبلہ کی طرف کھنگار دیکھا' کھجور کی لکڑی آپ ساتھ رکھتے' جدا نہ کرتے' پھر آگے حدیث بتائی' اس حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ: ''یہ پہلی مسجد تھی جس میں خوشبو لگائی گئی۔''

ایک صحابی حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھائی اور قبلہ کی طرف تھوک دیا' حضور ﷺ دیکھ رہے تھے' وہ فارغ ہو گئے تو فرمایا یہ تمہیں نماز نہ پڑھایا کریں۔ پھر ان کا ارادہ ہوا کہ انہیں نماز پڑھائیں' لوگوں نے روک دیا اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان بتایا' پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ہاں میں نے کہا ہے۔ راوی کہتے ہیں' میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا تھا: تم نے اللہ اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دی ہے۔

علامہ مجد کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے محراب میں جب کھنگار دیکھا تو پوچھا کہ اس مسجد کا امام کون ہے؟ صحابہ نے بتایا کہ فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا: میں اسے معزول کرتا ہوں۔ اس شخص کی بیوی نے پوچھا کہ تمہیں حضور ﷺ نے کس وجہ سے معزول فرمایا ہے؟ کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے محراب میں کھنگار دیکھا تھا۔ اس پر وہ خاتون خوشبو لے گئی اور محراب میں جا کر لگا دی۔ بعد ازیں رسول اللہ ﷺ وہاں سے گذرے' پوچھا خوشبو کس نے لگائی ہے؟ صحابہ نے عرض کہ امام مسجد کی بیوی نے' فرمایا: میں اس کی بیوی کی وجہ سے اس کی غلطی معاف کرتا ہوں اور اسے امامت پر بحال کرتا ہوں۔

میں کہتا ہوں ان روایتوں میں اختلاف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعات کئی تھے لہٰذا یہاں روایات میں کوئی ٹکراؤ نہیں' ہاں ان میں ابن شبہ کی طرف سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا ردّ ضرور ہے جنہوں نے کہا تھا: سب سے پہلے مسجد کو خوشبو لگانے اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کرنے کا کام حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا۔ چوتھی فصل میں اس کے بارے میں آ چکا ہے' اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بیت المال سے پہلی مرتبہ انتظام کیا تھا۔

ابن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے امیر مدینہ کو لکھا تھا کہ قبلہ والی

جانب کے علاوہ خوشبو کا استعمال نہ کریں اور ستون دھویا کریں۔ کہتے ہیں کہ ان کی حکومت میں ستونوں پر خوشبو نہیں لگائی جاتی تھی۔

قبر پر خوشبو کا استعمال

۱۷۰ھ میں اُم موسیٰ خیزران مسجد میں آئیں اور اپنی کنیز مونسہ سے کہا کہ مسجد میں خوشبو لگاؤ چنانچہ لگا دی گئی۔ اس پر ابراہیم بن فضل اس کے پاس گئے اور کہا: تمہیں کیسے پہنچا کہ تم اپنے پچھلوں کے لئے ایک نیا کام کرتے دکھا رہی ہو اور وہ کر رہی ہو جو پہلوں نے نہیں کیا؟ مونسہ نے پوچھا' کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تم پوری قبر کو خوشبو لگاتی ہو' یہ کام پہلوں نے بھی کیا لیکن وہ دو تہائی یا اس سے بھی تھوڑے حصے پر لگاتے تھے۔ پھر انہوں نے اشارہ کیا تو انہوں نے ستونِ توبہ اور اس ستون پر بھی لگائی جو نبی اکرم ﷺ کے مصلّے کے قریب تھا چنانچہ دونوں کے نیچے تک لگائی اور اوپر لگانے کا بھی اضافہ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس آیت کی تفسیر فرمائی:

وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ○

''اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسمٰعیل کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو۔''

فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے گھر کو خوب صاف ستھرا رکھو' اس میں دھونی سلگاؤ اور خوشبو لگاؤ۔

مسجد میں خوشبو دار دھونی سلگانا

حضرت علی بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں خوشبو سلگانے کا حکم فرمایا۔ پھر بتایا کہ جمعہ کے دن کے بارے میں فرمایا تھا۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی مسجدوں کو بچوں' دیوانوں سے بچائے رکھو' ان میں خرید و فروخت سے پرہیز کرو' یہاں نہ تو جھگڑے کرو' نہ آوازیں بلند کرو' سزائیں نہ لگاؤ اور نہ ہی یہاں تلواریں لہراؤ' ان کے دروازوں پر صفائی کرنے والے مقرر کرو اور جمعہ کے دن ان میں خوشبو سلگاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضور ﷺ نے محلّوں میں نماز پڑھنے کی جگہیں بنانے کا حکم فرمایا اور انہیں صاف کرنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا۔

حضرت اسماعیل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس عود والی ٹوکری لے کر آئے لیکن لوگوں نے جگہ نہ دی لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسے مسجدوں میں استعمال کیا کرو تا کہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے چنانچہ خلفاء میں یہ طریقہ رائج ہو گیا اور آج تک جاری ہے۔ ہر سال عود کی ٹوکری لائی جاتی ہے پھر وہ جمعہ کی رات اور دن' منبر کے پاس اس کے پیچھے' امام کے خطبے کے دوران سلگائی جاتی۔

حضرت سعد قرظ کہتے ہیں کہ حضرت عمر میرے پاس عُود لے کر آئے اور مہاجرین میں تقسیم کر دی اور پھر مسجد کے لئے بھی حصہ رکھا چنانچہ جمعہ کے دن سلگائی جاتی اور یہ عادت آج تک چلی آتی ہے۔اس کام کے لئے سعد مقرر ہوئے اور وہی سلگایا کرتے۔

حجرہ مبارکہ کی قندیلوں کے حکم میں گذر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاندی سے بنا خوشبو سلگانے کا برتن لائے اور مؤذنین کے دادا سعد کو دیا اور فرمایا کہ اسے جمعہ اور رمضان میں سلگایا کرو چنانچہ حضرت سعد جمعہ کو سلگاتے اور حضرت عمر کے سامنے رکھ دیا جاتا۔

خوشبو سلگانے والے نعیم کے والد کے بارے میں آتا ہے کہ بتایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا' ایک بہتر کام کیا کرو گے' خوشبو سلگانے والا برتن لے کر لوگوں میں گھوم سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کی' ہاں' چنانچہ حضرت عمر اسے جمعہ کے دن سلگانے کا حکم دیتے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بتاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعہ کو رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں خوشبو سلگایا کرتے۔

مسجدوں کے فرش کا حکم

ہمارے حضرات (شافعی) کہتے ہیں کہ مسجد کا فرش بنانا مستحب ہوتا ہے۔امام بخاری نے چٹائی پر نماز کے بارے میں بیان کیا ہے۔حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ چٹائی پر نماز پڑھا کرتیں' ابن زید کہتے ہیں خمرہ چٹائی کو کہتے ہیں۔حدیث کے لفظ خمرہ کے بارے میں قرطبی کہتے ہیں کہ یہ چھوٹا جائے نماز ہوتا ہے' کھجور کی ٹہنیوں سے بنایا جاتا ہے اور اس کے دھاگے چھوڑے جاتے ہیں۔امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرش پر نماز پڑھی اور کہا: ہم حضور ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھتے تو اپنے کپڑے پر سجدہ کرتے۔یحییٰ کے مطابق حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جمعہ کے دن مسجد کی غربی دیوار کی طرف چٹائی بچھا دی جاتی اور جب دیوار کا سایہ پوری چٹائی پر پڑتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر نکلتے' کہتے ہیں کہ پھر جمعہ کی نماز کے بعد واپس آتے اور دوپہر کا قیلولہ کرنے والوں کی طرح قیلولہ کرتے۔حضرت عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے جوتوں کی تلاش مسجد کے دروازوں پر کرو۔حضرت موسےٰ بن یعقوب کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد کا غبار کھجور کی لکڑی سے صاف کرتے۔

ہم نے مسجد کی فضیلت بیان کرتے وقت اس کے بارے میں کچھ لکھا تھا کہ تھوم اور پیاز کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے روکا گیا ہے۔حضرت عمر کے مسجد میں اضافہ کے بیان میں بطیحاء کی بات کرتے ہوئے ہم نے بتایا تھا کہ مسجد میں آواز بلند کرنا منع ہے اور شعر پڑھنا بھی منع ہے۔ولید کے اضافے میں ہم نے مسجد کے اندر جنازہ کے

بارے میں لکھا۔ ابن شبہ کے مطابق حضرت شیبہ بن قصاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کپڑے میں جوئیں دیکھے اور وہ مسجد میں ہو تو ان کے لئے گڑھا کھودے اور انہیں دفن کر دے اور ان پر تھوک بھی دے کیونکہ یہ ان کے قتل کا کفارہ ہوگا۔ حضرت محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کو جوئیں مسجد میں دفن کرتے دیکھ کر مجھے ایک شخص نے بتایا۔ یوسف بن ماھک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبید بن عمیر کو دیکھا کہ انہوں نے حضرت ابن عمر کے کپڑے سے جوں پکڑی اور اسے مسجد میں دفن کر دیا۔ حضرت ابوبکر بن منکدر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا محمد بن منکدر کو دیکھا کہ مسجد میں ہوتے ہوئے جوں پکڑتے' وہیں اسے مار کر اوپر تھوک دیتے۔ حضرت جعفر بن محمد کہتے ہیں کہ جوں کو مسجد میں دفن کرنے میں حرج نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ چیزیں قابلِ دلیل نہیں ہیں۔

جوں کے بارے میں حکم

حضرت احمد نے اپنی مسند میں حضرت ایوب سے روایت لکھی کہا: ایک شخص نے اپنے کپڑے میں جوں دیکھی' اسے مسجد میں پھینکنے کے لئے پکڑا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو' اسے دوبارہ اپنے کپڑے میں اتنی دیر تک ڈالے رہو' جب تک مسجد سے نکل نہیں جاتے ہو۔

حضرت حضرمی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مسجد میں نماز پڑھتے اگر تم میں سے کوئی جوں دیکھ لے تو اسے کپڑے ہی میں رہنے دے' مسجد میں اسے نہ مارے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: جب مسجد میں ہوتے ہوئے کوئی اپنے کپڑے میں جوں دیکھے تو مسجد سے باہر آنے تک اسے کپڑے میں رہنے دے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ اگر اس نے اسے مار ڈالا تو اسے مسجد میں نہ پھینکے کیونکہ وہ بھی تو ایک مردار ہے۔ امام مالک نے اسے مسجد میں مار ڈالنے کو ناپسند کیا ہے۔ ابن العماد نے مالکی حضرات کی کتابوں سے یہ مسئلہ لیا ہے کہ زندہ جوں کو مسجد میں پھینکنا حرام ہے البتہ بھڑ کو نہیں کیونکہ یہ مٹی کھا کر جیتا ہے جبکہ جوں مٹی نہیں کھاتی لہٰذا اسے مسجد میں پھینکنے سے یوں ہوگا کہ اس نے اسے بھوکا رہنے کے عذاب میں ڈالا ہے۔ انتہی۔

مسجد میں خرید و فروخت

ایسی احادیث ملتی ہیں جن میں مسجد کے اندر خرید و فروخت اور گمشدہ چیز کا اعلان کرنے سے روکا گیا ہے۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: میں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ نمازِ عصر پڑھی' آپ نے مسجد میں ایک درزی دیکھا تو اسے نکالنے کا حکم دیا۔ آپ سے کہا گیا: اے امیر المؤمنین! یہ شخص مسجد کی صفائی کرتا' دروازے بند کیا کرتا اور کبھی کبھی مسجد میں پانی بھی چھڑکا کرتا ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے' فرمایا تھا کہ کاریگروں کو اپنی مسجدوں سے الگ رکھو۔

میں کہتا ہوں' ہمارے دور میں یہ چیز بھی ناپسندیدہ کاموں میں داخل ہے جس میں تعمیر کے بارے میں گفتگو کرنے والے حضرات' لکڑی چیرنے والوں' بڑھئیوں اور مسجد نبوی میں پتھر کا کام کرنے والوں کے بارے میں سست روی سے کام لیتے ہیں جو اپنے آلات کے استعمال کرتے اور ان سے کام لیتے ہیں' اس سے مسجد میں برادہ وغیرہ اُڑ کر پڑ جاتا ہے حالانکہ یہ کام مسجد سے باہر کرنا ممکن ہوتا ہے' ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں لکھ چکے ہیں کہ آپ مسجد کے گرداگرد مکانوں میں کیل ٹھونکنے یا میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو انہیں پیغام بھیج دیتیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تکلیف نہ دو۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے طہارت خانہ کے علاوہ اپنے گھر کے دروازے اسی شور کے خوف سے نہیں بنائے تھے۔

حضرت مقدسی نے ''مثیر الغرام'' میں حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس جن سے فرمایا تھا' جسے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کے لئے پتھر کاٹنے کو بلایا تھا' کہ تمہارے پاس کوئی ایسا حیلہ ہے جس سے میں پتھر کاٹا کروں؟ کیونکہ میں اپنی اس مسجد میں لوہے کی آواز پیدا ہونے کو پسند نہیں کرتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وقار اور سکون کا حکم دے رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے عقاب کا گھونسلہ تلاش کر دو کیونکہ آسمانوں پر اُڑنے والا ایسا کوئی جانور نہیں جو اس سے زیادہ حیلہ کرنا جانتا ہو۔ انہوں نے عقاب کا گھونسلا تلاش کر لیا اور پھر اس پر لوہے کا خول چڑھا دیا' عقاب اپنے گھونسلے پر پہنچا لیکن اسے کھولنے کی ہمت نہ ہوئی چنانچہ وہ دن اور رات بھر آسمان پر گھومتا رہا پھر واپس آیا تو اس کے پاس ہیرے کا ایک ٹکڑا تھا' شیطان بکھر گئے اور اس سے وہ ٹکڑا لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ اس سے پتھر کاٹا کرتے۔ انتہیٰ یونہی آلات لانے والے خچروں اور گدھوں کو بھی داخل کرنا منع ہے کیونکہ یہ کام انسان کر سکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرتا دکھائی دے تو اسے یہ کہہ دینا چاہئے کہ: ''اَيُّهَا النَّاشِدُ غَيْرُكَ الْوَاجِدُ'' (یعنی تمہیں یہ چیز نہ ملے) ہاں اپنے پاس بیٹھنے والوں سے اگر پوچھ لے تو اس میں حرج نہیں لیکن آواز نہ لگائے۔ اور جو مسجد میں خرید و فروخت کرے' اسے کہہ دے کہ: تجھے اس میں نفع نہ ہو جیسے مرفوع حدیث سے ثابت ہے۔

علامہ زین مراغی لکھتے ہیں: قیاس یہ کہتا ہے کہ اس میں سوال کرنے والے کو یوں کہنا چاہئے: اللہ تمہیں کچھ نہ دے۔

''عتبیہ'' میں ہے کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسجد میں پنکھے کو مکروہ جانا۔ ہمارے نزدیک مسجد میں سونا مکروہ نہیں اور کچھ علماء نے لکھا ہے کہ ایسا پردیسی جس کی مسجد کے علاوہ کوئی اور جگہ نہیں' اس کے علاوہ کسی شخص کا سونا مکروہ ہے اور انہوں نے اس سلسلے میں احادیث لکھی ہیں۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشاء کے بعد مسجد میں نگرانی رکھتے اور مسجد میں کھڑے نمازی کے علاوہ ہر ایک کو باہر نکال دیتے۔ ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام کو دیکھا جن میں حضرت ابی بن

کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت ابی نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کے اہل ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا: نماز کے بعد یہاں کیوں رُکے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم ذکر الٰہی کے لئے بیٹھے ہیں' آپ ان کے پاس بیٹھ گئے' پھر ایک قریب والے سے کہا کہ دُعا کرو' انہوں نے دُعا کی تو آپ نے ایک ایک کو پڑھنے کے لئے کہا اور آخر میرے پاس تشریف لائے' میں ان کے پہلو میں تھا' مجھے فرمایا: تم بھی سناؤ' میں شرمسار ہو گیا' فرمایا سناؤ' کاش تم نے یوں کہا ہوتا: الٰہی ہمیں بخش دے' الٰہی ہم پر رحم فرما اور پھر خود دُعا کرنا شروع کی' اب آپ سے زیادہ نہ تو کوئی آنسو بہا رہا تھا اور نہ ہی رو رہا تھا پھر فرمایا: اب تم اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

مسجد میں گوز مارنا

مسجد میں گوز مارنا (ہوا خارج کرنا) حرام نہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سے بچے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: فرشتے اس تھوڑی سی چیز سے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں جس سے تم تکلیف محسوس کرتے ہو۔

علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں: حدیث پر گفتگو کرنے والے قدیم حضرات میں سے کچھ کہتے ہیں کہ مسجد میں بے وضو ہو جانے سے (گوز مارنا) بے وضو ہونے والا فرشتوں کے استغفار والی دُعا سے محروم ہو جاتا ہے اور اس دُعا سے بھی محروم ہو جاتا ہے جس کی قبولیت کی اُمید ہوتی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا: حضور ﷺ نے مسجد میں گوشت لانا منع فرمایا ہے۔

مسجد میں رکھے قرآن کی تلاوت

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قدیم لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ مسجد میں بیٹھ کر قرآن پڑھتے تھے' سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے اسے رواج دیا۔ امام مالک مزید فرماتے ہیں: میں مسجد میں قرآن پڑھنا پسند نہیں کرتا' میرے خیال میں لوگ مسجد میں تلاوت کے لئے جمع ہوں تو انہیں اُٹھا دینا چاہیے۔ (یہ پابندیاں اس وقت ہوتی ہیں جب ایسی عبادتوں کے لئے بے احتیاطی سے کام لیں' ورنہ ممانعت نہیں۔ ۱۲ چشتی)

میں کہتا ہوں کہ پہلے اور بعد والے بزرگ اسے مستحب جانتے ہیں اور صحیح بخاری میں حدیث ہے "مسجدیں ذکرِ الٰہی' نماز اور تلاوتِ قرآن کے لئے تعمیر کی جاتی ہیں۔" اس سے پتہ چلا کہ قرآن دیکھ کر تلاوت کرنا یا زبانی تلاوت کا حکم ایک جیسا ہے۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: مصحف میں قرآن کو جمع کرنے والے اور لکھنے والے سب سے پہلے شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' پھر انہوں نے اسے مسجد میں رکھوا دیا تھا اور حکم دیا کہ اسے روزانہ صبح کے وقت پڑھا کرو۔

حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ میں حجاج بن یوسف کی نگرانی میں تھا' حجاج نے قرآن لکھوائے

اور شہروں کو بھیج دئے' ایک قرآن مدینہ منورہ میں بھی بھیجا' اسے آلِ عثمان نے پسند نہیں کیا۔ انہیں کہا گیا کہ حضرت عثمان کا لکھوایا ہوا قرآن یہاں سے نکال دو۔ انہوں نے کہا کہ قتل عثمان کے دن ان کا لکھا قرآن ضائع کر دیا گیا تھا۔

حضرت محرز لکھتے ہیں' مجھے معلوم ہوا کہ مصحفِ عثمان' خالد بن عمرو بن عثمان کے پاس بھیج دیا گیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مہدی خلیفہ بنا تو ایک قرآن اس نے مدینہ بھیجا تھا اور وہی آج تک پڑھا جا رہا ہے جبکہ حجاج والا مصحف مسجد سے اُٹھا لیا گیا اور وہ منبر کے نزدیک صندوق میں رکھا ہے۔ انتہٰی۔

لکھے ہوئے قرآن مسجدوں میں بھیجنے کا حکم

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ حجاج بن یوسف نے مرکزی شہروں کی طرف لکھے ہوئے قرآن بھیجے تو ان میں سے ایک بڑا قرآن مدینہ منورہ میں بھی بھیجا۔ حجاج پہلا حکمران تھا جس نے دیہاتوں میں قرآن بھیجے تھے۔ یہ بڑا قرآن اس ستون کے پاس رکھے ہوئے صندوق میں بند کر کے داہنی طرف رکھا تھا جو مقامِ نبی ﷺ کی علامت کے لئے تعمیر کیا گیا تھا' صرف جمعرات اور جمعہ کے دن اسے کھولا جاتا تھا اور صبح کی نماز پڑھ لی جاتی تو اسے کھول کر پڑھا جاتا' اس کے بعد مہدی نے کئی قیمت والے قرآن بھیجے جنہیں (حفاظت کے لئے) صندوقوں میں رکھا گیا اور مصحف حجاج وہاں سے ہٹا لیا گیا' اسے ستون کی بائیں طرف رکھ دیا گیا پھر ان کے لئے چھوٹے منبر بنائے گئے جن پر انہیں رکھ کر پڑھا جاتا اور حجاج والا مصحف اس کے صندوق میں محفوظ کر کے منبر کی دائیں طرف والے ستون کے پاس رکھ دیا گیا۔ انتہٰی۔

میں کہتا ہوں کہ پہلے مؤرخین کے ہاں اس مصحف کا ذکر کہیں نہیں ملتا جو آج کل اس قبہ میں ہے جو مسجد کے درمیان میں بنا ہوا ہے اور جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے منسوب ہے بلکہ ہم پہلے جو کچھ بیان کر چکے ہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت یہ مصحف وہاں موجود نہ تھا بلکہ کلام نجار میں اس کا ذکر بھی نہیں ملتا حالانکہ وہ متاخرین میں سب سے پہلے تاریخ دان تھے اور مسجد نبوی میں موجود قرآنوں کا انہوں نے باقاعدہ ذکر بھی کیا ہے' اس کا اکثر حصہ مٹ چکا ہے اور کاغذ بکھر چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے جمع کر کے باب مروان کی جانب جلے ہوئے مقصورہ میں جھول کے اندر رکھا گیا ہے۔

ابن زبالہ نے مزید لکھا کہ مسجد میں ملاح کے لکھے ہوئے کئی قرآن ہیں جنہیں ساج سے بنے ڈبے میں محفوظ کیا گیا ہے جو مقامِ نبی ﷺ کے پیچھے مقصورہ کے سامنے رکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہاں ایک بڑی کرسی ہے جس میں قرآن رکھ کر اسے تالا لگا دیا گیا ہے' یہ مصر سے لایا گیا تھا اور یہ اس ستون کے پاس ہے جو مقامِ نبی ﷺ کی لائن میں بنایا گیا ہے' اس کے پہلو میں کرسیوں پر دو قرآن رکھے ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ تلاوت کرتے ہیں' ان کے علاوہ وہاں کوئی مصحف نہیں ہے۔ انتہٰی۔

میں نے اس قرآن کے بارے میں نہیں دیکھا کہ اسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کیا گیا ہو' ہاں مطری وغیرہ کے کلام میں اس جگہ اس کا ذکر ہے جہاں آگ سے بچ جانے والے مسجد کے درمیان قبے کا ذکر ہے ہاں ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ مقامِ نبی ﷺ کے سامنے (جسے وہ ''روضۂ صغیرہ'' کہتے ہیں) ایک صندوق ہے پھر مقام اور حجرہ مبارکہ کے درمیان (مشرق سے مقام کی طرف) ایک بڑا ہودج ہے جس پر ایک بڑا قرآن رکھا ہے جس پر پردہ ہے اور اسے تالا لگایا گیا ہے۔ یہ ان چار مصاحف میں سے ایک ہے جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہروں کی طرف بھیجا تھا۔ انتھٰی۔

یہ قرآن جس کے بارے میں ابن جبیر نشانیاں بتا رہے ہیں' یہ نشانیاں اس مصحف پر سچی آتی ہیں جس کے بارے میں ابن نجار نے بتایا ہے کہ مصر سے منگوایا گیا تھا لیکن اسے حضرت عثمان کی طرف منسوب نہیں کیا حالانکہ ابن جبیر نے وضاحت کی ہے کہ یہ ان مصاحف میں سے ہے جنہیں حضرت عثمان نے شہروں کی طرف بھیجا تھا' وہ نہیں جو آپ کے قتل کے وقت گود میں تھا جبکہ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ قتل کے وقت آپ کی گود والا قرآن آپ کے بیٹے خالد کے پاس تھا پھر ان کی اولاد کے پاس رہا' انہوں نے اسے لپیٹ کر رکھ لیا تھا۔ پھر کہتے ہیں: مجھے ایک شامی شیخ نے بتایا کہ یہ مصحف سرزمین طوس میں ہے۔ انتھٰی۔

علامہ شاطبی کے کلام کا حاصل یہ ہے' حضرت مالک نے کہا: لکھنے والے کو چاہئے کہ وہ پہلے لکھے ہوئے کے مطابق لکھے' انہیں سامنے نہ رکھا جائے جو لوگوں نے اب لکھے ہیں۔ امام مالک کہتے ہیں: کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا مصحف غائب ہو گیا تھا اور مشائخ کے ہاں اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔

ابو عبید قاسم بن سلام' کتاب ''القراءات'' میں لکھتے ہیں: میں نے وہ قرآن دیکھا تھا جسے مصحف عثمان بن عفان کہتے ہیں' مجھے امراء کے خزانے سے نکال کر دکھایا گیا' یہ وہی تھا جو حضرت عثمان کی شہادت کے وقت ان کی گود میں تھا' میں نے کئی مقامات پر خون کے نشان دیکھے تھے لیکن ابو جعفر نحاس نے کلامِ مالک کی بناء پر یہ بات رد کر دی ہے۔ شاطبی کہتے ہیں کہ انصاف پسند لوگوں نے اس بات کا انکار کیا ہے کیونکہ مالک کے قول '' تَغَيَّبَ '' سے ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مکمل طور پر گم ہو گیا ہو کہ مل ہی نہ سکے کیونکہ غائب ہونے والی چیز کے مل جانے کی اُمید ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں' یہ بھی احتمال ہے کہ پتہ چلنے پر وہی مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہوا ہو اور پھر اسے مسجد نبوی میں رکھ دیا گیا ہو لیکن اس احتمال کو یہ بات کمزور کر دیتی ہے کہ قاہرہ میں ایک قرآن ہے جس میں قرآن کی اس آیت پر خون کے نشان ہیں: فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ جیسے اس وقت مدینہ منورہ میں موجود قرآن پر موجود ہیں جبکہ صحیح بخاری میں' حضرت عثمان کی کتابتِ قرآن کے مقام پر لکھا ہے کہ: حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت' حضرت عبد اللہ بن زبیر' حضرت سعید بن عاص اور حضرت عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا تو انہوں نے مصحف لکھے اور پھر وہی ہر طرف بھیج دیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لکھے وہ قرآن جو ہر علاقے میں بھیجے گئے

قرآنوں کی اس گنتی میں اختلاف پایا جاتا ہے جو حضرت عثمان نے مختلف علاقوں کی طرف بھیجے تھے کہ ان کی تعداد کیا تھی؟ ابن حجر کے مطابق ان کی تعداد پانچ تھی۔ ابو داؤد نے کہا کہ چار تھے' ان میں سے ایک کوفہ کی طرف بھیجا جو مراد میں سے ایک شخص کے پاس تھا' میں نے اسی سے لکھ لیا۔ ابن ابو داؤد لکھتے ہیں: میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا' فرماتے تھے کہ آپ نے سات قرآن لکھوائے پھر مکہ' شام' یمن' بحرین' بصرہ' کوفہ اور ایک ان میں سے مدینہ میں رکھ لیا گیا۔ انتہٰی۔

اس وقت موجود مصحف کے بارے میں ہمارے پاس صرف ایک احتمال ہی موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد میں چراغ (قندیل) لٹکانا

مسجد میں چراغ (یا روشن کرنے والی چیز) کا استعمال مستحب ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے دور میں چراغ کا انتظام کیا۔ کچھ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلائے تھے اور یہ اس وقت جب لوگ ایک امام کے پیچھے تراویح پڑھنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا گیا تھا۔

یوسف بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ مسجد کی قندیلوں کے لئے شام سے تیل منگوایا جاتا تھا' یہ اس وقت بند ہوا جب مدینہ کے امیر جعفر بن سلیمان تھے۔ انہوں نے بازار سے لینا شروع کیا اور جب داؤد بن عیسےٰ امیر مدینہ تھے اور لوگوں کو انگور سے بننے والی شراب سے روک کر اسے گرا دیا گیا تو یہ بیت المال سے نکالا جانے لگا۔ یہ ۱۹۸ھ کی بات ہے۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ بیت المال میں تیل کے ناظم کی تنخواہ تین دینار ماہانہ تھی اور ٹوٹنے والی قندیلیں بھی بیت المال کے ذمہ تھیں۔ انتہٰی۔

ابن نجار کہتے ہیں کہ ہمارے اس دور میں مصر کے اوقاف سے یہ تیل منگوایا جاتا ہے۔ اس کی مقدار ستائیس مصری قنطار ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی چھوٹی بڑی ایک سو ساٹھ شمعیں بھی آتی ہیں' پھر خوشبو سلگانے کا سامان بھی آتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل یہ تیل مصر اور شام سے منگوایا جاتا ہے جو سو قنطار سے زیادہ ہوتا ہے' جس میں سے کچھ تو مصر میں قاضی شافعیہ کی نگرانی میں اوقاف سے آتا ہے اور کچھ امام کے ہاں سے۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۳۱

مسجد نبوی کے برآمدے، ستون، موریاں، مشکیزے اور زرہیں وغیرہ

ابن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی مستطیل شکل میں ہے جسے چاروں طرف سے برآمدوں نے گھیرا ہوا ہے اور اُن سب کے درمیان صحن ہے۔قبلہ کی طرف (قبلہ کے چھتے حصے کی طرف) پانچ برآمدے ہیں اور پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ ان میں اضافہ کیا گیا تو یہ سات ہو گئے' یہ مشرق سے شروع ہو کر مغرب میں ختم ہوتے ہیں۔ابن جبیر کہتے ہیں کہ شامی جانب بھی پانچ برآمدے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات ہمارے مہدی کے اضافے میں بیان کردہ کے موافق ہے کہ انہوں نے شام کی طرف والی ڈیوڑھیوں میں پانچ ستونوں کا اضافہ کیا تھا اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ ان سب میں سے چار باقی ہیں اور یہ چاروں برآمدے ہیں۔لگتا ہے کہ جب پہلی آتشزدگی کا موقع تھا اور دو برآمدے بڑھائے گئے تھے تو ایک انہوں نے مسجد میں اضافہ کی خاطر گھٹا دیا تھا' یہ شامی جانب تھا۔میں نے یہ بات کسی تاریخ دان سے لکھی نہیں دیکھی اور یہی چھتا ہوا حصہ آج کل ''دکّاک'' کہلاتا ہے کیونکہ یہ باقی زمین سے اونچا ہے' یہ علم نہیں کہ یہ کب بنا تھا' ابن جبیر نے اس کی بلندی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ اس سے کم بلند چیزوں کا ذکر کر گئے ہیں۔ان کا وصال مسجد میں پہلی آتشزدگی سے پہلے ہو گیا تھا تو شاید یہ ان کے بعد بنا ہو جیسے دوسری آتشزدگی پر مسجد کے دونوں طرف دو نئے چبوترے بنے تھے۔

مسجد نبوی کی دیواریں

ہمارے اس دور میں قبلہ والے چبوترے کے نزدیک جو حصہ مغربی جانب ہے' وہاں ایک اور چبوترہ دکھائی دیتا ہے اور یہ وہی ہے جسے دیوار حجرہ گرنے پر حجرہ والے حصے میں' تعمیر مسجد کے وقت بنایا گیا تھا۔ابن زبالہ کے کلام میں ہے کہ شام کی طرف چھتے حصے کو ''سقائف نساء'' کہتے ہیں۔

ابن جبیر کہتے ہیں کہ مشرقی جانب میں قبلہ سے شام تک تین برآمدے اور غربی جانب میں بھی یونہی چار ہی تھے۔یہ ابو جبیر نے ذکر کیا ہے البتہ انہوں نے برآمدے کہنے کی بجائے اسے بلاط (ہموار زمین) کہا ہے اور یونہی ابن عبدربہ نے ''عقد'' میں بیان کیا ہے اور یہ مسجد نبوی کی موجودہ صورت کے مطابق ہے البتہ قبلہ اور شام والے چھتے حصے میں یوں نہیں ہے۔

ابن جبیر کہتے ہیں کہ قبلہ والی دیوار کے نچلے حصے میں مرمر لگا ہے جو مختلف رنگوں میں کئی ڈیزائنوں سے لگایا گیا

ہے، خوب چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر لگائے گئے ہیں اور دیوار کے انتہائی اوپر والے حصہ میں کئی قسم کے پتھر کے ٹکڑے سجائے گئے ہیں، کاریگروں نے اس میں اپنے فن کا خوب مظاہرہ کیا ہے اور عجیب وغریب شکلیں بنائی ہیں، درختوں کی ایسی صورتیں بنائی ہیں کہ پھل سے لدی ٹہنیاں جھکی دکھائی دیتی ہیں اور ساری مسجد اسی کاریگری سے بنائی گئی ہے لیکن قبلہ والی دیوار میں کام بہت زیادہ کیا ہوا ہے اور قبلہ کے سامنے دکھائی دینے والی دیوار نیز شامی جہت والی دیوار بھی ایسی ہی ہے اور پھر مشرقی وغربی صحن کے سامنے دونئی دیواریں بھی ایسی ہی ہیں، ان پر کئی رنگوں میں کام کیا گیا ہے۔ابن جبیر نے یونہی نقشہ کھینچا ہے۔انتہی۔

پھر ''عقد'' میں ابن عبدربہ نے قبلہ والی دیوار میں بہترین مرمر اور نقش ونگار کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ مسجد کی تمام دیواریں اندر کی طرف سے اوّل سے آخر تک مرمر، سونا اور مختلف پتھروں سے سجائی گئی ہیں نیز یہ بتایا ہے کہ ستونوں کے سرے سنہری نقش ونگار سے سجائے گئے ہیں اور پھر دروازوں کی چوکھٹیں بھی خوبصورت بنادی گئی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ پہلی آتشزدگی میں جل گیا تھا، اس میں سے کچھ کے آثار، مسجد کی دیوار کے مغربی چھتے ہوئے حصے میں دکھائی دیتے ہیں اور یونہی شمال مغربی حصے میں اذان کے مقام پر بھی کچھ نقش ونگار دکھائی دیتے ہیں، رہی قبلہ کی دیوار تو اس میں صرف ایک تختی بچی ہوئی ہے جس میں محراب کے سامنے دائیں طرف درختوں کی شکلیں نظر آتی ہیں اور یہ آثار قدیم ہیں اور ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ محراب کی بائیں طرف بھی ایسی ہی تختی موجود تھی جواب گرگئی ہے اور پھر یہ سب کچھ دوسری آتشزدگی میں جل گیا تھا۔اس مذکور دیوار میں پتھر کا کام، پہلی آتشزدگی کے بعد سلطان ظقمق نے کرایا تھا جیسے ہم بتا چکے ہیں کہ محراب عثمانی اور اس کے اردگرد کا حصہ پہلے سے مرمر کے ساتھ سجا ہوا تھا اور باقی مسجد نہایت سفید معلوم ہوتی ہے اور پھر قبلہ کی دیوار میں بھی نقش ونگار والی دو پٹیاں تھیں جن کا ذکر ہو چکا جن کے اوپر کا کچھ حصہ ٹوٹ گیا تھا چنانچہ متولی نے وہ اور اس کے گرد والا حصہ اکھاڑ دیا تھا اور نئے سرے سے اسے سلطان اشرف قایتبائی کا نام لکھ کر سجا دیا تھا اور پھر باقی پٹی سے ملا دیا تھا۔

مسجد کے ستون

رہی ستونوں کی تعداد تو ابن زبالہ نے بتایا کہ یہ ایک سو چھیانوے تھے جن میں سے چھ تو قبرِ انور کی دیوار میں تھے۔

ابن جبیر کہتے ہیں کہ ان کی تعداد دوسونوے تھی۔ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ابن جبیر نے ان ستونوں کا شمار نہیں کیا جو قبر شریف کی دیوار میں ہیں البتہ ایک ستون کا مغالطہ رہ جاتا ہے کیونکہ ہماری تحریر سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ قبرِ انور والے ستونوں سمیت اس زمانے میں دوسو پچانوے تھے کیونکہ غربی چھتے ہوئے حصے میں چار صفیں (لائنیں) تھیں اور جب تم قبلہ والی دیوار سے شامی دیوار تک شمار کرو تو یہ لائن اٹھائیس ستونوں کی تھی چنانچہ اس حصہ میں

ایک سو بارہ ستون آتے تھے پھر مشرقی چھتے حصے میں تین لائنیں تھیں جن میں سے ہر لائن اٹھائیس اٹھائیس ستونوں کی تھی البتہ درمیانی دیوار میں سے ایک کم تھا اور اس کا ہمیں اس وقت پتہ چلا جب حجرہ مبارکہ کو دیکھنے کا موقع بنا تھا کیونکہ حجرہ مبارکہ کی شامی دیوار سے متصل ستون' جو باہر والی دیوار کے اندر تھا اور جس کے بارے میں بتایا جا چکا کہ متولی نے اسے اس دیوار کی چوڑائی میں داخل کر دیا تھا جس کے مقابلے میں وہ ستون آتا ہے جس کا آدھا حصہ قبلہ والی دیوار کے ظاہری حصے میں داخل تھا اور جب دونوں طرف کے آمنے سامنے والے ستونوں کو دیکھا جائے تو صاف دکھائی دیتا ہے کہ ان کے درمیان میں بھی ایک ستون ہوگا جو مربعۃ القبر اور باہر والی دیوار میں داخل صندوق کے ستون کے درمیان تھا لیکن اب موجود نہیں کیونکہ اس وقت وہ حجرہ مبارکہ کے درمیان میں آ گیا تھا لہٰذا اس لائن میں اسی سبب سے ایک ستون ختم ہو گیا اور یہ ستون انہیں دکھائی نہیں دے سکا جس نے کھلا ہوا حجرہ مبارکہ نہیں دیکھا لہٰذا اس صورت میں مشرقی چھتے حصے کے کل ستون' دیوارِ قبلہ سے شامی دیوار تک تراسی ہوئے اور اس کے بعد باقی ستون' قبلہ والی چھتے حصے میں وہ رہ جاتے ہیں جو صرف مسجد کے صحن کے مقابلے میں آتے تھے اور وہ پانچ لائنیں تھیں جن میں سے ہر ایک دس ستونوں کی تھی لہٰذا یہ کل پچاس ستون ہوئے اور پھر شامی چھتے ہوئے حصے میں بھی پانچ لائنیں تھیں جو ان کے مقابلہ میں تھیں چنانچہ قبر انور میں داخل ستون سمیت کل تعداد دو سو پچانوے ہوئی اور چھتے ہوئے غربی حصے کے آخر میں غربی دیوار سے متصل دو ستون تھے جو اس گنتی میں شامل نہیں۔ رہی آج کی مسجد میں ستونوں کی تعداد تو پہلے بتایا جا چکا کہ قبلہ والے چھتے حصے میں مسجد کے صحن کی جانب دو برآمدے تھے جبکہ شامی چھتے حصے میں سے ایک کم ہو گیا تو پہلوں میں دس کا اضافہ ہو گیا اور یہ ان ستونوں میں سے خارج ہیں جو اس چھت کی وجہ سے نئے بنے تھے جو شامی دروازے کے سامنے تھی پھر اس آتشزدگی کے بعد نئی تعمیر میں وہ ستون نہ بنا جو مصلائے نبوی اور محراب عثمانی کے درمیان تھا بلکہ وہاں موجود ستونوں کے ساتھ اور ستون بنا دیئے گئے اور کچھ کو یوں تبدیل کیا گیا جیسے انیسویں فصل میں گذر چکا ہے اور قبلہ کے چھتے حصے کے ستونوں کو تبدیل کر دیا گیا اور یوں مسجد کے کل ستون (جیسے ابن جبیر نے بتایا) وہ تھے جو چھت کی موٹائی کے ساتھ متصل تھے اور مسجد کے گرد جنگلے کے قریب تھے۔ یہ پتھر کے سوراخ دار پتھروں سے بنے تھے جو نر مادہ تھے اور جن میں سریا لگایا گیا تھا پھر ان میں پگھلا ہوا سکّہ ڈالا گیا جس سے وہ یکجان ہو گئے۔ میں کہتا ہوں اس جالی سے مراد وہ جالی ہے جسے لوہے سے آج کل باندھا جا رہا ہے' رہے وہ ستون جو برآمدوں میں داخل ہیں تو ان سے مراد وہ ہیں جو چھت سے متصل تھے' سوا ان دو برآمدوں کے جو قبلہ کے چھتے حصے سے مسجد کی کھلی جگہ سے ملتے تھے۔

ابن نجار نے پہلے مؤرخین کی پیروی میں ان محرابوں کو طاق کہا ہے چنانچہ کہتے ہیں: رہے ان کے طاق (محراب) جو صحن کے گرد ہیں' تو قبلہ کی طرف ان میں سے گیارہ ہیں اور اتنے ہی شامی جانب میں ہیں جبکہ مشرق و مغرب کی ہر جانب انیس انیس ہیں اور ہر دو ستونوں کے درمیان ایک محراب موجود ہے جن کے سروں پر لکڑی کی جالیاں لگا دی گئی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بات مشرق و مغرب سے متصل جہت میں ابن زبالہ کی بات کے مطابق تھی جبکہ اس کے خلاف ہے جو جہت قبلہ اور شام کی جہت میں ملتی تھی کیونکہ انہوں نے کہہ دیا ہے: اس کے قبلہ والے طاقوں کی تعداد بارہ تھی' شام کی طرف بھی بارہ' مشرق کی طرف انیس اور مغرب کی طرف بھی انیس تھی چنانچہ یہ باسٹھ محرابیں ہوئیں۔انتہی اور پھر یہ بات اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک غربی چھتے حصے کو صرف تین برآمدے شمار نہ کیا جائے جیسے مشرقی حصہ تھا چنانچہ وہ ڈاٹیں' جو قبلہ اور شام کی طرف تھیں' بارہ ہوتیں اور ستونوں کی جو تعداد پہلے بتائی گئی' یہ اس کے خلاف ہے لہٰذا ابن نجار کا بتایا صحیح ہوا۔

پھر وہ ڈاٹیں جو آج کل شام اور قبلہ کی طرف سے کھلی جگہ کو گھیرے ہوئے ہیں' ان کے موافق ہیں جن کا ابن نجار نے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ہر طرف سے گیارہ گیارہ ہیں' ہاں مقصورہ کا شامی دروازہ اور اس کی چھت' اس قبلہ والی ڈاٹ سے بند کر دی گئی ہے' رہا مشرق و مغرب والی ڈاٹیں تو وہ ہر طرف سے ایک کم ہو گئی کیونکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ قبلہ والے چھتے حصے میں دو برآمدے اضافہ کئے گئے اور شام والے چھتے حصے سے ایک برآمدہ گھٹ گیا تھا چنانچہ ہر جانب سے ڈاٹوں کی تعداد' اٹھارہ ہوئی۔ آج کل جالیوں سے بند کئے ہوئے وہ ڈاٹ ہیں جو قبلہ والے پورے اور کچھ مشرق والے تھے اور یہ دوسری آتشزدگی میں جل گئے تھے۔

ابن زبالہ کے مطابق محمد بن اسماعیل نے کہا: میں نے دیکھا کہ جمعہ کے دن لوگ مسجد میں سماتے نہیں تھے لہٰذا کچھ لوگوں کو دار القضاء میں نماز پڑھنا پڑتی تھی جو ان دنوں تعمیر ہو چکا تھا' کچھ لوگ ابن مکمل کے گھر' کچھ دار الخادمین میں اور کچھ عاتکہ کے گھر میں جمعہ پڑھتے اور ۱۴۰ھ میں جب ابو جعفر المنصور مدینہ میں آئے تو انہوں نے پردے لانے کو کہا اور پھر انہیں مسجد کے صحن میں خیموں کی چھتریوں پر ڈال دیا گیا جنہیں ڈاٹوں پر لگا دیا گیا' ان میں ہوا داخل ہو سکتی تھی' یہ ستون نما چھتریاں پھٹے ہوئے حصوں پر گر جاتیں لہٰذا اس نے انہیں تبدیل کر دیا اور موٹے پردے منگوا کر رسیوں سے باندھ دیئے' یہ رسیاں کشتیوں کی تھیں جو جدہ سے منگوائی گئی تھیں جنہیں پرانی رسیوں کی جگہ ڈالا گیا' وہ جمعہ کے دن لوگوں پر تان دی جاتیں' یونہی کام چلتا رہا' آخر ۱۴۵ھ میں جمادی الاولیٰ کی دو راتیں رہتیں تھیں' رات بدھ کی تھی کہ محمد بن عبد اللہ بن حسن آئے چنانچہ پرانے نیزے کاٹ دئے گئے جن سے جنگ کی جاتی تھی اور ہارون کے زمانے تک انہیں یونہی چھوڑ دیا گیا' یہ امیر المؤمنین تھے چنانچہ انہوں نے یہ پردے لگا دئے حالانکہ بنو امیہ کے دور میں یہ پردے نہیں لگے تھے۔

میں کہتا ہوں' ہوا یہ کہ انہیں اُتار دیا گیا کیونکہ ان کی ضرورت نہ رہی تھی کہ مدینہ میں لوگ کم ہو گئے تھے بلکہ بہت سے برآمدے خالی رہ جایا کرتے تھے۔آج کل حجرہ کے شامی جانب ایک پردہ موجود ہے جسے مشرقی ستون پر خادموں کو دھوپ سے بچانے کے لئے لگا دیا جاتا ہے۔

ابن زبالہ و یحییٰ کہتے ہیں کہ جب مسجد کے صحن میں بارش کا پانی جمع ہو جاتا تو قبلہ کی جانب والی ڈیوڑھیاں بھر

دیتا اور اس طرف کی کنکریاں بہہ کر مسجد کے صحن میں آ جاتیں لہٰذا قبلہ اور صحن کے درمیان قبر کے سامنے ستونوں سے متصل انہوں نے ایک پتھر کا پردہ لگا دیا' یہ پتھر مغربی جانب تھے' یوں صحن کا پانی قبلہ کی طرف جانے سے رُک گیا اور وہ کنکریاں بھی مسجد کے صحن میں آنا بند ہو گئیں۔

یحییٰ کی عبارت یوں ہے: ابو البختری نے پتھر لانے کو کہا چنانچہ اس پانی کے سامنے انہوں نے پتھر لگا کر روک کر دی جس کی وجہ سے وہ کنکریاں بہہ کر آتی تھیں' یہ پتھر قبر انور کے قریب چوکھٹے اور اس چوکھٹے کے درمیان لگائے جو مسجد کے مغربی جانب تھا نیز یہ دیوار ستون کے متصل کی تھی۔

میں کہتا ہوں' پتھر سے یہ پردہ انہوں نے مشرق سے مغرب تک کے درمیانی خلا میں کیا تھا' جبکہ قبر انور کو چوکھٹا مشرق کی جانب سے ستونوں کی ابتداء میں تھا کیونکہ یہ ستونِ وفود والی لائن میں تھا' یہ لائن قبلہ کے چھتے حصے کے آخر میں تھی جبکہ غربی چوکھٹا مغربی جانب ستونوں کے آخر میں تھا' یہ ستون ان دنوں آٹھ پہلو والا ہے' جس کے اور مسجد کے غربی صحن کے رُکن کے درمیان آج کل دو ستون ہیں جن کا سبب وہ دو برآمدے ہیں جو مذکورہ چھتے حصے کے آخر میں تھے اور یہ پردہ آج کل دفن ہو چکا' اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا اور ظاہر یہ ہے کہ ان ستونوں کے درمیان جو مشرق سے مغرب میں صحن مسجد کے اندر تھے' ایسا ہی پردہ موجود تھا اور وہاں پہلے سے موجود چبوترے سے پہلے دو چبوتروں کی جگہ دو چبوتروں کے درمیان تھی' ابھی اس کا کچھ نشان باقی ہے پھر آج کل کے قبلہ کی طرف چھتے حصے کی زمین قریبی صحن سے قدرے اونچی ہے لہٰذا اسے پانی کا اثر نہیں پہنچ سکتا تاہم متولی نے دوسری آتشزدگی کے بعد اسے مصلّٰی شریف کی زمین کے برابر کر دیا تھا لہٰذا قبلہ کی طرف مسجد کی کھلی جگہ سے ملنے والے ستونوں کے درمیان اس کی ضرورت پڑی۔

پانی کے خارج کرنے کے لئے نالیوں کی تعداد

مسجد نبوی میں چونسٹھ بالوعہ جات (پانی کے برتن جن میں پانی سٹور کر کے بعد میں گرا دیا جاتا) تھے جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا' ان پر پتھر رکھے ہوتے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل صرف ایک بالوعہ موجود ہے جس کے دو دہانے ہیں اور یہ ان دو پتھروں کے پاس ہیں جن کا ذکر آ چکا' ان میں سے ایک تو قبلہ کی جانب دو پتھروں کی طرف ہے اور دوسرا ان دونوں کے شامی جانب ہے اور یہ دونوں وہاں موجود ایک کنوئیں میں جمع ہو جاتے ہیں' ان دونوں پر چکی جیسے گول پتھر ہیں اور پھر ان دونوں کے دہانوں پر نچلی طرف جالی ہے جس میں سے پانی داخل ہو جاتا ہے اور کنکر گرنے نہیں پاتے حالانکہ پہلی تعمیر میں یہاں سے کافی کنکر نکلے تھے۔

مسجد میں پانی پینے کی جگہیں

رہے پانی کے مقامات تو ابن زبالہ کے دور کے اندر مسجد کے صحن میں یہ انیس مقامات تھے' ان کا دور ۱۹۹ھ تھا'

ان میں سے تیرہ کو ایک عورت خالصہ نے بنایا' یہ سب سے پہلے بنانے والوں میں تھی' تین' زید بربری نے بنائے تھے جو امیر المؤمنین کا غلام تھا' ایک ابو البختری وھب بن وہب نے بنایا تھا' ایک شجن نے بنا رکھا تھا جو امیر المؤمنین ہارون کی اُم ولد تھیں' ایک سقایہ سلسبیل کا تھا جو جعفر بن ابو جعفر کی اُم ولد تھیں۔ یہ سب کچھ ابن نجار نے لکھتے ہوئے ان کی وضاحت بھی کی ہے اور پھر کہا ہے: اب ان میں سے صرف ایک سقایہ مسجد کے درمیان میں موجود ہے' یہ ایک بڑا حوض سا ہے جسے اینٹوں' چونے اور لکڑی سے بنایا گیا ہے' اس کی چاروں طرف سے چار نالیوں کے ذریعے چشمے سے پانی جمع ہوتا ہے اور فوارے سے اوپر اُٹھتا ہے اور پانی صرف ان دنوں میں جمع ہوتا ہے جب حج کا موسم ہوتا ہے' باقی دنوں میں یہ خالی رہتا ہے۔ اسے شام کے ایک امیر شامہ نے بنایا تھا' ابن زبالہ کہتے ہیں کہ خلیفہ الناصر لدین اللہ کی والدہ ''جہت'' نے ایک بڑا حوض بنایا تھا جس میں کئی گھر تھے اور اس نے اس کے لئے کنواں کھودا تھا اور اس کے لئے شامی دیوار میں سے مسجد کی طرف ایک دروازہ رکھا تھا۔ انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں' ابن زبالہ کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ سقایہ سے ان کی مراد وہ حوض وغیرہ ہے جو پانی پینے کے لئے ہوتا ہے لیکن ابن نجار کی کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ برتن ہے جو وضو کرنے کے لئے ہوتا ہے اور پھر خلیفہ کی والدہ کی طرف سے اس کا بنایا جانا یہی ظاہر کرتا ہے کیونکہ وہ ایسا حوض مراد لے رہے ہیں جس کا دروازہ شامی دیوار میں تھا' اس کا قدیم زمانے میں ایک اور دروازہ بھی تھا جو بند کر دیا گیا اور مغرب میں مسجد سے ملا ظاہر ہوتا ہے۔

ابن زبالہ کے قول ''اس حوض میں کئی گھر تھے'' سے مراد اس میں خلاء تھے اور اس سے پہلے قول: ''اب ان میں سے صرف ایک سقایہ موجود ہے جو مسجد کے درمیان میں ہے۔'' سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے مراد مسجد کے درمیان پانی پینے کا حوض لے رہے ہیں۔

اس سلسلے میں بدر بن فرحون کہتے ہیں: مسجد کے درمیان میں ایک سقایہ (حوض) تھا جس میں چشمے کا پانی ڈالا جاتا تھا' اس دوران اسے خادموں کے شیخ نے بنایا تھا' اس پر خرچہ کرنے کے لئے اس نے اپنے مال میں سے کچھ حصہ وقف کر رکھا تھا' اس کی پیمائش ہر طرف سے پندرہ ہاتھ تھی' اس کے درمیان میں مرمر سے پانی نکلنے کی جگہ بنائی (فوارہ) پھر وہاں کوزے اور بند لوٹے رکھے' اس میں لکڑیاں اور کھجور کی ٹہنیاں لگائیں اور لوہے سے قبہ بنایا پھر کئی سال گذرنے کے بعد وہاں جھگڑے کی صورت بنی' وضو کرنے والے اس کے اندر داخل ہو جاتے اور یوں وہاں فتنے کی صورت بن گئی۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ جب فائدے کی بجائے' اس کا نقصان زیادہ معلوم ہونے لگا تو قاضی شرف الدین امیوطی اور شیخ ظہیر الدین کے باہمی مشورے سے اسے اُکھاڑ دیا گیا۔

رہا وہ حوض جس کا ابن نجار نے ذکر کیا ہے' اس کا ذکر مطری کی کلام میں ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابن ابی الھیجاء نے بنایا تھا کیونکہ چشمے کے بارے میں آئندہ وہ بتا رہے ہیں کہ ابن ابی الھیجاء نے ۵۶۰ھ میں اس سے ایک شاخ نکال کر باب السلام کی طرف مسجد کے قریب کھلی جگہ میں ڈال دی تھی۔ پھر مزید بتایا کہ اس میں سے ایک چھوٹی سی

شاخ (نالی) بنائی جو مسجد کے صحن میں داخل ہوتی تھی' پھر اس کے لئے ایک گھاٹ بنایا جس میں سے فوارے کے ذریعے پانی نکلتا اور ضرورت مند اس سے وضو کرتے' اس میں سے وضو کرتے وقت بے پردگی ہو جاتی تھی اور لوگ استنجاء کرتے تھے لہٰذا مسجد کے احترام کی خاطر اسے بند کر دیا گیا۔انتہیٰ۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے مسجد میں موجود کھجور کے قریب اس کے نشان دیکھے ہوئے ہیں لیکن اس وقت وہاں کوئی نشان موجود نہیں' صرف بند لوٹے وہاں لٹکے ہیں جن سے خاص وقتوں میں لوگ پانی پیتے ہیں البتہ خادموں کے لئے بنے ہوئے حوض میں ہر وقت پانی ہوتا ہے اور جب ہمارے سلطان اشرف نے باب الرحمہ اور باب السلام کے درمیان مدرسہ بنایا تو اس میں سے باب الرحمہ کی طرف راستہ بنایا جو مسجد کی طرف جاتا تھا۔

مسجد سے متعلق ساز و سامان

مسجد سے متعلق ساز و سامان میں سے ایک گنبد ہے جو مسجد کے صحن میں تھا۔اس کا ذکر گذر چکا' آج کل اکثر اس میں مسجد میں شمعیں وغیرہ جلانے کا تیل ہوتا ہے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب قرآن اسی میں ہے پھر مسجد ہی میں چاروں مناروں کے سامنے ایک سٹور ہے جن میں سے قبلہ والے مناروں کے سامنے کے سٹور پہلے والے ہیں جبکہ شامی مناروں والے سٹور نئے بنے ہوئے ہیں اسی لئے بدر بن فرحون نے کہا ہے:
حق یہ ہے کہ شامی مناروں والے سٹور زائل کر دیئے جائیں کیونکہ ان کے دروازے اصلی دروازوں پر بنے ہیں اور پھر شمال مغربی منارۂ یعنی منارۂ خشبیہ کے دروازے کی جانب بھی ایک چھوٹا سا سٹور ہے جس میں مسجد کے خادم اپنے بستر وغیرہ رکھتے ہیں اور کبھی اس میں وہ لوگ بھی ٹھہر جاتے ہیں جنہوں نے اعتکاف کرنا ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ مغربی جانب بھی دو بڑے سٹور ہیں جن میں شیشے کی قندیلیں اور مسجد کے کچھ اوزار وغیرہ رکھے جاتے ہیں' انہی دونوں میں سے پہلے میں نے اپنی کتابیں رکھی ہوئی ہیں' میں اس میں مطالعہ کے لئے بیٹھتا ہوں اور اعتکاف بھی یہیں کرتا ہوں کیونکہ یہ مسجد کا حصہ ہے۔یہاں ٹھہرنے کی وجہ سے مجھے ایسا معاملہ پیش آیا تھا جسے بیان کرنے کا یہ موقع نہیں' پھر اس کے مقابلے میں مشرق کی طرف منارۂ سنجاریہ کے ساتھ تنہائی کی کھلی جگہ ہے' یہاں بھی خادموں کے بستر وغیرہ ہوتے ہیں' اسی کی جانب دو سٹور ہیں جن میں سے ایک تو اسی شخص کے قبضہ میں ہوتا ہے جس کی صفائی کی باری ہوتی ہے' وہ اس میں فانوس وغیرہ رکھتا ہے اور دوسرا بھی خادموں ہی کے قبضے میں ہوتا ہے پھر مشرقی جانب باب جبریل کے قریب' اس کے اور باب النساء کے درمیان ایک سٹور ہے جہاں خدام نے پینے کا پانی رکھا ہوتا ہے نیز کچھ بستر اور دوسرا سامان ہوتا ہے' کلام ابن زبیر میں اسی کا ذکر ملتا ہے چنانچہ کہتے ہیں: مشرقی جانب ایک لکڑی سے بنا ہوا مکان ہے جہاں مسجد کے پہرے دار خادم رات کو ٹھہرتے ہیں۔پھر بتاتے ہیں: مسجد کے خادم مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے اور صاف ستھرے لباس والے ہوتے ہیں۔انتہیٰ۔اسی سٹور کی طرف ایک صندوق ہے جس میں وہ تیل رکھا ہوتا ہے جو روزانہ جلانے کے لئے قبہ سے نکالتے

ہیں۔ مسجد کی غربی جانب باب الرحمہ اور باب السلام کے درمیان ایک جگہ ہے جہاں قلعی چونا رکھا جاتا ہے جس کے دروازے کا نام خوخۂ ابوبکر ہے کیونکہ وہ اس کے مقابلے میں تھا اور جب مسجد میں اضافہ کیا گیا تو یہاں ایک خوخہ بنایا گیا جو پہلے والے خوخہ کے مقابل تھا پھر مدرسہ اشرفیہ کی عمارت بناتے وقت اس جگہ میں تین دروازے رکھے گئے۔ اس کی بائیں طرف تیسرے دروازے میں داخل ہوتے وقت' ان کی جگہ بائیں طرف ہے۔

مسجد کی قندیلیں

رہی قندیلوں کی تعداد تو ابن زبالہ کے مطابق ان کے زمانے میں دوسو نوے تھی جبکہ ہمارے اس دور میں کل قندیلیں دوسو چھپن ہیں جو ہمیشہ چلتی رہتی ہیں اور تقریباً سو قندیل کبھی کبھار جلاتے ہیں پھر ان ڈاٹوں میں سے ہر ڈاٹ میں تین قندیلیں ہیں جو مسجد کے صحن میں اس کے آگے اور دونوں طرف پر ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہر ڈاٹ میں صرف ایک ہی قندیل سے کام لے لیتے ہیں جیسے مسجد کے آخر میں ڈاٹیں ہیں اور خصوصاً اس وقت جب تیل ہی کم ہو۔

دوسری آتشزدگی کے بعد بہت سی نئی زنجیریں تیار کی گئی ہیں جن کے ساتھ قندیلیں لٹکاتے ہیں نیز مسجد کے صحن میں چار مشعلیں ہیں جن میں سے دو تو قبلہ کی طرف ہیں اور دو شام کی طرف' ان مشعلوں میں سے ہر ایک ستون کی طرح ہے' ان کے اوپر عظیم شمعدان ہیں جو زیارت کی مشہور راتوں میں جلائی جاتی ہیں' مجھے ان کی ابتداء کا علم نہیں پھر ریاض الجنہ کے آگے اور اردگرد تنور زیادہ کرتے ہیں' وہاں محفلیں بھی لگاتے ہیں خصوصاً رمضان المبارک کی ستائیسویں کو محفلیں بہت سجاتے ہیں' ان دنوں تقریباً ہر رات چالیس شمعیں جلاتے ہیں جنہیں ریاض الجنہ اور حجرہ انور کے مقابل بڑے بڑے شمعدانوں پر لگاتے ہیں' یونہی مغربی جانب اور کچھ ان میں سے محراب حنفیہ میں لگاتے ہیں۔ پھر مسجد میں چھ فانوس ہیں جن کے اردگرد پھر کر خادم عشاء کے بعد لوگوں کو مسجد سے نکالتے ہیں کیونکہ انہوں نے دروازے بند کرنا ہوتے ہیں' وہ مسجد میں صرف خادموں کو رہنے دیتے ہیں یا پھر انہیں' جن کی کسی کام پر ڈیوٹی ہوتی ہے۔

بدر بن فرحون' خدام کے شیخ حریری کی اچھی عادتیں بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے کھجور کی لکڑی پر شمعیں لے کر گھومنا بند کر کے ان کی جگہ فانوس (لالٹین) کا رواج ڈالا جنہیں آج کل رات کو لے کر گھومتے ہیں' اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حریری سے قبل اور ان کے ابتدائی دور میں خادموں کے غلام اور کچھ جھاڑ والے کھجور والی شمعیں لے کر چلتے اور آج کل کے فانوس کی بجائے انہیں جلاتے اور جب وہ باب النساء کے پاس پہنچتے تو انہیں باہر نکال دیتے اور باقی کو روند ڈالتے جن سے مسجد اور دروازے بھی سیاہ ہو جاتے تھے چنانچہ حریری نے ان کی جگہ فانوس جلانے کا رواج ڈال دیا۔

مسجد کے صحن میں کھجوریں

مسجد کے صحن میں کھجوریں ہیں جن کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ یہ کب سے لگی ہیں البتہ ابن جبیر نے اپنے سفر نامے میں مسجد کے اندر موجود قبہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: صحن میں قبہ کے سامنے کھجور کے پندرہ درخت

ہیں۔انتہی۔

بدر بن فرحون کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے یہ کھجوریں دیکھیں وہ شیخ عزیز الدولہ تھے جو خدام کے مشائخ میں سے تھے' کہتے ہیں کہ ان کے دور میں بہت سی کھجوریں بوئی گئیں جو مسجد کے اندر موجود ہیں۔

علامہ مجد نے عزیز الدولہ کے بارے میں کہا: اکثر کھجوریں انہی کے دور میں بوئی گئیں۔ پھر کہا: ان کی عظمت شان یا ان کی زبان درازی کے خوف سے ان کی اس بدعت کا کسی نے پیچھا نہیں کیا یا پھر اس بناء پر انہیں کچھ نہیں کہا گیا کہ ان سے پہلے بھی یہ کھجوریں لگائی گئی تھیں جس کی انہوں نے اقتداء کی تھی۔ یہ کھجوریں شیخ یاقوت رسولی کے شیخ ہونے کے آخری دور میں سخت آندھی کی بناء پر جڑ سے اکھڑ گئی تھیں' پھر دوبارہ بو دی گئیں جن پر کئی لوگوں نے اعتراض کیا۔

میں کہتا ہوں' طوغان شیخ نے ۸۷۳ھ کو ان میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن میں نے انکار کر دیا پھر کچھ اور اچھے لوگ بھی منع کرنے لگے تو یہ ارادہ باطل ہو گیا۔ الحمد للہ۔

مسجد نبوی کے امام

مسجد نبوی میں شروع ہی سے مقامِ نبی ﷺ پر صرف ایک امام نماز پڑھاتے چلے آئے ہیں' وہ امام موسم حج وغیرہ میں محرابِ عثمانی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے ہیں پھر وہ وقت آیا کہ سلطان اشرف اینال کے دور میں شیخ طوغان مذکور نے محرابِ حنفی تیار کرانے کی کوشش کی' اہلِ مدینہ نے انہیں منع کیا' حکومت مصر کے ایک اہم رُکن اور ناظر' نیک بخت جناب جمال الدین یوسف نے اہلِ مدینہ کی مدد کی جس کی وجہ سے طوغان کامیاب نہ ہو سکا اور جب اینال فوت ہو گئے تو طوغان نے دوبارہ کوشش کی جس کے باعث ۸۶۰ھ کے بعد وہ کامیاب ہوئے چنانچہ محرابِ نبوی کے امام تبدیل ہو جانے پر حنفی امام پانچوں نمازیں پڑھانے لگے' محراب نبوی کے امام شافعی تھے ہاں تراویح میں دونوں امام اکٹھے ہو جاتے' یوں آہستہ آہستہ مکہ کے اثرات مدینہ شریف میں پہنچ گئے۔

علامہ زرکشی کہتے ہیں' اس کا سبب یہ ہوا کہ طوغان کے دور میں بدعتی امام تھا اور جب لوگ اپنے اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے کترانے لگے تو انہوں نے اپنے لئے امام مقرر کرنے کا ارادہ کر لیا لہٰذا یہ سلسلہ چل پڑا اور یونہی بیت المقدس اور جامع مصر میں یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ انتہی اور نماز کا یہ حکم ہم نے اپنی کتاب ''دفع التعرض والانکار لبسط روضۃ المختار'' میں بیان کر دیا ہے۔

مسجد کی دیوار کی چوڑائی

ابن زبالہ و یحییٰ کے مطابق مغرب کی طرف سے مسجد کی دیوار کی چوڑائی دو ہاتھ سے ذرا کم تھی جبکہ مشرق کی طرف سے دو ہاتھ چار انگل تھی۔ اس طرف اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ ادھر سیلاب کا پانی آ جاتا تھا۔

میں کہتا ہوں اس اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ سیلاب اس طرف سے مسجد کو گھیر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ حجرہ مبارکہ کی

مشرقی دیوار بھی گر گئی تھی اور پھر اسی جانب سے مسجد کی دیوار بھی گری تھی جیسے ابن زبالہ کے قول میں یہ گذرا کہ: محمد بن عبد اللہ کی حکومت میں مجھے جنازگاہ کی جانب سے مسجد کا ڈر لگا رہتا تھا چنانچہ انہوں نے حکم دیا اور انہوں نے دیوار بنا دی۔ انتہیٰ۔

ہم اس سے قبل ولید کے اضافے میں یحییٰ کے مطابق مسجد کے عرض کی بات کر چکے ہیں اور اس کی خرابی بھی بتا چکے ہیں لیکن ابن زبالہ نے مسجد کے بارے میں اپنے آخری قول میں جو کچھ کہا ہے' صحیح وہی ہے کیونکہ انہوں نے پہلی مسجد کی لمبائی اور چوڑائی بیان کرتے ہوئے کہا تھا: آج کل رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی چوڑائی ایک سو پینسٹھ ہاتھ ہے' یہ چوڑائی قبلہ کی اگلی طرف مشرق و مغرب کے درمیان ہے لیکن اس کا پچھلا حصہ' اگلے حصے سے پینتیس ہاتھ کم ہے جبکہ یمنی جانب سے شامی جانب دوسو چالیس ہاتھ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں اس کی پیائش لکھ چکا ہوں چنانچہ مسجد کے قبلہ کی اگلی طرف سے یہ پیائش ایک سو ساڑھے ستاسٹھ ہاتھ تھی' یہ پیائش ابن زبالہ کی پیائش سے اڑھائی ہاتھ زیادہ بنتی ہے' یا تو ہاتھ میں فرق ہے یا رسّی میں ڈھیل کی وجہ سے فرق آ گیا ہے اور شام کی طرف سے یہ چوڑائی ایک سو پینتیس ہاتھ تھی چنانچہ میری پیائش میں ابن زبالہ سے یہ چوڑائی پانچ ہاتھ زیادہ ہوئی اور میری پیائش کے مطابق قبلہ سے شام کی طرف لمبائی دوسو ترپن ہاتھ تھی' اس صورت میں یہ ان سے تیرہ ہاتھ زیادہ بنتی ہے اور ابن نجار نے جو پیائش درج کی ہے وہ میری پیائش کے مطابق ہے' صرف تھوڑا سا فرق ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: آج مسجد نبوی کا قبلہ سے شام کی طرف طول دوسو چون ہاتھ چار انگلی ہے جبکہ مشرق سے مغرب کی طرف (قبلہ والی جانب) پورے ایک سو ستر ہاتھ بنتی ہے۔ انتہیٰ۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ یمن سے شام کی طرف مسجد کا طول (صحن) ایک سو پینسٹھ ہاتھ تھا اور مشرق و مغرب میں عرض نواسی (۸۹) ہاتھ تھا۔ انتہیٰ جبکہ ابن النجار نے لکھا کہ یہ صحن ایک سو انچاس ہاتھ اور تین انگل تھا جبکہ عرض ستانوے ہاتھ سے کچھ زیادہ ہی تھا۔

میں کہتا ہوں: ان دنوں قبلہ سے شام کی طرف صحن کا طول ایک سو ساڑھے باون ہاتھ ہے اور جب اس میں اس برآمدہ کی چوڑائی شامل کر دیں تو چونکہ برآمدہ نو ہاتھ کا ہوتا ہے لہٰذا یہ کل پیائش صرف ایک سو اور ساڑھے ساٹھ ہاتھ بنے گی اور یہ تقریباً وہی ہے جو ابن نجار نے لکھی ہے۔

رہا مسجد کی اگلی طرف سے صحن کی چوڑائی تو وہ پچانوے ہاتھ ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن نجار نے مسجد کے اونچائی پچیس ہاتھ لکھی ہے' اس سے ان کا مقصد زمین سے دیوار کے اوپر والی برجیوں کی پیائش بتانا ہے کیونکہ ایک اور مقام پر جو انہوں نے لکھا ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کی بلندی زمین سے چھت تک اکیس ہاتھ ہے اور پھر چھت کی موٹائی اور وہ دیوار جس پر برجیاں ہیں اور جو صحن کے گرد ہے' ملا کر چار ہاتھ اونچی بنتی ہے جبکہ دوسری آتشزدگی کے بعد مسجد کے اگلے حصے کی دھرتی نیچے ہو جانے پر چھت تک اونچائی بائیس ہاتھ تھی اور حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے اضافے کے بیان میں گذر چکا ہے کہ ان کے دور میں ان کے درمیان کا فاصلہ گیارہ ہاتھ تھا تاہم مجھے اس اضافے کا کوئی علم نہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا جبکہ باہر کی طرف سے مسجد کو گھیرنے والی زمین اور دیوار کے اوپر والے مغربی پردے کے درمیان کا فاصلہ اٹھارہ ہاتھ تھا چنانچہ باہر کی طرف سے مسجد کی موٹائی (اونچائی) یہ تھی۔ واللہ اعلم۔

یاد رہے کہ مسجد کے منبروں اور ان کی اونچائی کا ذکر ولید کے اضافے میں گذر چکا ہے۔

فصل نمبر ۳۲

مسجد کے بند شدہ اور موجود دروازے، ان کے سامنے نئی اور پرانی عمارتیں

مسجد کے دروازے

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کے تین دروازے بنوائے تھے' ایک تو مسجد کے اخیر میں تھا' ایک وہ دروازہ جسے باب عاتکہ کہتے تھے اور جس کا نام باب الرحمہ تھا اور تیسرا دروازہ وہ تھا جس میں سے رسول اکرم ﷺ مسجد میں داخل ہوتے اور یہ وہی دروازہ تھا جسے آلِ عثمان کا دروازہ کہا جاتا تھا۔

تاریخ دانوں کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں دروازے اپنے مقام ہی پر رہے بلکہ جب مسجد میں ان کی طرف سے اضافہ کیا گیا تو پھر بھی یہ اپنے پہلے مقام ہی پر بنا دئے گئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافے میں ہم بتا چکے ہیں کہ انہوں نے چھ دروازے بنائے تھے' دو دروازے تو قبلہ کی دائیں طرف' دو بائیں طرف اور دو قبلہ کی پچھلی طرف لیکن باب عاتکہ اور باب عثمان میں تبدیلی نہیں کی بلکہ باب عاتکہ والی جانب اس دروازے کا اضافہ کیا جو دارِ مروان کے نزدیک تھا اور اسے باب السلام کہا گیا اور بابِ عثمان کے بعد انہوں نے باب النساء کا اضافہ کیا تھا چنانچہ یہ وہ دو دروازے ہیں جو مغرب اور مشرق میں بڑھائے گئے اور پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں برقرار رکھا تھا اور ان میں اضافہ نہیں کیا تھا تاہم ابن زبالہ' یحیٰی اور زرین نے ان دروازوں کا ذکر نہیں کیا جو ولید نے بڑھائے تھے البتہ ابن نجار نے کہا: رہے مسجد کے دروازے تو یہ مہدی کے اضافے کے بعد خوخۂ ابوبکر کے علاوہ انیس تھے اور پھر ان کے مقامات کا ذکر کیا کہ کہاں کہاں تھے۔

علامہ مطری اور ان کی اتباع میں مراغی ومجد نے کہا: جب ولید نے مسجد کی تعمیر کی اور اس میں اضافہ کیا تو اس میں بیس دروازے رکھے اور پھر خوخۂ ابوبکر سے بعینہ انہی دروازوں کا ذکر کیا لیکن یہ صرف وہم ہی ہے کیونکہ ان

دروازوں کے بارے میں آتا ہے کہ یہ مہدی کے اضافے میں تھے اور اب بھی مسجد اسی حال پر برقرار ہے اور پھر شام اور اس کے متصل مشرق و مغرب والے دروازوں کی حالت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا دورِ ولید میں بننا سوچا بھی نہیں جا سکتا کیونکہ پہلے ذکر آ چکا کہ ان کا اضافہ مہدی نے کیا تھا پھر مطری نے ان سے موافقت کی ہے تو پھر انہیں ولید کی طرف منسوب کیسے کیا جا سکتا ہے اور پھر یہ بھی آ رہا ہے کہ ان میں سے ایک دروازہ (بابِ زیاد) ابو العباس منصور کے دور میں زیاد نے نکالا تھا۔

علامہ مطری سے پہلے کے مؤرخین کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ مسجد کی جو شکل اضافوں کے بعد بن چکی ہے، اس کے مطابق دروازے دار القضاء کے صحن میں کھلتے تھے اور یہ بات ابن زبالہ کے اس قول کے مخالف نہیں کہ: ''مسجد میں (دورِ ابن زبالہ میں) چوبیس دروازے تھے'' کیونکہ انہوں نے ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ: ان میں سے آٹھ تو مشرق کی طرف ہیں اور قبلہ کی جانب بھی ایک دروازہ ہے جس میں باب مروان کی طرف سے امراء مقصورہ کی طرف جاتے تھے اور قبلہ کی بائیں جانب وہ دروازہ ہے جس میں تم جنازگاہ کی طرف سے مقصورہ کی طرف داخل ہوتے ہو اور پھر اس کے مقابلے میں قبلہ کی دائیں جانب ایک دروازہ ہے جسے باب زیت القنادیل کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسے مروان نے بنایا تھا اور مقصورہ کے نیچے خوخۂ آل عمر بھی انہوں نے بنایا تھا، پھر مغربی جانب آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک وہ چھوٹا دروازہ ہے جو خوخۂ ابوبکر کی دائیں جانب کے مقابلے میں ہے، نیز شام کی طرف چار دروازے ہیں۔ انتہٰی چنانچہ دوسرے مؤرخین نے اس دروازے کو شمار نہیں کیا جو قبلہ میں دار مروان کی طرف کھلتا ہے کیونکہ یہ گھر کا دروازہ تھا یونہی خوخۂ آل عمر بھی کیونکہ یہ گھر کا تھا، مسجد کا نہیں اور یونہی باب زیت القنادیل بھی ہے کیونکہ یہ مسجد کے سٹور کا ہے، اس میں عام لوگ داخل نہیں ہو سکتے اور اس کا ٹھکانہ غربی دیوار کے کنارے کے پاس ہے جو قبلہ کی طرف ہے، اسے انہوں نے اس منارۂ باب السلام کی عمارت کے نزدیک دیکھا جس کے آگے دیوار کا پردہ بن جاتا ہے۔

رہا وہ دروازہ جس کا ذکر انہوں نے قبلہ کی بائیں طرف کیا ہے تو ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشرق میں باب زیت القنادیل کے مشرق میں تھا اور یہ مقصورہ کے لئے مخصوص تھا اور اگر یہ دروازہ عام دروازوں کی طرح ہوتا تو وہ اسے ان دروازوں میں شمار کرتے جو مشرق میں ہیں۔ یہ دروازہ اس وقت دکھائی دیا جب ہمارے سامنے لگنے والی آگ کے بعد مشرقی منار گرایا گیا تھا، یہ چھوٹا سا دروازہ تھا جو مسجد کی مشرقی دیوار کے کونے کے نزدیک بند تھا اور گویا اس سے اس سٹور کی طرف جاتے تھے جو مشرقی یمنی منارے کے نیچے تھا اور پھر وہاں سے مقصورہ کو چلے جاتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ ایک اور مقام پر جہاں ابن زبالہ نے تفصیلی طور پر دروازے بتائے ہیں، انہوں نے ان چار کا ذکر نہیں کیا بلکہ کل بیس ہی لکھے ہیں۔ اب ہم ان کی طرف سے اور دوسرے مؤرخین کی طرف سے بیان کردہ ان دروازوں کا ذکر کرتے ہیں پھر ان کا بھی ذکر کریں گے جنہیں مطری نے بیان کیا اور ان کے محل بھی بتائیں گے پھر اس کے بعد خوخۂ آل عمر کا علیحدہ ذکر کریں گے تو سنئے:

باب النبی ﷺ

یہ پہلا دروازہ ہے جو مشرق سے قبلہ والے دروازوں کی ابتداء میں ہے۔اسے باب النبی ﷺ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ کے سامنے ہے جہاں حضورﷺ کی قبرِ انور موجود ہے' یہ نام اس بناء پر نہیں رکھا گیا کہ آپ اس میں سے داخل ہوتے تھے کیونکہ آپ کے دور میں تو یہ موجود ہی نہ تھا اور جب مشرقی دیوار نئے سرے سے بنی تھی تو اس وقت بھی بند کر دیا گیا تھا اور پھر اس کی جگہ وہ جالی لگا دی گئی جس کے نزدیک باہر سے آنے والے کھڑے ہوتے ہیں اور حجرہ مقدسہ ومطہرہ کی زیارت کرتے ہیں۔

بابِ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

دوسرا دروازہ ''بابِ علی'' کہلاتا تھا' یہ اس دروازہ کے مقابلے میں تھا جو نبی کریم ﷺ کے گھر کے سامنے تھا اور جب دیوار از سرِ نو تعمیر کی گئی تو اسے بند کر دیا گیا اور وہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا دروازہ اس دروازے سامنے ہے تو یہ بات علامہ مطری اور ان کے پیروکاروں نے کہی ہے' دروازہ کا نام باب علی رکھنے کی مناسبت یہی نظر آتی ہے لیکن ابن نجار کی وضاحت یوں نہیں چنانچہ مشرقی دروازوں کا شمار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: باب علی پھر باب النبی ﷺ پھر باب عثمان اور پھر وہ دروازہ جو دارِ ریطہ کے بالمقابل تھا اور پھر آخر تک دروازے ترتیب وار ذکر کر دیئے۔انہوں نے یہ بات ابن زبالہ و یحییٰ کی اس تحریر سے لی ہے جو ان دونوں نے ذکر کیا کہ انہوں نے مسجد کی دیواروں پر لکھا دیکھا تو کہا تھا: ''مشرقی جانب' مسجد کے عین اندر' بابِ علی اور باب النبی ﷺ کے درمیان لکھا تھا۔'' اور پھر جو کچھ لکھا تھا' اسے بیان کیا پھر دونوں نے کہا کہ ''باب النبی ﷺ اور باب عثمان کے درمیان لکھا تھا'' اور جو کچھ تھا' ذکر کر دیا اور پھر مسجد کے باہر سے جو کچھ دروازوں پر لکھا تھا' وہ بتاتے ہوئے کہا: قبلہ کی جانب' مسجد کے باہر جنازگاہ کی جگہ' جہاں حضرت علی بن ابو طالب کے دروازے کے قریب فوت شدہ لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھائی جاتی تھی' بسم اللہ شریف کے بعد لکھا ہوا تھا: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ' اس سے معلوم ہوا کہ اس جانب والے دروازوں میں سے بابِ علی سب سے پہلا دروازہ تھا اور باب النبی ﷺ دوسرا تھا اور پھر علامہ مطری کو جس چیز نے مذکورہ قول پر آمادہ کیا (کہ بابِ علی' بیت النبی کے پیچھے تھا) اور انہوں نے یہ تعلق بیان کیا' وہ ان کا گذشتہ یہ بیان ہے: احتمال یہ ہے کہ باب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مشرق میں پہلے دروازے تک پھیلا ہوا تھا لہٰذا اس کا نام باب علی رکھ دیا گیا اور پھر ابن شبہ نے بیت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں جو یہ لکھا ہے' وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ: آپ کا گھر مشرق میں دارِ عثمان اور اس دروازے کے درمیان تھا جو دارِ اسماء کے مقابل تھا اور دوسرے کو باب النبی کہنا اسی دروازے کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا۔ واللہ اعلم۔

بابِ عثمان (بابِ جبریل)

تیسرا دروازہ بابِ عثمان تھا اور یہ وہ دروازہ تھا جو اس دروازے کے سامنے تھا' جس میں سے نبی کریم ﷺ گذرا کرتے تھے اور ہم ابن زبالہ و یحییٰ سے لکھ آئے ہیں کہ جس دروازے سے نبی کریم ﷺ گذرا کرتے تھے وہ بابِ آلِ عثمان تھا چنانچہ اضافۂ عثمانی میں یحییٰ کی روایت سے اسے باب النبی ﷺ کہا گیا اور حجرہ کی شامی جانب والی جالی کے دروازے کے نزدیک اسی دروازے کے مقابل (اسی جگہ) وہاں ستون کی بنیاد کھودتے وقت بنیاد کے آثار تھے اور ظاہر یہ ہے کہ وہ آثار اسی دروازہ کو وہاں سے تبدیل کرنے کے تھے کیونکہ وہ مسجد کی پہلی دیوار کے سامنے تھا اور اسے بابِ عثمان کہنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دارِ عثمان بن عفان کے مقابل تھا اور عنقریب آ رہا ہے کہ یہ گھر بقیع کو جاتے وقت اس راستے میں تھا جو اس باب سے نکلنے والے کی بائیں طرف آتا تھا جب وہ اس راستے کی طرف جاتا جو مدرسہ شہابیہ سے شام کی طرف جاتا تھا اور آج کل اس دروازے کے مقابلے میں سرائے ہے جسے جمال الدین محمد بن ابو المنصور اصفہانی نے بنایا تھا' یہ جواد کے نام سے مشہور تھے جو بنو زنگی کے وزیر تھے۔

ایک عجیب واقعہ

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ سرائے انہوں نے عجمی فقراء کے لئے وقف کر دی تھی اور اس میں اس نے ایک تربت بنا دی تھی جس کے گرد قبرِ انور کے مقابل جالی بنائی تھی۔ جب یہ وزیر قید خانے میں بیمار ہو گئے تو شیخ ابو القاسم صوفی سے کہا: مجھے ڈر لگتا ہے کہ فریب سے مجھے قبر میں لے جائیں گے یعنی وہ اس بات پر خوش تھے کہ وہ اسی حالت قید میں فوت ہو جائیں تو اچھا ہے (نہ کہ زندہ دفن کر دیا جاؤں) پھر انہیں یہ بھی بتایا کہ میرے اور اسد الدین شیر کوہ کے درمیان (صلاح الدین بن ایوب کے چچا) یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم میں سے جو پہلے فوت ہو جائے گا تو زندہ بچ جانے والا اسے مدینہ شریف لے جا کر اسی قبر میں دفن کر دے گا جو انہوں نے بنا رکھی ہے لہٰذا اگر میں فوت ہو جاؤں تو مجھے وہاں لے جانا چنانچہ جب جمال الدین فوت ہو گئے تو ابو القاسم' اسد الدین کے پاس انہیں اطلاع دینے گئے۔ چنانچہ مکہ اور مدینہ میں لے جانے کے لئے انہیں بہت سا مال دیا اور حکم دیا کہ ان کو لے کر صوفیہ کی ایک جماعت حج کرے اور ان کے تابوت کے ساتھ ایسے لوگ ہوں جو جنازہ رکھتے اور چلتے وقت ان کے آگے آگے تلاوت کرتے جائیں اور مدینہ کے راستے میں بھی یونہی تلاوت کرتے جائیں نیز شہروں میں ان کے جنازے کا اعلان کر دیا جائے چنانچہ جب وہ ''حلّہ'' پہنچے تو لوگ نمازِ جنازہ کے لئے جمع ہو گئے' یکا یک دیکھا تو ایک نوجوان اونچی جگہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

''ان کی لاش گردنوں پر رہی ہے کیونکہ ایک عرصہ سے ان کی سخاوت لینے والوں کی گردنوں پر سوار رہی ہے (ہر ایک تک پہنچی) آج جس وادی سے وہ گذر رہے ہیں تو وہاں کی ریت کے ذرّے بھی

ان کی تعریف کر رہے ہیں اور جن محتاجوں کے پاس ہوتے تھے وہ بھی مدح وثناء کر رہے ہیں۔''
چنانچہ لوگ اس قدر روئے کہ اتنا کبھی نہیں روئے ہوں گے۔ پھر انہیں لے کر مکہ پہنچے اور کعبہ کا طواف کرایا نیز حرم شریف میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی پھر مدینہ منورہ کی طرف لے گئے' وہاں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر اسی قبر میں دفن کر دیا گیا (جو پہلے سے بنا رکھی تھی)۔

آپ کا وصال ۸۵۹ھ میں ہوا۔ آپ نے کئی یادگار کام کئے خصوصاً حرمین شریفین میں کئی کام کئے تھے پھر انہوں نے مدینہ منورہ کے گرد حفاظتی دیوار بھی بنائی تھی جس کا ذکر آ رہا ہے' ہم وہاں ان کے کچھ حالات بھی لکھیں گے۔

پھر دار عثمان کی سرائے کے قبلہ میں سرائے کے اندر ہی تربت بنائی گئی جس کے لئے اسد الدین شیر کوہ بن شاذی (سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب بن شاذی کے چچا) نے زمین خرید لی تھی چنانچہ انہیں اور ان کے بھائی نجم الدین ایوب (صلاح الدین کے والد) کو بھی ان کی وفات کے بعد یہیں دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ۵۷۶ھ کا ہے لیکن علامہ ذہبی کا وہم یہ ہے کہ یہ دونوں بقیع میں دفن کئے گئے چنانچہ انہوں نے ''العبر'' میں اسے لکھا ہے۔

اس دارِ عثمان کے بقیہ حصہ میں بھی اس قبر والی جانب ایک حویلی ہے جو حرم شریف کے خادموں کے لئے وقف ہے جس میں خدام کے شیخ رہتے ہیں۔ اس دروازے کے سامنے تو دارِ عثمان کبریٰ ہے لیکن عنقریب ان کے دارِ صغریٰ کا بیان آ رہا ہے جہاں مغربی لوگوں کی سرائے ہے اور اسے بھی باب جبریل کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ انہوں نے یہ نام رکھنے کی وجہ بیان نہیں کی اور شاید اس کا سبب وہ ہے جو چوبیسویں فصل میں ابو غسان کے حوالے سے یوں بیان ہوا: مقامِ جبریل کی وہ علامت جس کی وجہ سے اسے مقام جبریل کہا جاتا ہے کہ تم اس دروازے سے نکلو جسے باب آل عثمان کہا جاتا ہے تو تم اس دروازے سے نکلتے وقت تین ہاتھ اور ایک بالشت کے فاصلے پر ایک ایسا پتھر دیکھو گے جو اس سے بڑا ہے جس کے ساتھ دیوار موجود ہے (یہ مقامِ جبریل کی علامت ہے) اور پھر مزید ہم یہ بتا چکے ہیں کہ باب جبریل کہنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر گرد آلودہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے اور جنازہ والی جگہ کے نزدیک مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو گئے تھے اور اس وقت اس دروازے کے بغیر اور یہاں کوئی دروازہ نہ تھا۔

پھر ابن زبالہ کے مطابق حارثہ بن نعمان گذرے تو نبی کریم ﷺ حضرت جبریل کے پاس جنازہ والی جگہ میں موجود تھے' انہوں نے تو سلام نہیں کہا۔ اس پر جبریل علیہ السلام نے عرض کی: کیا یہ شخص بدر میں شریک تھا؟ فرمایا' ہاں۔ جبریل نے پوچھا: تو آپ کی اُمت میں ان کی حیثیت کیا ہے؟ کیا لوگ انہیں کوئی حیثیت دیتے ہیں؟ فرمایا' ہاں' بدر میں شریک تمہارے سب ساتھی اسے اچھا جانتے ہیں۔ ابن زبالہ بتاتے ہیں کہ پھر حضرت حارثہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے' فرمایا آپ نے وہ آدمی دیکھا تھا جو میرے ساتھ تھا؟ عرض کی' ہاں وہ دحیہ کلبی معلوم ہوتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل تھے' کہتے تھے کہ اگر تم سلام کہہ دیتے تو وہ جواب بھی دیتے۔ عرض کی میں اس وجہ سے رُک گیا تھا

کہ آپ ان سے گفتگو فرما رہے تھے لہٰذا یہ مناسب نہیں تھا کہ میں آپ کی بات کاٹ دیتا۔

بیہقی نے "دلائل" میں حارثہ بن نعمان کی روایت سے لکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں سے گذرا تو جبریل آپ کے پاس بیٹھے تھے' میں نے سلام عرض کیا اور آگے گذر گیا۔ جب ہم واپس لوٹے اور نبی کریم ﷺ واپس تشریف لائے' مجھ سے فرمایا: کیا تم نے انہیں دیکھا تھا جو میرے ساتھ تھے؟ میں نے عرض کی' ہاں دیکھا تھا۔ فرمایا: وہ جبریل تھے' انہوں نے تمہارے سلام کا جواب دیا تھا۔ اس دروازے پر باہر کی طرف بسم اللہ شریف کے بعد یہ آیات لکھی ہوئی تھیں:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ○ (سورۂ توبہ ۱۲۸' دو آیتیں)

باب ریطہ (باب النساء)

چوتھا دروازہ باب ریطہ تھا' یہ ابو العباس سفاح کی بیٹی کا نام تھا' یہ دروازہ ان کے گھر کے سامنے تھا' یہ باب النساء کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہ نام رکھنے کی وجہ ابو داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیں یہ دروازہ عورتوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیے۔ ابن عمر نے عرض کی' ہاں ٹھیک ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے وصال تک اس میں سے نہیں گذرے۔ (یاد رکھئے کہ دروازوں سے مراد صرف کھلے راستے ہیں کیونکہ اس وقت دروازے نہیں لگائے گئے تھے۔ ۱۲ چشتی)۔

اس کے بعد ابو داؤد لکھتے ہیں: عبد الوارث کے علاوہ اور نے جو روایت کی' وہ زیادہ صحیح ہے پھر ابو داؤد نے ایک اور روایت کی جس میں یہ قول حضرت ابن عمر کا بتایا۔ پھر ایک اور روایت کی جو حضرت نافع سے ہے' وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باب النساء میں داخل ہونے سے منع فرماتے تھے' یہ روایت قابلِ اعتماد ہے کیونکہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ کے دور میں مسجد کی مشرقی جانب باب آل عثمان کے علاوہ کوئی دروازہ نہ تھا۔

ابن زبالہ و یحییٰ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد کی تعمیر فرما رہے تھے تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا' فرمایا: یہ باب النساء ہے' چنانچہ حضرت ابن عمر اپنے وصال تک اس میں سے نہیں گذرے اور جب وہ نماز پڑھ رہی ہوتیں تو بھی آپ ان کے سامنے سے نہ گذرتے اور اس دروازہ کے سامنے دار ریطہ کے بارے میں مطری لکھتے ہیں کہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا اور یہ بھی لکھا کہ آپ کا وصال یہیں ہوا تھا۔ آج کل یہاں حنفی مدرسہ قائم ہے جسے شام کے ایک امیر یازکوح نے بنایا تھا اور وہیں اپنی قبر بھی بنوائی جہاں شام سے انہیں منتقل کیا گیا' دار عثمان اور اس مدرسہ کے درمیان سے بقیع کو راستہ جاتا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن زبالہ نے اس کی نسبت حضرت ابوبکر کی طرف کی ہے تو اس کے بارے میں مستند بات

آگے آ رہی ہے جس میں اس کے بارے میں اور کچھ بھی بتایا جائے گا۔

باہر سے دیکھیں تو اس دروازے کی اوپر والی جانب پتھر کی بہترین سلیٹ لگی ہوئی ہے جس پر آیۃ الکرسی لکھی ہوئی تھی جو دوسری آتشزدگی میں اُتر گئی تھی۔

پانچواں دروازہ

یہ دروازہ سیّدہ اسماء بنت حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھر کے سامنے تھا' یہ حضرت جبلہ بن عمرو ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھروں میں سے ایک تھا' پھر یہ گھر حضرت سعد بن خالد بن عمر بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں آئے اور اس کے بعد حضرت اسماء کے ہو گئے اور آج کل یہ عورتوں کی سرائے ہے۔ یہ دروازہ بھی اس وقت بند کر دیا گیا جب یہ دیوار شمال مشرقی منار سے اس دروازے تک بنائی گئی تھی' یہ سال ۵۸۹ھ تھا اور الناصر لدین اللہ کا دور تھا۔ علامہ مطری اور ان کے پیروکاروں نے یونہی لکھا ہے۔

ابن جبیر کی کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور دوسرے دروازے ۵۸۰ھ سے پہلے ہی بند کئے گئے تھے کیونکہ ابن جبیر نے اس سے پہلے سفر کیا تھا' اپنے سفر نامے میں انہوں نے لکھا: مبارک مسجد میں حضرت ابوبکر کے خوخہ کے علاوہ انیس دروازے تھے جن میں سے چار کے علاوہ کوئی دروازہ کھلا نہیں رہ گیا تھا' ان میں سے دو تو مغرب میں تھے اور دو ہی مشرق میں تھے۔ انتہٰی لیکن اس کے بعد انہوں نے کہا کہ: قبلہ کی طرف ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جسے تالا لگا ہوا تھا یعنی باب ''دار الامارۃ'' پھر کہا کہ پانچ دروازے مغرب میں تھے جن کو تالے لگے تھے یونہی مشرق میں بھی پانچ بند تھے جبکہ شام کی طرف چار دروازوں کو تالے لگے تھے۔ انتہٰی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ان کے زمانے میں دروازے بند نہیں کئے گئے تھے بلکہ انہیں تالے لگے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطری کی دی ہوئی تاریخ کے مطابق بند کیا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

چھٹا دروازہ

چھٹا دروازہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے سامنے تھا اور نئی دیوار بننے پر اسے مسجد میں شامل کر لیا گیا' آج کل یہ دروازہ لوگوں کی سرائے بن چکا ہے اور اس کے ساتھ ہی شمالی جانب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا' آج کل اسے ''رباط السبیل'' (مسافر خانہ) کہا جاتا ہے اور یونہی رباط النساء کو یہی نام دیا جاتا ہے' یہ دونوں سرائیں قاضی کمال الدین ابو الفضل محمد بن عبد اللہ بن قاسم شہرزوری نے بنوائی تھیں۔ ابن زبالہ و یحییٰ نے ذکر کیا ہے کہ اس دروازے کے چھجے پر اندر کی طرف لکھا ہوا تھا:

> ''اسے مہدی محمد امیر المؤمنین نے بصریوں کے ہاتھوں ۱۶۲ھ میں بنوایا ہے' یہ مسجد میں مہدی کے اضافے کی ابتداء ہے۔''

ساتواں دروازہ

یہ ساتواں دروازہ تھا جو طہارت خانوں کے راستے کے سامنے تھا' اسے بھی نئی تعمیر کے وقت دیوار میں شامل کر لیا گیا تھا' یہ مقام حضرت عمرو بن عاص اور صوافی کے گھروں کے درمیان تھا: ان گھروں کو مطری نے دار موسےٰ بن ابراہیم کا نام ایک وہم کی بناء پر دیا ہے جو انہیں ابن زبالہ کے کلام سے ہوا جیسے انشاء اللہ ہم اس کی وضاحت کریں گے۔آج کل یہ راستے دار حسن بن علی عسکری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف جاتے ہیں' آج کل انہیں ''حوش الحسن'' کہتے ہیں' یہ راستے (گلیاں) مدینہ کے باہر طہارت خانوں کی طرف جاتی تھیں' وہاں حضور علیہ السلام کے مبارک دور میں عورتیں رات کو قضاءِ حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں۔

ابیات صوافی وہ تھے جنہیں مطری نے دار موسےٰ بن ابراہیم کا نام دیا ہے' آگے آ رہا ہے کہ ان میں سے کچھ تو آج کل لوگوں کے لئے سرائے کا کام دیتے ہیں جنہیں قاضی محی الدین ابوعلی عبد الرحیم بن علی بن حسن لخمی بیسانی نے بنایا تھا اور نئی دیوار بناتے وقت یہ دروازہ بھی اسی میں داخل ہو گیا۔

آٹھواں دروازہ

یہ آٹھواں دروازہ تھا جو صوافی کے گھروں کے سامنے تھا اور یہ بھی نئی تعمیر میں شامل کر لیا گیا تھا۔ان کے بارے میں آ چکا ہے کہ ان میں سے کچھ حصہ تو حضرت عمرو بن عاص کے گھر سے ملا ہوا تھا اور اسے ''رباط الفاضل'' کہتے تھے اور باقی دوسرا حصہ اس دروازے کے سامنے تھا جسے آج کل دار الرسام کہتے ہیں جسے شیخ صفی الدین سلامی نے اپنے قریبی رشتہ داروں کے لئے وقف کیا اور پھر فقراء کے نام وقف کر دیا تھا' اس کی شامی جانب وہ دروازہ تھا جس میں داخل ہو کر سلامی کی دونوں سراؤں کو جاتے تھے۔انہیں مطری نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے: ''اور یہ یعنی ابیاتِ صوافی' ان گھروں میں تھے جو موسیٰ بن ابراہیم مخزومی اور عبید اللہ بن حسین اصغر بن علی زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے گھروں کے درمیان تھے۔'' پھر کہا: اِن گھروں (یا حویلی) کی جگہ پر آج کل ایک گھر ہے جسے شیخ صفی الدین ابوبکر بن احمد سلامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے خرید کر اپنے قریبی سلامیوں کے نام وقف کر دیا تھا۔انتہٰی۔

آگے آ رہا ہے کہ ابیاتِ صوافی وہی گھر تھے جن میں قہطم رہتے تھے اور یہ عمرو بن عاص اور دارِ موسےٰ بن ابراہیم مخزومی کے درمیان اس کے اور عبید اللہ بن حسین میں مشترک تھے اور یہ مشترک گھر شامی جانب مشرق کی جہت میں ان مشترک گھروں میں سے پہلے گھر تھے چنانچہ ابیاتِ صوافی اسی دارِ قہطم کو کہتے تھے اور اس جگہ پر رباط الفاضل اور دار السلامی بن چکے ہیں' رہے مشترک گھر تو ان کی جگہ آج کل خالی ہے جہاں وضو کرنے کی جگہ ہوتی تھی اور پھر رئیس ابراہیم کا گھر تھا جو وضو کرنے کی جگہ اور اس گلی کے درمیان تھا جو دار المضیف (مہمانخانہ) سے ملتی تھی' یہ مہمان خانہ شامی جانب آخری گھر تھا اور وہ مشترک گھر اس سے متصل تھا۔یہ دروازہ وہ آخری دروازہ تھا جو مشرق کی طرف تھے۔

مسجد کے شامی جانب والے دروازے

علامہ مطری نے شامی دروازوں کا ذکر چھوڑ ہی دیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں: مسجد کے شمال میں بھی چار دروازے شمالی دیوار کی تعمیر کے وقت بند کر دیئے گئے تھے، آج کل مسجد کے شمال میں بابِ سقایہ (ماشکی) کے علاوہ کوئی دروازہ نہیں ہے، اسے امام الناصر کی والدہ نے بنایا تھا۔

شامی دروازوں پر مطری کے کلام نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ ابن زبالہ نے اس کے سامنے والے گھروں کا ذکر نہیں کیا لیکن مجھے معلوم ہے کہ ان کے کلام اور ابن شبہ کے ان گھروں کے بارے میں کلام سے جو مسجد کے گرد تھے، ان دروازوں کا پتہ چلتا ہے۔

اب ہم ان دروازوں کا ذکر کر رہے ہیں جو ان دونوں حضرات نے بیان نہیں کئے لہٰذا سنیئے۔

نواں دروازہ

نواں دروازہ مسجد کی پچھلی طرف تھا اور شمال مشرق میں پہلا دروازہ تھا جو دارِ حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بالمقابل تھا، یہ ان کے دادا عبد الرحمٰن کا گھر تھا جہاں وہ رسول اللہ ﷺ کے مہمانوں کو ٹھہرایا کرتے تھے اور دار ابن مسعود کا باقی حصہ تھا، اب ان دونوں کی جگہ مہمانخانہ ہے جس کے مغرب میں رباط الظاہر یہ موجود ہے۔

دسواں دروازہ

دسواں دروازہ حضرت ابو الغیث بن مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے سامنے تھا، آج کل اس کی جگہ مشہور سرائے رباط الظاہر یہ والشر شورہ موجود ہے۔

گیارہواں دروازہ

گیارہواں دروازہ دارِ ابو الغیث کے ساتھ تھا جو امیر المؤمنین کی لونڈی خالصہ کے گھروں میں سے تھا، یہاں وہ شفاخانہ ہے جسے ابوجعفر المنتصر باللہ نے ۶۲۷ھ میں تعمیر کرایا تھا۔

بارہواں دروازہ

یہ دروازہ خالصہ کے دوسرے گھروں کے سامنے تھا، آج کل یہاں ایک گھر اور گلی ہے جس میں سے نکل کر اس سرائے کی طرف جاتے ہیں جسے شیخ شمس الدین ششتری نے بنوایا تھا اور یہ دروازہ شامی جانب والے دروازوں میں سے آخری تھا، یہ سب دروازے آج کل بند کر دیئے گئے ہیں، اس وقت مسجد کی دیوار کے ساتھ جتنے بھی گھر موجود ہیں، وہ سب نئے بنے جیسے پہلے تاریخ دانوں کے کلام سے پتہ چلتا ہے، یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کب بنائے گئے تھے۔

تیرھواں دروازہ

تیرھواں دروازہ مغربی جانب والے دروازوں میں سے شامی جانب پہلا تھا' یہ وہ دروازہ تھا جو منیرہ کے گھر کے سامنے تھا اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھروں میں شمار ہوتا تھا' پھر یہ گھر حضرت عبد اللہ بن جعفر بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قبضہ میں آ گئے' پھر اُم موسےٰ کی لونڈی منیرہ کے قبضے میں آگئے' آج کل ان کی جگہ وہ گھر ہے جو ہمارے شیخ عارف باللہ سیدی عبد المعطی مغربی کے قبضہ میں ہے جو مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں پھر یہی گھر سیّد شریف علامہ محی الدین کے قبضے آئے جو حرمین شریفین میں حنبلی حضرات کے قاضی ہیں' اس گھر کے قبلہ کی جانب وہ دروازہ ہے جو خواجا قاوان کا کہلاتا ہے جس میں سے قیاش لوگوں کے گھروں کی طرف جاتے تھے۔ یہ دروازہ بند ہے جیسے باہر سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے۔

چودھواں دروازہ

یہ دروازہ بھی منیرہ کے گھر کے سامنے تھا جیسے ابن زبالہ و یحییٰ نے وضاحت کی ہے لیکن مجد کو وہم ہوا' انہوں نے اگلا دروازہ کہہ دیا' آج کل اس کے مقابلہ میں وہ گھر ہے جو ان خادموں کے لئے وقف ہے جو اس گلی کے قبلہ میں واقع ہے جس سے گذر کر قیاشین کے گھروں کی طرف جاتے ہیں' یہ دروازہ بھی آج کل بند ہے۔ چنانچہ باہر سے دیکھنے پر معلوم ہو جاتا ہے' اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوار سے ان دونوں کی جگہ نئی نہیں بنائی گئی۔ (شاید قیاس کا لفظ ہے جس کا معنی کمان درست کرنے والا ہے۔ ۱۲ چشتی)

پندرھواں دروازہ

پندرھواں دروازہ نصیر صاحب المصلّے کے گھر کے سامنے تھا' یہ مہدی کے غلام تھے' یہ گھر حضرت سیّدہ سکینہ بنت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رہائشی مکان رہا تھا' اس کی جگہ وہ گھر ہے جو قیاشین کی گلی اور اس گھر کی طرف جانے والے کی بائیں طرف ہے جسے آج کل دار تمیم الداری کہا جاتا ہے' یہ میرے حصے میں آیا' میں نے اسے وقف کر دیا اور رہائش یہیں رکھی ہوئی ہے' یہ پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا یہ نام کیوں رکھا گیا' یہ گھر اس گھر کے سامنے ہے جو دار تمیم کے نام سے مشہور ہے' آج کل یہ بند ہے' اس کا کچھ حصہ مسجد کی باہر والی جانب سے دکھائی دیتا ہے اور باقی حصہ باب عاتکہ کی طرف سے نئی دیوار بننے پر اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔

سولھواں دروازہ

یہ دروازہ حضرت جعفر بن یحییٰ بن خالد بن برمک کے گھر کے سامنے تھا پھر اسی میں شامل کر لیا گیا' یہ گھر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلعے کا بچا ہوا حصہ تھا۔ آج کل اس جگہ "مدرسۂ کلبرجہ" ہے جسے ۸۲۸ھ

میں ہند کے سلطانِ کلبرجہ شہاب الدین احمد نے بنایا تھا' یہ دروازہ بھی نئی دیوار میں داخل کر دیا گیا تھا۔کلام ابن زبالہ و یحییٰ میں ہونے کے باوجود مطری نے اسے چھوڑ دیا ہے' اسے چھوڑتے وقت انہوں نے ایسے دروازے کا ذکر کیا جس کا اس سے پہلے کہیں ذکر نہیں ملتا۔

بابِ عاتکہ (باب السویق و باب الرحمہ)

باب عاتکہ بنت عبد اللہ بن یزید بن معاویہ' عاتکہ کے گھر کے سامنے تھا پھر یہ جعفر کے والد یحییٰ بن خالد برمکی کے قبضے میں آیا اور دار جعفر میں شامل ہو گیا۔اسے جعفر بن یحییٰ کا قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ حضرت حسان کے قلعہ کی جگہ تھی' علامہ مراغی کا وہم ہے' یوں نہیں ہے کیونکہ ہم پہلے بتا چکے' آج کل یہاں خادموں کے لئے وقف جگہ موجود ہے جو مدرسہ کلبرجہ سے قبلہ میں مسجد سے نکلنے والے کی دائیں طرف موجود ہے' شیخ زینی بن ہرمز نے اسے دیوان الانشاء ات اور مغربی گھروں کی جگہ بنایا اور پھر اسے مدرسہ' سرائے اور برآمدے کی شکل دی' یہ سارا کام نور الدین محلّی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں انجام پایا۔قدیم دور میں اسے باب السویق بھی کہتے تھے کیونکہ مدینہ کا بازار مغرب میں اسی طرف تھا پھر اسے باب الرحمہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ یحییٰ نے حضور ﷺ کے تعمیر مسجد کے بیان میں لکھا ہے کہ آپ نے مسجد کے تین دروازے رکھے تھے' ایک آخر میں' ایک باب عاتکہ جسے باب الرحمہ کہتے تھے' ان کے الفاظ یہ ہیں: بعد کے مؤرخین نے اس کی اس پہچان پر اتفاق کیا ہے اور ہمارے دور میں بھی اسی پر اتفاق ہے لیکن اس کے باوجود مجھے یہ نام رکھنے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی' میں نے کئی مشائخ سے اس بارے میں پوچھا لیکن کسی کو علم نہ تھا' اس کے بعد اللہ کی مہربانی سے مجھے اس بارے میں معلوم ہو گیا اور وہ یوں کہ امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جمعہ کے دن ایک شخص دار القضاء (کچہری) کی جانب والے دروازے سے مسجد میں اس وقت داخل ہوا جب رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے' وہ آپ کے سامنے کھڑا ہوا اور عرض کی' یا رسول اللہ! مال مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے بند ہو گئے ہیں (آمدورفت بند ہے) آپ بارش کی دُعا فرما دیں۔یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھا دئے اور عرض کی: الٰہی بارش نازل فرما (تین مرتبہ فرمایا) حضرت انس کہتے ہیں: بخدا آسمان پر نہ تو بادل تھا' نہ بادل کا نام و نشان' اور نہ ہی ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان کوئی گھر یا حویلی تھی جو دیکھنے میں رکاوٹ بن سکے۔اتنے میں سلع کی طرف سے ایک چھوٹی سی بدلی اُبھری اور آسمان کے درمیان آ کر پھیل گئی اور بارش شروع ہو گئی اور پھر سات دن گذر گئے' ہم سورج ہی نہ دیکھ سکے۔

پھر اگلے جمعہ ایک آدمی اسی دروازے سے اندر آیا' رسول اللہ ﷺ کھڑے خطبہ دے رہے تھے۔آگے باقی حدیث بیان کر دی۔

ہم آگے باب زیاد کے ذکر میں (جو اس سے اگلا ہے) بتائیں گے کہ دار القضاء' باب الرحمۃ اور باب السلام

کے درمیان تھا پھر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں اس طرف مسجد کا صرف ایک دروازہ تھا جسے باب الرحمہ کہتے تھے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش مانگنے والا یہ شخص "رحمت" تھا جو اندر داخل ہوا تھا چنانچہ اس کی دُعا کے نتیجے میں رحمت حاصل ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی بناء پر بادل بھیج دیا۔ یہ سلع پہاڑ مسجد کی مغربی جانب ہی میں تھا چنانچہ شاید اسی وجہ سے اس کا نام باب الرحمہ رکھا گیا لیکن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک اور روایت میں ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن اس دروازے سے اندر آیا جو منبر کے سامنے تھا' جس کا مقصد یہ بنتا ہے کہ وہ اس دروازے سے داخل ہوا جو مسجد کی شامی جانب تھا کیونکہ منبر کے سامنے کہنے کا مطلب یہی بنتا ہے لیکن یہ دروازہ دار القضاء کی طرف نہ تھا لہٰذا ضرورت ہے کہ ان دونوں روایتوں کو جمع کیا جائے اور وہ یوں کہ یہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں یا پھر یہ کہ منبر کے سامنے کہنے میں مجازی معنٰی لئے گئے ہیں یا پھر یہ دروازہ شامی جانب تھا جیسے ہم نے لکھا کہ یہ شمال مغربی کونے میں تھا چنانچہ وہ شخص اس طرف سے آ کر داخل ہوا' پھر دیکھا کہ حضور ﷺ کے خطبہ کے دوران سامنے نہیں آ سکے گا' اس کے لئے صفیں پھلانگنا پڑیں گی تو وہ منبر کے سامنے والے دروازے سے نمودار ہوا جو منبر کے سامنے تھا کیونکہ جس طرف سے وہ آیا تھا' اکثر اسے باب الرحمہ کہتے ہیں اسے یہ چیز بھی قوت دیتی ہے کہ بادل اسی طرف سے آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

بابِ زیاد (باب القضاء)

اٹھارھواں دروازہ وہ تھا جسے باب زیاد کہتے تھے' یہ بھی اس وقت بند کر دیا گیا تھا جب وہ دیوار نئی بنائی گئی جس میں یہ موجود تھا' یہ خوخۂ ابوبکر اور اس سے پہلے والے دروازے کے درمیان تھا۔ یہ نام رکھنے کی وجہ وہ روایت ہے جسے محمد بن اسماعیل نے اپنے چچا سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ "رحبۃ القضاء" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں تھا (آپ کا گھر تھا) انہوں نے قرض ادا کرنے کے لئے اپنے وصال کے موقع پر اپنے بچوں حضرت حفصہ اور عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کہ اسے بیچ دو' اس سے قرض ادا ہو جائے تو بہتر ورنہ بنوعدی بن کعب سے لے کر ادا کر دیں چنانچہ انہوں نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان کے ہاتھ فروخت کر دیا' اسے دار القضاء کہتے تھے۔ حضرت معاویہ نے اسے اپنے دورِ خلافت میں خریدا اور انہی کے قبضے میں رہا تا آنکہ ۱۳۸ھ میں زیاد بن عبداللہ مدینہ میں آئے اور اسے گرا کر مسجد کے صحن میں شامل کر دیا اور اس جگہ ایک چھوٹا سا دروازہ رکھا جو چھوٹے خوخہ کی طرف کھلتا تھا' انہوں نے اسے گرانے کی مزدوری بازار والوں کے ذمے لگا دی۔

محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ مجھ سے انہوں نے اس سلسلے میں چار دانق وصول کئے۔ سہلہ بنت عاصم سے روایت ہے کہ اسے دار القضاء کہنے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن فیصلہ کے لئے یہاں راتوں میں ٹھہرتے اور فیصلہ کیا کرتے' اس کے بعد بنوعبدالرحمٰن نے اسے حضرت معاویہ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس میں سرکاری ریکارڈ ہوتا اور بیت المال بھی یہیں تھا پھر امیر المؤمنین ابوالعباس نے اسے گرا دیا اور مسجد کا صحن بنا دیا چنانچہ آج بھی صحن ہی ہے۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عمر کا وصال ہونے لگا تو اٹھائیس ہزار قرض چھوڑے جا رہے تھے چنانچہ حضرت عبد اللہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلا کر فرمایا کہ میں نے اللہ کے مال سے کچھ لیا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے جاتے وقت مجھ پر کوئی قرض نہ ہو لہٰذا اسے بیچ کر قرض اُتار دینا' اگر قرض ادا نہ ہو سکے تو بنو عدی سے بات کرنا' یوں ادا ہو سکے تو بہتر ورنہ کئی قریشیوں سے لے کر ادا کر دینا چنانچہ حضرت عبد اللہ حضرت معاویہ کے پاس گئے اور یہ دار القضاء ان کے ہاتھ فروخت کر دیا پھر غابہ میں اپنا مال بھی فروخت کر کے قرض اتار دیا۔ اسے ''دار قضاء دین عمر'' کہا جانے لگا اور یہی ''رحبۃ القضاء'' کہلایا۔

محمد بن اسماعیل کہتے ہیں کہ زیاد بن عبید اللہ نے دار القضاء کو اس وقت گرایا جب ابو العباس کی طرف سے ۱۳۸ھ میں امیر مدینہ تھے۔ آپ اہلِ مدینہ تاجروں سے کرایہ لیتے پھر اسے گرا کر مسجد کے صحن میں شامل کر دیا اور وہ دروازہ رکھا جو خوخہ کی ایک جانب تھا۔

میں کہتا ہوں' اس واقعہ میں دیوار گرانے اور دروازہ بنانے کی جو تاریخ دی گئی ہے' وہ ابنِ زبالہ و یحیٰی کی تاریخ سے مختلف ہے جو انہوں نے مسجد کے دروازوں کے بارے میں لکھی ہے: وہ کہتے ہیں: بابِ زیاد پر کیلوں سے جڑی ساج لکڑی کے اوپر باہر کی طرف لکھا ہے: ''امیر المؤمنین عبد اللہ نے مسجد رسول اللہ ﷺ میں اضافہ کرتے وقت یہاں کام کرنے کا حکم دیا اور اس صحن کی تعمیر کی' یہ کام ۱۵۱ھ کو مسلمانوں کی موجودگی میں کرایا جس کا مقصد رضائے الٰہی اور آخرت کی بھلائی ہے الخ۔''

میں کہتا ہوں کہ یہ زیاد وہی زیاد بن عبید اللہ بن عبد المدان الحارثی' سفاح کے خالو تھے' ۱۳۸ھ میں ابو العباس منصور کی طرف سے مکہ و مدینہ کے امیر تھے لہٰذا ابن ابی فدیک کا یہ قول ''وقت گذرتا گیا اور پھر زیاد بن عبید اللہ ۱۳۸ھ میں آئے'' ان کی صرف آمد کی تاریخ بتاتا ہے' پھر ان کا یہ قول ''اسے گرا دیا'' اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنے دور میں گرایا تھا' اس میں تاریخ معین نہیں کی گئی لہٰذا یہ دروازے پر لکھے ہوئے کے خلاف نہیں ہے پھر ابن زبالہ کے اس قول ''زیاد بن عبد اللہ نے اس وقت دار القضاء گرایا جب ۱۳۸ھ میں امیر تھے'' سے مراد یہ لینا ہوگا کہ ان کے دور کی ابتداء تھی' گرانے کی تاریخ نہ تھی تاکہ دونوں باتیں جمع ہو سکیں لیکن اس سے پہلی روایت کی تاویل اس سے اچھی کی جا سکتی ہے۔

ابن زبالہ نے اپنی پہلی روایت میں محمد بن اسماعیل سے روایت کرتے ہوئے کہا: زیاد بن عبید اللہ نے چاروں دروازوں پر پردے ڈالے: بابِ دارِ مروان جسے باب السلام کہتے تھے' اس خوخے پر جو خوخۂ ابوبکر کے سامنے بنا تھا' اسی بابِ زیاد پر اور باب السوق پر یعنی باب الرحمہ پر جیسے کلامِ یحیٰی سے سمجھ آتا ہے۔

علامہ مجد نے ''دار القضاء'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ یہ دارِ مروان بن حکم تھا' یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں تھا جسے ان کا قرض ادا کرنے کے لئے بیچا گیا تھا۔ کسی کا گمان یہ بھی ہے کہ یہ دار الامارۃ تھا اور یہ گمان

بھی صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ یہ امیر مدینہ کا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ دار مروان مسجد کے قبلہ کی جانب تھا' یہ ہرگز نہ تھا' شاید مقصد یہ ہے کہ مروان دار القضاء کے مالک تھے' اسی لئے ان سے منسوب ہو گیا' یہ نام مشہور نہیں البتہ حافظ ابن حجر نے ابن شبہ سے نقل کیا کہ وہ امیر مدینہ تھے تو ان کا ہو گیا' فرماتے ہیں: یہ شائد اس شخص کا شبہ ہے کہ "یہ دار الامارۃ تھا" لہٰذا غلط نہ ہو گا لیکن "مشارق" میں کہا: کچھ نے غلطی سے اسے دار الامارۃ کہہ دیا۔

میں کہتا ہوں کہ ابن شبہ کے ہاں میں نے اسے حضرت معاویہ کی ملکیت دیکھا حالانکہ قدیم دور میں اسے دار الامارۃ کہتے تھے' یہ وہی دار مروان تھا جو مسجد کے قبلہ میں تھا اور پہلے گذر چکا ہے کہ امراء اس کے دروازے سے گذر کر مقصورہ کی طرف جاتے تھے۔ برھان بن فرحون کا وہم یہ ہے کہ یہ دار القضاء کا صحن تھا چنانچہ لکھا: ابن حبیب کہتے ہیں کہ پہلے قاضی حضرات مسجد کے صحن میں بیٹھا کرتے تھے بلکہ جنازگاہ کے پاس بیٹھتے یعنی بابِ جبریل کے باہر یا پھر دار مروان کے اس صحن میں جسے "رحبۃ القضاء" کہتے تھے لیکن اب اسے وضو کرنے کی جگہ بنا لیا گیا ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ جسے وضو کی جگہ بنا لیا گیا ہے وہ عین دارِ مروان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ دارِ القضاء کے اس رحبۃ القضاء ہونے میں اختلاف نہیں جو مسجد کے مغرب میں بابِ مروان کی طرف ہے۔

پچھلے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صحن باب زیاد سے باب السلام تک کے سامنے تھا اور پھر آگے مسجد کے گرد مکانوں کے بیان میں آ رہا ہے کہ یہ باب الرحمہ تک بھی پھیلا ہوا تھا اور ایک شیخ مدینہ کے اس قول کا بھی یہی مقصد ہے جس میں انہوں نے کہا تھا: وہ شروع سے سنتے آئے ہیں لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ باب الرحمہ اور باب السلام کے درمیان ایسا کوئی گھر نہ تھا جو مسجد سے ملا ہوا ہو۔

میں کہتا ہوں کہ اس صحن کا مقام آج کل "دار الشباک" ہے جو باب الرحمہ سے متصل ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی مدرسہ جو بانیہ اور حصنِ عتیق بھی ہے۔ یہ دار الشباک شیخ الخدام کافور مظفری نے بنوایا تھا جو حزیری کے نام سے پہچانے جاتے تھے' یہ ۷۰۰ھ کے بعد بنایا گیا اور اس میں سے مسجد کی طرف جالی رکھی گئی' مسجد کی دیوار میں صرف اسی کی جالی لگائی گئی کسی اور گھر کی نہیں لگائی گئی اور ظاہر یہ ہے کہ بابِ زیادٗ جالی ہی کی جگہ تھا یا اس سے قبلہ کی جانب۔

رہا مدرسۂ جو بانیہ تو اسے مغلوں کے سپہ سالار جو بان نے ۷۲۴ھ میں بنوایا تھا' اس میں ایک تربت بھی بنائی تھی جو مسجد کی دیوار کے ساتھ دار الشباک اور حصن عتیق کے درمیان تھی اور یہ رحبۃ القضاء ہی میں موجود تھی اور مسجد کی دیوار میں اس کے سامنے جالی لگائی گئی تھی جو آج کل بند ہے لیکن اس تربت میں انہیں دفن ہونے نہیں دیا گیا' ۷۲۸ھ میں انہیں سلطان ابو سعید کے حکم پر تابوت میں ڈال کر بغداد سے مکہ لایا گیا' انہیں کعبہ کے گرد گھمایا گیا جیسے جواد اصفہانی کو گھمایا گیا تھا' الحاج عراقی نگرانی تھے اور جب لوگ انہیں مدینہ میں لے پہنچے تو امیر مدینہ نے اس کام سے روک دیا اور کہا کہ سلطان کے مشورہ کے بغیر دفن نہیں ہونے دوں گا۔

صلاح صفدی کہتے ہیں کہ جب سلطان ناصر کو پتہ چلا کہ انہیں تیار کر کے مدینہ میں دفن کرنا چاہتے ہیں تو اس نے مدینہ میں پیغام بھیجا کہ انہیں اس تربت میں دفن نہ کیا جائے چنانچہ بقیع میں دفن کر دیئے گئے۔

ایک شخص نے مجھے وہاں دفن سے روکنے کی وجہ بتائی کہ جب انہیں اس تربت میں لٹایا جائے گا تو ان کے پاؤں حجرہ مقدسہ کی طرف ہوں گے کیونکہ یہ تربت مسجد کے مغرب میں تھی جبکہ جواد وغیرہ کو مسجد کی مشرقی جانب دفن کیا گیا تھا کیونکہ ان کے سر حضور علیہ السلام کے پاؤں میں آئے تھے۔ واللہ اعلم۔

رہا حصنِ عتیق تو یہ امراءِ مدینہ کے بیٹھنے کی جگہ تھی پھر یہ سلطان غیاث الدین سلطانِ بنگال ابو المظفر اعظم بن سلطان اسکندر کے ہاتھ آئی' انہوں نے ۸۱۴ھ میں اسے مدرسہ بنا دیا اور پھر اسی سال فوت ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اس سے قبل ایک سلطان نے اسے سرائے بنائے رکھا تھا۔

پھر متولی مسجد کی رائے ہوئی تو انہوں نے ہمارے دور کی آتشزدگی کے بعد اس سے ملحقہ غربی دیوار گرنے پر دار الشباک' جو بانیہ اور پورے حصنِ عتیق کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا' اسے مدرسہ بنایا اور سلطان اشرف کے لئے سرائے بنائی جو باب السلام اور باب الرحمہ کے درمیان تھی جیسے انیسویں فصل میں گذر چکا۔

یاد رہے کہ علامہ مطری نے یہاں اس دروازے کے بدلے میں جس کا ذکر بابِ عاتکہ سے پہلے چھوڑے دیا' ایک اور دروازہ ظاہر کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں: بابِ عاتکہ اور خوخۂ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان دو دروازے تھے جو نئی دیوار بنانے پر بند کر دیئے گئے' مطری کے بعد والوں نے بھی یہی کہا لیکن ابن زبالہ یحییٰ اور ابنِ نجار کی کلام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ باب عاتکہ اور خوخہ کے درمیان بابِ زیاد کے علاوہ کوئی دروازہ نہ تھا لہٰذا ابن نجار نے ابواب میں خوخہ کا ذکر ترک کر دیا اور اس طرف کے سات دروازے لکھے۔ چنانچہ کہا: پانچواں باب عاتکہ تھا' چھٹا بابِ زیاد اور ساتواں بابِ مروان۔ انتہٰی اور اسی سے معلوم ہو گیا کہ درست وہی ہے جو ہم بتا چکے۔ واللہ اعلم۔

خوخۂ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک خوخہ

انیسواں دروازہ وہ خوخہ تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوخہ کے سامنے تھا' اسے مسجد میں اضافے کے موقع پر بنایا گیا اور ابن زبالہ کے گذشتہ اس قول کا مطلب یہی ہے جس میں انہوں نے دروازوں کی گنتی بتاتے ہوئے لکھا: مغربی جانب آٹھ دروازے تھے جن میں سے ایک' خوخۂ ابوبکر کی داہنی جانب کے مقابلہ میں خوخہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ خوخہ دار القضاء کے صحن میں کھلتا تھا جیسے ہم ابن زبالہ کی کلام سے بتا چکے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافہ میں بتا چکے کہ حضرت ابو غسان نے کہا تھا: مجھے محمد بن اسماعیل بن ابو فدیک نے بتایا کہ انہیں ان کے چچا نے بتایا تھا: وہ خوخہ جو مسجد کی مغربی جانب دار القضاء میں کھلتا تھا' وہ خوخہ ابوبکر تھا یعنی ان کے خوخہ کے مقابلے میں بنایا گیا تھا۔

ابن زبالہ مسجد کے دروازوں پر لکھائی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ: خوخہ کی اندر کی طرف اور باہر کی طرف کچھ بھی لکھا نہیں گیا تھا اور پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ آج کل اس خوخہ کا ایک دروازہ ہے جو مسجد کی طرف ہے جسے "حاصل النورہ" کہتے ہیں' اسے خوخۂ ابوبکر کہا جاتا ہے اور پہلے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حاصل' دار القضاء سے ہے اور آج کل اس کا دروازہ وہ کشادگی ہے جو ان تین کشادگیوں میں سے ہے جو باب السلام میں داخل ہونے والے کی دائیں طرف ہیں اس خوخہ کی جگہ دروازہ بنا دیا گیا جس میں سے مسجد میں داخل ہوتے تھے' اس کے بعد جالی تھی اور پھر دروازہ تھا جس میں سے گذر کر مدرسہ اشرفیہ کو جاتے تھے۔

بیسواں دروازہ

بیسواں دروازہ بابِ مروان تھا' اس کا یہ نام رکھنے کی وجہ تھی کہ ان کا یہ گھر' جو قبلہ میں تھا' اس دروازے کے سامنے تھا اور اس کا کچھ حصہ مغرب کی طرف سے مسجد میں آ جاتا تھا۔ آج کل یہاں وضو کرنے کی جگہ موجود ہے جسے ۶۸۶ھ میں سلطان قلاوون صالحی نے بنایا تھا' اسے دار السلام بھی کہا جاتا ہے اور باب الخشوع بھی' یہ مطری نے لکھا ہے اور ابن جبیر کے سفرنامے میں اسے باب الخشیہ کہا گیا ہے' عام طور پر زائرین اسی سے اندر داخل ہوتے ہیں کیونکہ باب مدینہ کا یہ درمیانہ راستہ ہے لہٰذا یہ نام رکھنے کا لحاظ ڈھکا چھپا نہیں۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ آج تک قبلہ کی طرف آل عمر کے خوخہ یا خوخہ مروان کے علاوہ کوئی دروازہ موجود نہیں' ہم نے بڑے منار کی تعمیر کے وقت مشاہدہ کیا تھا کہ مروان ہی کے گھر کے دروازے سے مسجد میں داخل ہوتے تھے چنانچہ منارہ کی غربی دیوار بناتے وقت یہ خوخہ بند کر دیا گیا۔

علامہ زین مراغی کہتے ہیں: اس شخص پر اعتراض کیا جا سکتا ہے جس نے کہا کہ مروان اس میں سے مسجد میں داخل ہوتے تھے کیونکہ انہیں ان کی بیوی اُم خالد بن یزید' آمنہ بنت علقمہ نے قتل کر دیا تھا' اس کا نام فاختہ بنت ہاشم بھی بتایا جاتا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ طاعون سے فوت ہوئے تھے' یہ واقعہ نصف رمضان ۶۵ھ کا ہے' ان کا دورِ خلافت نو ماہ تھا اور یہ واقعہ ان کے لڑکے کے لڑکے ولید بن عبد الملک بن مروان کے مسجد میں اضافے سے پہلے کا ہے یعنی تین سال قبل کا اور اس میں شک نہیں کہ یہ آلِ مروان کا خوخہ تھا لہٰذا درست یہ ہے کہ وہ اس جیسے دروازے سے داخل ہوتے تھے' اس سے نہیں اور گویا یہی وہ دروازہ ہے جس کا ذکر ابن زبالہ نے یوں کیا ہے: مسجد میں قبلہ کی طرف ایک دروازہ ہے جس میں سے گذر کر سلطان مقصورہ شریف کی طرف جاتے تھے۔

میں کہتا ہوں: رہا یہ کہ مطری نے کہا ہے' مسجد کے قبلہ میں (ان کے دور تک) آل عمر کے خوخہ کے علاوہ کوئی دروازہ نہ تھا تو ان کا یہ قول ہمارے گذشتہ بیانِ ابن زبالہ کے سامنے مردود ہے کیونکہ انہوں نے بیس سے زیادہ دروازوں کی تفصیل لکھی ہے جن میں اس دروازے کو بھی شمار کیا ہے جو قبلہ میں تھا اور دارِ مروان کی طرف تھا' اس میں سے امراء

داخل ہوا کرتے تھے پھر انہوں نے ان دروازوں کا ذکر کیا ہے جو قبلہ کی داہنی اور بائیں طرف تھے اور جن میں سے گذر کر مقصورہ کی طرف جاتے تھے اور وہ دروازہ جو قبلہ کی دائیں طرف تھا' وہ یہی ہے جسے مطری نے دیکھا تھا لہٰذا جو زین مراغی نے ذکر کیا ہے' وہ صحیح نہیں کیونکہ ان کے مطابق ابن زبالہ نے قبلہ میں جس دروازے کا ذکر کیا ہے' وہ یہی ہے کیونکہ انہوں نے ان دونوں کو الگ الگ بنا دیا ہے اور رہا مراغی کا اس قول سے پتہ لگا لینا: ''مروان اس دروازے سے داخل ہوتے تھے جس کا ذکر مطری نے کیا'' تو یہ صحیح ہے اور ابن زبالہ سے گذر چکا ہے کہ انہوں نے قندیلوں کے تیل رکھنے کی جگہ کو دروازہ کہا ہے اور قولِ مراغی میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اس کے مطابق وہاں مروان نے بھی ایک دروازہ بنوایا تھا کیونکہ ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ جب مروان نے اپنا گھر بنوایا تو اس میں سے قبلہ کی طرف ایک دروازہ رکھا پھر کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے روک نہ دیا جاؤں کیونکہ یہ قبلہ میں ہے لہٰذا اس گھر کا دروازہ اس طرف بنایا گیا جو اس میں داخل ہوتے وقت تمہاری دائیں طرف کو تھا یعنی وہی دروازہ جس کا ذکر گذر چکا۔ پھر کہا مجھے خدشہ ہے کہ مسجد سے روک نہ دیا جاؤں چنانچہ تیسرا دروازہ بنوایا جو مسجد کے ساتھ تھا یعنی باہر کی طرف سے بابِ السلام کے ساتھ ملحق تھا' آج کل اس کی جگہ پانی پینے کا حوض ہے جو مدرسہ حصن عتیق کے دروازے کے سامنے تھا اور اسی جہ سے رحبۃ القضاء کا نام رحبۂ دارِ مروان رکھا گیا کیونکہ یہ اس کے گھر کے سامنے تھا۔

ابن زبالہ کے مطابق جب حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسجد تعمیر کی تو ارادہ کیا کہ گلی کے دروازوں میں حلقے لگا دیں تاکہ مویشی اندر داخل نہ ہو سکیں چنانچہ وہ حلقہ بنایا جو دارِ مروان سے ملنے والے مسجد کے دروازے میں تھا پھر انہیں ظاہر ہوا کہ یہ تو بابِ مسجد جیسا ہے تو اسے چھوڑ دیا۔

میں کہتا ہوں' اس سے مراد لوہے کی زنجیر تھی جو باب السلام کے دونوں طرف باندھی جاتی تھی تاکہ چوپائے اس میں داخل نہ ہو سکیں' باب الرحمہ میں اس زنجیر کے نشان اب تک باقی ہیں' باب السلام کی یہ زنجیر موسم میں کھول دی جاتی تھی کیونکہ ۸۵۰ھ میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا' لوگوں کا اس مقام پر جمگھٹا ہو گیا تھا جس سے کافی لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ باب السلام کے سامنے اندر کی طرف جنگلہ تھا جو اس جنگلے جیسا تھا جو باب جبریل کے اندر کی طرف تھا' لوگ اپنے جوتے یہیں اُتارتے تھے اور باب الرحمہ کے سامنے بھی اندر کی طرف یونہی ہوتا تھا چنانچہ امیر نے یہاں پتھر لگوا دئیے' یہ باب السلام کی محراب کی جانب میں قریب تھا جو حصن عتیق کے دروازے سے متصل تھا اور پھر اس دروازے کے سامنے محراب کے برابر مسجد کا صحن بنایا اور لوگ وہاں جوتے اُتارنے لگے اور پھر باب الرحمہ کی محراب کے پاس بھی یونہی کیا اور وہ جنگلہ اُتار دیا اور یہ جگہ جنگلے اور باب الرحمہ کے درمیان مسجد کی زمین سے نیچے تھی چنانچہ اسے اس کے برابر کر دیا جیسے آج دکھائی دیتی ہے' اب اس کی سیڑھی اونچا کرنے کی ضرورت پڑی چنانچہ اصلی سیڑھی پر ایک اور سیڑھی بڑھا دی اور دروازے کا نچلا حصہ کچھ کم کر دیا اور یہ آج کل دکھائی دے رہا ہے جس سے مسجد کی حفاظت ہو گئی اور پھر باب النساء کے سامنے بھی صحن بنایا اور وہ جنگلہ اوپر اُٹھایا جو اندر کی طرف تھا' پھر باب جبریل کے سامنے صحن بنایا لیکن جنگلہ اوپر نہ اُٹھایا

کیونکہ اس طرف لوگ جوتے لے کر نہیں چلتے تھے اور پھر دوسری آتشزدگی کے بعد مسجد کی تعمیر کے وقت وہ جنگلے اُتار دیئے گئے۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۲۳

خوخہ آل عمر اور اس کی حد بندی

یاد رہے کہ آج کل یہ خوخہ ہی وہ مقام ہے کہ قبلہ والے برآمدوں میں سے دوسرے برآمدے سے لوگ یہاں پہنچتے ہیں اور یہی وہ برآمدہ ہے جس میں سے لوگ زیارت کے لئے چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت عثمان' ولید اور مہدی کے مسجد میں اضافوں سے یہ بات واضح ہے کہ اصل یوں ہے کہ جب سیّدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان کی ضرورت پڑی (آپ کے حجرہ کی) تو انہوں نے فرمایا تھا: میں مسجد کی طرف کیسے جاؤں گی؟ تو آپ سے عرض کی گئی: ہم آپ کو آپ کے گھر سے زیادہ وسیع جگہ دیں گے اور بالکل ایسا ہی راستہ دیں گے جیسا اب آپ کو حاصل ہے چنانچہ آپ کو حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مکان دیدیا گیا یعنی جہاں بعد میں سیّدہ حفصہ آئی تھیں' پہلے یہ کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی۔

پہلے ہم ولید کے اضافے کے بیان میں بتا چکے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے آل عمر کے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ امیر المؤمنین نے انہیں حضرت حفصہ کا مکان خریدنے کو کہا ہے' یہ مکان مسجد کے اندر کی طرف سے خوخہ کی دائیں طرف تھا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم کسی بھی قیمت پر اسے فروخت نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا: تو پھر میں خود اسے مسجد میں شامل کرلوں گا۔ انہوں نے کہا: یہ پھر آپ کی مرضی لیکن ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ہم اسے ٹکڑے نہیں کریں گے۔ گھر گرادیا گیا' آپ نے انہیں بہت سا مال دے دیا۔

ہم پہلے یہ بھی بتا چکے ہیں کہ حجاج ثقفی وہ شخص ہیں جنہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس گھر کی قیمت لگائی اور اسے گرانے کی بات کی۔

یحییٰ کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز تعمیر کرتے ہوئے جب حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان تک جا پہنچے تو عبید اللہ نے ان سے کہا' میں اسے نہیں بیچوں گا کیونکہ یہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حق ہے' نبی کریم ﷺ اس میں ٹھہرا کرتے تھے۔ اس پر حضرت عمر نے کہا: میں تمہارے بغیر اسے مسجد میں داخل نہیں کروں گا اور جب بہت کچھ کہا جا چکا تو حضرت عمر نے ان سے کہا: میں تمہارے لئے مسجد میں دروازہ رکھ دونگا جس سے تم داخل ہو سکو گے اور تمہیں دارِ رقیق بھی دیدوں گا اور گھر کا جو حصہ بچے گا' وہ بھی تمہارا ہوگا' انہوں نے یہ بات منظور کر لی۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ ولید نے جب حج کیا اور مسجد نبوی میں گھوما اور اس دروازے کو قبلہ میں دیکھا تو حضرت عمر بن عبد العزیز سے پوچھا: یہ کونسا دروازہ ہے؟ انہوں نے بیت حفصہ کے بارے میں اسے آل عمر سے کی گئی گفتگو بتائی

کیونکہ اس بارے میں ان سے بہت گفتگو ہو چکی تھی اور پھر صلح بھی ہو گئی تھی۔ ولید نے ان سے کہا کہ آپ نے اپنے نھیال سے نرمی برتی ہے۔

ہم نے پہلے ابن زبالہ کی روایت سے اس طرف اشارہ کر دیا تھا اور پھر عبد العزیز بن محمد کی روایت سے بتایا ہے کہ وہ حضرت عبید اللہ بن عمر کو کہتے سنتے تھے کہ: اسے بند ہوتا دکھا کر اللہ مجھے موت نہ دے پھر یہ بھی آ چکا ہے کہ یہ خوخہ آل عمر کے گھروں کی طرف جانے کے لئے راستہ کا کام دیتا رہا اور پھر وہ وقت آیا کہ مہدی نے قبلہ کی طرف والے برآمدے میں مقصورہ بنا دیا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ انہوں نے انہیں ان کے دروازے سے نکلنے سے بند کر دیا' اس لئے اس بارے میں بہت کچھ ہوا اور پھر انہوں نے اوپر سے مسجد کی دیوار تک خوخہ بند کرنے پر صلح کر لی اور یہ طے کیا کہ وہ اسے زمین تک لے جائیں گے اور پہلے دروازے کی جگہ قبلہ میں اوپر کی طرف جالی لگا دیں گے اور تہ خانے جیسا بنا دیں گے جس سے مقصورہ کے باہر سے برآمدے کی طرف نکلا جا سکے گا اور اس کے تین درجے ہوں گے جو اس کے دروازے کے قریب مسجد کے تہ خانے میں ہوں گے چنانچہ وہی چبوترہ آج کل موجود ہے اور اس پر لوہے کا تالا لگا ہے اور حاجیوں کے زیارت کے لئے آنے کے وقت کے بغیر اسے کھولا نہیں جاتا۔

علامہ مطری کہتے ہیں کہ یہ ان آل عمر کا راستہ ہے جو ان کے گھروں کی طرف جاتا ہے جنہیں آج کل ''دار العشرہ'' کہتے ہیں حالانکہ یہ آل عبد اللہ بن عمر ہے۔ انتھٰی۔

میں کہتا ہوں کہ دارِ مسجد کے باہر کی طرف سے اس تہ خانہ پر دروازہ ہے' یہ بھی مسجد کی دیوار میں ہے' اس کے سامنے دہلیز ہے جس سے کھلے راستے کو پہنچا جاتا ہے' جہاں بہت سے گھر آباد ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر ہم وہاں کریں گے جہاں مسجد کے گرد گھروں کا ذکر ہوگا۔

فریب دینے کے لئے لوگوں کا دروازہ بنانا

لوگوں نے ان دروازوں کے نام گھڑ لئے ہیں' کسی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا گھر ہے' کسی نے اسے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے منسوب کیا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے ان گھروں والوں میں سے کسی نے دیوار کے گڑھے میں سرمہ رکھا ہوا ہے چنانچہ وہ حاجیوں سے کہتے ہیں کہ یہ سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سرمہ دانی ہے' پھر اپنے پاس ایک چکی کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی چکی ہے۔

مجھے یہ باتیں شش و پنج میں پڑے شخص نے بتائیں' ایسے لوگوں نے انہیں یہ جھوٹی باتیں بتائی تھیں چنانچہ اس نے انہیں کچھ مال بھی دیا تھا۔ مسجد میں تہ خانے کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوتا ہے' وہ آج کل آل عمر میں سے نہیں ہے

کیونکہ جن کے پاس چابی ہوا کرتی تھی، آل عمر کا ایسا کوئی شخص نہیں بچ سکا، ان میں سے صرف اس شخص کی بیوی بچی تھی، وہ فوت ہوگئی تو اس نے اس شخص سے اولاد چھوڑی جن کے ہاتھ میں یہ چابی چلی آتی تھی چنانچہ یہ تہ خانے کے پاس بیٹھے والا ان کا نائب ہے، وہ اس کو موسمِ حج میں کھولتا ہے، اس کے پاس لوگوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جو حاجیوں کو زیارت کراتے ہیں اور آنے والوں سے رقم لیتے ہیں کیونکہ اس کے پاس بیٹھنے والا کچھ لئے بغیر اندر داخل نہیں ہونے دیتا، اندریں حالات اس پردیسی حاجی کا کیا حال ہوتا ہوگا جو اس طرح کا دروازہ دیکھے جو مسجد میں زیرِ زمین ہو اور اسے کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تک پہنچ رہا ہے؟

اہلِ مدینہ کی دیکھا دیکھی یہ بات اتنی مشہور ہوچکی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی اسے ناپسند نہیں کرتا تھا تو ایسی صورت میں پردیسی اور مسکین ان مقامات تک پہنچنے کے لئے جان تک کی بازی لگا دینے کے لئے تیار ہو جاتا تھا حالانکہ بسا اوقات اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، وہ اس کے لئے انتہائی مشقت اٹھاتا تھا۔ میرے ایک دوست شیخ مبارک ابو الجود برکات الجیعانی نے مجھے بتایا کہ وہ یہاں قیام سے پہلے کسی وقت مدینہ میں آئے، انہوں نے کہا کہ میں اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکا تھا اور اس تہ خانے میں چلا گیا جس پر وہ بیٹھا شخص میری پیٹھ پر اس لئے سوار ہوگیا کہ میں نے اسے کچھ دیا نہیں تھا۔ پھر انہوں نے اور ایک بااعتماد آدمی نے مجھے بتایا کہ اس تہ خانے میں بڑی بھیڑ ہوتی ہے، مرد اور عورتیں، جگہ کی تنگی کے باوجود آپس میں ٹکراتے ہیں اور چلنے والے کو بھی ایک طرف ہونا پڑتا ہے۔

ایک شخص نے یہ بھی بتایا کہ اس نے بہت برا منظر دیکھا کہ ایک نوجوان بھیڑ کے باوجود عورتوں کے پیچھے پیچھے تھا، عجیب طرح سے چل رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ایسا کام کر رہا تھا جس سے اللہ و رسول ناراض ہوں اور میں حیران تھا کہ لوگوں کو اس کام کے لئے کیسے کھینچ رہا ہے؟ اور یہ کام صرف اسی وجہ سے ہو رہا تھا جو میں نے ذکر کر دی ہے کیونکہ یہ گھر کا ایک دروازہ تھا اور جس کے ہاتھ میں چابی تھی وہ ان گھروں میں سے کسی ایک کا بھی مالک نہ تھا اور اگر ہوتا تو اس میں سے صرف اسی گھر کے لوگ داخل ہوتے کیونکہ انہوں نے صرف آلِ عمر کے داخلے کے لئے بنایا ہوتا نہ یہ کہ وہ ہر گذرنے والے سے پیسوں کا لالچ کرتے، وہ لوگ تو اس برائی سے بچنے والے تھے۔

پھر اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ گھر قابلِ زیارت ہیں تو باہر سے بھی تو ان کی زیارت کی جا سکتی تھی مسجد کو راستہ بنانے کی کیا ضرورت تھی اور حضور ﷺ کے ہوتے بدترین مال دنیا کے لئے یہ حالت بنانے کی کیا ضرورت تھی حالانکہ مال تو کجا، ہم آپ پر اپنی جانیں فدا کرنے کو تیار ہیں، انہوں نے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خوخہ کے علاوہ مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کرنے کا حکم فرما دیا تھا خواہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا دروازہ کیوں نہ ہو حالانکہ ان لوگوں کا دروازوں سے صرف یہ مقصد تھا کہ مسجد تک پہنچ سکیں تو پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس حقیر مال کے لئے حضور ﷺ کے سامنے کوئی دروازہ باقی رہے۔ یہ ایسا کام ہے کہ جو مومن بھی تعظیم رسول اللہ ﷺ کرنے والا ہے، وہ اسے پسند نہیں کرے گا، لہٰذا آپ کے حکم سے منہ پھیرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں کسی آزمائش میں نہ پڑ جائیں یا

انہیں زچ کر دینے والا عذاب نہ گھیر لے۔

پھر اس تہ خانے کو تالا لگا ہے اور اس کے گردا گرد لکڑی لگی ہے' میں نے بے شمار خلقت دیکھی ہے جو پھسل جاتے ہیں اور کئی ان میں سے منہ کے بل گرتے ہیں۔ پھر جب نصف شعبان وغیرہ جیسی راتوں کو ہجوم ہوتا ہے تو پاؤں تلے سے زمین زلزلے کی طرح کانپتی ہوتی ہے اور یہ چیز حضور علیہ السلام کو تکلیف دیتی ہے۔ دیکھئے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب بھی کبھی مسجد کے گرد کے مکانوں میں میخ یا کیل ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو ان کو پیغام بھیج دیتیں کہ رسول اللہ علیہ السلام کو تکلیف نہ دو اور یہی وجہ تھی کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے طہارت خانوں کے علاوہ اپنے گھر کے دروازے کے دروازے نہیں لگائے تھے حالانکہ وہ طہارت خانے رات کے وقت عورتوں کے استعمال کے لئے بنوائے گئے تھے جو مدینہ سے باہر تھے' پھر یحییٰ کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ ایک اُم المؤمنین نے دروازے پر دستہ لگانے کے لئے بڑھئی کو بلایا تو اس نے دستہ لگانے کے لئے کیل کو زور سے ضرب لگائی جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بڑھئی سے تلخ کلامی فرمائی اور فرمایا: تم جانتے نہیں کہ حضور علیہ السلام کا احترام وصال کے بعد بھی ویسے ہی کرنا لازم ہے جیسے آپ کی زندگی میں کیا جاتا تھا؟ اس پر ایک اور اُم المؤمنین نے کہا: کیا یہ آواز آپ تک پہنچ رہی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس آواز سے حضور علیہ السلام کو ویسے ہی تکلیف ہوگی جیسے آپ کی زندگی میں ہوتی۔

سلطان قایتبائی کا سفر حج

میں جب سے مدینہ منورہ میں حاضر ہوا ہوں' اس برے کام کو دل' زبان اور تحریری طور پر برا جانتا آیا ہوں لیکن اس سلسلے میں کسی نے بھی میری مدد نہیں کی کیونکہ عام لوگوں کے دلوں میں بن دیکھے پرانی رسمیں نبھانا گھر چکا تھا پھر میں نے اپنی کتاب "الوفاء بما یجب لحضرۃ المصطفیٰ علیہ السلام" میں اس کا خوب ردّ کیا ہے۔ اس کے بعد مجھے سلطان الاسلام والمسلمین سلطان اشرف قایتبائی کے سامنے ہونے کا بھی موقع ملا جب انہوں نے ۸۸۴ھ میں حج کا ارادہ کیا تو زیارتِ روضۂ انور کے لئے پہلے مدینہ منورہ پہنچے اور پھر ذوالقعدہ کی بائیس تاریخ کو جمعہ کے دن بوقت طلوع فجر یہاں حاضری کے لئے آئے' یہاں پہنچ کر عاجزی و انکساری والا لباس پہنا' دبدبے اور رعب کے خوف سے صرف وہ لباس پہنا جو حاضری کے لئے مناسب تھا اور پھر شاہی گھوڑے سے اس وقت اُتر آئے جب شہر پناہ کے دروازے پر' پہنچے' یہاں سے پیدل چلے اور بلند مرتبہ جناب میں حاضر ہوئے جو اللہ کے محبوب و شفیع ہیں (علیہ السلام)' تحیۃ المسجد کے دو نفل پڑھے سلام عرض کیا اور خاص رحمتوں سے حصہ لیا' پھر آپ کے ساتھ لیٹنے والے دو پیاروں کی خدمت میں سلام پیش کیا اور ایک گوشے سے گرد اُٹھا کر چہرہ پر ملی۔ پھر انہیں مقصورہ شریف میں داخلے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے اسے عظیم انعام قرار دیا' آج کل اسے حجرہ منیفہ کہا جاتا ہے۔ سلطان نے کہا کہ اگر مجھے کہیں دور کھڑے ہونے کی جگہ مل

جاتی تو میں وہاں بھی کھڑا ہونے کو تیار تھا کیونکہ یہ بڑی عظیم بارگاہ ہے' تعظیم کا خیال رکھتے ہوئے یہاں کون کھڑا ہونے کی ہمت رکھتا ہے۔

پھر صبح کی نماز پہلی صف میں روضۂ پاک کے فقیروں میں' میرے مصلاّ کے قریب اسطوانۂ مہاجرین کے نزدیک کھڑے ہو کر ادا کی' میرے اور شاہ کے درمیان ان کے امام شیخ الشیوخ برھان الدین کرکی موجود تھے' اس سے قبل ان سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا اور میں نے انہیں سلام کہنے میں ابتداء بھی نہیں کی' نہ ہی سلطان نے سلام کہا ایسا اتفاق میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔

اس کے بعد انہوں نے حضورﷺ کے چچا جان اور شہداءِ اُحد کی زیارت کا ارادہ کیا چنانچہ حسب عادت پیدل چل پڑے اور اسی طرح مدینہ کے دروازے سے باہر نکلے۔ ہر مقام پر یہی عادت رہی اور جب تک واپسی نہیں ہوئی' مدینہ میں قیام کے دوران پیدل ہی چلتے رہے اور جب جمعہ کی نماز کا وقت ہوا' تو اسی مصلّے پر آ بیٹھے' اب بھی میرے اور ان کے درمیان وہی امام حائل تھے پھر ایک شخص نے شیخ المحدثین علامہ شمس الدین بن ابو الفرج عثمانی سے ایک حدیث بخاری پڑھی۔ وہ امام چونکہ طلب علم کے بڑے دلدادہ تھے لہٰذا مجھ سے انہوں نے اس بارے میں علمی سوال و جواب شروع کر دئے' وہ بڑے باکمال شخص دکھائی دئے اور بحث کرتے وقت بڑے انصاف سے بات کرتے تھے۔ اب میری اور ان کی محبت ہوگئی۔

پھر امام تو اُٹھ گئے لیکن سلطان وہیں بیٹھے رہے' انہوں نے مہربانی کرتے ہوئے مجھے بات کرنے کا موقع عطا کیا اور گہرے مسائل پر گفتگو کی' میں نے دیکھا کہ وہ حد درجہ مہربان تھے' بہت عاجزی اور بردباری کرنے والے اور نہایت سمجھ دار تھے' میں نے ان کے سامنے یہ اشعار پڑھے:

> ''میں ہر سوار سے احمد بن سعید کے بارے میں کوئی اچھی پوچھتا جاتا تھا اور پھر جب ہماری ملاقات ہوگئی تو بخدا میری آنکھوں نے وہ کچھ دیکھا جو کان نہیں سن سکے تھے۔''

میں نے تہ خانے کے بارے میں ان سے بات کی اور دل میں سوچا' شاید اللہ تعالیٰ نے سلطان کو یہاں بھیج کر میری ان سے ملاقات اس لئے کرائی ہے کہ حضورﷺ کی بارگاہ اقدس اس برائی سے پاک کر دی جائے اور یہ چیز سلطان کے نامۂ اعمال میں لکھی جا سکے اور پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ گذشتہ حکمرانوں نے اس برائی کو بند کرنے کا کبھی خیال نہیں کیا تھا حالانکہ جو خدشات ہم بیان کر چکے ہیں' وہ ان کے دور میں نہ تھے' انہوں نے صرف ایک رکاوٹ کی بناء پر اسے چھوڑے رکھا تھا اور اس وقت کوئی بھی رکاوٹ موجود نہ تھی۔ سلطان نے وعدہ کیا کہ کوشش کروں گا۔

پھر اس امام کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا موقع ملا تو میں نے اس بارے میں ان سے بھی بات کی اور بتایا: مجھے یہ معلوم ہوا ہے چابیاں رکھنے والے کو ہر سال اس کام سے دس دینار آمدن ہوتی ہے اور ہر سال اس کی عزت بڑھتی جا رہی ہے' میں نے کہا کہ اسے لالچ دے کر اس کام سے ہٹا دینا چاہئے۔

امام نے یہ بات سلطان سے کی تو انہوں نے کہا کہ ہم اسے اپنی طرف سے راضی کر دیں گے پھر سلطان مغرب کی نماز کے لئے آئے تو براہِ مہربانی مجھ سے خود بات شروع کر دی' اس وقت وہ امام موجود نہیں تھے لیکن ان تک پوری بات پہنچ چکی تھی چنانچہ انہوں نے مجھ سے مصلاً شریف میں لکھی اس آیت کے بارے میں پوچھا: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ کہ کیا یہ آیت واقعۂ معراج اور نمازیں فرض ہونے سے پہلے اُتری تھی یا بعد میں؟ اور آیت کے اُترنے سے پہلے خطاب کیونکر ہوا؟ چنانچہ میں نے جواب دینا شروع کیا تو اسی دوران نماز کا وقت ہو گیا' انہوں نے نماز پڑھی اور پھر چھ رکعت نفل پڑھے اور پھر جواب سننے کے لئے میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے انہیں مدینہ میں اس آیت کے نازل ہونے کی تاریخ بتائی اور اس سلسلے میں اختلاف کا ذکر کیا اور بتایا کہ نماز کی وصیت معراج کے موقع پر مکہ میں ہوئی تھی اور وہ کچھ بھی بیان کیا جو علماء نے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے متعلق لکھا ہے اور یہ بتایا کہ قبلہ کئی مرتبہ منسوخ ہوا اور حضور ﷺ نے مکہ میں دو یمانی رکنوں کے درمیان کھڑے ہو کر کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان رکھ کر نماز پڑھی تھی اور پھر کئی اور فائدہ مند باتیں بھی کیں جن کا ہم اپنے مقام پر ذکر کر چکے ہیں۔ پھر یہ سلسلہ جاری رہا اور ہم نے عشاء کی نماز بھی اکٹھے پڑھی۔ اس مجلس میں مجھے وہ عزت حاصل ہوئی جسے میں نے محبوب اور شفیع رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس نیکی کا بدلہ اور جزاء سمجھا۔

پھر انہوں نے اہلِ مدینہ میں بہت سا مال تقسیم کیا جو چھ ہزار دینار سے بھی زیادہ تھا اور پھر اپنے اسی امام کے ہاتھ مجھے بھی کافی مال بھیجا' میں نے مدینہ سے ٹیکس اُٹھانے اور اس کے بدلے میں امیر مدینہ سے تعاون کرنے کی بات کی جس سے مجھے پتہ چلا کہ انہوں نے اس بارے میں بھی وعدہ کر لیا' پھر مجھ سے اس دارِ عباس کے بارے میں پوچھا جو ان کے لئے خریدا گیا تھا اور یہی گھر قاضی زکوی کے قتل کا سبب بنا تھا کیونکہ اسے لیتے وقت انہوں نے سیاست سے کام نہیں لیا تھا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ نے مجھے اس سلسلے میں لکھ کیوں نہیں دیا تھا؟ میں نے ایسا عذر پیش کیا جو انہوں نے قبول کر لیا اور جو کچھ اس معاملے میں ہوا تھا' اس سے پہلو تہی کی اور اس معاملے کو سلجھانے کا وعدہ کیا اور جب واپس آئے تو یہ وعدہ پورا بھی کر دیا' انہوں نے انہیں بہت سی رقم دے دی جس سے وہ راضی ہو گئے۔ پھر یہ مہربانی کی کہ مجھے وہ خط و کتابت کرتے رہنے کی اجازت دے دی جس میں اہلِ مدینہ کی بھلائی ہو اور محتاجوں کے بارے میں اطلاع ہو۔

پھر اسی ماہ کی چوبیس تاریخ کو سلامتی کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف توجہ کی' مدینہ کے فقیروں اور فقہاء کو ساتھ لیا اور بابِ مدینہ سے پیدل باہر نکل آئے۔ وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور ہم نے حضور ﷺ کے لئے مل کر فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

پھر میں الحاج شامی کے ساتھ مکہ پہنچا تو دیکھا کہ وہاں بھی وہ اسی عاجزی میں تھے اور وہاں مدینہ منورہ کے مقابلے میں بھی زیادہ مال تقسیم کیا اور جب میں مکہ مکرمہ میں ان کے امام کے ساتھ مل بیٹھا تو ہم نے مدینہ شریف میں صدقہ کی بات کی نیز یہ بھی سوچا کہ اس قدر مال خرچ کرنے سے کیا نفع ہوا۔ میں نے انہیں بتایا کہ مغرب سے آئے چار

فقیروں میں سے کسی نے بھی یہ مال نہیں لیا کیونکہ وہ اپنی سرائے میں ٹھہرے رہے تھے اور تقسیم کرنے والے تک نہیں پہنچ سکے نیز ایک اور شخص تھا جس کے بارے میں میں چاہتا تھا کہ اسے جو کچھ ملا تھا' اس سے زیادہ ملنا چاہئے۔

یہ بات سلطان تک پہنچ گئی چنانچہ جب منیٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے اس امام کو الوداع کہنے کا سوچا' انہوں نے مجھے اشارہ کیا کہ سلطان کو الوداع کہو۔ میں نے کہا: خدشہ یہ ہے کہ میرے جانے کا مفہوم کوئی اور نہ سمجھ لیں۔ امام نے کہا: انہیں الوداع کہنا ضروری ہے چنانچہ ہم دونوں چل پڑے' وہاں مجھے وہ اعزاز ملا جس پر میں اکرم الاکر مین سے اس کے لئے دعا گو ہوں۔

سلطان نے پھر کہا: آپ نے امام سے یہ بات کی ہے؟ سلطان فقیروں کے بارے میں کی ہوئی بات نہیں بھولے تھے۔ میں نے کہا ہاں کی ہے چنانچہ انہوں نے مجھے سو دینار دئے اور کہا کہ ان میں بیس بیس دینار بانٹ دینا۔ پھر کہا: کیا اب تو کوئی باقی نہیں رہ گیا؟ میں نے کہا کہ ذہن میں تو کوئی نہیں آ رہا۔

میں نے دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے پڑوسیوں کے بارے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے کھڑے کھڑے مجھے الوداع کہا اور اس تہ خانے کے بارے میں حکم دیا کہ اسے نہ کھولا جائے بلکہ بند ہی رکھا جائے چنانچہ جب خدام کے شیخ کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں الحاج مصری کے اس سال آنے پر اسے کھولنے سے منع کر دیا اور بند ہی رکھا کیونکہ کسی برائی کو دور کرنے کے لئے اس کی جڑیں کاٹنا ضروری ہوتی ہیں اور پھر انہوں نے اسے بند کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

اہلِ مدینہ کے لئے قایتبائی کی طرف سے وقف مال

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد سے سلطان مصر پہنچے تو بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے مصر میں پہنچ کر ساٹھ ہزار دینار نکالے کہ ان سے مکان خرید کر وقف کر دیں اور ان سے حاصل ہونے والی آمدن بارگاہِ اقدس میں بھیج دیں اور اس سے ایسا لنگر جاری کر دیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہوا تھا' یہ ایسا کام تھا کہ اس سے پہلے کسی اور سلطانِ اسلام نے نہیں کیا تھا۔ اللہ سے دُعا ہے کہ ان کے لئے یہ کام آسان فرما دے۔

ہم نے انتیسویں فصل میں یہ بات بتا دی تھی کہ سلطان کی طرف سے ٹیکس ختم کرنے اور امیر مدینہ کو اس کے عوض رقم فراہم کرنے کے بارے میں چٹھیاں آ گئی تھیں اور پھر انہوں نے بہت سے مکان وقف کر دئے تھے جن سے اہلِ مدینہ کے لئے ساڑھے سات ہزار اِردب گندم سالانہ (ایک اردب پچیس صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے یعنی تقریباً چھ سو پچپن من) حاصل ہوتی تھی اور وہ یہاں لنگر کے کام آتی تھی جو ہر گھر کی ضرورت کے لئے کافی ہوتی تھی' انہوں نے ابو البقاء بن الجیعان بہائی کو اس کا نگران بنایا جو اسے خرچ کرتے اور لنگر جاری رکھتے' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُمید ہے کہ یہ سلسلے جاری رکھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں ایسے کام جاری

کرارکھے ہیں جو ان سے پہلے کسی سلطان سے نہیں ہو سکے جن میں سے ایک یہ بتایا جا چکا کہ انہوں نے مسجد شریف اور حجرہ مبارکہ کی تعمیر کی تھی اور پھر تہ خانے کی یہ رسم بند کر دی تھی۔

عجیب بات یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں تہ خانے کی چابیاں تھیں' وہ مصر پہنچا اور اسے دوبارہ کھولنے کی اجازت مانگی لیکن انہوں نے یہ بات نہیں مانی اور خزانے سے دس سے کچھ زیادہ دینار سالانہ اس کے لئے مقرر کر دیئے جو اسے اس برے کام سے حاصل ہوتے تھے۔ پھر اس بارے میں اطلاع کے لئے چٹھیاں آ گئیں اور اس تہ خانے کو بند کرنے کا بھی حکم تھا لیکن کچھ نفسانی خواہشات والوں کے لئے ان پر عمل مشکل تھا جس کا سبب میں ہی تھا چنانچہ اس میں تاخیر ہوگئی' اسی دوران شیخ الخدام فوت ہو گئے لیکن یہ سلسلہ بند نہ کیا اور جب ۸۸۷ھ کو میں مصر پہنچا تو مجھے ڈر لگا کہ اس وجہ سے سلطان کچھ لوگوں پر ناراض ہوں گے لہٰذا میں نے تاخیر کا عذر یہ پیش کیا کہ شیخ حرم فوت ہو گئے تھے چنانچہ انہوں نے شیخ حرم اور متولی تعمیر شمس بن زمن کو خط لکھا کہ اسے مکمل طور پر بند کر دیا جائے اور پھر دوبارہ نہ کھولا جائے۔ اس کے برعکس متولی اس کی طرف مائل تھے اور جیسے کہ فصل اٹھائیس میں آ چکا کہ ان کو مجھ پر رنج تھا۔ پھر اس کے بعد ۸۸۶ھ میں یہ سب کچھ جل گیا اور ملبے کا ڈھیر بن گیا تھا۔ یہ سب کچھ سلطان کی طرف سے اسے بند کرنے کے بعد ہوا' آگ نے اسے سخت نقصان پہنچایا۔ اب متولی نے اسے دوبارہ مضبوط بنایا اور اس کا ایک دروازہ رکھا اور جب اس سلسلے میں ان کے پاس چٹھی آئی جس میں میرے دخل کا ذکر تھا تو ان نے کہا کہ میں اس سلسلے میں سلطان سے بات کروں گا کیونکہ یہ گھر ان کے ہیں۔

پھر شیخ حرم نے یہ بات سلطان تک پہنچائی تو ان کی طرف سے چٹھی آئی کہ اسے بند کر دو اور انہوں نے بند کرنے میں تاخیر اور دوبارہ بنانے پر ملامت کی لیکن متولی نے تعمیل حکم میں تاخیر کی تاکہ سلطان سے بات کر سکے اور کہا وہ انہیں قابلِ زیارت مقام قرار دیدیں' مقصد یہ تھا کہ کسی طرح انہیں برقرار رکھا جا سکے لیکن لوگوں نے اس کی جرأت پر تعجب کیا۔ پھر سلطان تک یہ خبر پہنچ گئی اور ساتھ ایسی باتیں بھی پہنچیں جن کی وضاحت سے بات لمبی ہو جائے گی۔ اس پر سلطان شدید ناراض ہوئے اور اسے بند کرنے کے لئے حکم بھیجا اور تاخیر کرنے پر سخت ڈانٹا چنانچہ شیخ حرم نے مسجد کی باہر کی جانب سے اسے مضبوط تعمیر کے ذریعے بند کر دیا اور اس کا دروازہ بھی اُتار لیا اور مٹی سے اسے بند کر دیا اور مسجد کی زمین کے برابر کر دیا چنانچہ اس کا نام ونشان نہ رہا۔ یہ واقعہ چار ذوالقعدہ ۸۸۸ھ کو ہوا جس سے ہر بھلا آدمی خوش ہوا اور سلطان کو ڈھیروں دُعائیں دیں۔ یہ ان کا بہت اچھا کام تھا۔

حرمین شریفین میں سلطان قایتبائی کے کارنامے

☆ سلطان کے عظیم کارناموں میں سے ایک خلیص چشمے کو بار بار بندش کے بعد بحال کرنا تھا' یہ حج کے لئے بہت مفید ثابت ہوا اور یونہی "برکۃ الروحاء" کو بحال کیا گیا۔

☆ ایک اور کارنامہ مسجد خیف کی نئے سرے سے تعمیر تھی جبکہ وہ مکمل طور پر گر چکی تھی پھر اس کا قریبی منار اور سبیل بھی بنوائی جو اس کے دروازے کے قریب تھے پھر اس منار پر اذان پڑھنے اور مسجد میں امامت کرانے والے کے لئے تنخواہ مقرر کی۔

☆ انہی کارناموں میں سے ایک یہ تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی طرف منسوب مسجد نمرہ کے اگلے حصے میں سایہ کا انتظام کیا کیونکہ اس دن شدید دھوپ کی وجہ سے حاجیوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔اللہ تعالیٰ شاہ کو قیامت کے دن سایہ نصیب فرمائے جب سایہ اسی کے ہاتھ ہوگا۔

☆ انہی کارناموں میں ایک' عرفہ کے چشمے کی بحالی تھی جو بطنِ نعمان سے آتا تھا۔وہ مکمل طور پر بند تھا' نشانات مٹ چکے تھے نالیاں وغیرہ بند ہو چکی تھیں اور دور و نزدیک کی نہریں بند ہو گئی تھیں' سلطان نے اسے مسجد نمرہ تک پہنچا دیا اور وہاں پانی جمع رکھنے کے لئے بڑا حوض (ڈیم) بنا دیا' اس کے ذریعے حج جیسے عظیم فریضے میں پیاس کی شکایت ختم ہوگئی۔میں ہر سال دیکھا کرتا تھا کہ فقیر لوگ اس دن پانی ہی مانگتے رہتے تھے اور یہ تحفے سے کم نہ تھا۔اب کوئی مانگنے والا نہ رہا۔اللہ تعالیٰ سلطان کو اس خدمت پر حوضِ کوثر سے پلائے۔

☆ انہی میں سے مدرسہ اور سرائے تھی جنہیں مکہ مکرمہ میں بنایا جن کی مثال نہیں مل سکتی۔

☆ ان میں ایک یہ کہ انہوں نے اس سال حج بھی کیا جبکہ اس سے قبل ڈیڑھ سو سال سے کسی سلطانِ مصر نے حج نہیں کیا تھا' شاہانِ مصر میں سے حج کرنے والے آخری سلطان ملک ناصر محمد بن قلاوون تھے جنہوں نے تین حج کئے تھے' پہلا ۷۱۰ھ میں' دوسرا ۷۲۰ھ میں اور تیسرا ۷۳۲ھ میں' ان کے بعد کسی شاہِ مصر نے حج نہ کیا' میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سلطان کی عمر دراز فرمائے اور حج ان کے نصیب میں ہو اور بارگاہِ رسالت میں انہیں بھلائی کا مزید موقع عطا فرمائے۔

☆ پھر اسکندریہ کی چھاؤنی میں ایک عظیم برج بنوایا' ان سے پہلے کسی نے نہیں بنوایا تھا پھر وہاں اسلحہ اور فوج کا انتظام کیا۔

جب میں بیت المقدس میں اضافہ دیکھنے گیا تو انہوں نے یہاں بھی کام کیا تھا' پھر مصر وغیرہ میں ایسے کام کرائے جو کوئی اور نہ کرا سکا' مدرسے بنوائے' مسجد اور پل تعمیر کرائے۔یہاں تفصیل بتانے کا موقع نہیں' ہم نے تو صرف وہ کارنامے ذکر کئے ہیں جو حجاز سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ ہماری ضرورت اتنی ہی ہے۔

وہ ایسے بادشاہ تھے جن کی رعایا اطاعت گذار' وہ ہر طرف سے محفوظ' صبر کرنے والے' جلد باز نہ تھے' بہت حیاء دار' صاحبِ عزت اور دبدبہ والے تھے۔جب کسی کام کا ارادہ کر لیتے تو جلد بازی سے کام نہ لیتے بلکہ سکون سے کرتے۔اہل علم کی قدردانی کرتے اور انہیں عزت دیتے۔

ہم نے ان کا یہاں ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ ایک واقف کار اس سلطان کے لئے دُعائیں کرے کیونکہ

انہوں نے ایسے مقاصد پورے کئے ہیں اور یہ مقصد بھی تھا کہ آئندہ سلاطین ان کے نقشِ قدم چل کر ان جیسے کام انجام دے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان کی عمر دراز فرمائے۔اب شائد ہی ان کے بعد کوئی ایسے کام کرا سکے۔

فصل نمبر ۳۴

مسجد نبوی کے گرد مکانات اور مہاجرین کے گھروں کی نشاندہی

''طبقات'' میں ابن سعد کے مطابق حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں گھروں کی نشاندہی فرمائی تھی چنانچہ بنو زھرہ کے لئے مسجد کے آخر میں ایک طرف نشان لگایا' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے حصے میں ''حش'' والی جگہ آئی۔حش ان کھجور کے درختوں کو کہتے ہیں جنہیں پانی نہ دیا جائے۔

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھروں کی نشاندہی فرمائی چنانچہ بنو زھرہ کے لئے مسجد کے آخر میں ایک جگہ پر نشان لگایا' حضرت مسعود کے دونوں بیٹوں عبد اللہ اور عتبہ کے لئے مسجد کے قریب یہ خطہ (زمین کا ٹکڑا) مقرر فرمایا۔

علامہ یاقوت کہتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچے تو لوگوں کو گھر اور ٹھکانے الاٹ کئے' بنو زھرہ کے لئے مسجد کے آخر میں ایک جگہ الاٹ کی' حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو حش والی مشہور جگہ دی' قبیلہ ھذیل میں سے حضرت مسعود کے دونوں بیٹوں عبد اللہ اور عتبہ کے لئے مسجد کے نزدیک' ان کے نام سے مشہور ٹکڑا مقرر فرمایا' حضرت زبیر بن عوام کو بقیع کا وسیع حصہ دیا' حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو ان کے گھر والی جگہ دی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد کے نزدیک ان کا مکان دیا اور یونہی حضرت عثمان بن عفان' حضرت خالد بن ولید اور حضرت مقداد وغیرہ کو ان کے مکان الاٹ کر دیئے۔حضور ﷺ نے اپنے صحابیوں کو زمین کے یہ ٹکڑے خود عطا فرمائے۔کتنی جگہ خود لی اور جو آباد اور رہائشی جگہ تھی وہ انصار نے آپ کو پیش کی جس میں سے آپ نے مرضی کا حصہ لے لیا' سب سے پہلے جس صحابی کو اپنا حصہ دیا وہ حارثہ بن نعمان تھے۔

دارِ آل عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مسجد کے گرد قبلہ کی طرف سے اوّل گھر حضرت عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تھا جس میں وہ خوخہ تھا جس کا ذکر گذر چکا اور آج کل یہ گھر کسی آل عمر کے فرد کے پاس نہیں ہے۔پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ اس گھر کی جگہ

کھجوریں سکھانے کے کام آتی تھی' یہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ملی اس حجرہ کے بدلے میں جب وہ مسجد میں شامل کرلیا گیا۔ایک روایت میں ہے کہ آلِ عمر کو اس کے بدلے میں دارِ دقیق اور اس کا بقیہ حصہ دیدیا گیا تھا۔

ابن غسان کہتے ہیں کہ مجھے کسی نے بتایا کہ یہ دارِ آلِ عمر کھجوریں سکھانے کی جگہ تھی اور جہاں نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات وضو فرمایا کرتی تھیں اور جب آپ کا وصال ہو گیا تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے تیس ہزار درہم دے کر اپنے نام کرلیا چنانچہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے بعد اس کے وارث بنے۔یہ وہی تھا جس کے بارے میں حضرت عبد اللہ نے تحریر کیا تھا کہ: ''عبد اللہ نے اپنا مسجد کے قریب والا گھر صدقہ کر دیا جو انہیں حضرت حفصہ کی وراثت سے ملا تھا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ گھر جو آلِ عمر کے ملکیت میں آ گیا

ابن غسان کہتے ہیں' مجھے اطلاع دینے والے نے بتایا: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ گھر جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''میرے سامنے والے یہ دروازے بند کر دو الحدیث۔'' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبضے میں آ گیا تھا' یہ وہ گھر ہے کہ جب تم مسجد میں موجود خوخہ سے دارِ عبد اللہ میں داخل ہو تو تمہاری دائیں جانب ہے' وہاں تمہیں وہ خوخہ نظر آئے گا جو اس خوخہ کے اندر ہے جو راستہ ہے اور جس پر دروازہ ہے' یہ خوخۂ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

ابن غسان مزید کہتے ہیں: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ گھر خرید لیا تھا اور قبلہ کی جانب والا مکان بھی خریدا تھا۔وہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ گھر حضرت عمر کے لڑکے کو دیدیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ آخری روایت کمزور ہے لہٰذا اس کے قائل کا ذکر نہیں کیا گیا' پھر اس لئے بھی کہ یہ گھر بنو تیم کے گھروں میں تھا' جب حضرت ابوبکر کے اس گھر کا ذکر کیا جس کے بارے میں مذکورہ روایت آئی ہے تو انہوں نے یہ روایت ذکر نہیں کی بلکہ مشہور روایت ہی پیش نظر رکھی کہ وہ مسجد کے مغرب میں ہے کیونکہ جس خوخہ کے بارے میں حدیث آئی ہے وہی دار القضاء کے صحن میں کھلتا ہے' اسی لئے جب انہوں نے مسجد میں اضافہ کیا تو اس جیسا بنانے کا ارادہ کیا چنانچہ اسے خوخہ بنایا جو اس صحن میں کھلتا تھا' دوسرے دروازوں جیسا نہیں بنایا اور پھر اس لئے بھی کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے گھروں کے بارے میں رائے پختہ کر لی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ گھر اپنا لیا جسے دارِ عائشہ کہا جاتا تھا جو دار الرقیق اور دارِ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تھا اور جسے آپ نے آگے دے دیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر دار الرقیق سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر اس کے پہلو میں ہو گا حالانکہ لوگوں کے ہاں مشہور یہ ہے کہ وہ گھر جو خوخۂ آلِ عمر سے نکلنے والے کی داہنی طرف تھا' وہ

حضرت عائشہ ہی کا گھر تھا تو شاید شبہ اس بناء پر پڑا کہ یہ حضرت ابوبکر کی طرف منسوب تھا حالانکہ مؤرخین کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ گھر جو خوخہ کی دائیں طرف تھا' وہ آلِ عمر کا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر یہاں نہ تھا اور اس مذکورہ گھر کو (جو خوخہ سے داخل ہونے والے کی دائیں طرف تھا) شیخ الخدام نے وقف کیا تھا اور مجھے پتہ چلا تھا: اسے وقف کرنے والے نے یہ شرط لگا دی تھی کہ اس میں شادی شدہ رہائش نہ رکھے۔ آج کل اس کا دروازہ قبلہ کی طرف کھلتا ہے اور خوخہ کی دائیں جانب جالی لگی ہوئی ہے اور شائد وہ اس کے پہلے دروازے کی جگہ پر تھی کیونکہ خوخہ اسی گھر میں کھلتا تھا اور رہا وہ گھر جو اس خوخہ (چھوٹا دروازہ) کی بائیں جانب تھا تو اسے بھی اس کے نگران شیخ الخدام نے وقف کیا تھا۔ اس کا دروازہ خوخہ کے پاس نہیں کھلتا تھا بلکہ مغرب کی طرف ذرا دور موجود تھا اور یہ ان گھروں میں سے آخری تھا جن کا ذکر آ رہا ہے اور ابن شبہ و ابن زبالہ کا بیان آگے آ رہا ہے کہ وہ گھر جو آج کل دارِ عائشہ کے نام سے مشہور ہے اور وہ دو گھر جو اس کے مغرب میں قبلہ کی طرف ہیں' یہ سب دارِ آل عمر میں شامل ہیں کیونکہ دونوں کہتے ہیں: ان گھروں میں جو قبلہ کی طرف سے کھلتے ہیں' دارِ عبد اللہ بن عمر ہے اور پھر دارِ مروان جس کا ذکر آگے آ رہا ہے اور دوسرا گھر جس کے بارے میں ابو غسان کا اشارہ گذر چکا کہ یہ دارِ حفصہ ہے تو اس کا ذکر انہوں نے اپنے اس قول میں کیا ہے: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر وہ تھا جو عبد العزیز بن مروان کی اس گلی میں تھا جو دارِ مروان میں داخل کر دیا گیا تھا جو دار الامارۃ بنا تھا اور عاصم بن عمر کی گلی کے درمیان تھا' جس کا دروازہ بنو نجار کے قلعہ کے عبادت خانہ کے سامنے کھلتا تھا جسے خویرع کہتے تھے' انہوں نے حضرت عمر کے بیٹے کو دے دیا تھا چنانچہ یہ بطور صدقہ اُن کے قبضے میں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ گھر کی یہ پہچان آج کل شافعی حضرات کے قاضی ابو الفتح بن صالح کے مکان اور شام کی طرف سے ان سے متصل مکان میں پائی جاتی ہے کیونکہ عاصم کی گلی وہ کھلی گلی تھی جو اس دروازے میں کھلتی تھی جو یہاں سے شروع ہو کر قبلہ اور وضو کرنے کی جگہ تک جاتی تھی اور اس لئے بھی کہ وہ عبادت خانہ خویرع اس کے اور مدرسہ شہابیہ کے درمیان تھا۔ اس بناء پر عاصم والی گلی وہی تھی جو اس کی شامی جانب تھی' اس کا کچھ حصہ اس جگہ میں داخل کیا گیا جو دارِ مروان کے سامنے تھا اور باقی حصہ وہ تھا جو اس دارِ آل عمر اور اس گھر کے درمیان تھا جس کا چھوٹا سا دروازہ (خوخہ) تھا۔ واللہ اعلم۔

دارِ مروان بن حکم

پھر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قبلہ میں خوخہ والے غربی گھر کے ساتھ ہی دارِ مروان بن حکم واقع تھا۔ ابن زبالہ کہتے ہیں کہ اس کا کچھ حصہ بنو عدی کے نعیم بن عبد اللہ کا تھا اور کچھ حصہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر سے تھا' اسے مروان نے خرید کر تعمیر کیا اور اس میں اپنے بیٹے عبد العزیز کا گھر بھی بنایا۔

ابن زبالہ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافہ مسجد میں لکھا ہے کہ اس میں کھجور کے درخت

تھے، مروان نے آل نحام سے ہر درخت اور اس کی جگہ ایک ایک ہزار درہم میں خریدی، یہ درخت اٹھارہ یا بارہ تھے، لوگوں نے دیکھا کہ مروان نے مہنگا خریدا ہے اور جب بیچ کا سلسلہ چل نکلا تو انہیں کاٹ کر ایسا گھر بنا دیا جس پر لوگ رشک کرنے لگے۔

ابن شبہ نے نقل کیا ہے کہ دار مروان وہ تھا جہاں ملک کے والی رہتے تھے، یہ مسجد کی ایک جانب تھا، یہ اس دارِ عباس کے لئے کھجوریں سکھانے کی جگہ تھی جسے مسجد میں داخل کر لیا گیا تھا چنانچہ اسے مروان نے خرید لیا تو میں نے کسی کہنے والے سے سنا: وہ گنبد جو دارِ مروان اور اس کے اس حجرے میں تھا جو گھر میں داخل ہونے والے کی دائیں طرف تھا جو نحام کا تھا جو بنو عدی بن کعب کے بھائی تھے، اس میں کھجور کے تین درخت تھے، مروان نے نحام سے یہ تین لاکھ درہم میں خرید لئے اور انہیں اپنے گھر میں داخل کر لیا چنانچہ یہ جگہ اس باڑے میں سے نہیں تھی جسے عباس نے خریدا تھا۔ ابن شبہ نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ دارِ مروان صوافی میں شامل ہو گیا تھا یعنی بیت المال کے لئے۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں آج کل وضو کرنے کی جگہ بنی ہوئی ہے جو باب السلام کے نزدیک مسجد کے قبلہ میں ہے اور یہ جگہ مشرق میں آل عمر کے گھروں تک جاتی ہے۔

ابنِ زبالہ اور ابنِ شبہ کہتے ہیں: دارِ مروان کے ایک جانب مغرب میں یزید بن عبد الملک کا وہ گھر تھا جو زبیدہ نے لے لیا تھا، وہاں آلِ ابوسفیان بن حرب کا گھر تھا، یہ گھر پورے مدینہ میں تعمیر کے لحاظ سے اعلیٰ اور آسمان کی طرف سب سے بلند تھا، ایک اور گھر تھا جو آل ابو امیہ بن مغیرہ کا تھا جسے یزید نے خریدا تھا جسے اس نے گرا کر اپنے گھر میں شامل کر لیا تھا۔ ایک شخص یزید بن عبد الملک کے پاس آیا اور کہا: میں مدینہ میں تمہارے لئے ایسا گھر نہیں جانتا اور پھر جب اس کے چہرے کے آثار دیکھے تو کہا اے امیر المؤمنین! یہ گھر نہیں بلکہ یہ تو ایک شہر ہے چنانچہ اس بات سے وہ خوش ہو گیا۔

دارِ حضرت رباح و حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہما

میں بتاتا ہوں کہ آج کل اس گھر کی جگہ مغربی جانب وضو خانہ کے سامنے سلطان کا خریدا ہوا گھر، دار العباس او رو گھر ہے جو مغرب میں اس سے متصل ہے، ان دونوں سے انہوں نے قبلہ والے گھر ملا لئے ہیں۔

ابن شبہ نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید بن عبد الملک کے گھر کے غربی یمانی کونے پر مکان لیا تھا اور حضرت مقداد بن اسود (بنو زھرہ کے حلیف) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رباح کے گھر اور حضرت عاصم کی گلی کے درمیان مکان لیا ہوا تھا لہٰذا یہ گھر دارِ یزید کے جنوب مشرق میں آتا ہے تو یہ دونوں ہی آج کل سلطان کے خریدے ہوئے ہیں پھر وضو خانہ اور ان گھروں کے درمیان گلی ہے جو شاید حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی گلی سے متصل ہے لیکن ابن زبالہ اور ابن شبہ نے ان دونوں کا ذکر نہیں کیا، وہ کہتے ہیں: پھر دارِ

یزید کے سامنے اویس بن سعد بن ابو سرح عامری کا گھر ہے۔ ابن شبہ نے اس گھر کے بارے میں لکھا ہے: مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہ گھر حضرت مطیع بن اسود کا تھا جس کے ساتھ حضرت عباس نے دار مطیع کا تبادلہ کر لیا تھا اور دس ہزار درہم گرہ سے بھی دئے تھے پھر حضرت عباس نے حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابو سرح کے ہاتھوں تیس ہزار درہم میں فروخت کر دیا تھا جس میں ان کے بھتیجوں نے رہائش کی تھی تو یہ وہی گھر ہے جسے دارِ اویس کہتے تھے اور یہ ہموار زمین میں دارِ یزید بن عبد الملک کے پاس تھا اور پھر ہم نے ایک شخص سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت مطیع کو ان کا یہ گھر دے دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت اویس کے اس گھر کی جگہ آج کل مدرسۂ باسطیہ موجود ہے جسے قاضی عبد الباسط نے چند سال زائد ۸۴۰ھ میں بنایا تھا اور اس کے مشرق میں مدرسہ ہے جو حصنِ عتیق کے نام سے مشہور ہے اسے بھی اسی نے بنایا تھا اور یہ سب دارِ یزید کے سامنے ہیں' ان دونوں کے درمیان باب السلام کی ہموار زمین فاصلہ ڈالتی ہے۔

دار حضرت مطیع اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن زبالہ اور ابن شبہ کہتے ہیں: پھر دارِ اویس کے پہلو میں (مغرب میں) حضرت مطیع بن اسود عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر ہے جس کا قصہ بیان ہو چکا اور یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں تھا۔ ابن شبہ کہتے ہیں کہ اسے دارِ ابو مطیع کہتے ہیں اور اس کے نزدیک اصحابِ فاکہہ (پھل بیچنے والے) موجود ہیں پھر ان کے قصہ میں یہ اضافہ کیا: انہیں یہ اطلاع ملی کہ حکیم بن حزام نے یہ گھر اور اس سے پچھلا گھر ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا اور ابن مطیع کو شریک کر لیا تھا جس کی قیمت حکیم نے دی تھی چنانچہ ابن مطیع نے اپنا گھر پوری قیمت میں لے لیا جبکہ دارِ حکیم بطور نفع ان کے ہاتھ آ گیا۔ اس پر حکیم سے کہا گیا کہ انہوں نے آپ سے دھوکا کیا ہے تو انہوں نے کہا گھر کے بدلے گھر مل گیا اور ایک لاکھ درہم بھی مل گیا' دارِ ابو مطیع کو "عنقاء" کہتے تھے۔

دار ابو مطیع کے سامنے یزید بن عبد الملک کے گھر تھے جن میں دھوبی رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ یزید نے آلِ مطیع کو اپنا گھر بیچنے کو کہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا' اس پر اس نے ان کے گھر کے سامنے یہ گھر تعمیر کر دئے اور ان کے گھروں کا راستہ بند کر دیا چنانچہ انہیں "ابیات الضرار" کہا جانے لگا پھر یہ خیزران کے ہو گئے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل دار ابو مطیع کی جگہ وہ گھر ہے جو مدرسۂ باسطیہ کے مغرب میں ہے جسے خواجا ابن الزمن کے وکیل نے خریدا تھا اور اس کے مغرب میں آج کل بازارِ مدینہ موجود ہے' یہ چٹیل میدان میں ہے اور اس کے پاس اس کی جگہ وہی ہے جو اس قولِ ابن شبہ سے مراد ہے: اس کے پاس اصحاب فاکہہ ہیں تو گویا تب اس میں پھل بیچے جاتے تھے۔

دارِ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رہا دارِ حکیم جس کے بارے میں آتا ہے کہ دارِ مطیع کے پیچھے تھا تو اس کی جگہ آج کل وہ گھر ہے جو ان گھروں کی شامی جانب ہے۔ ابن شبہ بنو اسد کے گھروں کے بارے میں کہتے ہیں: حضرت حکیم بن حزام نے اپنا وہ گھر جو ہموار زمین پر کھلتا تھا اور دار مطیع بن اسود کے پہلو میں تھا' بنایا' اس کے اور دار معاویہ بن ابو سفیان کے درمیان ایک راستہ کا فاصلہ تھا۔ ہموار زمین سے ان کی مراد وہ جگہ ہے جہاں آج کل بازارِ مدینہ ہے اور جو مدرسۂ زمنیہ کے سامنے ہے جو یہاں سے شامی جانب تک پھیلا ہوا ہے۔

ابن شبہ کا یہ کہنا کہ اس کے (دارِ حکیم اور دار مطیع) اور دارِ مطیع کے درمیان راستہ کا فاصلہ ہے' اس سے مراد وہی ہموار زمین ہے تو ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ دارِ معاویہ وہی ہے جو مغرب میں دو گھروں کے درمیان سامنے موجود ہے اور پھر ان کے سامنے آج کل وہاں نئی سرائے ہے جسے مصری لشکروں کے سپہ سالار فخر نے ۷۱۹ھ میں بنایا تھا جس دروازہ آج کل بازار مدینہ اور دار خربہ میں کھلتا ہے۔

ابن شبہ نے بنو عدی بن کعب کے گھروں کے بیان میں بھی لکھا ہے: نعمان بن عدی نے اپنا وہ گھر بنایا جو محمد بن خالد بن برمک سے لے کر بنا لیا تھا۔ اسے انہوں نے آلِ نحام اور آلِ ابوجہم سے خریدا تھا' یہ ان کی وراثت تھی۔ انتہٰی۔

دارِ حضرت عبد اللہ بن مکمل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس گھر کی جگہ یا تو وہ دارِ خربہ تھا جو سرائے کی جانب بازار میں کھلتا تھا یا پھر مدرسہ زمنیہ تھا۔ واللہ اعلم۔

دوبارہ اِن گھروں کا بیان جو مسجد کے اردگرد تھے

ابن شبہ لکھتے ہیں کہ مسجد کی غربی جانب حضرت عبد اللہ بن مکمل کا گھر تھا جو ''رحبۃ القضاء'' میں کھلتا تھا' اس سے بدشگونی لی جاتی تھی کیونکہ اس کی تعمیر میں ایسا واقعہ ہوا تھا۔

پھر بنی زھرہ کے مکانوں کے بارے میں کہا کہ: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے انہیں ابن مکمل کو ہبہ کر دیا تھا جنہیں ان کی آل و اولاد نے مہدی کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا چنانچہ وہ آج تک ان کے لڑکے کے پاس ہے' یہ مسجد کے پہلو میں ہے۔ یعنی رحبۃ القضاء بنانے سے قبل انہوں نے مہدی کو بیچا تھا۔

ابن شبہ نے کہا: یہ وہی مکان ہیں جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان میں رہنے والوں نے عرض کی تھی' یا رسول اللہ! ہم اکٹھے تھے تو یہ گھر خریدے' پھر بکھر گئے' تو غنی ہوتے ہوئے محتاج ہو گئے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: انہیں چھوڑ دو کیونکہ یہ برے ہیں۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ یہ وہی گھر تھے جن کے پاس شرطیں لگانے والا بیٹھتا تھا اور پھل والے بیٹھتے تھے' وہ لوگ اسے بنانے سے ڈرتے تھے اور انہیں شامت سمجھتے تھے تو یہ جیسے خریدے گئے' آج تک اسی حال میں ہیں۔

مؤطا میں بدشگونی والی چیزوں سے بچنے کا حکم ہے۔ حضرت یحیٰی بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی' عرض کی' یا رسول اللہ! میرا ایک گھر ہے جس میں رہنے والے بہت تھے' مال و دولت عام تھی لیکن رہنے والے گھٹ چکے اور مال و دولت نہ رہی۔ اس پر آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ برا ہے۔ بزاز کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی جگہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تھے' پھر اتنا اور زیادہ کر کے فرمایا کہ: انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم کیسے انہیں چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا: یا تو انہیں بیچ ڈالو یا پھر کسی کو ھبہ کر دو۔

بزاز کہتے ہیں کہ اس میں صالح بن ابو الاخضر نے غلطی کھائی ہے' درست یہ ہے کہ یہ عبد اللہ بن شداد کے چھوڑے ہوئے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ دارِ ابن مکمل کی جگہ آج کل جو بانیہ مدرسہ موجود ہے جو اس گھر کے دروازے سے مغربی سرائے تک پھیلا ہوا ہے' بلکہ ابن زبالہ کے گذشتہ قول ''پھلوں والے اس کے پاس بیٹھتے تھے'' سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ یہ رنگ کرنے والوں کے بازار تک پھیلے تھے۔

دارِ نحام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مغرب میں دارِ نحام عدوی تھا۔ ابن زبالہ و ابن شبہ کی عبارت اس سلسلے میں یہ ہے: مسجد کے مغرب میں دارِ ابن مکمل اور دار النحام تھے' ان دونوں کے درمیان چھ ہاتھ کا فاصلہ تھا جو راستہ تھا۔

بنو عدی کے گھروں کے بارے میں ابن شبہ لکھتے ہیں کہ: نعیم بن عبد اللہ نے نحام اپنا وہ گھر بنایا جس کا دروازہ دار القضاء کے صحن کے کنارے پر تھا اور اس کے مشرق میں وہ گھر تھا جو جعفر بن یحیٰی بن خالد بن برمک سے قبضے میں آ گیا تھا اور یہ عاتکہ بنت یزید بن معاویہ کا گھر تھا تو یہ بطور صدقہ جعفر کے لڑکے کے پاس تھا۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ مجھے کسی نے بتایا' نبی کریم ﷺ نے ان گھروں میں سے اپنے لئے بھی کچھ حصہ لیا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ جعفر کا یہ گھر باب الرحمہ کے سامنے تھا جس سے پتہ چلا کہ نحام کا یہ گھر مدرسۂ جومانیہ کے دروازے کے سامنے تھا پھر دار النحام اور دارِ ابنِ مکمل کے درمیان راستہ یہی ہموار زمین تھی جو باب الرحمہ سے بازار تک پھیلی ہوئی تھی اور اسی سے معلوم ہوا کہ یہ رحبۃ القضاء' باب الرحمہ اور باب الجوبانیہ کے درمیان پھیلا ہوا تھا۔

دارِ حضرت جعفر بن یحیٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر دار النحام کے پہلو میں دارِ جعفر بن یحیٰی تھا جس میں عاتکہ بنت یزید بن معاویہ کا گھر اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قلعہ شامل تھے جسے ''فارع'' کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں' پہلے بتایا جا چکا کہ اس کی جگہ باب الرحمۃ میں تھی اور آج کل وہ گھر ہے جو باب الرحمہ کے سامنے

ہے' یہی عاتکہ کے گھر کی جگہ تھی اور پھر اس کی شامی جانب مدرسہ کبر جیہ بھی اسی میں شامل تھا' یہ قلعہ والی جگہ تھی۔

دارِ نصیر

پھر دار جعفر بن یحییٰ کی طرف صاحب مصلّٰی نصیر کا گھر تھا' یہ گھر سیّدہ سکینہ بنت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تھا اور پھر اس کے پہلو میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی طرف چھ ہاتھ کا راستہ تھا۔

میں کہتا ہوں' پہلے مغربی جانب والے دروازوں کے بیان میں گذر چکا ہے کہ دارِ نصیر والی جگہ پر آج کل وہ گھر موجود ہے جو دارِ تمیم داری کے نام سے مشہور ہے نیز وہ گھر ہیں جن کی شامی جانب اس راستے کی طرف جس سے قیاشین کے گھروں کی طرف داخل ہوتے ہیں اور جو خواجا قاوان کے ہو گئے تھے' یہاں یہی راستہ مراد ہے اور وہ گھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے تھے اور ان کے مشرق میں دارِ منیر تھا جس کا ذکر آ رہا ہے۔

بنو تیم کے گھروں کے بارے میں ابن شبہ کہتے ہیں: حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے اپنا گھر دارِ عبد اللہ بن جعفر (جو منیر کا ہو گیا تھا) اور دارِ عمر بن زبیر بن عوام کے درمیان بنایا جسے ان کے بعد ان کے بیٹے نے تین گھروں میں تبدیل کر دیا' چنانچہ دارِ منیرہ سے متصل مشرقی گھر حضرت یحییٰ بن طلحہ نے لیا' اس کے ساتھ والا حضرت عیسیٰ بن طلحہ نے لیا اور تیسرا ابراہیم بن محمد بن طلحہ نے لیا۔

میں بتاتا ہوں کہ دارِ عمر بن زبیر جو دارِ طلحہ کے مغرب میں ہے' عروہ بن زبیر کے گھر سے متصل ہے۔ ابن شبہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں گھر حضرت زبیر نے لے لئے تھے جنہیں ان دونوں اور ان کی اولادوں کے لئے وقف کر دیا تھا اور یہ دونوں خوخۂ قواریر کے بالکل متصل ہیں۔ انتہٰی۔

پھر راستے کے آخر میں قیاشین کے گھروں تک ایک خوخہ ہے جو مغرب میں عطاروں کے بازار کے نزدیک کھلتا تھا اور ظاہر یہ ہے کہ خوخۂ قواریر سے یہی مراد ہے۔

اُمِ موسیٰ کی لونڈی منیرہ کا گھر

پھر طلحہ کے گھروں کو جاتے ہوئے راستے کی ایک جانب دارِ منیرہ تھا جو اُمِ موسیٰ کی لونڈی تھیں' یہ عبد اللہ بن جعفر بن ابو طالب کی بیوی تھیں۔

میں بتاتا ہوں: اس گھر کا مقام ہم نے مغرب میں واقع مسجد کے دروازوں کے بیان میں بتا دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گھر قیاشین کے گھروں سے مسجد کی انتہاء کے درمیان سامنے موجود تھا اور پھر اس کے پہلو میں آل یحییٰ بن طلحہ کا خوخہ تھا۔

میں بتاتا ہوں کہ آج کل وہاں اس تنور کے پیچھے ایک تنگ سی گلی ہے جو مسجد کے آخر کے قریب مغربی جانب سے سامنے تھی جو ''زقاق عانقینی'' کے نام سے مشہور تھی' اس سے یہی مراد ہے کیونکہ ان گھروں میں' جن میں سے قیاشین

کے گھروں کی طرف جاتے تھے' وہ گھر تھے جو طلحہ کے کہلاتے تھے۔

حَشّ طلحہ (کھجوروں کا باغ)

پھر آلِ یحییٰ بن طلحہ کے خوخہ کی ایک جانب' حضرت طلحہ بن ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھجوروں کا باغ (حَش) تھا اور وہی آج کل آلِ ابن برمک کی طرف سے صوافی کا ویران حصہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اس جگہ پر تنور موجود ہے۔

پھر ہم مہدی کے اضافے میں بتا چکے ہیں کہ انہوں نے آلِ شرحبیل بن حسنہ کے گھر کا اگلا حصہ مسجد میں داخل کر لیا تھا' یہ اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا جو مسجد کے آخر میں تھا۔ اس کے بعد ابن شبہ نے لکھا: پھر انہوں نے اس کا باقی حصہ یحییٰ بن خالد بن برمک کے ہاتھ بیچ دیا' انہوں نے اس وقت اسے گرا دیا جب حضرت طلحہ کا باغ ختم کیا گیا' یہ صوافی میں میدان سا رہ گیا پھر اس کی جگہ لوگوں نے اصحابِ صوافی سے زیادہ گھر بنا لئے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ حضرت طلحہ کا باغ شام کی طرف سے مسجد کے موڑ پر تھا اور ظاہر یہ ہے کہ اس باغ سے شرحبیل کے گھر کا باقی حصہ وہ تھا جو مغرب میں مسجد کی شامی جانب وضو خانہ کے برابر تھا۔ دلیل آگے آ رہی ہے۔ واللہ اعلم اور پھر طلحہ کے باغ کے ایک پہلو میں پانچ ہاتھ چوڑا راستہ تھا۔

میں بتاتا ہوں کہ یہی وہ راستہ تھا جو وضو خانے کی شامی جانب تھا جس سے نکل کر شیخ شمس الدین ششتری کی سرائے تک پہنچتے تھے۔

ابیاتِ خالصہ

پھر اس راستہ کی ایک طرف امیر المؤمنین کی لونڈی خالصہ کے گھر تھے' یہ حباب کا گھر تھا جو عتبہ بن غزوان کے غلام تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی جگہ آج کل مسجد کے موذنوں کے رئیسوں میں سے ایک کا گھر ہے' اسی کے نزدیک مستنصر باللہ کا بنایا ہوا شفاء خانہ ہے اور اسی کے قریب ظاہر یہ کی سرائے ہے۔

دار حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر خالصہ کے گھروں کے پہلو میں ابو الغیث بن مغیرہ بن حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف کا گھر تھا جو صدقہ میں ملا ہوا تھا۔

ابن شبہ نے بنوزہرہ کے گھروں کے بیان میں لکھا کہ عبد الرحمٰن بن عوف کے ان گھروں میں سے حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف کا گھر تھا جو طلحہ کے باغ میں تھا۔ اسے دار الکبریٰ کہتے تھے۔

ابن شبہ کہتے ہیں' اسے دارِ کبریٰ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ وہ پہلا گھر تھا جسے مدینہ میں سب سے پہلے کسی مہاجر

نے بنایا تھا' حضرت عبد الرحمٰن اس میں حضور ﷺ کے مہمانوں کو ٹھہرایا کرتے تھے لہٰذا اسے دار الضیفان بھی کہتے تھے' کسی مہمان نے یہاں چوری کر لی' حضرت عبد الرحمٰن نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تھی۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے تعمیر اس فرمائی تھی' یہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے کسی لڑکے کے قبضہ میں تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ گھر عبد الرحمٰن بن عوف کے اس گھر کے علاوہ تھا جسے دارِ ملیکہ کہتے تھے اور جس کے بارے میں گذر چکا کہ وہ مسجد میں داخل کر دیا گیا۔

پھر مسجد کی شامی جانب مشرق کی طرف ایک گھر تھا جو ''دار المضیف'' کہلاتا تھا اور اسے یہ نام دینے کی وجہ یہ تھی کہ یہ دار الضیفان کی جگہ پر تھا لیکن اس کے بعد مشرق کی طرف جس گھر کا ذکر آ رہا ہے' اس سے یہ غلط ہو جاتا ہے تو گویا دار المضیف سے غربی جانب اور اس کے اردگرد پر چھت پڑی ہے اور پھر ظاہر یہ کی سرائے کا کچھ حصہ اسی گھر کی جگہ پر ہے۔ پھر دارِ ابو الغیث کی ایک جانب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر کا باقی حصہ تھا جو یحییٰ بن جعفر کے پاس تھا جو ان سے قبضے میں لے لیا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں' پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ اسے دار القراء کہتے تھے اور اس کا کچھ حصہ ولید کے اضافے کے وقت شامل مسجد کر لیا گیا تھا اور بقایا حصہ مہدی کے اضافے کے وقت شامل کر لیا گیا تو گویا بقایا میں سے کچھ حصہ مراد ہے جیسے یہاں دلیل موجود ہے حالانکہ میں اس بات کو بعید جانتا ہوں کہ شامی جانب کچھ بچا ہو اور خصوصاً جب مہدی نے سو ہاتھ کا اضافہ کیا ہو۔ پھر اسی طرف وہ اضافہ منسوب ہوگا جو ولید نے کیا تھا اور میدان والا عرض بھی جو مسجد کی شامی جانب تھا تو آپ بتائیں کہ کونسا گھر ہوگا جس کی لمبائی سو ہاتھ سے زیادہ ہو اور مسجد میں شامل کرنے کے بعد اس کا اتنا بقایا ہو؟ اور آج جو اس کی جگہ بیان کی جاتی ہے مشرقی جانب دار المضیف سے ملتی ہے۔ واللہ اعلم۔

دارِ موسیٰ المخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن زبالہ و ابن شبہ کہتے ہیں: پھر مشرقی جانب حضرت موسیٰ بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن ابو ربیعہ بن مغیرہ مخزومی کا گھر تھا جسے انہوں نے اور عبید اللہ بن حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خریدا تھا' دونوں نے اس کی قیمت لگائی تو عبید اللہ کے ذہن میں آیا کہ موسیٰ نفع چاہتے ہیں لہٰذا عبید اللہ نے یہ گھر انہیں سونپ دیا اور وہ موسیٰ کا ہو گیا۔

میں کہتا ہوں' ظاہر تو یہ ہے کہ یہ گھر شامی جانب مشرقی جہت میں پہلا تھا' آج کل اس کی جگہ رئیس مؤذنین میں سے ایک کا مکان ہے اور وضو خانہ کی ترک کی ہوئی جگہ ہے' اس کے اور دار المضیف کے درمیان گلی تھی جو ''خرق الجمل'' کے نام سے جانی جاتی تھی جو ان گھروں تک چلی جاتی تھی جو مدینہ کی شہر پناہ کے ساتھ ملے ہوئے گھر ہیں اور شائد یہ پہلے سے زقاقِ جمل مشہور تھی کیونکہ ابن شبہ نے کہا ہے کہ ''حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دارِ

انس بن مالک اور زقاق جمل کے درمیان گھر لیا تھا۔'' اور دارِ انس کے متعلق آتا ہے کہ وہ بنو جدیلہ میں تھا اور بنو جدیلہ شہر پناہ کی دیوار کے شامی جانب تھے اور پھر دارِ موسےٰ کی جانب میں قہطم کے گھر دارِ موسےٰ و دارِ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں' دارِ عمرو' یہ ان کی طرف سے انہیں صدقہ میں ملا تھا اور آج کل یہ صوافی یعنی قہطم کے گھر ہیں اور ابن زبالہ نے یوں کہا ہے: ''اس کے پہلو میں گھر ہیں جن میں قہطم ہیں'' اور انہی کو صوافی کہتے ہیں پھر دارِ موسےٰ بن ابراہیم اور دارِ عمرو بن عاص سہمی کے درمیان راستہ ہے اور یہ ان کے لئے آج کل صدقہ ہے۔

ابیات الصوافی

میں کہتا ہوں کہ قہطم کے گھر وہی تھے جنہیں ابن زبالہ نے مسجد کے دروازوں پر لکھائی کے بیان میں ''ابیات الصوافی'' کہا تھا اور جس راستے کا انہوں نے یہاں ذکر کیا ہے' اسے ''زقاق المناصع'' کہتے تھے لیکن کلام ابن شبہ سے پتہ چلتا ہے کہ ابیاتِ قہطم' دارِ موسےٰ اور دارِ عمرو بن عاص کے درمیان تھے لہٰذا یہ مذکورہ راستہ قہطم کے گھروں اور دارِ عمرو بن عاص کے درمیان بنتا ہے لہٰذا ہمیں ابن زبالہ کے کلام کا بھی یہی مطلب لینا ہوگا اور ''دارِ موسےٰ کے درمیان راستے'' سے مراد لینا ہوگا ''ابیاتِ قہطم اور دارِ عمرو بن عاص۔''

دارِ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ابیاتِ صوافی کی جگہ رباط الفاضل اور دار الرسام تھا جو سلامی کا وقف کیا ہوا تھا اور وہ دروازہ تھا جس میں داخل ہو کر سلامی کی سرائے کی طرف جاتے تھے اور دارِ عمرو بن عاص کی جگہ آج کل رباط السبیل کے آخر میں ہے جس میں مرد رہتے ہیں اور وہ اس سے شامی جانب ہے اور وہ راستہ جو اس کے اور رباط الفاضل کے درمیان ہے' وہ ''زقاق المفاصع'' کا ہے اور آج کل یہ کھلا نہیں اور پھر مہدی کے اضافے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس کے نزدیک چٹیل میدان ہے جسے ''رحبۃ المشارب'' کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر دارِ عمرو کے پہلو میں دارِ حضرت خالد بن ولید تھا۔ ابن شبہ و ابن زبالہ کہتے ہیں: یہ بنو ایوب بن سلمہ (ابن عبد اللہ بن ولید بن مغیرہ) کے قبضہ میں تھا۔ ابن زبالہ مزید لکھتے ہیں کہ ایوب بن سلمہ اور اسماعیل بن ولید بن ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن ولید بن مغیرہ کا اس بارے میں جھگڑا ہو گیا' ایوب کہتے تھے کہ یہ وراثت ہے اور میں قعد کی طرف سے تم سے پہلے اس کا وارث ہوں کیونکہ وہ قریبی عصبہ ہیں لیکن اسماعیل کہتے تھے' یہ صدقہ ہے یعنی اس میں قریب کا دخل ہو سکتا ہے خواہ وہ دور ہو چنانچہ قعد کی وراثت بناتے ہوئے یہ ایوب کو دے دیا گیا۔ انتہی اور یہ اس لئے کہ ایوب مذکور (ابن حزم کے مطابق) حضرت خالد بن ولید کی اولاد میں سے ایک اور وارث ہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں: کیونکہ ان کے چچا حضرت خالد بن ولید کی تمام اولاد ختم ہو گئی تھی۔ وہ کہتے ہیں: حالانکہ حضرت خالد بن ولید کی اولاد بہت تھی' تقریباً چالیس مرد تھے اور سب کے سب شام میں تھے پھر یہ سب طاعون کی وجہ سے ہلاک ہو گئے اور کوئی بھی ان

کا وارث نہ رہا۔ انتہی۔

حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر کی تنگی کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا: اللہ سے فراخی کی دُعا کرتے ہوئے بنیادیں اونچی کر لو۔ ابن شبہ نے کہا: نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: آسمان کی طرف فراخی سے کام لو۔ پھر واقدی کی روایت سے یہ بھی لکھا کہ حضرت خالد بن ولید نے مدینہ میں اپنا گھر بند کر رکھا تھا' نہ اسے بیچا' نہ ہی ھبہ کیا۔

میں کہتا ہوں کہ آج کل اس کی جگہ رباط السبیل کا اگلا حصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر چھوٹا تھا جبکہ دوسرے گھر چھوٹے نہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس کے تنگ ہونے کی شکایت کی تھی۔ واللہ اعلم۔

دارِ اسماء بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اسی کے پہلو میں دارِ اسماء بنت حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھا اور یہ دار جبلہ بن عمر ساعدی کے گھر کا حصہ تھا۔

میں کہتا ہوں کہ ہم اس کے بارے میں پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ کس جگہ تھا اور مسجد کے پانچویں دروازے میں اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

دارِ ریطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پھر اس کے پہلو میں دارِ ریطہ بن ابو العباس تھا' یہ دارِ جبلہ اور دارِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حصہ تھا۔ ابن زبالہ نے لکھا۔

میں کہتا ہوں' ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مشرقی جانب سے دار ریطہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس سے متصل حصہ شامل کیا گیا' یہ مطلب نہیں کہ دارِ ابوبکر مسجد کی سیدھ میں اس کے سامنے تھا جیسے مطری کا وہم ہے کیونکہ انہوں دارِ ریطہ کو دارِ ابوبکر ہی بنا دیا ہے جبکہ یہ مدرسہ تھا جو باب النساء کے سامنے تھا' درست یہ ہے کہ دارِ ابوبکر مشرقی جانب اس مدرسہ کے پیچھے تھا کیونکہ بنو تمیم کے گھروں کا ذکر کرتے ہوئے ابن شبہ نے کہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دارِ صغریٰ کے سامنے بقیع والی گلی میں ایک گھر لیا تھا۔ پھر ابن زبالہ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان کا یہ دارِ صغریٰ وہی ہے جو بقیع والی گلی سے دارِ آل حزم (جو انصاری تھے) کے پہلو میں تھا اور حضرت عثمان کے بیانِ قتل میں جو کچھ لکھا' اس کا مطلب یہ ہے کہ دارِ صغریٰ دارِ کبریٰ سے متصل تھا اور آپ کے قاتل دیوار پر چڑھ کر آپ کے پاس پہنچے تھے۔ آج کل اس کی جگہ وہ سرائے ہے جو رباط المغاربہ کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور اسے رباط سیدنا عثمان بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دارِ ابوبکر شام کی طرف سے اس کے سامنے تھا لہٰذا ان گھروں کی جگہ ہوا جو مدرسہ کے مشرقی جانب تھے اور اس سرائے کے سامنے تھا اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اس کا کچھ حصہ مدرسہ میں داخل ہو

اور جو ابن سعد نے اپنی طبقات میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے' اس سے بھی یہی مراد ہے' فرماتی ہیں: حضرت ابوبکر مرضِ وصال میں تھے اور اس روز آپ اس مکان میں تھے جو حضور ﷺ نے انہیں الاٹ فرمایا تھا' یہ دارِ عثمان بن عفان کے سامنے تھا یعنی دارِ صغریٰ۔ واللہ اعلم۔

دارِ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر دارِ ریطہ اور دارِ عثمان کبریٰ کے درمیان راستہ پانچ ہاتھ کا تھا۔ یہ قول ابن زبالہ و ابن شبہ کا ہے۔ علامہ مطری نے ابن زبالہ سے نقل کیا ہے کہ ان کے درمیان سات ہاتھ کا راستہ تھا' ابن زبالہ نے وہی کچھ لکھا ہے جو ہم نے ذکر کیا اور آج بھی اتنا ہی ہے' اسے ''طریق البقیع'' کہتے ہیں۔

ابن سعد کے مطابق حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ میں نشاندہی فرمائی تو حضرت عثمان کے لئے وہ مکان رکھا جو آج بھی موجود ہے اور کہتے ہیں کہ آج کل دارِ عثمان والا خوخہ حضور ﷺ کے اس دروازے کے سامنے ہے جس میں سے آپ داخل ہو کر حضرت عثمان کے گھر تشریف لے جاتے۔

میں کہتا ہوں' یہ وہی گھر ہے جس کے بارے میں ابن شبہ نے لکھا ہے ''حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا دارِ کبریٰ بنایا جو جنازگاہ کے قریب تھا پھر اپنے لڑکے کو عطا فرمایا چنانچہ انہی کے پاس رہا اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس کی جگہ پر آج کل اصفہانی کی سرائے' اسد الدین شیرکوہ کی قبر ہے (جو سلطان صلاح الدین بن ایوب کے چچا تھے) اور ان کے ساتھ ان کے والد بھی دفن ہوئے اور وہ گھر بھی وہیں ہے جہاں خادموں کے مشائخ رہتے تھے۔

دارِ ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر حضرت عثمان کے گھر کے بعد تقریباً پانچ ہاتھ کا راستہ تھا' پھر حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ گھر تھا جس میں حضور ﷺ نے رہائش رکھی تھی' اسے مغیرہ بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام نے خریدا تھا اور اس میں پانی کا انتظام کیا تھا جو مسجد میں پیا جاتا تھا۔

میں کہتا ہوں' ہم تیسرے باب کی چودھویں فصل میں پہلے بتا آئے ہیں کہ یہ گھر کس حال میں تھا اور بتایا کہ ملک مظفر شہاب الدین غازی نے یہ زمین خریدی اور چاروں مذہبوں کا مدرسہ بنا کر اسے وقف کر دیا تھا۔

دارِ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پھر حضرت ابو ایوب کے گھر کے پہلو میں دارِ جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گھر تھا جس میں پانی پینے کا انتظام تھا' جسے حضرت جعفر نے عطیہ کے طور پر دیدیا تھا' یہ حارثہ بن نعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں آج کل بہت کھلا میدان ہے جو مدرسہ شہابیہ سے قبلہ رُخ ہے' یہاں حضرت جعفر صادق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد کے قبلے کا محراب ہے اور اس کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔آج کل یہ چند اشراف کی ملکیت ہے اور پھر ان سے یہ شجاعی شاہین جمالی شیخ الحرم کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے اسے اپنی رہائش گاہ بنا لیا۔

دارِ حضرت حسن بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسی مکان کی مغربی جانب دارِ حسن بن زید بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود ہے' یہ قلعہ تھا جسے حضرت حسن نے خریدا تھا' اس میں ابوعوف نجاری نے جھگڑا کیا تو حضرت حسن نے اسے گرا دیا اور گھر بنا دیا۔
میں کہتا ہوں کہ یہ وہ قلعہ تھا جسے ''فویرع'' کہتے تھے' آج کل اس جگہ میں چند اشراف کے گھر ہیں جن پر چھت پڑی ہے اور وہ مدرسۂ شہابیہ کے متصل ہے اور یہیں وہ قبلہ رُخ گھر ہے۔

دار فرج الخصی

دارِ حسن اور اس دار خرج الخصی کے درمیان پانچ ہاتھ کا راستہ تھا' یہ امیر المؤمنین کے ابومسلم نامی غلام تھے' یہ گھر ابراہیم بن ہشام کے گھروں میں سے تھا اور جنازگاہ کے قبلہ میں تھا۔یہاں زمین میں سرنگ تھی جس میں سے ابراہیم اپنے گھر دار التماثیل کی طرف جاتے تھے جس میں یحییٰ بن حسین بن زید بن علی کی رہائش تھی۔
میں کہتا ہوں کہ یہ مذکورہ راستہ مدرسۂ شہابیہ کے دروازے سے شروع ہو کر بنو صالح کے گھر تک جاتا تھا اور دارِ فرج یہی سرائے تھی جو رباطِ مراغہ کے نام سے پہچانی جاتی تھی اور یہ راستہ اس کے اور دارِ اشراف کے درمیان تھا۔رہا دار التماثیل جس کی سرنگ میں سے ابن ہشام نکل کر گھر جاتے تھے تو اس کے بارے میں نہ تو ابن زبالہ نے لکھا اور نہ ہی ابن شبہ نے کچھ لکھا ہے البتہ یہ وہ شخص تھا جس نے باب السلام والا وضو خانہ بنانا شروع کیا تو زمین میں اس نے سرنگ دیکھی جو گنبد دار تھی جو قبلہ والے کونے سے مغرب کو جاتی تھی' اس کے نزدیک باب الخربہ تھا جو دار الخرازین کے نام سے مشہور تھا۔انہوں نے تعمیر شروع کی (دار الخرازین کی)' پہلے یہاں حصن عتیق کی سرائے تھی۔میں اسے گرائے جانے سے پہلے اس میں داخل ہوا تو اس میں کاریگری کے نمونے دیکھے جس سے پہلے لوگوں کے عجیب فن کا پتہ چلتا تھا لہٰذا سرنگ کی موجودگی میں یہ بات کھل کر میرے سامنے آ گئی کہ دار التماثیل سے یہی مراد ہے۔واللہ اعلم۔

دار عامر بن زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

پھر دار فرج الخصی کے پہلو میں دارِ عامر بن عبد اللہ بن زبیر بن عوام تھا۔ابن ہشام نے اپنا گھر بنانے وقت حضرت عامر کا کچھ حق دبا لیا تھا لہٰذا انہوں نے ابن ہشام سے کہا: میرا راستہ کہاں گیا؟ انہوں نے کہا' جہنم کو۔اس پر عامر نے کہا تھا کہ وہ تو ظالموں کا راستہ ہے۔
میں کہتا ہوں کہ یہ جگہ اس وقت خدام کے ہاتھوں میں ہے اور وہ خوخۂ آلِ عمر سے نکلنے والے کی دائیں طرف ہے' اسی کو آج کل بیت النبی ﷺ کہہ دیا کرتے ہیں اور پھر تم لوٹ کر دارِ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف آ جاؤ

گئے جہاں سے ابتداء کی تھی۔

میں کہتا ہوں' بنو ہاشم کے گھروں کے ذکر میں ابن شبہ نے لکھا کہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے وہ گھر بنایا جو آل فرانصہ اور آلِ وردان کا ہو گیا تھا۔ یہ عاصم بن عمر والی گلی کی پچھلی طرف تھا۔

قبل ازیں چند دروازے چھوڑ کر باقی دروازے بند کرنے کا بیان گذر چکا جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی طرف راستہ بنایا ہوا تھا اور حضرت عاصم کی گلی کا ذکر ہو چکا' اس سے پتہ چلا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مسجد کے قبلہ میں تھا لیکن اس کی جگہ معلوم نہ ہو سکی۔ واللہ اعلم۔

فصل نمبر ۳۵

بلاط (وہ جگہ جس میں پتھر لگائے گئے ہوں' یہ ایک خاص جگہ تھی) اور اس کے گرد مہاجرین کے مکان' اس میدان کی حد بندی

امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب لکھا ہے: **من عقل بعيره على البلاط** او **باب المسجد** اور اس میں حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہو گیا اور اپنا گھوڑا میدان میں باندھ دیا۔ پھر ایک اور باب کا ذکر کیا: **الرجم بالبلاط** اور اس میں ان دو یہودیوں کا ذکر کیا جنہوں نے زنا کیا تھا' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان دونوں کو میدان کے قریب سنگسار کر دیا گیا۔ انہی سے ایک اور روایت ہے کہ: انہیں جنازگاہ کے قریب سنگسار کیا گیا۔ پھر احمد و حاکم کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے دروازے کے قریب یہودیوں کو سنگسار کرا دیا۔

پھر ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پانی لایا گیا تو آپ نے میدان میں وضو فرمایا۔ ان سب روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بلاط (میدان) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے پہلے موجود تھا۔

جو کچھ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بلاط مسجد کی مشرقی جانب جنازگاہ کی جانب تھا۔ ابن زبالہ و ابن شبہ کی کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بلاط حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بنا کیونکہ دونوں کی روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عبد الرحمٰن نے کہا تھا: مروان بن حکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بلاط

بنوایا اور مروان نے اپنے والد حکم کی گذرگاہ میں مسجد تک پتھر لگا دیئے (بلاط بنایا) وہ عمر رسیدہ ہو چکے تھے' انہیں ریح کی مرض تھی' پاؤں گھسیٹ کر چلتے تو مٹی سے اَٹ جاتے' اسی وجہ سے مروان نے راستے میں پتھر لگا دیئے چنانچہ حضرت معاویہ نے انہیں حکم دیا کہ اس کے علاوہ بھی مسجد کے قریب پتھر لگوا دیں چنانچہ انہوں نے لگوا دیئے اور پھر ارادہ کیا کہ بقیع زبیر کو بھی لگا دیں جس پر ابن زبیر درمیان میں آ گئے اور کہا: تم زبیر کا نام مٹانا چاہتے ہو؟ اب اسے بلاط معاویہ کہو گے؟ وہ کہتے ہیں کہ مروان نے وہ بلاط بنوایا اور جب حضرت عثمان بن عبید اللہ کے گھر کے برابر آئے تو انہوں نے ان کے گھر کے سامنے سفید زمین چھوڑ دی' اس پر عبد الرحمٰن بن عثمان نے کہا کہ اگر آپ اسے پتھر نہیں لگائیں گے تو میں اسے اپنے گھر میں شامل کر لوں گا چنانچہ مروان نے اس پر بھی پتھر لگوا دیئے۔

قاضی عیاض نے مسجد کے مغرب میں بلاط کا بیان کرنے پر بس کر دی چنانچہ کہا: بلاط وہ جگہ ہے جو مسجد اور مدینہ کے بازار میں پتھر سے بنائی گئی ہے۔انتہیٰ۔

ابن شبہ کہتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے اردگرد پتھر لگانے کا کام سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرایا تھا' اس کے لئے انہوں نے مروان بن حکم کو حکم دیا اور نگرانی کے لئے عبد الملک بن مروان تھے' انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے اردگرد پتھر لگایا جو جنازگاہ کی طرف کھلتا تھا۔

بلاط کی حد بندی

اس بلاط کی مغربی حد' مسجد سے خاتم الزوراء تک تھی جو دار عباس بن عبد المطلب کے پاس بازار میں تھا۔اس کی مشرقی حد دارِ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک تھی جو مسجد سے بقیع کے راستے پر تھا' یمانی (جنوبی) حد' دار عثمان بن عفان کے کونے تک تھی جو جنازگاہ کی طرف تھا اور شامی حد مسجد کی پچھلی طرف حضرت طلحہ کے باغ کے سامنے تک تھی اور وہ مغرب میں بھی دارِ ابراہیم بن ہشام کی حد تک کھچو مصلاً پر جا کھلتی تھی۔

اس بلاط کے نیچے تین زیر زمین نالیاں تھیں جن میں بارش کا پانی پلٹ دیا جاتا تھا' ایک ان میں سے مصلّٰی کے نزدیک دارِ ابراہیم بن ہشام کے پاس تھی' دوسری باب الزوراء پر دارِ عباس بن عبد المطلب کے قریب بازار میں تھی اور تیسری دارِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب تھی' یہ بنو جدیلہ میں بنت الحارث کے گھر کے قریب تھی۔اسی سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بلاط مغرب کی طرف مسجد اور اس کے اردگرد کے مکانوں کے درمیان تھا اور دوسرا بلاط آج کل باب الرحمہ سے پھیل کر صواغ تک اور پھر عطاروں کے بازار تک پہنچتا ہے اور پھر یونہی چلتے چلتے پہلے والے مدینہ کے بازار کی حد تک تھا' احجار الزیت اور مشہد مالک بن سنان کے پاس تک تھا' یہ بلاط کا آخری حصہ تھا اور مشہد مالک بن سنان اور اس کی طرف سامنے والے گھروں کے درمیان تھا اور اب تک وہ اسی جہت میں موجود ہے اور پھر باب السلام سے شروع ہونے والا بلاط مدرسۂ زمنیہ تک جا پہنچتا ہے اور شام کی جانب پھر کر اس بلاط سے جا ملتا تھا جو باب الرحمۃ سے ڈھلائی کا

کام کرنے والوں اور عطاروں کے بازار تک جا پہنچتا تھا اور اس کی یہ جانب وہ تھی جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اس کے نزدیک پھل بیچنے والے ہوتے تھے۔

طبقات ابن سعد کے مطابق دارِ حکیم بن حزام کے ذکر میں ہے کہ وہ گھر بلاط فا کہہ کے پاس ڈھلائی کا کام کرنے والوں کی گلی کے نزدیک تھا پھر باب السلام سے شروع ہونے والا بلاط مدرسہ زمنیہ سے سیدھا جاتے ہوئے ''سویقہ'' نامی جگہ سے گزرتا تھا اور بابِ سویقہ (باب المدینہ) سے گزرتا ہوا مصلّٰی تک پہنچتا تھا اور اس قول کا بھی یہی معنٰی ہے: ''وہ مغرب میں بھی مصلّٰی کی طرف کھلنے والے دارِ ابراہیم بن ہشام کی حد تک چلا جاتا ہے۔''

پھر غربی بلاط کی یہ جانب ''خط البلاط الاعظم'' کہلاتی ہے اور وہ جو اس بلاط کی طرف بابِ السلام کا ارادہ لے کر چلنے والے کی داہنی طرف تھا' اسے ''میمنۃ البلاط الاعظم کہا جاتا تھا اور جو اس کی بائیں طرف تھا' اسے میسرۃ البلاط الاعظم کہتے تھے۔ رہا بلاطِ مشرقی تو قبلہ کی طرف سے اس کی حد ظاہر ہے' وہ اس گھر کے کنارے کے پاس تھا جہاں خادموں کے مشائخ رہتے تھے' یہ دارِ عثمان اور رباطِ مراغہ کے کنارے پر تھا اور مشرق سے یہ حد بقیع کی گلی سے شروع ہو کر رباط مغاربہ کے دروازے کے باہر تک جاتی تھی جب آخر میں ان گھروں سے پھرتی ہے جن کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے کہ وہ دار ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ پر ہیں اور رباط مغاربہ کے پاس ہیں اور شاید دارِ مغیرہ بن شعبہ وہی تھا کہ جو گھومتے وقت تمہارے سامنے آ جاتا تھا اور جب تم بقیع کی طرف جاتے وقت آنے جانے والے والوں کے لئے بنے بلاط کے سامنے ہوتے ہو تو تمہاری بائیں طرف ہوتا تھا' شاید یہ بلاط اس سے متصل تھا۔

ابن شبہ نے بنو عبد شمس کے گھروں کے بارے میں لکھا ہے: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بقیع میں موجود دارِ مغیرہ بن شعبہ میں رہائش کی تو مغیرہ نے دار عثمان بن عفان سے مقابلہ کیا جسے دارِ عمرو بن عثمان کہتے تھے اور جو آج کل دارِ مغیرہ بن شعبہ اور دارِ زید بن ثابت انصاری کے درمیان ہے۔ انتہٰی۔ چنانچہ وہ دارِ مغیرہ جس سے عثمان نے تبادلہ کیا یہاں مراد نہیں کیونکہ انہوں نے کہا تھا: ''وہ بقیع میں تھا'' اور یہاں بلاط کی حد بندی کے ذکر میں ہے کہ وہ بقیع کی گلی میں تھا اور پھر ہم محمد بن عقیل کے حجرہ کی دیوار گرنے کی اطلاع میں ان کا یہ قول بتا چکے: جب میں دارِ مغیرہ بن شعبہ کے قریب پہنچا تو مجھے ایسی ریح (خوش بو) آئی جس جیسی کبھی محسوس نہ کی تھی۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ دارِ مغیرہ مسجد کے قریب تھا اور پھر لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ وہ اس گھر کو حضرت عثمان کا بتاتے ہیں جو اس گھر کی مشرقی جانب تھا جس کے بارے میں ہم نے کہا کہ شاید یہ دارِ مغیرہ تھا' اس کے اور اس کے درمیان چھت تھی اور شاید یہ حضرت عثمان کا تھا جس کے ساتھ حضرت مغیرہ نے بقیع والے گھر کا تبادلہ کیا اور اس کے بارے میں کہا کہ: آج کل یہ دارِ مغیرہ اور دارِ زید بن ثابت کے درمیان ہے۔'' لہٰذا حضرت زید بن ثابت کا گھر وہی ہوگا جو بقیع کی طرف جانے والے کی بائیں جانب اس سے مشرق میں بھی متصل تھا اور جو اس کی دائیں جانب رباطِ مغاربہ سے متصل تھے جو انصار میں سے آلِ حزم کے گھر تھے جبکہ ابن شبہ نے کہا کہ عتبہ بن غزوان (بنو نوفل بن عبد مناف کے حلیف) نے اپنا بقیع والا گھر آلِ حزم کے گھروں کے

مشرق میں لیا تھا۔

رہا شامی فرش (بلاط) تو اس کی جگہ ظاہر ہے کہ مسجد اور ان گھروں کے درمیان ہو گی جس کے بارے میں ہم بتا چکے کہ اس کی شامی جانب تھی لیکن اس کی جانب والے دروازے بند کئے گئے تو وہاں کافی گھر بن گئے جو مسجد کے ساتھ متصل تھے اور وہ جو ابن شبہ نے بتایا ہے کہ جو پانی مصلّٰی میں موجود نالی میں ڈالا جاتا تھا اور اس نالی میں ڈالا جاتا تھا جو دارِ عباس کے پاس تھی' وہ حطّابین کے نزدیک جبانہ میں ربیع کی طرف نکل جاتا تھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس ربیع کی طرف بازارِ مدینہ کی شامی جانب بازارِ حطّابین کے قریب' ثنیۃ الوداع کے قریب جا نکلتا تھا جیسے الجبانہ کی وضاحت میں آ رہا ہے اور ان کے قول: ''دوسری نالی دار بنت الحارث کے نزدیک' بنو جدیلہ میں حضرت انس بن مالک کے گھر کے نزدیک تھی۔'' میں میں نہیں سمجھ سکا کہ دارِ انس کہاں تھا' ہاں ان کے کنوئیں کے بیان میں جو بتایا جا رہا ہے کہ ان کے گھر ہی میں تھا تو اس سے اس کے مقام کا پتہ چلتا ہے' اس سے ثابت کیا جائے گا کہ ان کا یہ گھر اس مشہور کنوئیں کے پاس تھا جو آج کل رباطین کے نام سے معروف ہے اور شہر پناہ کی شامی جانب رومیہ نامی باغ کی پچھلی طرف تھا۔ رہا دارِ بنت الحارث تو مجھے اس کی جگہ معلوم نہ ہو سکی اور جو دارِ انس کے بارے میں ہم نے لکھا ہے' اس لحاظ سے وہ رومیہ نامی باغ والی جگہ یا اس کے اردگرد کہیں ہو گا پھر اس دارِ بنت الحارث کا ذکر کئی مقامات پر آتا ہے' حضور ﷺ آنے والے مہمانوں کو وہاں ٹھہرایا کرتے تھے پھر بنو قریظہ کے یہودی وہاں ٹھہرا رکھے تھے اور جب ان کے لئے بازار میں خندقیں (گڑھے) کھود دی گئیں تو انہیں قتل کر دیا گیا۔

ابن زبالہ کے مطابق محمد بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن خرم بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ قریش و انصار کے صحابہ کے گروہ کی طرف تشریف لائے تو وہ دار بنت الحارث میں موجود تھے' انہوں نے آپ کو دیکھا تو کھل کر بیٹھے اور آپ کو جگہ دی۔

بنت الحارث کا اصل نام ''رملہ'' تھا اور ان تینوں نالیوں میں اسے آج کل کسی کے بارے میں پتہ نہیں کہ کہاں تھیں۔

بہت سے بلاط پر مٹی چڑھ گئی اور اس مٹی سے صرف مسجد نبوی کے اردگرد کا حصہ اور والیان مدینہ اشراف لوگوں کی جانب کا کچھ حصہ بچا تھا' بلاط کی کچھ نالیاں تھیں جن میں پانی بھر جاتا تھا اور جب کثرت سے بارشیں ہوتیں تو ان نالیوں کے بھر جانے کی وجہ سے مسجد کے گرد پانی جمع ہو جاتا اور مسجد کے دروازوں کے آگے بڑے بڑے جوہڑ بن جاتے چنانچہ متولی شمس بن زمن نے وہ نالی کھودنے کی تیاری کی جو مسجد کی مشرقی جانب ہے اور پھر اس کے اردگرد کے حصے کا جائزہ لیا۔ اس دوران زیرِ زمین نالی دیکھی جو مسجد کے مشرق سے طہارت خانوں کی گلی کی طرف جاتی تھی' انہوں نے آگے دیکھا تو ''خوش الحسن'' تک جاتی تھی' دیکھا تو وہاں لوگوں نے اپنے گھر بنا لئے تھے' اس سے آگے تلاش کرنا مکان گرانے کے بغیر ممکن نہ تھا لہٰذا اسے وہیں چھوڑ دیا' یہی وہ نالی تھی جس کے بارے میں پہلے آ چکا کہ یہ بنو جدیلہ میں دارِ انس بن

مالک کے نزدیک نکلتی تھی۔

پھر متولی نے مسجد کے دروازوں کے نزدیک نالیوں کے لئے ایک نالی کھدوائی اور وہاں تک لے گئے جہاں چشمے کا پانی بہتا تھا۔اس سے بہت فائدہ ہوا اور اس کے بعد مسجد کے دروازوں کے سامنے پانی جمع ہونا بند ہو گیا اور پہلے بلاط کو دیکھا تو وہ ڈھلائی کرنے والوں اور عطاروں کے بازار کی طرف کافی اونچا دکھائی دیا' یونہی شام کی طرف بھی تھا۔

رہے بلاطِ اعظم کے گردا گرد مکان (جو باب السلام سے شروع ہو کر مصلّٰی تک جاتے تھے) تو وہ بنو زریق کے گھروں کی قبلہ والی جانب تھے اور عنقریب ابو غسان کی روایت آ رہی ہے کہ مسجد نبوی کے اس حصے میں' جس کے پاس مروان کا گھر تھا' اور عید پڑھے جانے والے مصلّٰے کے درمیان' ایک ہزار ہاتھ کا فاصلہ تھا اور جب پیمائش کی گئی تو اتنی ہی تھی لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ بلاط مسجد مصلّٰی سے متصل نہیں تھا کیونکہ ابن شبہ نے لکھا ہے کہ بلاط کی انتہاء دارِ ابن ہشام تک تھی اور وہ گھر خود مسجد سے متصل نہ تھے۔

بلاطِ کے گرد گھروں کا بیان

اس بلاط (فرش والی جگہ) کے گرد' جو مصلّٰی سے متصل تھا' اس کی بائیں جانب پہلا گھر دارِ ابراہیم بن ہشام مخزومی تھا اور قبلہ کی جانب' اس کی دائیں طرف مغرب کی طرف مڑ کر دارِ سعد بن ابو وقاص تھا' درمیان میں راستہ تھا اور حضرت سعد کا یہ گھر تھا۔ابن شبہ کہتے ہیں کہ یہ گھر وہی تھے جو دارِ جبی کی پچھلی جانب تھے اور اس کے اندر راستہ تھا۔

وہ کہتے ہیں' میں نے کسی سے سنا جو کہہ رہا تھا کہ یہ دونوں گھر حضرت سعد کا ایک گھر تھا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں دیا تھا' دار جبی اس وقت اس کا حصہ بنا تھا جب انہوں نے اس کا مال تقسیم کیا تھا' جس پر حضرت عثمان بن عفان نے دارِ جبی خرید لیا پھر یہ مکان عمرو بن عثمان کا ہو گیا' خاتون جبی نے عمرو کو دودھ پلایا ہوا تھا لہٰذا عمرو نے اسے ھبہ کیا تھا اور وہ اسی کے ہاتھ میں تھا۔اس نے چھت پر انوکھی آواز سنی تو اپنی لونڈی سے کہا' یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ چھت تسبیح بیان کر رہی ہے۔جبی نے کہا کہ جب کبھی کوئی شے تسبیح بیان کرتی ہے تو سجدہ کرتی ہے' لہٰذا وہ چھت کے نیچے سے نکل گئی' مصلّٰے کا خیمہ ملنے لگا پھر اس نے اسے حضرت عمر بن خطاب کے کسی لڑکے کے ہاتھ بیچ دیا' وہ کہتے ہیں' پھر میں نے سنا کہ حضرت عثمان نے وہ خود لے لیا تھا۔

پھر اس کے ساتھ ہی بلاط کی دائیں طرف حضرت سعد بن وقاص کا بھی گھر تھا' وہ رسول اللہ ﷺ کے غلام ابو رافع کا تھا جس کا تبادلہ انہوں نے بقال میں دو گھروں سے کر لیا' وہ دونوں حضرت سعد کے تھے۔

پھر بلاط کی بائیں جانب اسی گھر کے سامنے بھی حضرت سعد کا مکان تھا اور ان دونوں گھروں کے درمیان دس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔حضرت سعد کے یہ مکان عطیہ کے تھے۔

ابن شبہ نے لکھا ہے: اِن کے گھروں میں ایک اور گھر رہ گیا تھا۔ابن شبہ نے کہا: حضرت سعد نے بھی مصلّٰے

میں ایک گھر لیا ہوا تھا' وہ دار عبدالحمید بن عبید کنانی اور اس گلی کے درمیان تھا جو بنو کعب میں سے حمارین کے پاس جاتی تھی اور انہوں نے کچھ ساتھیوں کو لے کر اپنے گھر کے قریب گلی میں دروازہ کھولا تھا جس سے وہ دو گھر دکھائی دیتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ عنقریب بنو کعب کے گھروں کا ذکر آ رہا ہے اور حمارین کا بیان بھی آ رہا ہے چنانچہ اس سارے معاملے سے معلوم ہوتا ہے کہ حمارین کی گلی مصلّٰے والے گھروں کے قبلہ میں تھی اور ان گھروں کے قبلہ میں تھی جو زریق کے درمیان بلاط کے قبلہ میں تھے۔

پھر حضرت سعد کے گھر کے ساتھ ہی' جو بلاط کی دائیں جانب ابو رافع کا تھا' بنو عامر بن لؤی سے آلِ خرش کا گھر تھا' اسے دارِ نوفل بن مساحق بن عمرو عامری کہتے تھے اور اس کے پیچھے قبلہ کی جانب ایک یمنی شخص عروہ کی درس گاہ تھی' وہ وہاں تعلیم دیتا تھا اور اسی میں مسجد بنو زریق تھی جس کے پاس ہی دارِ رفاعہ بن رافع تھا اور یہ دارِ خراش وہی تھا جس کے بارے میں ابن شبہ نے کہا: ابو غسان نے بتایا' مجھے عبدالعزیز نے کہا کہ رافع بن مالک زرقی اُحد کے مقام پر قتل ہو گئے تو بنو زریق میں دفن کئے گئے۔ کہتے ہیں' کہا یہ جاتا ہے کہ آج ان کی قبر اس دارِ آلِ نوفل بن مساحق میں ہے جو رسۂ عروہ میں بنو زریق کے اندر ہے' یہ مکان حضرت عباس بن محمد کا ہو گیا تھا پھر داہنی طرف بھی دارِ آلِ خراش کے ساتھ ہی دارِ ربیع تھا جسے دارِ حفصہ کہتے تھے' یہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان کی لونڈی تھیں' وہ چونکہ یہاں رہتی تھیں' اس لئے پہلے ہی اس کا نام یہ پڑ گیا تھا' یہ گھر حضور علیہ السلام کی طرف سے عثمان بن ابو العاص ثقفی کو ملا تھا' ان کے لڑکے سے حضرت معاویہ نے خرید لیا تھا۔ ساتھ ہی حضرت عثمان کا ایک اور مکان تھا جو گذشتہ دارِ آلِ خراش کے مکان کے پہلو میں تھا' کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عطیۃً ملنے پر بنایا تھا۔ پھر دونوں گھروں کی شامی جانب' بائیں طرف' ان دونوں کے سامنے دار نافع بن عتبہ بن ابووقاص تھا جسے امیر المؤمنین کے غلام ربیع نے نافع کی اولاد سے خریدا تھا' اسے دار ربیع بھی کہتے تھے اس کی پچھلی طرف جسے دار مفصبہ کہتے تھے قبلہ کی طرف اور قبلہ کی طرف سے دارِ حفصہ کے پیچھے عبد بن زمعہ کا گھر تھا چنانچہ ابن شبہ کہتے ہیں' عبد ابن زمعہ نے وہ گھر لیا جو عروہ کی درس گاہ میں اس کی شامی حد کی طرف تھا چنانچہ دارِ حفصہ' اس کے اور بلاط کے درمیان تھا۔ اس کا دروازہ عروہ کے مدرسہ سے مغربی جانب متصل تھا اور دار عبد بن زمعہ کی قبلہ والی جانب ابن شنو کا گھر تھا۔

ابن شبہ کہتے ہیں: عبدالرحمٰن بن مشنو نے اپنا وہ گھر لیا جو عروہ کی درس گاہ میں تھا جس کی شامی حد دار عبد بن زمعہ اور مشرقی اسحٰق اعرج کی درس گاہ تھی جس کا دروازہ عروہ کی درس گاہ ہی کی جانب تھا یعنی مغربی جانب' یہ ان کی طرف سے عطیہ تھا' پھر دار ابن مشنو کے قبلہ میں عمار بن یاسر کا گھر تھا کیونکہ یہ قبلہ کی طرف سے دارِ ابن مشنو کی حد تھا چنانچہ ابن شبہ لکھتے ہیں: عمار بن یاسر نے اپنا وہ گھر لیا جو بنو زریق میں تھا' یہ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھروں میں سے ایک تھا' اس کا دروازہ حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے سامنے تھا یعنی جو مشرق میں تھا' یہ انہیں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بطور عطیہ دیا تھا' اس کا ایک خوخہ تھا جو عروہ کی درس گاہ میں کھلتا تھا یعنی

مغرب میں اور یہ خود عمار کا تھا چنانچہ یہ تینوں گھر قبلہ کی طرف ایک صف میں واقع تھے اور اسی حفصہ کے گھر کی پچھلی طرف تھے اور اس گھر کے بھی پیچھے تھے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے' ان کے درمیان میں مغربی جانب عروہ کی درس گاہ اور مسجد بنو زریق تھی جبکہ مشرق میں دارِ عبد الرحمٰن بن حارث کی گلی تھی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

پھر ابن شبہ نے کہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دارِ ارقم بن ابو الارقم مخزومی' بنو زریق کے گھروں میں دارِ ابن اُمِ کلاب کے پاس تھا جو مصلّٰی کی طرف کھلتا تھا' اُدھر ہی دارِ رفاعہ بن رافع انصاری تھا جو مسجد بنو زریق کے سامنے تھا۔

پھر دارِ ربیع (دارِ حفصہ) جو بلاط کی دائیں جانب تھا' کے ساتھ ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا پھر دائیں طرف دارِ عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام کی گلی تھی اور ان کا گھر وہی تھا جس کے بارے میں آ چکا کہ وہ مشرق میں دارِ عمار بن یاسر کے سامنے تھا' اس کے اور بلاط کے درمیان دو اور گھر تھے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے اور اس گلی کا ذکر بھی اس مقام پر ہو گا جہاں حضور ﷺ کے عید پڑھا کر واپس آنے کا ذکر ہو گا اور یونہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ گھر تھا چنانچہ ابن شبہ لکھتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ دوسی نے بلاط میں گھر لیا تھا جو اس گلی میں تھا جس میں دارِ عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام تھا اور بلاطِ اعظم کی لائن کے درمیان تھا چنانچہ ان کے لڑکے نے عمر بن بزیع کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔

ابن شبہ نے جو کچھ ان گھروں کے بارے میں کہا اور جو کچھ آگے آ رہا ہے' اس میں غور وفکر کرنے کے بعد مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدِ الرحمٰن بن حارث والی گلی' وہ پہلی گلی ہے کہ جب آج کل مسجد میں داخل ہونے کے لئے باب مدینہ سے داخل ہو گے تو سب سے پہلے تمہارے دائیں ہاتھ یہی گلی آئے گی پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ دارِ ہاشم اور دوسرا گھر جو اس کے ساتھ بائیں طرف سے متصل ہے اور تیسرے گھر کا کچھ حصہ' مدینہ کی حفاظتی دیوار کے باہر تھے اور یونہی دائیں طرف اس کے سامنے والے' سعد کے دونوں گھر اور آل خراش کے گھر کا کچھ حصہ بھی اس کے باہر ہی تھا۔

پھر بلاط کی دائیں طرف عبد الرحمٰن بن حارث کی گلی کے ساتھ ہی دارِ عبد اللہ بن عوف تھا پھر بائیں طرف ابو امیہ بن مغیرہ والی گلی تھی۔

بنو زھرہ کے مکانوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن شبہ نے کہا تھا کہ عبد اللہ بن عوف بن عبد عوف نے بلاط میں گھر بنایا تھا جو دارِ عبد الرحمٰن والی گلی اور دار ابو امیہ والی گلی کے درمیان تھا' اسے دارِ طلحہ بن عبد اللہ بن عوف کہا جاتا تھا' یہ ان کے اولاد کو صدقہ کیا گیا تھا البتہ اس کا کچھ حصہ بکار بن عبد اللہ بن مصعب زبیری کو دیا گیا پھر اسی دارِ امیہ کے ساتھ ہی دار حویطب بن عبد العزّٰی تھا جو اس کے اور دارِ سعید بن عمرو بن نفیل کے درمیان تھا' دونوں کے دروازے دارِ ابو امیہ کے مشرقی جانب تھے اور مشرق ہی میں دارِ صہیب بن سنان تھا' یہ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبضے میں رہا۔ یہ سب گھر بنو زریق میں تھے۔

اب آیئے' بائیں طرف! ہم کہتے ہیں کہ بائیں طرف دارِ ابو ہریرہ اور اس سے پہلے والے کچھ حصے کے سامنے دارِ حویطب بن عبد العزّٰی تھا' یہ سابق گھر کے علاوہ تھا اور وہ بلاط میں نہیں تھا چنانچہ ابن شبہ بنو عامر بن لؤی کے گھروں کا

بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حویطب بن عبدالعزیٰ نے اپنا وہ گھر لیا جو دار عامر بن ابو وقاص اور عتبہ بن ابو وقاص کے درمیان بلاط میں تھا جن میں سے ایک گھر بلاط کے خاتمہ پر' اس گلی کے سامنے جو آمنہ بنت سعد اور امیر المؤمنین کے غلام ربیع کے گھر کے درمیان تھا' جا کھلتا تھا' وہ انہوں نے اپنی اولاد کو دے رکھا تھا۔ انتہٰی تاہم ابن شبہ نے مدینہ میں حضرت عتبہ بن ابو وقاص کے مکان کا ذکر نہیں کیا جبکہ مدینہ میں جا کر وہاں رہائش کرنے والے ان کے لڑکے حضرت نافع تھے اور ان کا گھر یہی تھا جس کا ابھی ذکر ہوا جو ربیع کا بن گیا تھا تو یہاں یہی مراد ہے۔

پھر ابن شبہ نے دارِ عامر بن ابو وقاص زہری کے بیان میں کہا: عامر بن ابو وقاص نے اپنا وہ گھر بنایا جو حلوہ کی گلی میں' دار حویطب بن عبدالعزیٰ اور اس گلی میں تھا جو دار آمنہ بنت سعد بن ابو سرح کی طرف جاتی تھی۔

اس سے واضح ہو گیا کہ حویطب کا یہ گھر دارِ ربیع کی مشرقی جانب بائیں ہاتھ کو تھا اور اس کی ایک طرف بلاط کا خاتمہ ہو جاتا تھا اور آج کل یہ وہی گلی ہے جو مدینہ کی حفاظتی دیوار اور اس کے سامنے والے گھروں کے سامنے ہے نیز حضرت مالک بن سنان کا مشہد بھی سامنے تھا جو مدینہ کے دروازے میں داخل ہونے والے کی بائیں طرف تھا اور پھر حضرت حویطب کے کچھ حصے میں پیچھے گھر تھا جو اس کی غربی جانب تھا اور جہاں بلاط ختم ہوتا تھا وہاں اس کا دروازہ کھلتا تھا اور شام کی جانب سے اس کی پچھلی طرف وہ گلی تھی جس میں آمنہ کا گھر تھا لہٰذا دارِ عامر بن ابو وقاص اس کی مشرقی جانب سے دار حویطب کی پچھلی طرف ہوا جبکہ حلوہ کی گلی ان دونوں کے مشرق میں ہوئی اور شاید اسی کو آج کل ''زقاق الطّول'' کہتے ہیں کیونکہ یہ مفہوم اسی پر سچا آتا ہے۔ زقاقِ حلوہ کے بارے میں وضاحت' کنوؤں کے بیان میں آئے گی۔

پھر بائیں طرف ہی دار عبداللہ بن مخرمہ تھا چنانچہ بنو عامر بن لؤی کے گھروں کے بیان میں لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مخرمہ نے اپنے اس گھر میں رہائش رکھی جو بلاط میں تھا' اس کا دروازہ دار عبداللہ بن عوف کے دروازے کے سامنے تھا جس میں بنو نوفل بن مساحق بن عبداللہ بن مخرمہ رہتے تھے' ان کے ہاتھ سے اس کا کچھ حصہ نکل گیا چنانچہ وہ امیر المؤمنین کے غلام عمر بن بزیع کے وارثوں کے قبضہ میں تھا۔

آیئے اب بائیں جانب کو لیں' ہم کہتے ہیں کہ پھر مشرقی جانب' داہنی طرف دار ابو امیہ کی گلی کی طرف خالد بن سعید الاکبر بن العاص کا گھر تھا جسے دارِ سعید بن عاص الاصغر بن سعید بن عاص کہتے تھے اور اسے دارِ ابن عتبہ بھی کہا جاتا تھا' اس کے وارث چچا خالد بن سعید کی طرف سے صرف عبداللہ بن عقبہ تھے اور پھر بائیں طرف اس کے سامنے دارِ اُمّ خالد تھا جو دار خالد بن زبیر بن عوام کی آل کا تھا' وہ اپنی ماں اُم خالد بن سعید بن عاص کی طرف سے اس کے وارث تھے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے عنایت ہوا تھا۔ پھر دارِ خالد بن سعید کے ساتھ داہنی طرف دار ابی الجہم ملتا تھا اور اس کے ساتھ ہی دار نوفل بن عدی تھا' اور آگے دارِ آل المنکد ر تیمی تھا چنانچہ ابن شبہ کہتے ہیں: ابو الجہم نے اپنے اس گھر میں رہائش کی جو دارِ سعید بن عاص (دارِ ابن عتبہ) اور دارِ نوفل بن عدی کے درمیان تھا' جس کا دروازہ بلاط کی طرف تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ گھر ہے جو اس روایت سے مراد ہے جسے مالک نے مؤطا میں مالک سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اس وقت سن لیتے جب بلاط کے پاس دار ابوجہم کے قریب ہوتے۔'' اور یونہی موسےٰ بن عقبہ سے ہے کہ ''بنو قریظہ کے لوگ اس دارِ ابوجہم کے پاس قتل کر دئے گئے جو بلاط میں تھا حالانکہ ان دنوں بلاط نہ تھا لہٰذا انہوں نے گمان کیا کہ ان کے خونِ احجارزیت تک پہنچ گئے جو بازار میں تھے۔

بنو اسد کے گھروں کے بارے میں ابن شبہ کہتے ہیں: نوفل بن عدی بن ابو حبیش نے دو گھر لئے' جن میں سے ایک رباع والوں کے نزدیک بلاط میں تھا' یہ دار منکدر تیمی عدوی اور دار ابو جہم عدوی کے درمیان تھا اور دوسرا گھر بنو زریق کے گھروں میں اس درس گاہ کے سامنے تھا جسے آل زیان کی درس گاہ کہتے ہیں' یہ گھر ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام کے گھر (جو بنو عبید بن عبد اللہ بن زبیر کے قبضہ میں آ گیا تھا) اور حمارین کے نزدیک والی گلی کی حد کے درمیان تھا' ان دونوں کے پیچھے دارِ ہائی تھا جو آلِ جبر کے قبضہ میں تھا۔انتہٰی۔

ابن شبہ نے دوسرے گھر کے بارے میں جن امور کا ذکر کیا ہے وہ دار سعید کے پیچھے اردگرد ہی پائے جاتے تھے اور پھر جس گلی کا ذکر کیا ہے اور جو حمارین کے نزدیک تھی' یہ مغرب میں مصلّٰی تک پھیلی ہوئی تھی اور سعد بن ابو وقاص کے گھروں کے قبلہ میں تھی۔

ابن شبہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ دارِ رویشد ثقفی' جسے ابن زیان کی کتاب میں ''قمقم'' کہا گیا ہے' وہی تھا جسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شراب میں جلا دیا تھا' یہ رویشد گدھا تھا اور اس کے مغرب میں قریب ہی دارِ علی بن عبد اللہ بن ابو فروہ تھا اور مشرقی جانب راستہ تھا' جو اس کے اور آل مصبح کے گھروں کے درمیان تھا' پھر اس کی دائیں جانب دار الاویسیین تھا جو خالد بن عبد اللہ اویسی کی رہائش گاہ تھا اور شامی جانب قبلہ میں آل مصبح کے گھر تھے جو اس کے اور دارِ موسےٰ بن عیسےٰ کے درمیان تھے۔ابن شبہ نے بنو عامر بن لوئی کے گھروں میں آل مصبح کے گھروں کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے: ابن ام مکتوم نے گھر لیا' یہ ان گھروں میں شامل تھا جو مصبحین کے تھے' یہ دارِ آل زمعہ بن اسود اور قمقم کے مشرق کے درمیان تھے۔انتہٰی اور یہ امور بھی ان گھروں سے متعلق تھے جو بنو زریق میں گذر چکے۔

دار نوفل اولیٰ کے بارے میں ابن شبہ کے قول کہ: یہی مراد ہے کیونکہ یہی مکان تھا جو بلاط کی دائیں طرف تھا اور یہ رباع والوں کے نزدیک تھا۔'' کا مطلب میں نہیں سمجھ سکا البتہ طبقاتِ ابن سعد میں ہے کہ دار حویطب بن عبد العزّیٰ اصحاب مصاحف کے نزدیک بائیں جانب میں تھا کیونکہ انہوں نے وضاحت میں لکھا ہے: ''بلاط میں ان کا گھر ہے جو مصاحف (قرآن) والوں کے پاس ہے۔'' تو شاید رباع سے ان کی مراد مصاحف ہے۔کیونکہ قرآن کو ''ربعہ'' کہہ لیتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ بلاط کی یہ جانب جو دائیں اور بائیں تھی' اسے اسی نام سے پکارتے تھے لیکن ابن شبہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھروں کے بیان میں لکھا ہے: میں نے کسی کو بتاتے سنا کہ دارِ فضالہ

بن حکم بن ابو العاص' جو خراب شدہ بلاط میں تھا اور جو رباع والوں کے نزدیک تھا اور بنو جدیلہ کی طرف جانے والوں کی دا ہنی طرف تھا' یہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مربد تھا (کھجوریں سکھانے کی جگہ) اور کہا جاتا ہے کہ یہ صدقہ کے مال سکھانے کی جگہ تھی۔انتہی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اصحاب رباع' بڑے بلاط میں نہ تھے کیونکہ اس میں بنو جدیلہ کی طرف جانے کا راستہ نہیں تھا' بنو جدیلہ کی طرف جانے کے لئے ایک اور بلاط سے ہو کر آتے تھے جو آج کل سوق المدینہ کی جگہ ہے اور پہلے گذر چکا کہ اسے موضع الفاکہہ (فروٹ منڈی) کہا جاتا تھا۔واللہ اعلم۔

یہ وہ معلومات ہیں جو بلاط کے گرد گھروں کے بارے میں مجھے حاصل ہوئیں اور اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کیونکہ ہمارا مقصد صرف مسجد بنو زریق کے بارے میں کچھ بتانا تھا جس میں حضور ﷺ کے مصلّٰے کی طرف جانے اور وہاں سے واپس آنے کا ذکر ہے جیسے عنقریب آپ کو پتہ چل جائے گا۔

رہا وہ بلاط جو مغرب میں قدیم بازارِ مدینہ تک پھیلا ہوا تھا تو وہ دارِ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاتمے تک تھا جیسے گذر چکا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھروں کے بارے میں ابن شبہ نے لکھا کہ ان میں سے ایک زوراء میں تھا یعنی بازارِ مدینہ میں احجارِ زیت کے پاس جو انہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور جاگیر دیا تھا۔ابن شبہ کہتے ہیں: مجھے معلوم ہوا کہ بلاط میں دارِ طلحہ بن عمر اسی دارِ عباس کا مربد تھا جسے حضرت عمر نے اپنے کسی بیٹے کو بیچا تھا' اس کو یہ بات تقویت دیتی ہے کہ منصور ابو جعفر نے طلحہ بن عمر کے لڑکے سے اسے چالیس ہزار دینار کے بدلے میں خریدا تھا۔

پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اور گھر کا ذکر کیا جو بلاط میں تو نہ تھا لیکن اس گھر کی شامی جانب تھا چنانچہ کہا: ان میں ایک وہ گھر تھا جو بنو زہرہ کے حلیف آل قارط کے گھر کے پہلو میں تھا' جو بنو ضمرہ کے پلاٹ اور اس گھر کے درمیان تھا' یہیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہائش تھی' وہاں کھانا کھانے کی جگہ بنائی تھی جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھلایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دو گھر ذکر کرنے سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ آگے اس گھر کے ذکر میں اس کا ذکر آ رہا ہے جسے ہشام بن عبد الملک نے لیا تھا اور احجار الزیت کی وضاحت میں آنے والی بات سے پتہ چلتا ہے کہ بلاط کے خاتمہ پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر سیدنا مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے شہادت کے قریب تھا جو اس کی مشرقی جانب تھی اور یہ بھی آ رہا ہے کہ وہ مسجد اصحابِ عباء (پوشاک بیچنے والے) کے قریب دفن کئے گئے اور وہیں احجارِ زیت بھی تھا۔

فصل نمبر ۳۶

بازارِ مدینہ‘ دارِ ہشام کا ذکر اور یہ کہ حضور ﷺ نے بازار بنوایا

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ارادہ فرمایا کہ مدینہ میں بازار بنا دیں تو بنو قینقاع کے بازار کی طرف تشریف لے گئے‘ پھر بازارِ مدینہ کی جگہ پر واپس آئے اور پاؤں زمین پر مارتے ہوئے فرمایا: یہ تمہارا بازار ہوگا‘ تنگ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس میں سے ٹیکس لیا جائے گا۔

ابن زبالہ کے مطابق یہ بازار بنو قینقاع میں تھا اور بعد میں اسے یہاں تبدیل کر دیا گیا۔

دورِ جاہلیت میں مدینہ کے کل بازار

ابن شبہ کے مطابق ابو غسان نے بتایا: مدینہ میں زبالہ والی جگہ بازار تھا جو اس طرف تھی جسے یثرب کہا جاتا تھا‘ ایک بازار بنو قینقاع میں جسر کی جگہ تھا‘ ایک عصبہ کے مقام پر صفاصف میں تھا‘ ایک بازار زقاق بن حبین کی جگہ میں لگتا تھا‘ یہ سب دورِ جاہلیت میں اور اسلام کے ابتدائی دور میں موجود تھے‘ اس جگہ کو مزاحم کہا جاتا تھا (بھیڑ کی جگہ)۔

حضرت صالح بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اللہ ﷺ نے بقیع زبیر کی جگہ پر ایک قبہ بنایا اور فرمایا کہ یہ تمہارا بازار ہوگا‘ یہ سن کر حضرت کعب بن اشرف آگے بڑھا‘ اس میں داخل ہوا اور خیمہ کی رسّی کاٹ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا‘ کوئی بات نہیں‘ میں اسے ایسے مقام پر بنا دوں گا جو اس کے لئے اس سے زیادہ ناراضگی کا باعث ہوگا چنانچہ بازار مدینہ میں منتقل کر دیا اور فرمایا کہ ''تمہارا بازار یہ ہوگا اسے تنگ نہ کرنا اور یہاں ٹیکس نہیں ہوگا۔''

حضرت ابو اُسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میں بازار کے لئے ایک جگہ دیکھ کر آیا ہوں تو کیا آپ اسے دیکھنا پسند فرمائیں گے؟ چنانچہ اس جگہ پر تشریف لائے جہاں آج کل بازار ہے (یعنی ان کے دور میں) حضور ﷺ نے پاؤں مبارک زمین پر مارا اور فرمایا: تمہارا بازار یہ ہوگا‘ اسے گھٹایا نہیں جائے گا اور نہ ہی اس میں ٹیکس لگے گا۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بنو ساعدہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا میں تمہارے پاس ایک ضروری کام کے لئے آیا ہوں‘ مجھے اپنی قبروں والی جگہ میں سے کچھ جگہ دیدو‘ میں بازار بنانا چاہتا ہوں‘ قبرستان کی جگہ دارِ ابنِ ابی ذئب سے دارِ زید بن ثابت تک تھی‘ کچھ نے دینے کو کہا اور کچھ نے انکار کیا‘ وہ کہنے لگے کہ یہ ہمارا قبرستان ہے اور ہماری عورتوں کے لئے نکلنے کی جگہ ہے پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی‘ آپ سے ملے اور جگہ دیدی‘ آپ نے بازار بنا دیا۔

میں کہتا ہوں‘ عنقریب آ رہا ہے کہ دارِ ابن ابی ذئب اور دار زید بن ثابت بازار کی مشرقی جانب تھے‘ پہلا تو

بازار کے درمیان شامی جانب تھا اور دوسرا قبلہ کی جانب لہٰذا وہ سارا قبرستان بازار نہ بنا بلکہ اس کچھ حصہ بازار کے لئے رکھا گیا اور بنو ساعدہ کے گھروں کا ذکر کرتے ہم بتا آئے ہیں کہ ابن زبالہ کے مطابق مدینہ کے بازار کی چوڑائی مصلّٰے سے جرار سعد تک تھی' یہ وہ جرار (کنواں) تھا جہاں آپ اپنی والدہ کی وفات کے بعد پانی پلاتے تھے اور ہم بتا چکے ہیں کہ مصلّی کی حد جہت قبلہ تھی اور جرارِ سعد کی حد شام کی طرف تھی چنانچہ جرارِ سعد ثنیۃ الوداع کے قریب بنتا تھا اور اب یہ بات میرے سامنے خوب کھل چکی ہے۔

ابن شبہ اور ابن زبالہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لئے بازاروں کی جگہیں الاٹ فرما دی تھیں۔

خالد بن الیاس عدوی کہتے ہیں کہ مدینہ میں ہمارے سامنے حضرت عمر بن عبد العزیز کا خط پڑھا گیا' آپ نے لکھا کہ بازار بطور صدقہ ہوتا ہے لہٰذا اس میں کسی سے کرایہ نہ لیا جائے۔

ابن ابی ذئب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دار المنبعث کے نزدیک ایک خیمے کے قریب سے گذرے تو پوچھا کہ یہ خیمہ کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ بنو حارثہ کے ایک شخص کا ہے جو یہاں کھجوریں بیچتا تھا' فرمایا: اسے جلا دو چنانچہ اسے جلا دیا گیا۔ ابن ابی ذئب کہتے ہیں' مجھے پتہ چلا کہ وہ شخص محمد بن مسلمہ تھے۔

عبد العزیز بن سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بازار میں لوہار کی بھٹی دیکھی تو اسے پاؤں کی ٹھوکر سے گرا دیا اور فرمایا: کیا تم رسول اللہ ﷺ کے بازار کو گھٹا رہے ہو؟

حضرت حبیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں حضرت معمر کے دروازے سے گذرے تو وہاں ایک گھڑا رکھا تھا' آپ نے حکم دیا کہ یہاں سے اُٹھا لیا جائے' حضرت معمر ادھر گئے اور کہا کہ یہ ایک گھڑا ہے جس میں سے غلام پانی پلاتا ہے۔ بتاتے ہیں کہ آپ نے ننگا رکھنے سے منع کیا' تھوڑی دیر بعد وہاں سے گذرے تو اس پر سایہ کیا ہوا تھا' اس پر حضرت عمر نے گھڑا اور سایہ دونوں کو دور کرنے کا حکم دیا۔

حضرت عبد اللہ بن محمد کہتے ہیں' کوئی سوار مدینہ کے بازار میں اُترتا تو اپنا کجاوہ رکھ دیتا' پھر وہ بازار میں پھرتا اور اپنی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہتا' اس میں سے کوئی شے غائب نہ ہوتی۔

پھر محمد بن طلحہ نے بتایا کہ حضرت ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن ولید بن مغیرہ نے ہشام بن عبد الملک کے دور میں (جب یہ ان کے دور میں والیٔ مدینہ تھے) ایک گھر لیا جس کی وجہ سے مدینہ کے بازار میں تنگی آ گئی' بازار میں کھلنے والے گھروں کے اگلے حصے بند کرا دیئے گئے اور پھر ہشام کو بازار کے بارے میں لکھا اور اس کی قدر بتائی جس پر ہشام نے انہیں لکھا کہ بازار کو کھلا رہنے دیا جائے' ابراہیم نے وہ گھر اہلِ مدینہ کی گلیوں میں بنایا تھا' ان گلیوں کا کچھ حصہ ان کے گھروں میں شامل ہو گیا تھا تو انہوں نے کہا کہ یہ گلیاں اسی طرح جاری رہنی چاہئیں خواہ مکانوں کے اندر ہی کیوں نہ آ گئی ہوں۔

میں کہتا ہوں' ابوغسان نے بتایا کہ جس بات نے ہشام بن عبدالملک کو ابھارا کہ وہ اپنا وہ گھر بازار میں بنائیں' وہ یہ تھی کہ ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل' ہشام بن عبدالملک کا خالو تھا اور اسی نے اسے والی مدینہ بنایا تھا چنانچہ ابراہیم نے اسے لکھا اور بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کے بازار میں دو گھر بنوائے' ایک کو دار القطران اور دوسرے کو دار النقصان کہا جاتا تھا' ان پر انہوں نے ٹیکس لگایا اور اشارہ دیا کہ وہ گھر بنائیں گے جس میں سے مدینہ کے بازار میں داخل ہوں' ہشام نے یہ بات قبول کر لی اور مکان بنا دیا اور اس کے ذریعے پورا بازار لے لیا۔ انتہیٰ۔

اس کے بعد ابن زبالہ نے لکھا: انہوں نے پہلا گھر بنانا شروع کیا اور بلاط کے آخر سے شروع کیا جو زوراء میں دارِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب تھا اور حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت گاہ کے قریب تھا لہٰذا یہ دیوار بازار کے مشرق میں ہوئی اور یہ پہلی دیوار تھی جو قبلہ کی جانب بنی اور جو آگے آ رہا ہے وہ بتاتا ہے کہ انہوں نے کام جاری رکھا اور شام کی طرف اسے کھینچ لے گیا' قبلہ کی طرف سے یہ دیوار کا ابتدائی حصہ نہیں تھا جو بازار کی ابتداء میں ہو بلکہ اس میں سے کچھ قبلہ کی طرف بقایا تھا جو مصلّے تک تھا۔

ابن زبالہ نے اس کے بعد لکھا کہ بلاط کے خاتمہ سے گھر کی ابتداء کی پھر اسے آگے تک لے گئے اور حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گھر کا اگلا حصہ بند کر دیا یعنی جو بلاط کے خاتمہ اور دارنخلہ میں تھا' یہ آلِ شیبہ بن ربیعہ کا تھا' اسے دار النخلہ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں کھجوریں تھیں' اس کے بعد دارِ معمر عدوی تھا جس میں بازار والا بیٹھتا تھا پھر دارِ خالد بن عقبہ تھا جس کے صحن میں اصحاب رقیق تھے۔

پھر بنو ساعدہ کے لئے راستہ رکھا جس کے آخر میں دروازہ لگایا' پھر ابن جحش کے گھر کا اگلا حصہ شروع کیا' پھر دارِ ابن ابی فروہ کا جو عمر بن طلحہ بن عبید اللہ کا تھا پھر دار ابن مسعود کا' پھر دارِ زید بن ثابت کا شروع کیا اور راستہ میں دروازہ لگا کر گذرگاہ بنائی پھر دارِ جبیر بن مطعم کا اگلا حصہ بنایا جس میں کپڑا فروش تھے پھر دارِ قارظیین' پھر دارِ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اگلا حصہ بنایا یعنی دوسرا گھر جس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہائش رکھتے تھے اور بنو ضمرہ کے لئے دروازے والا راستہ بنایا پھر دار ابن ابی ذئب کا اگلا حصہ اور پھر دار آل شوبفع بنوایا پھر صدقۃ الزبیر اور پھر بنو الدیل کے لئے دروازے والا راستہ بنایا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ راستہ شام کی طرف ملنے والی اس مشرقی دیوار کی انتہاء پر تھا اور اس سے پہلے لکھے گئے سب راستے اسی دیوار میں تھے۔

پھر ابن زبالہ نے اس کا بیان کیا جو اس دیوار کے مغرب میں سامنے ابتداء ہی میں تھا اور پھر شام کی جانب تھا پھر اس کے بعد کہا: پھر دوسری طرف سے شروع کیا چنانچہ زوراء کی اگلی طرف پھر دار ابن نصلہ کنانی کا اگلا حصہ بنایا پھر طاقوں کو بناتے ہوئے بنو غفار کے [illegible] تک پہنچے اور بنو سلمہ کے لئے نکلنے کی جگہ یعنی ابنِ جبیر کی گلی کے لئے بڑا دروازہ لگوایا جس کو بند کیا جا سکے پھر دارِ نقصان اور دارِ نویرہ کی طرف چلے اور اسلم کی گلی کے لئے دروازہ لگایا پھر آگے چلتے گئے'

دارِ ابن ازھر' دارِ ابن شہاب اور دارِ نوفل بن حارث تک چلے گئے اور دارِ حجارہ سے آگے بڑھ گئے' یہ حضرت عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قبضے میں تھا اور جب دارِ حجارہ سے آگے نکلے تو ثنیہ پہاڑی کے سامنے عظیم دروازہ بنایا۔

میں کہتا ہوں کہ اس ثنیہ سے مراد ثنیۃ الوداع پہاڑی ہے اور یہ دروازہ شامی جانب تھا جیسے ابن شبہ نے وضاحت کی اور پہلے بیان کے بعد کہا: اس کے لئے شام کی طرف دروازہ بنایا جو ثنیہ میں دار عمر بن عبد العزیز کے شامی کونے کے پیچھے تھا پھر اس کے اور دارِ عمر بن عبد العزیز کے درمیان تین ہاتھ کی چوڑائی رکھی پھر ایک اور دیوار اسی دیوار کے سامنے بنائی پھر اس کے اور تمام گھروں کے درمیان تین ہاتھ کی بنیاد کھینچی' اس گلی تک جسے زقاق ابن جبیر کہتے تھے اور اس پر دروازہ بنایا اور پھر اس گلی پر جو زقاق بنوضمرہ کہلاتی تھی اور دارِ آلِ ابی ذئب پر دروازہ لگایا پھر زوراء پر بلاط کے آخر میں دروازہ لگایا جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ وہاں دروازہ لگایا تھا لیکن ابن زبالہ نے اس پر بات نہیں کی۔

پھر ابن زبالہ نے باقی بچ جانے والی غربی اور مشرقی دو طرفوں کا ذکر کیا جو قبلہ کی طرف مصلّٰی تک جاتی ہیں چنانچہ اپنی بات کرکے کہا: پھر اسے مشرقی اور غربی دونوں پہلوؤں سے تعمیر کرتے ہوئے گھروں کے اگلے حصے بند کئے پھر بازار کی طرف شروع ہوئے اور اسے مشرقی جانب سے دار قطران کے اگلے حصے کو بند کیا پھر دارِ ابن جودان اور ان گھروں کو بند کیا اور غربی پہلو میں دارِ حجار کو جو کثیر بن صلت کا تھا اور اس سے پہلے ربیعہ بن دراج جمحی کے قبضے میں تھا پھر ربعہ کا اگلا حصہ بند کیا جس میں دارِ آل ابو عثمان تھا جو ازھر بن عبد عوف کے حلیف تھے پھر گلی کا سوراخ رکھا پھر دار التمارین کا اگلا حصہ بنایا' یہ معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس تھا اور اس سے پہلے سعید بن عبد الرحمٰن بن یربوع کا تھا اور ابن ہشام جب دار التمارین تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور اس کے لئے وہاں مصلّٰی کے سامنے بڑا دروازہ بنایا۔

اپنے گذشتہ قول: ''بلاط کے آخر میں زوراء پر دروازہ بنایا'' کے بعد لکھا: پھر دیوار بناتے بناتے قطران کے دوسرے غربی گھر کے طاقوں تک لے آئے اور وہاں سے مصلّٰی میں دارِ ابن سباع تک لے آئے جو آج کل خالصہ کے قبضے میں ہے اور مصلّٰی کے مقام پر دروازہ لگا دیا۔ پھر انہیں گھر بنا دیا اور اس میں تمام بازار بنائے' ابن ہشام نے اس سارے کام کے لئے حضرت سعد بن عبد الرحمٰن زرقی انصاری کو مقرر کیا تھا' مصلّٰی والے دروازے کے علاوہ سب تعمیر مکمل ہوگئی' ان کے دروازے شام سے بن کر آئے تھے اور ان میں سے اکثر بلقاء سے آئے تھے۔ انتھٰی۔

ابن نے اپنے گذشتہ کلام کے بعد لکھا کہ: انہوں نے بقیع زبیر میں تعمیر کی اور اس پر ڈاٹ لگائے اور ان کے ذریعے ان کے گھر بند کر دئے اور گلیاں بنائیں اور سوراخ رکھے جنہیں بند کیا جا سکے۔

میں کہتا ہوں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بقیع زبیر کی کھلی جگہ پر بازار جیسا گھر بنایا۔ یہ وہم نہ کیا جائے کہ بقیع زبیر بھی شاید بازار ہی کا حصہ تھا۔

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ بازار والے گھر کے نیچے دوکانیں بنائیں اور کرائے کے لئے چوبارے بنائے جن میں رہائش کی جا سکے' ان کے دروازے بلقاء سے منگوائے جن میں سے کچھ آج بھی مدینہ منورہ میں موجود ہیں اور ان پر بلقاء لکھا ہوا ہے۔

اس دیوار کا گرایا جانا جو بازار کے مکان میں بنائی گئی

ابن زبالہ کہتے ہیں کہ ابھی لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ ہشام فوت ہو چکا ہے کہ اسی دوران ابن مکرم ثقفی شام سے ولید بن یزید کی چٹھی لے کر آئے کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔انہیں عطاء بخشش کی بشارت دی اور جب ثنیہ کے مقام پر پہنچا تو چلایا کہ ہشام بھینگا فوت ہو گیا ہے' یہ سن کر لوگ جھپٹے اور دیوار گرانا شروع کر دی اور بازار میں موجود چشمے کو توڑ دیا۔

ابن شبہ کی عبارت یوں ہے: وہ گھر ہشام بن عبد الملک کی حیاتی میں یونہی رہے' وہاں تاجر کام کرتے تھے جن سے کرایہ وصول کیا جاتا رہا' اسی اثناء میں ہشام فوت ہو گیا' ابن مکرم ثقفی اس کی موت کی خبر لے کر آیا اور جب وہ ثنیۃ الوداع پر پہنچا تو چلایا کہ بھینگا فوت ہو گیا ہے اور ولید بن یزید امیر المؤمنین بن گیا ہے اور جب وہ ہشام کے گھر میں داخل ہوا تو لوگوں نے چلا کر اسے کہا کہ اس گھر کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ اسے گرا دو' لوگوں نے اسے گرانا شروع کر دیا' دروازے اُٹھا کر لے گئے لکڑیاں اور کھجور کی ٹہنیاں لوٹ لیں' ابھی تین گھڑیاں بھی نہیں گذری تھیں کہ وہ گھر گرا دیا گیا۔

اُمّ کلاب کا گھر

ابن زبالہ کے مطابق حضرت محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے شراب انڈیل دینے کا حکم فرمایا اُمِ کلاب کے گھر کے پاس بازار میں اس جگہ انڈیل دی گئی جہاں انڈیلی جاتی تھی اور آگے احجارِ زیت کے بیان میں ابن ابی فدیک کا یہ قول آ رہا ہے: میں نے احجارِ زیت دیکھے جو تین تھے اور ابن اُم کلاب کے گھر کے سامنے تھے آج کل اسے ''بیت بنو اسد'' کہا جاتا ہے۔انتہٰی لیکن وہ بیت ابن اُمِ کلاب کا نہیں جس کا ذکر بنو زریق کے بیان میں آیا ہے اور یہی وہ بازار ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ بنو قریظہ کے قیدیوں کو مدینہ کے بازار میں لے گئے' وہاں ان کے لئے گڑھے کھودے اور پھر انہی میں ان کی گردنیں اُڑا دی گئیں۔جو کچھ ہم نے بیان کر دیا اور جو زوراء کے تعارف میں آ رہا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ سوق المدینہ کا اگلا حصہ جو بلاط کے اخیر اور اس کے گرد کے پاس ہے' اسی کو ''زوراء'' کہا جاتا ہے۔

بطحاء

ابن شبہ کے ایک راوی کہتے ہیں کہ میں نے زوراء کے مقام پر بازار دیکھا تھا جسے ''سوق الحرص'' کہتے تھے

جس میں لوگ سیڑھی کے ذریعے اُترتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''الامّ'' میں دیکھا ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ سوق المدینہ کا نام ''بطحاء'' تھا کیونکہ حضرت جعفر کے والد محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے' وہاں ایک بازار تھا جسے ''بطحاء'' کہتے تھے' بنوسلیم وہاں گھوڑے' اونٹ' بکریاں اور گھی وغیرہ بیچنے کے لئے لاتے' وہ لاتے تو لوگ خریدنے کے لئے آ جاتے' الحدیث۔

بقیع الخیل

ابن شبہ کے مطابق حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بازارِ مدینہ کو ''بقیع الخیل'' کہا جاتا تھا۔ یہ حدیث ابن زبالہ کے حوالے سے وہاں گذر چکی ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ کے لئے اور یہاں سے وباء نکالنے کے لئے دعا فرمائی تھی۔ اسی میں ہے: پھر آپ ''بقیع الخیل'' (مال منڈی) کی طرف تشریف لے گئے اور قبلہ رُخ کھڑے ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور دُعا یہ فرمائی کہ الٰہی! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت ڈال دے۔ الحدیث۔

بقیع کے بارے میں جو کچھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے احادیث کی چاروں کتابوں اور حاکم میں فرمایا ہے' یہ ہے کہ ''میں نے بقیع میں دیناروں کے اونٹ بیچ کر ان کی جگہ درہم لے لئے'' تو اس سے یہاں یہی بقیع مراد ہے اور جب بہت سے علماء سے یہ بات پوشیدہ رہی تو ان میں سے کسی نے کہا کہ یہاں مراد ''نقیع'' ہے یعنی نقیع کی چراگاہ۔ اس نے کہا کہ بیع کا تعلق تو چراگاہ ہی سے بن سکتا ہے بقیع سے نہیں' وہ تو دفن کرنے کی جگہ ہے البتہ علامہ نووی نے کہا کہ یوں نہیں بلکہ وہ بقیع الغرقد تھی اور اس وقت وہاں قبریں کچھ زیادہ نہ تھیں۔ انتہٰی اور یہ بات کسی بھی مؤرخ نے نہیں کہی کہ بقیع الغرقد میں بازار بھی تھا حالانکہ انہوں نے دورِ جاہلیت اور دورِ اسلام میں مدینہ کے بازاروں کو محفوظ کر رکھا تھا تو ثابت ہوا کہ قابل بھروسہ وہی ہے جس کا ذکر ہم نے کر دیا اور یہاں بقیع اس مقام کو کہا جا رہا ہے جو بازارِ مدینہ میں سے مصلّٰی سے جا ملتا ہے اور اسے بقیع المصلّٰی بھی کہا جاتا ہے' اسی لئے احمد و طبرانی نے بحوالہ ابو بردہ بن نیار لکھا ہے کہ انہوں نے بتایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ بقیع المصلّٰی کی طرف نکلے' آپ نے کھانے میں ہاتھ ڈالا اور پھر واپس ہٹا لیا' دیکھا تو وہ صحیح نہیں تھا' اس میں کچھ ملا ہوا تھا' فرمایا: جو ہم سے کھوٹا برتے' ہمارا ساتھی نہیں۔ طبرانی نے ابوموسیٰ سے روایت کیا: میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ چلا' ہم سوق البقیع پہنچے' آپ نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا اور کھانا نکالا الحدیث۔

چنانچہ آپ نے بقیع مصلّٰی کو ''سوق البقیع'' فرمایا۔

ابن زبالہ نے بھی سوق المدینہ کا ذکر کیا چنانچہ محمد بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں نے عثمان بن عبد

الرحمٰن' اسماعیل بن امیہ بن عمرو بن سعید' محمد بن المنکدر اور زید بن حفصہ کو دیکھا جو بازار بننے سے پہلے اسی کھلی جگہ پر کھڑے تھے' ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے' میں نے عثمان بن عبد الرحمٰن سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے درمیان اختلاف سا پیدا ہو گیا ہے' ایک نے تو کہا کہ حضورﷺ وہاں دعا مانگ رہے تھے' ایک نے کہا کہ رسول اللہﷺ وہاں بات کر رہے تھے اور لوگ عید سے واپسی پر دیکھ رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت عامر بن عبد اللہ بن زبیر بھوسہ بیچنے والوں کے پاس کھڑے دُعا کر رہے تھے۔ پھر مصلّے کے ذکر میں وہ کچھ آ رہا ہے جو امام شافعی نے اُمّ میں لکھا چنانچہ عبد الرحمٰن تیمی کے دادا کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریمﷺ کو دیکھا' آپ مصلّے سے عید پڑھ کر واپس تشریف لائے تو بازار کی نچلی طرف کھجوریں بیچنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور جب آپ مسجد مصلّے کے پاس پہنچے جو بازار میں اس گھر کی جگہ تھا' تو کھڑے ہو گئے اور اسلم کے کھلے مقام کی طرف متوجہ ہوئے' دُعا فرمائی اور واپس لوٹے۔

برکۃ السوق

میں کہتا ہوں یہ بات واضح ہے کہ ''برکۃ السوق'' فج اسلم کی شامی جانب تھا اور پھر اسلم کے گھروں کے بیان میں پتہ چلے گا کہ ان کے گھر ثنیہ پہاڑی کے شامی جانب تھے اور آج کل اس پہاڑی پر امیر مدینہ کا قلعہ ہے' پھر دار السوق کے بیان میں بھی گذر چکا کہ وہ مغربی جانب تھا' چنانچہ بتایا: ''اسلم کی گلی کا دروازہ بنایا'' اور یوں ''برکۃ السوق'' وہی تہ خانہ ہوا جس میں سیڑھی سے اُترتے تھے' یہ اس قبر کے پاس تھا جو مدینہ کے چشمے کے پاس تھی اور یہ ثنیۃ الوداع کی طرف جانے والے کی بائیں طرف تھی اور پھر ابن زبالہ کی بات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ چشمہ جاری کرنے والے ابراہیم بن ہشام تھے اور احجار الزیت کی وضاحت میں آ رہا ہے کہ نبی کریمﷺ نے زوراء کے قریب' احجار زیت کے پاس بارش کی دُعا فرمائی تھی۔ واللہ اعلم۔

ابن شبہ کے مطابق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ: رات اور دن گزرنے نہیں پائیں گے کہ اس بازار کے صحن میں کوئی نہ کوئی شخص دھنس جائے۔ ابن ابی فدیک کہتے ہیں' میں اپنے بڑوں سے سنتا رہا' واللہ اعلم وہ کہتے تھے: یہ معاملہ بیت البرادین (ٹھنڈے پانی والے) کے دروازے پر ہو گا۔ کہتے ہیں کہ یہ دارِ ابن مسعود کے صحن میں ہوا۔

حضرت عبید کہتے ہیں' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ چلا اور جب ہم دارِ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: اے ابو الحارث! مجھے میرے محبوبﷺ نے بتایا کہ اس ٹکڑے (بازار) کی بہت سی قسمیں' اللہ کی طرف نہیں اُٹھیں گی۔ میں نے پوچھا اے ابو ہریرہ! یہ کیونکر ممکن ہو گا؟ تو انہوں نے کہا' میں جھوٹ نہیں بولتا میں اس کا گواہ ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر میں بھی گواہ ہوں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن یعقوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بازار میں تشریف لائے تو گندم دیکھی جس میں کنکر بھی تھے' آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو اس کے درمیان میں تری محسوس کی' پوچھا: یہ کیا ہے؟ گندم والے نے عرض کی' میں بارش میں گھر گیا جس کی وجہ سے آپ یہ تری دیکھ رہے ہیں۔آپ نے فرمایا: تم نے اسے کھول کر سامنے کیوں نہیں رکھا کہ لوگ دیکھ لیتے؟ جو دھوکے سے کام لے گا' وہ ہم میں شمار نہ ہوگا۔بنیادی حدیث حضرت ابو داؤد وغیرہ نے ذکر کی' الفاظ یہ ہیں: نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے ہاں سے گذرے' جو کھانے کی جنس بیچ رہا تھا' فرمایا: کیسے بیچ رہے ہو؟ اس نے بتایا تو آپ پر وحی (خفیہ) آ گئی کہ اس میں ہاتھ ڈال کر دیکھئے' آپ نے دیکھا تو اس میں تری تھی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی دھوکا بازی کریگا' وہ ہم میں شمار نہ ہوگا۔

ابن المغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں' رسول اللہ ﷺ بازار میں سے گذرے تو دیکھا کہ ایک شخص بازار میں مہنگے داموں کھانے کی چیز بیچ رہا تھا' فرمایا: تم ہمارے بازار میں دوسروں سے مہنگی بیچ رہے ہو؟ اس نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا' صبر سے کام لو اور آخرت کا خیال رکھو۔انہوں نے عرض کی' ٹھیک ہے۔فرمایا یہ خوشی کی بات ہے کہ ہمارے اس بازار میں سودا لانے والا راہِ خدا میں جہاد کرنے والے جیسا ہوتا ہے اور جو اس بازار میں مہنگائی کے لئے سودا روک رکھے گا' وہ کتاب اللہ کے مطابق بے دین ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ ان کے ''بسعر ھوا رفع'' کہنے کا مقصد بیچی جانے والی چیز کو مہنگا کرنا ہے' اس کی دلیل حضرت عبد الرحمٰن بن حاطب کا یہ قول ہے: میرے والد اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاروبار میں شریک تھے' وہ ''عالیہ'' سے کھجوریں لے کر بازار آتے' اسی دوران حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سے گذرے اور تھیلے کو پاؤں سے ٹھکور کر کہا: اے ابن ابی بلتعہ! مہنگا بیچو ورنہ بازار سے نکل جاؤ۔

ابن زبالہ کے مطابق حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے پاس گئے' وہ سوق المصلّٰی میں تھے اور ان کے سامنے دو تھیلے تھے جن میں میوہ تھیں' آپ نے بھاؤ پوچھا تو انہوں نے ایک درہم کے دو مُدّ بتائے۔حضرت عمر نے کہا: مجھے بتایا گیا ہے کہ طائف سے ایک قافلہ آ رہا ہے جو میوہ لا رہے ہیں' وہ جب کل کو تمہارے پہلو میں مال رکھیں گے تو تمہارے بھاؤ کا جائزہ لیں گے پھر یا تو تم بھاؤ چڑھاؤ گے یا پھر اپنی کشمش (میوہ) گھر لے جانا ہوگا' وہاں لے جا کر اپنی مرضی کے مطابق بیچ لینا۔حضرت عمر واپس آ گئے اور حساب لگایا اور پھر حاطب کے پاس اس کے گھر گئے اور کہا: جو کچھ میں نے تم سے کہا تھا وہ کوئی اچھی بات نہ تھی اور نہ ہی فیصلہ تھا' میں نے تو بھلائی کا ارادہ کیا تھا' اب جہاں چاہو' اسے بیچو۔

فصل نمبر ۳۷

مہاجر قبیلوں کے مکانات اور مدینہ کے گرد حفاظتی دیوار

بنو غفار کے گھر

حضرت عمر بن شبہ کہتے ہیں کہ بنو غفار اس مقام پر ٹھہرے جہاں رسول اللہ ﷺ نے انہیں زمین کا ٹکڑا دیا تھا' یہ ٹکڑا' دارِ کثیر بن صلت (جسے دار الحجارہ کہتے تھے) کے درمیان تھا' اسی خطہ میں مسجد بنی غفار بھی تھی' نبی کریم ﷺ جب ابو رھم بن حصین غفاری کے گھر سے نکلے تھے تو اس میں نماز بھی پڑھی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ اس دارِ کثیر بن صلت کا بیان وہاں گذر چکا جہاں بازار کے اس مغربی حصے کی بات کی تھی جو قبلہ کی طرف مصلّٰی کی شامی جانب تھا' رہی ابن حبین کی گلی تو یہ بھی بازار کے مغرب میں شامی جانب' امیر مدینہ کے قلعہ کے قریب تھی' ابن حبین' حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے' رہا دارِ ابی بسرہ تو اس کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں' ظاہر یہ لگتا ہے کہ یہ کھجور والے بازار کی غربی جانب تھا اور رہا آلِ ماجشون کے گھر تو اس کے بارے میں بتایا کہ وہ جلادوں کی گلی میں تھے اور عنقریب بنو کعب کے گھروں کے ذکر میں آئے گا کہ وہ مصلّٰی کے سامنے تھے۔ واللہ اعلم۔

سباع بن عرفطہ غفاری نے مصلّٰے میں زمین کا ٹکڑا لیا ہوا تھا اور یہ وہی گھر تھا جسے دار عبد الملک بن مروان کہتے تھے اور جو مصلّٰے کے پاس تھا' اس کا اگلا حصہ حجاموں کے سامنے تھا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مصلّٰے کی شامی جانب تھا جو بازار کی طرف مغرب میں تھا کیونکہ ابن شبہ نے کہا: ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حجاموں کی جگہ پر مصلّٰی کے مقام پر ایک گھر لیا جسے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خرید کر مصلّٰے میں اضافہ کر دیا اور پھر ہشام بن عبد الملک کے بعد اپنے اس گھر میں داخل کر لیا جسے بازار میں شامل کیا اور گرا دیا۔

باقی بنو غفار اپنے محلّہ میں ٹھہرے جو جہینہ پہاڑ سے بطحان تک اور پھر دار کثیر بن صلت والے قلعے (بطحان میں) سے بنو غفار تک پھیلے تھے چنانچہ بنو غفار اپنے دارِ کثیر بن صلت والے ٹکڑے میں ٹھہرے جو جہینہ تک پھیلا تھا۔

میں کہتا ہوں: جبلِ جہینہ کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا' یا تو اس سے ان کا ارادہ وہ جگہ ہے جو سلع پہاڑ سے ملتی ہے اور مصلّٰے کے سامنے ہے' جہینہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہاں آباد تھے اور وہاں ایک ندی تھی جو بارش کے موقع پر بہتی تھی' یا پھر ان دو پہاڑوں میں سے ایک مراد لیا ہے جو مساجد فتح کے مغرب میں تھی اور رہا بطحان میں دارِ کثیر بن صلت تو انہوں نے ایک اور جگہ بات کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عدوۂ غربیہ میں وادیٔ بطحان کے کنارے پر تھا اور

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب عقبہ بن ابو معیط کو شراب کے جرم میں کوڑے لگائے تو انہوں نے حلف اُٹھایا تھا کہ جب تک ان دونوں کے درمیان وادی کا فاصلہ نہ ہوگا وہ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ چنانچہ کثیر بن صلت نے اپنے اس گھر کا تبادلہ دار ولید بن عقبہ سے کیا جو مصلاّئے عید کے قبلہ کی جانب تھا جہاں آج کل امام نمازِ عید پڑھاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

بنولیث بن بکر کے گھر

بنوابی عمرو بن نعیم بن مہان نے، بنومبشر بن غفار کی شامی و غربی جانب رہائش رکھی تھی، ان کے ساتھ بنوخفاجہ بن غفار بھی تھے اور بنولیث بن بکر، بنومبشر بن غفار کی زمین سے بنوکعب بن عمرو بن خزاعہ تک کی زمین میں ٹھہرے تھے، یہ گھر غطفانیوں کے گھروں تک پھیلے تھے۔

میں کہتا ہوں: آگے بنوکعب کے گھروں کا ذکر آ رہا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ بنولیث کے گھر بنومبشر کے خطہ کے قبلہ کی جانب تھے اور بنوکعب کے شامی جانب لہٰذا بنولیث کے گھروں کی جانب شمال مغربی بنے گی اور شاید ابن زبالہ نے دار التمارین اور راستے میں سوراخ سے قبل، مغرب کی طرف دارِ سوق کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اس سے ان کا مقصد بنولیث اور ان کے شریک کار لوگوں کا راستہ بتانا ہے۔

ابن شبہ نے بنومخزوم کے گھروں کے بارے میں کہا ہے کہ ابوشریح خزاعی (بنومخزوم کے حلیف) نے گھر بنایا جس کے مغرب میں بطحان کی طرف راستہ ہے اور شامی جانب اس گلی کی جانب راستہ ہے جسے بنولیث کی گلی کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

بنواحمر بن یعمر بن لیث اپنی مسجد سے لے کر کھجوروں والوں تک کے بازار میں ٹھہرے (سوق التمارین میں) اور اپنے محلے کی مسجد بنائی جسے مسجد بنواحمر کہتے تھے۔

بنوعمر بن معمر بن لیث، اپنی مسجد، مسجد بنوکدل سے بطحان اور غفار کے بنومبشر کے گھر تک، پھر زقاق جلا دین تک جس میں دار ماجشون تھا اور پھر دار ابوسبرہ بن خلف اور تمارین تک کے علاقے میں ٹھہرے۔

آل قسیط بن یعمر بن لیث، آل نصلہ بن عبید اللہ بن خراش کے گھروں سے بنوکعب کی شامی جانب کے درمیان سے لے کر نصر کے مدرسہ کی حد اس راستے تک کے علاقے میں ٹھہرے جو مصلّٰے کی طرف اور بطحان کی جانب جاتا تھا۔

بنورجیل بن نعیم مصلّٰے کے پہلو میں ٹھہرے، دار کثیر بن صلت کی مغربی جانب، جو مصلّٰے کے قبلہ میں دارِ آلِ قلیع تک جو بطحان کی طرف تھا۔

بنوعتوارہ بن لیث (بنوعضیدہ) دار الولید بن عقبہ یمانی کی جانب بطحان میں حرہ تک اور پھر قاسم بن غنام کی

گلی تک' دار ولید بن عقبہ سے شروع ہو کر' اس علاقہ میں آباد ہوئے۔

بنوضمرہ بن بکر کے مکانات

بنوغفار کو چھوڑ کر باقی بنوضمرہ بن بکر اپنے محلے میں ٹھہرے جسے بنوضمرہ کہتے تھے' یہ اس حصے کے مشرق میں تھا جو دارِ عبدالرحمٰن بن طلحہ بن عمر بن عبیداللہ بن معمر کے درمیان ثنیہ میں بنو دیل بن بکر کے محلے تک پھر سوقِ الغنم تک جو دار ابن ابی ذئب عامری کی طرف جا کھلتا تھا۔انہوں نے اپنے محلے میں مسجد بنائی۔

بنو الدّیل کے مکانات

بنو دیل بن بکر اپنے محلّہ میں ٹھہرے (یہ ضمرہ سے اس گھر تک کے درمیان تھا جسے دار الحرق کہتے تھے) اس حصے کی حد حضارمہ کی گلی تھی اور اس بڑے خطے کو بنوضمرہ کا نام دیتے تھے' یہ مربد (کھجوریں سکھانے کی جگہ) ابوعمار بن عبیس (بنو دیل سے تعلق) میں پہاڑی تک تھا' اسے مستندر کہتے تھے جو دار الصلت بن نوفل نوفلی تک پھیلا ہوا تھا جو جبانہ میں موجود تھا۔

میں کہتا ہوں' وہ پہاڑی جسے مستندر کہتے تھے' یہ چھوٹا سا پہاڑ تھا جو پاک صحابی کے مشہد کے مشرق میں تھا اور حاج شامی کی منزل میں تھا کیونکہ یہ تعریف اسی پر سچی آتی ہے۔واللہ اعلم۔

ابونمر بن عویف (بنو حارث بن عبد مناف بن کنانہ سے تعلق تھا) بنولیث بن بکر کے پاس ٹھہرے چنانچہ انہوں نے دار ابونمر نامی گھر بنا لیا اور یہ بنو احمر بن لیث کے خطہ میں تھا۔

افصٰی کے دونوں بیٹوں کے گھر

افصٰی کے دونوں بیٹوں اسلم اور مالک کے گھر' افصٰی بن حارثہ بن عمرو بن عامر کے دونوں بیٹے اسلم اور مالک دو جگہوں پر ٹھہرے چنانچہ مالک بن افصٰی اور اسلم کے بیٹے امیہ وسہم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غلام ابن حبین کی گلی والے شامی خطے کے درمیان ٹھہرے' اس یقصان کے کونے پر جو بازار میں تھا اور جہینہ کے خطے تک کے علاقے میں ٹھہرے جو عثعث پہاڑی کی شامی جانب تھا۔

میں کہتا ہوں' گزشتہ دار السوق کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ابن حبین کی گلی سوقِ مدینہ کے مغرب میں تھی اور عنقریب عثعث پہاڑی کے تعارف میں آ رہا ہے کہ یہ ایک پہاڑ کی طرف منسوب تھی جسے سلیع کہتے تھے' اس پر اسلم بن افصٰی کے گھر موجود تھے لہٰذا یہ وہی ثنیہ (پہاڑی) ہے جو چھوٹے سے اس پہاڑ پر ہے جس پر آج کل امیر مدینہ کا قلعہ موجود ہے اور اسلم کے گھروں سے مراد انہی لوگوں کا گھر ہے۔واللہ اعلم۔

سب بنو اسلم (یعنی آلِ برید بن خصیب اور آلِ سفیان) حضارمہ کی گلی سے لے کر قتبلہ کی گلی تک کے حصے میں ٹھہرے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ خطہ بازارِ مدینہ کے آخر میں شمال مشرقی جانب تھا۔ آج کل حضارمہ کی گلی کی طرف ایک باغ ہے جو حضرمیہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے اور مدینہ کی حفاظتی دیوار کے شمال میں تھا اور قبلہ کی گلی کے رُخ پر تھا۔

ھذیل بن مدرکہ' اشجع کی ندی اور یحییٰ بن عبداللہ بن ابی مریم کے گھروں کے کونے کے درمیان ٹھہرے تھے اور یہ خطہ دارِ عرام بن مزیلہ بن اسد بن عبد العزّٰی تک جاتا تھا اور یہ پہاڑی کے یمانی کنارے پر تھے یہاں یہ لوگ اور اسلم سب اکٹھے ہو جاتے تھے۔

مزینہ اور ان میں ٹھہرے لوگ

مزینہ اور ان لوگوں کا ٹھکانہ جو قیس میں سے عیلان بن مضر وہاں موجود تھے (بنو ھدیہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو وہاں تھے مگر ان میں سے بنو عامر بن نور بن لاطم بن عثمان ہمراہ نہ تھے اور عثمان خود' انہیں مزینہ کہتے تھے' یہ ان کی ماں تھی) یہ لوگ قروی مطل کے گھر کے درمیان بطحان غربی میں تھے' یہ اس ابن ھبار اسوی کے مشرقی گھر کے کنارے پر تھے جو بنو سمعان نے لے لیا تھا جو بنو زریق کے خطے سے دار الطائی کے حلقے میں تھے جو بطحان مشرقی کا ایک پہلو تھا۔

ان کے ساتھ اس محلّہ میں بنو شیطان بن یربوع (بنو نصر بن معاویہ بن بکر بن ھوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس میں سے تھے) اور بنو سلیم بن منصور اور عدوان بن عمرو بن قیس آباد تھے اور اس مزینہ کے مشرقی حصے میں سلیم بن منصور کے لوگ دارِ خلدہ بن مخلا زرقی تک پھر دارِ اُم عمرو بنت عثمان بن عفان کے قریب نفیس بن محمد (بنو المعلی کا غلام' یہ انصار میں سے بنو زریق سے تعلق رکھتے تھے) کے گھروں تک آباد تھے' یہاں تم بنو بازن بن عدی بن نجار سے مل سکو گے تو یہ سب لوگ مزینہ کے ہمراہ تھے اور ان میں بعض' دوسروں میں شامل تھے' یہ سب اس لئے اکٹھے رہتے تھے کہ جنگل میں ان کے گھر اکٹھے تھے۔

میں کہتا ہوں' اس سے پتہ چلا کہ مزینہ اور ان کے ہمراہیوں کے گھر آج کل مصلائے عید کی غربی جانب بطحان کی مشرقی اونچی جگہ پر تھے اور ان گھروں کی قبلہ کی جانب تھے جو مصلّٰی میں تھے پھر بنو زریق کے قبلہ کی جانب بنو مازن بن نجار تک تھے۔

بنو سلیم میں سے بنو ذکوان' یہودیوں میں سے اہلِ راتج کے ہمراہ تھے اور یہ دارِ قدامہ کے درمیان سے جبانہ میں دارِ حسن بن زید تک تھے۔

میں کہتا ہوں کہ بنو جمح کے گھروں کے بارے میں ابن شبہ کے قول سے یہی دارِ قدامہ مراد ہے' انہوں نے لکھا:

''قدامہ بن مظعون نے وہ گھر بنایا جس میں ذبح خانہ تھا جو بنو ضمرہ کی گلی کے اگلے حصہ پر تھا اور جب تم بنو ضمرہ کی طرف جا رہے ہو تو تمہاری داہنی جانب' دارِ آل ابی ذئب کے پیچھے تھا۔ واللہ اعلم۔

بنو اوس بن عثمان بن مزینہ سورین کی طرف آ ٹھہرے تھے یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اُمِ کلثوم کے گھر کے درمیان جہاں سورین سے حمارین تک کا کنارہ تھا' اور اس گلی میں تھے جس میں آلِ عثمان کے غلام

یوسف کے بیٹوں کا محل تھا' یہ گلی سبزی فروش تک جاتی تھی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ سب امور بقیع کے قریب میں واقع تھے۔

بنو عامر بن ثور بن ثعلبہ بن حذیہ بن لاطم' اُم کلاب کے گھر کے نزدیک ٹھہرے' یہ گھر بنو زریق کے خطے میں تھا جو مصلّٰی کے سامنے کھلتا تھا' مدرا قیس طبیب کے گھر کی طرف اور دارِ عمر و بن عبد الرحمٰن بن عوف اور دارِ عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام بن عاص مخزومی کے سامنے تھا۔

میں کہتا ہوں مدرا قیس طبیب کے گھر کا ذکر بنو محارب بن فہر کے گھروں میں موجود ہے چنانچہ ابن شبہ کہتے ہیں معمر بن عبد اللہ بن عامر نے بنو زریق میں گھر بنایا' یہ دارِ مدرا قیس طبیب اور اُم حسان کے اس گھر کے درمیان میں تھا جو عمر بن عبد العزیز عمری نے لے لئے تھے' یہ مکان گذشتہ بتائے گئے ان گھروں کے قبلہ میں تھا جو بلاط کے قبلہ کی جانب دا ہنی طرف اور اس کی ساتھ والی جگہ میں بنا تھا اور شاید اُم حسان کا یہ گھر ہی آج کل دارِ حسان کے نام سے مشہور ہے' یہ ان گھروں کے قبلہ میں تھا جو بلاط کے ساتھ تھے۔ واللہ اعلم۔

جہینہ و بلی کے گھر

جہینہ بن زید بن سود بن حارث بن قضاعہ و بلی بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ' اسلم کے خطہ کے درمیان ٹھہرے جو اسلم اور جہینہ کے درمیان تھا اور اس دارِ حرام بن عثمان سلمی انصاری کے گھر تک جاتا تھا جو بنو سلمہ میں اس پہاڑ تک وسیع تھا جسے جبل جہینہ کہتے تھے اور یہ اس عثعث پہاڑی کی دائیں طرف تھا جس پر دارِ ابن ابی حکیم طبیب تھا۔

میں کہتا ہوں کہ دارِ حرام بن عثمان کا بنو سلمہ میں ذکر اس بات کی راہ پیدا کرتا ہے کہ جبلِ جہینہ سے مراد ان دو پہاڑوں میں سے ایک تھا جو فتح نامی مسجدوں کے مغرب میں تھے اور وہاں بنو سلمہ میں سے بنو حرام کے گھر تھے اور پہلے عثعث پہاڑی کا ذکر ہو چکا ہے اور یہ اس پہاڑی کی طرف منسوب ہے جس پر یہ آج کل امیرِ مدینہ کا قلعہ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

قیس بن عیلان کے گھر

اشجع بن ریث بن غطفان بن سعد بن قیس اس گھاٹی میں اترے جسے شعب اشجع کہا جاتا تھا اور یہ اشجع کی ندی سے ثنیہ الوداع کو جاتی ہوئی شعبِ سلع کے درمیان پہنچتی تھی۔ حضور ﷺ ان کی طرف کھجوروں بھرے اونٹ لے کر تشریف لے گئے جو ان میں تقسیم فرما دیئے۔ اشجع قبیلہ نے بھی اپنے محلے میں مسجد بنائی ہوئی تھی۔

میں کہتا ہوں' ابن شبہ نے جو کچھ لکھا ہے' یا تو وہ سلع پہاڑ کی اس گھاٹی پر صادق آتا ہے جو اس کے مشرق میں ہے' اس لحاظ سے اشجع کے گھر اسلم کے اس خطے کے درمیان آتے ہیں جو عثعث پہاڑی کی شامی جانب اور سلع پہاڑ کے درمیان تھا اور یونہی ثنیۃ الوداع تک جاتا تھا' یا پھر سلع کی اس گھاٹی پر صادق آتا ہے جو اس کی شامی جانب تھا۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: اشجع والے سات سو لوگ مسعود بن رخیلہ کی سر براہی میں آئے اور اپنی گھاٹی میں جا ٹھہرے، حضور ﷺ کھجوروں سے لدے اونٹ لے کر ان کی طرف نکلے اور جا کر فرمایا: اے اشجع کے گروہ! کیونکر یہاں آئے ہو؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! اس لئے حاضر ہو گئے ہیں کہ ہمارے شہر آپ کے قریب ہیں اور ہم آپ سے جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتے' نہ ہی آپس میں لڑنا پسند کرتے ہیں کہ پہلے ہی بہت سے قتل ہو چکے ہیں۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری:

اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ تا سَبِيْلًا۝

"یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں سکت نہ رہی کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو وہ ضرور تم سے لڑتے' پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیام ڈالیں تو اللہ نے تمہیں ان پر کوئی راہ نہ رکھی۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دینی کاموں میں اپنی رعیت کو جو ادب سکھاتے تھے' اس سلسلے میں ابن شبہ نے ایک واقعہ لکھا کہ "اشجع میں سے ایک شخص بقیلہ نامی غازی تھا (جنگجو) اس تک یہ بات پہنچی کہ جعدہ بن عبد اللہ اسلمی عورتوں سے باتیں کرتا ہے اور کچھ لڑکیاں سلع کی طرف نکل جاتی ہیں تو ان سے بھی باتیں کرتا ہے پھر کسی لڑکی کو باندھ کر اسے کہتا کہ اسی حالت میں کھڑی ہو جاؤ' وہ اسی وقت اُٹھتی اور گر جاتی اور بسا اوقات بے پردہ ہو جاتی چنانچہ اشجعی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ ہماری لڑکیاں سلع پہاڑ کی پچھلی طرف جاتی ہیں' ان میں سے کچھ بنو سعد بن بکر یا اسلم یا جہینہ یا غفار کی ہوتی ہیں جنہیں جعدہ نامی شخص باندھ دیتا ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ گر جائیں۔اس کا تعلق بنو سلیم سے ہے' انہیں ایک سفید اور لمبے قد والا آدمی باندھتا ہے' یہ کوئی اچھا کام نہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جعدہ کو بلایا اور فرمایا: جیسے بتایا گیا ہے' وہ سفید اور لمبے قد کے تھے ہی' پھر اس سے پوچھا تو اس نے اقرار کر لیا چنانچہ آپ نے اسے باندھ کر سو کوڑے لگائے اور شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔آپ سے اس سلسلے میں درخواست کی گئی تو آپ نے اس شرط پر آنے کی اجازت دی کہ مدینہ میں داخل نہ ہوا کرے' پھر جمعہ پڑھنے کی اجازت دی اور آخر کار ایک جمعہ میں دو بار آنے کی اجازت دیدی۔

ابن اسحاق کے مطابق یہ شاعر ھوازن سے تعلق رکھتا تھا اور نام خیثمہ تھا۔

بنو جشم کے مکان

بنو جشم بن معاویہ بن بکر بن ھوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس اپنے اس محلے میں ٹھہرے جسے بنو جشم کا محلہ کہتے تھے۔یہ محلہ اس گلی میں تھا جسے زقاق سفیان کہتے تھے' یہ اس بنیاد تک جاتا تھا جسے اساسِ اسماعیل بن الولید کہتے تھے' یہ خوخۃ الاعراب تک جاتا تھا اور وہ ذکوان کے گھروں تک پھیلا تھا جو مروان بن حکم کا غلام تھا۔

میں کہتا ہوں' جو کچھ انہوں نے لکھا ہے' میں اس میں سے کسی چیز کو نہیں جانتا البتہ بنو جمح کے گھروں کے

بیان میں انہوں نے لکھا ہے کہ محمد بن حاطب نے وہ گھر بنایا جسے دارِ قدامہ کہتے تھے' یہ بنو زریق میں تھا' اس کے مشرق میں وہ گھر تھا جسے دار الاعراب کہتے تھے تو شاید خوخۃ الاعراب اور جو کچھ اس کے بارے میں لکھا گیا ہے' اسی طرف تھا۔ واللہ اعلم۔

پھر بنو مالک بن حماذ بنو زنیم اور بنو سکین (جن کا تعلق خزارہ بن ظبیان بن بغیض بن ذبب ابن غطفان سے تھا) اس محلّہ میں آباد ہوئے جسے بنو خزارہ کا محلّہ کہتے تھے' یہ حمامِ صعبہ سے جبانہ میں لکڑہاروں کے بازار سوق الحطابین تک پھیلا ہوا تھا اور بنو عدی بن خزارہ کا کوئی فرد اس میں نہیں آیا تھا۔

میں کہتا ہوں' ہمیں اس کی جس جانب کا علم ہوا ہے وہ جبانہ میں سوق الحطابین تھا جو مسجد الرایہ اور ثنیۃ الوداع کے قریب تھا جیسے جبانہ کی وضاحت میں آ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

بنو کعب بن عمرو اور ان کے برادران بنو المصطلق

بنو کعب بن عمرو بن عدی بن عامر' بنو لیث بن بکر کے یمانی جانب دارِ شریح عدوی تک پھر بازار میں کھجوریں بیچنے والوں کی جگہ تک پھر جلادوں کی گلی تک جو دائیں بائیں جانب مصلّٰے کے پاس نکلتی ہے' پھر بطحان تک اور پھر کدام کی گلی تک کے علاقے میں آ ٹھہرے (کدام' جہاں زائد چیزیں پھینکی جائیں) پھر یہ گلی دارِ ابن ابی سلیم تک جاتی تھی جو مصلّٰی کی شامی جانب تک چلی جاتی تھی۔

بنو المصطلق بن سعد بن عمرو اور اس کا بھائی کعب بن عمرو (جو سیدہ جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قبیلہ تھا' یہ حضور علیہ السلام کی زوجہ تھیں) بنو عضدہ کی پتھریلی زمین میں ٹھہرے' یہ دارِ عمر بن عبد العزیز کی طرف تھا اور وہ اس دار کی طرف تھا جسے دار الخرازین کہتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ وہ غربی پتھریلی جگہ میں تھا۔

نبی کریم ﷺ کے دور میں مدینہ منورہ کا پھیلاؤ

مہاجرین کے گھروں اور ان کے قبیلوں کے ٹھکانوں کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا' جو شخص اس میں غور کرے گا وہ مدینہ کی عمارتوں اور اس کی فراخی کو دیکھے گا اور یہ دیکھے گا کہ وہ گھر ایک دوسرے سے کس طرح ملے ہوئے تھے تو حیران رہ جائے گا' اب بھی ان عمارتوں کے نشانات باقی ہیں جو شہر کی عظمت بتا رہے ہیں اور مدینہ کا لفظ ان میں سے ہر شے پر بولا جاتا تھا پھر قباء کے تعارف میں آگے آ رہا ہے کہ وہ ایک عظیم شہر تھا جو مدینہ کے ساتھ متصل تھا' درمیان میں صرف کھجور کے درخت تھے لہٰذا مسجد نبوی کے علاوہ جمعہ کسی اور جگہ قائم نہیں کیا جا سکتا تھا اور اگر قباء وغیرہ شہر جو آج الگ تھلگ ہیں' حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی الگ ہوتے اور لوگوں کے قبیلے وہاں آباد ہوتے تو وہاں جمعہ قائم کرنا لازم ہو جاتا جہاں چالیس ہوتے کیونکہ یہ سب ایک شہر کے حکم میں شمار ہوتے۔

مدینہ منورہ کی شہر پناہ یعنی اس کے گرد حفاظتی دیوار

جب راتوں کو مدینہ شریف کے اردگرد خرابی ہونے لگی تو لوگوں نے اس کے گرد حفاظتی دیوار بنا دی۔علامہ مجد فیروز آبادی کہتے ہیں کہ مدینہ شریف کے گرد حفاظتی دیوار سب سے پہلے عضد الدولہ بن بویہ نے ۳۶۰ھ کے بعد بنائی' یا دور طائع للہ بن مطیع للہ کا تھا پھر عرصہ کے بعد وہ گرگئی اور مدینہ میں خرابی کی وجہ سے اس میں خرابی پیدا ہوگئی تو اس کا نام ونشان نہ رہا۔

علامہ مطری نے مسجد جہینہ پر بات کرتے ہوئے کہا: جہینہ کی جانب مشہور تھی اور صاحب مدینہ وحفاظتی دیوار کی غربی جانب واقع تھی' یہ دیوار مدینہ اور جبل سلع کے درمیان تھی' اس کے پاس مدینہ کے دروازہ کے آثار ہیں جو جہینہ کی گلی میں دکھائی دیتے ہیں' یہ ۷۶۶ھ کی بات ہے۔

میں کہتا ہوں' ہم نے جہینہ والی جانب کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اگرچہ ہم نے وہ دروازہ نہیں دیکھا جس کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے لیکن ہم نے اس قدیم دیوار کے آثار سلع پہاڑ کی طرف دیکھے ہیں اور اسی قلعہ کے قریب دکھائی دیتے ہیں جن کا حال دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ جہینہ وغیرہ کے اکثر گھر جو قدیم ہیں' اسی کے اندر موجود تھے اور یہ مغرب کی طرف تھے اور مشرقی جانب بطحان کے کونے پر تھے کیونکہ علامہ اقشہری نے اپنے روضہ میں لکھا تھا کہ مدینہ' مکہ کے نصف سے کم تھا' یہ سخت اور کنکروں والی زمین پر تھا' یہاں کھجور کے بہت سے درخت تھے اور پانی بھی بہت تھا' اس کی کھیتیوں کو غلام پانی دیتے تھے' اس کے گرد حفاظتی دیوار تھی اور مسجد تقریباً درمیان میں تھی اور پھر مسجد کے علاوہ قبر انور کی پہچان کرائی پھر کہا: حضور علیہ السلام کا وہ مصلّٰی جس میں آپ عید پڑھتے تھے مدینہ کے مغرب میں دروازے کے اندر داخل تھا۔انتہٰی تو مصلّٰے کا دروازے کے اندر ہونا ہماری بات کی شہادت دیتا ہے پھر ایسی ہی وضاحت امام ابوعبداللہ اسدی نے کی ہے کیونکہ انہوں نے ان مسجدوں کا ذکر کیا ہے جو مدینہ کے باہر تھیں اور پھر ان مسجدوں کا ذکر کیا ہے جو مدینہ میں تھیں چنانچہ لکھا: مصلّٰی رسول اللہ علیہ السلام مدینہ میں داخل تھا۔

آل زنگی کی طرف سے حفاظتی دیوار

علامہ مطری نے اس قدیم دیوار کے دروازے کا بیان کر کے لکھا ہے: ابن خلکان نے نقل کیا کہ یہ قدیم دیوار عضد الدولہ بن بویہ نے ۳۶۰ھ کے بعد طائع للہ ابن مطیع للہ کے دور میں بنائی تھی پھر عرصہ گذر جانے کی وجہ سے گرگئی اور مدینہ کے حالات کی خرابی کی وجہ سے خراب ہوگئی' صرف کچھ آثار باقی بچے تھے پھر جمال الدین محمد بن منصور (یعنی جواد اصفہانی نے جو بنو زنگی کے وزیر تھے) نے مسجد کے گرد ۵۴۰ھ کے آخر میں مضبوط دیوار بنوائی' پھر دیوار کے باہر لوگوں کی بھیڑ ہونے لگی' چنانچہ ایک خواب دیکھنے کی وجہ سے سلطان نور الدین محمود زنگی یہاں پہنچے۔پھر مطری نے وہ واقعہ بیان کیا جسے ہم فصل نمبر ۲۹ کے آخر میں بتا چکے ہیں۔

پھر مطری نے کہا: جب وہ شام کی طرف روانہ ہوئے تو دیوار کے پیچھے سے کوئی چلایا جس کی بناء پر لوگوں نے

ان سے درخواست کی کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے لئے دیوار بنا دیں چنانچہ انہوں نے آج دکھائی دینے والی دیوار بنانے کا حکم دیا چنانچہ ۵۵۸ھ میں دیوار بنا دی گئی اور انہوں نے اپنا نام باب بقیع پر لکھوا دیا جو اس کتاب کی تحریر کے وقت تک موجود ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جب ہم یہ کتاب لکھ رہے تھے تو یہ باب بقیع پر موجود ہے' دروازے پر لوہے کی چادر کے اوپر یوں لکھا ہے:

"هذا ما امر بعمله العبد الفقير الى الله تعالىٰ محمود زنكى بن اقسنقر غفر الله له سنة ثمان و خمس و خمس مائة."

"یہ وہ دیوار ہے جسے بنانے کا حکم بارگاہِ الٰہی کے محتاج بندے محمود زنگی بن اقسنقر نے دیا' اللہ اس کی بخشش فرمائے' سال ۵۵۸ھ ہے۔"

علامہ بدر بن فرحون نے نور الدین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"انہوں نے بعلبک کے گرد حفاظتی دیوار بنائی اور مدینہ کے گرد مکمل حفاظتی دیوار بنا دی اور وہ وہی ہے جو آج کل موجود ہے' ان کا نام بقیع کے دروازے پر لکھا ہوا ہے' رہی وہ دیوار جو مدینہ کے اندر ہے تو اسے وزیر جمال الدین محمد بن ابو منصورہ نے بنوایا تھا' یہ انصاف پسند بادشاہ کے والد زنگی کا وزیر تھا پھر اس کی وفات کے بعد اس کے لڑکے غازی بن زنگی نے اسے مضبوط کیا یعنی موجود ملک عادل کے بھائی نے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انصاف پسند موجود بادشاہ نے موجود دیوار کو صرف مکمل کیا تھا اور یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ جواد نے بنائی تھی' بعید از قیاس ہے کیونکہ اگر یہ دیوار موجود ہوتی تو تب ہی اسے وہ مضبوط کرتا اور اس کے علاوہ کوئی اور دیوار نہ بنائی ہوتی اور ان دونوں دیواروں کی تعمیر کی مدت قریب قریب ہی تھی۔

جواد اصفہانی کے کارنامے

علامہ مجد کہتے ہیں: شیخ شہاب الدین عبد الرحمٰن بن ابو شامہ نے اپنی کتاب میں یوں لکھا: "جواد نے سب سے فائدہ مند کام یہ کیا کہ مدینۃ النبی ﷺ کے گرد حفاظتی دیوار بنائی کیونکہ اس سے قبل اس کے گرد دیوار نہ تھی' چور لوٹ لیا کرتے تھے جس کی وجہ سے اہل مدینہ تنگدل ہو چکے تھے اور کئی نقصان کرا چکے تھے۔"

ابن الاثیر کہتے ہیں: میں نے مدینہ میں ایک جمعہ پڑھتا انسان دیکھا' فارغ ہوا تو جمال الدین پر رحم کھا کر اسے دُعا دی۔ ہم نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا' ہر اہلِ مدینہ پر لازم ہے کہ اس کے لئے دعا کرے کیونکہ ہم بہت نقصان اُٹھا چکے تھے اور تنگدل تھے' غربی لوگوں نے ہمارا جینا دوبھر کر رکھا تھا' نہ یہ تن کے کپڑے رہنے دیتے تھے اور نہ ہی کچھ کھانے کو' اس نے ہمارے گرد حفاظتی دیوار بنا دی اور ہمیں ارادۂ بد رکھنے والوں سے بچا لیا چنانچہ ہم بیفکر ہو گئے تو

اس کے لئے کیوں دعا نہ کریں؟

عقبہ کہتے ہیں : میں کہتا ہوں کہ یہ دیوارِ جسے جمال الدین نے بنایا' یہ دوسری دیوار تھی اور وہ دیوار جسے ملک عادل نور الدین نے بنایا' تیسری تھی یعنی وقت کے لحاظ سے' بہرصورت بنانے والے کا نام دروازوں پر لکھا ہوا ہے' رہی پہلی دیوار جسے عضد الدولہ نے بنوایا تھا تو اس کا کوئی ایسا نشانی باقی نہ رہا جس سے کسی جگہ کا پتہ چل سکے۔ انتہٰی۔

علامہ مجد نے اس کے بعد کہا: کہتے ہیں کہ مدینہ کے خطیب نے اپنے خطبہ میں کہا: "اے اللہ! جس شخص نے تیرے نبی ﷺ کے حرم کی حفاظتی دیوار بنا کر حفاظت کی یعنی محمد بن علی بن ابو منصور' تو اس کی عزت کی حفاظت فرما: اور اگر اسے کوئی اور فضیلت حاصل نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کافی تھی چہ جائیکہ اس کی عطائیں تو شرق و غرب اور خشکی و تری تک پہنچنے والی ہیں۔"

بالخصوص اہلِ مدینہ پر اس کی عنایت و مہربانی نہایت وسیع تھی چنانچہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

موصل کے شیخ الشیوخ شیخ عمر تشائی کے ایک صوفی مرید نے مجھے بتایا کہ اس شیخ نے مجھے اپنے پاس بلا کر کہا: موصل میں وزیر کی بنائی مسجد کی طرف جاؤ اور وہاں بیٹھ جاؤ' کوئی شے تمہیں مل جائے تو میرے آنے تک اسے حفاظت سے رکھنا۔ میں نے یونہی کیا' دیکھا تو بہت سارے اونٹ سوار کپڑے وغیرہ لادے آ رہے تھے' دیکھا تو جمال الدین شیخ ان کے ساتھ آ گئے' بہت سا ساز و سامان ساتھ تھا۔ اٹھارہ ہزار دینار اور بہت سے اونٹ ہمراہ تھے اور مجھ سے کہا: یہ لو اور کھلے میدان کو چلے جاؤ اور یہ گٹھڑی اور یہ کتاب فلاں متولی کو دیدینا اور جب تمہارے پاس فلاں عربی آئے تو اسے یہ دوسری گٹھڑی دیکر یہ کتاب بھی دیدینا اور اس کے ساتھ چلے جانا اور جب وہ تمہیں فلاں عربی کے پاس پہنچا دیں تو اسے گٹھڑی اور کتاب دیدینا اور یونہی مدینہ طیبہ چلے جانا اور میرے فلاں وکیل کو یہ سامان دیدینا' پوشاکیں اور مال دینا جس پر مدینہ لکھا ہوا ہے' وہ اسے میری اس تحریر کے مطابق خرچ کر لیں گے پھر باقی مال لے لینا' جس پر مکہ لکھا ہوا ہے اسے مکہ لے جانا اور میرے وکیل کو دے دینا' وہ اسے میری دوسری تحریر کے مطابق صدقہ کر دے گا۔

ہم اسے لے کر وادی القریٰ کی طرف گئے تو دیکھا کہ بہت سے اونٹ کھانے پینے کا سامان لادے مدینہ کی طرف جا رہے تھے لیکن راستے کا خوف طاری تھا۔ جب ہمیں دیکھا تو ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے چنانچہ ہم مکہ پہنچ گئے' وہاں گندم ایک دینار کی دو صاع مل رہی تھی اور صاع ان دنوں بغدادی پندرہ رطل کے برابر تھا۔ جب ان لوگوں نے مال اور کھانے کی جنس دیکھی تو ایک دینار کی سات صاع خریدی چنانچہ اہلِ مدینہ نے ان کے لئے دعائیں کرنا شروع کر دیں۔

میں کہتا ہوں' پہلے ہم بیان کر آئے ہیں کہ انہیں موت کے بعد مدینہ شریف کیسے لے جایا گیا اور کیسے وہاں انہیں اس تربت میں دفن کیا گیا جو مسجد کے قریب تھی۔

ان کے کارناموں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انہوں نے مسجد خیف نئے سرے سے بنائی' عرفات کا چشمہ جاری کر دیا' حجرہ مقدسہ کی دیوار بنائی اور مرمر لگایا' کعبہ کا دروازہ نیا بنایا اور جس تابوت میں انہیں اٹھایا گیا' وہ کعبہ کا پرانا دروازہ تھا۔

حفاظتی دیوار کے دروازے

آج کل مدینہ پاک کی حفاظتی دیوار کے چار دروازے ہیں' ان میں وہ دروازہ شامل نہیں جو امیر مدینہ کے قلعے کا ہے' جسے باب السر کہتے ہیں' یہ ایک عظیم دروازہ ہے جو لوہے سے بنا ہے۔ وہ چار دروازے یہ ہیں:

۱۔ ایک دروازہ وہ ہے جو مدینہ کے مغرب میں' مصلّٰی کی جانب الحاج المصری کے گھر کے قریب ہے' اسے ''درب المصلّٰی'' کہتے ہیں اور اسی کا نام ''درب سویقہ'' ہے' اس کا اور باب السلام کی چوکھٹ کا درمیانی فاصلہ چھ سو پینتالیس ہاتھ ہے' اس پر مضبوط دروازہ تھا جسے ان کی معزولی کے سال امیر کے ایک بیٹے ضغیم نے جلا دیا تھا چنانچہ امیر مدینہ نے اس باڑے کے دروازے کو لے لیا جسے امیر ضغیم نے بنایا تھا اور اس پر لگا دیا اور پھر پہلے کی طرح' دوسری آتشزدگی کے بعد' اسے نیا مضبوط دروازہ لگوا دیا۔

۲۔ دوسرا دروازہ بھی مغرب ہی کی طرف ہے جو امیر مدینہ کے قلعہ کے صحن میں ہے' اسے ''درب صغیر'' کہتے ہیں۔

۳۔ تیسرے دروازے کو درب کبیر کہتے ہیں اور درب شامی بھی کہا جاتا ہے۔

۴۔ چوتھے دروازے کو درب بقیع کہتے ہیں جو مدینہ کی مشرقی جانب ہے' اس کا نام درب جمعہ ہے' اس پر بھی مضبوط دروازہ لگایا گیا ہے جو لوہے سے بنا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ نور الدین شہید کے دور سے چلا آ رہا ہے اس کے اور مشہور دروازے باب جبریل کی چوکھٹ کے درمیان چار سو تینتیس ہاتھ کا فاصلہ ہے۔

اس حفاظتی دیوار کے قبلہ میں ایک دروازے کی جگہ ہے جو آج کل بند ہے' اسے درب السوار قبہ کہا جاتا تھا۔ بادشاہ اس حفاظتی دیوار کی تعمیر کا خیال کرتے چلے آئے ہیں اور جو حصہ کمزور ہو جاتا' اسے درست کرتے چلے آئے ہیں۔ علامہ زین مراغی کہتے ہیں کہ اسے ۷۵۵ھ میں نئے سرے سے بنایا گیا' یہ دور سلطان الناصر محمد بن قلاوون کی اولاد میں سے ایک شخص صالح کا تھا۔

علامہ بدر بن فرحون کہتے ہیں کہ امیر سعد بن ثابت بن حماد نے ۷۵۱ھ میں اس حفاظتی دیوار کے گرد خندق بنوانا شروع کی لیکن وہ مکمل نہ کرا سکے اور فوت ہو گئے' اسے ان کے بعد امیر فضل بن قاسم بن حماد نے اپنے دورِ خلافت میں مکمل کرایا۔ واللہ اعلم۔

بحمدہٖ تعالیٰ ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰے ﷺ'' کی دوسری جلد مکمل ہوئی اور انشاء اللہ اس کی تیسری جلد شروع ہو رہی ہے۔ اس کی ابتداء میں پانچواں باب ہے جو نبی کریم ﷺ کے مصلّائے عید کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے مکمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

اللہ کے فضل و کرم سے دوسری جلد کا ترجمہ ۲۶ جولائی ۲۰۰۷ھ بروز جمعرات بوقت دس بج کر چالیس منٹ پر دن کو مکمل ہوا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناقص کوشش کو قبول فرمائے۔ آمین۔